فرحت اشتیاق

متاعِ جاں ہے تو

"فاروق ایسوسی ایٹس بلڈرز اینڈ کنسلٹنگ انجینئرز۔"
اس نے نظریں اٹھا کر ان حروف کو پڑھا۔ شاہراہِ فیصل سے نزدیک پی ای سی ایچ ایس بلاک 6 میں دو ہزار گز کے اس ڈبل اسٹوری بنگلہ میں فاروق ایسوسی ایٹس کا شاندار آفس تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو فرم کا جیسا تصور اس کے ذہن میں تھا' اسے سب کچھ ویسا ہی دیکھنے کو ملا۔ گیٹ پر باوردی مسلح سیکورٹی گارڈ کے سامنے سے گزرتی وہ اندر داخل ہوئی تو بائیں جانب گیٹ سے لے کر بنگلے کے مرکزی حصے تک ہر طرف سرسبز و شاداب درخت اور خوشنما پھول پودے اپنی بہار دکھلاتے نظر آئے۔ اور دائیں جانب پارکنگ ایریا جہاں فرم کے ملازمین کی گاڑیاں پارک ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ پھولوں اور پودوں کی تراش خراش اور قطع برید کے انداز میں جاپانی رنگ جھلک رہا تھا۔ وہ اسے سراہتی مرکزی دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ ریسپشن پر دو خوش پوش لڑکیاں ٹیلی فون اور کمپیوٹر کے ساتھ مصروف نظر آ رہی تھیں۔
"السلام علیکم۔ یس میم!" وہ ان میں سے جس کے

مکمل ناول

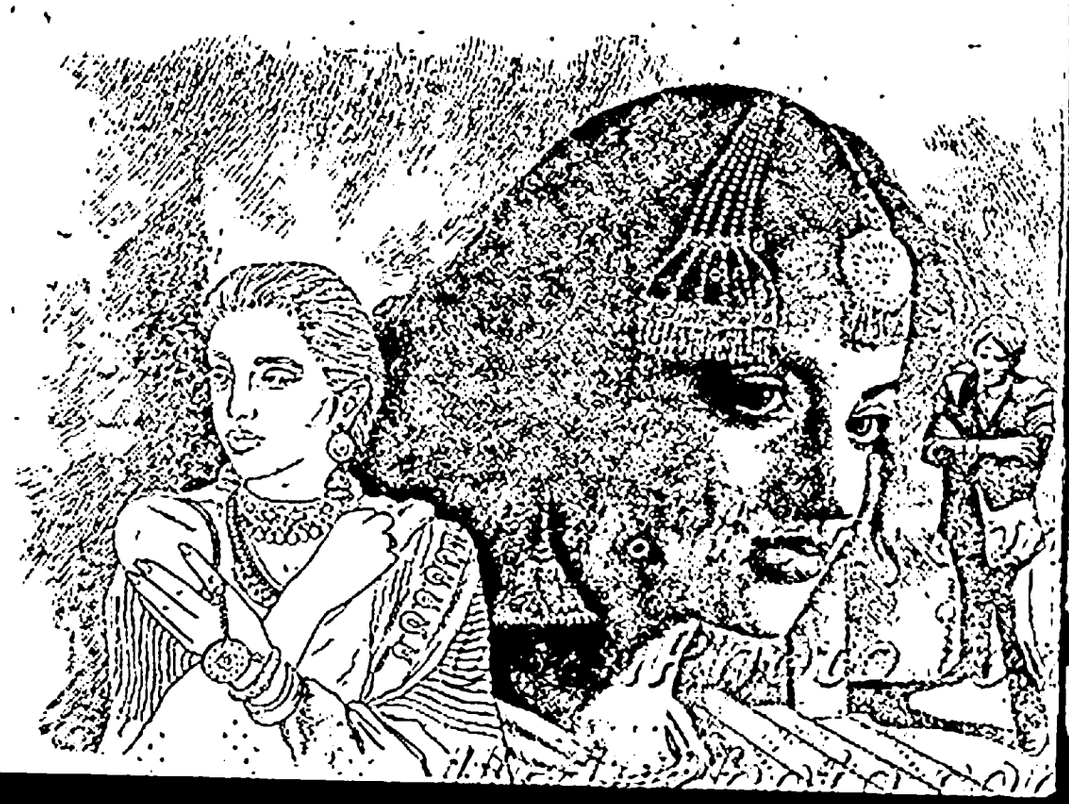

سامنے جاکر رکی تھی اس نے خوش اخلاقی سے اس کا استقبال کیا۔
"میں ہنیا سجاد ہوں۔ میں نے سول انجینئرنگ میں گریجویشن کی ہے۔ میں آپ کے ہاں اپنی CV دینے آئی ہوں۔" اس نے سفید لفافے میں بند اپنی CV اس کے سامنے رکھی۔
اس فرم نے جاب کے لیے اخبار میں کوئی ایڈ نہیں دیا تھا، مگر اچھے اداروں میں تو لوگ بغیر اشتہار کے بھی اپنی CVs دینے آیا ہی کرتے ہیں اور وہ یقیناً" اس طرح کی CVs بکثرت وصول کرتے رہنے کی عادی تھی سو اسی مسکراہٹ کے ساتھ پروفیشنل انداز میں بولی۔
"آپ کی CV ہم اپنے پاس ریکارڈ میں رکھ لیتے ہیں۔ جب ہمارے پاس کوئی ویکنسی نکلی ہم یقیناً" آپ کو کال کریں گے۔"
"کیا میری عزیر فاروق صاحب سے ملاقات ہو سکتی ہے؟ میں جانتی ہوں وہ یقیناً" بہت مصروف ہوں گے اور بغیر اپائنٹمنٹ کے ان کا مجھ سے ملنا مشکل ہوگا۔ لیکن اگر وہ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکیں؟"
وہ پُراعتماد تو ہمیشہ سے تھی اور اس کا پُراعتماد انداز اس وقت بھی بے حد نمایاں تھا۔ اس کے کھڑے ہونے کے انداز سے لے کر اس کے گفتگو تک کے انداز میں کہیں وہ مخصوص گھبراہٹ جو ملازمت کے حصول کے لیے آئے افراد میں اکثر پائی جاتی ہے نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے گھٹنوں سے کچھ اونچی سبز رنگ کی قمیص، دوپٹہ اور ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ قمیص اور دوپٹہ ہلکے سبز رنگ کا تھا اور ان پر ہلکی ہلکی سی ہم رنگ دھاگے سے کڑھائی کی ہوئی تھی جبکہ ٹراؤزر گہرے سبز رنگ کا تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کی بہت چھوٹی سی ہیل کی سینڈل پہن رکھی تھی مگر بغیر اونچی ایڑی کی سینڈل کے بھی وہ سرو قامت تھی۔ اس کے بال شانوں سے کچھ نیچے آتے تھے، اوپر سے بالکل سیدھے اور نیچے اگر قدرتی طور پر کرلی نہ ہوتے بال، ایسے جیسے اس نے رولر سیٹنگ کر رکھی ہے۔ وہ نظر انداز کرنے والی شخصیت کی مالک نہیں تھی۔ ریسپشنسٹ جو اس سے معذرت کرنے والی تھی۔
اچانک ہی اس کی اچٹتی سی نگاہ اس کی CV میں اس کی اکیڈمک کوالی فیکیشن پر پڑی تھی۔ اور کولمبیا یونیورسٹی کے الفاظ پڑھتے ہی وہ کچھ چونکی تھی۔ اس کے سامنے کھڑی لڑکی اس کے اردو تلفظ میں انگریزی لہجہ چھلکتا تھا، مگر یہ کوئی چونکنے والی بات یوں نہ تھی کہ یہاں جاب کرنے والی اور جاب کے حصول کے لیے آنے والی ماڈرن لڑکیاں اسی انگریزی تلفظ میں اردو بولا کرتی تھیں۔ گویا کسی بدیسی زبان میں بات کر رہی ہوں۔ بہرحال اب معاملہ مختلف تھا۔
اسے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کے پُراعتماد انداز کا سبب بھی یکدم ہی سمجھ میں آگیا تھا۔
"میم! آپ تشریف رکھیے۔ میں سر سے بات کرتی ہوں۔"
اس نے سامنے کچھ فاصلے پر رکھے صوفوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سرہلاتی سامنے ایک صوفے پر جاکر بیٹھ گئی۔ اور اپنے سامنے سے گزرتے، مختلف کمروں میں داخل ہوتے، وہاں سے نکلتے، سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاتے اور سیڑھیوں سے نیچے آتے مختلف افراد کو دیکھنے لگی تھی۔
"آپ آدھا گھنٹہ انتظار کر سکتی ہیں؟ سر کے پاس ابھی کچھ کلائنٹس آئے ہوئے ہیں۔"
ریسپشنسٹ نے قدرے بلند آواز میں اسے مخاطب کیا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ اور صوفے کے سامنے رکھی میز پر موجود مختلف پروفیشنل جرنلز اور میگزینز دیکھنے لگی جو سب کے سب سول انجینئرنگ سے متعلق تھے۔
وہ Soil investigation کے حوالے سے ایک نئی تحقیقاتی رپورٹ پڑھ رہی تھی جب ریسپشنسٹ نے اسے اپنی فرم کے بانی و CEO عزیر فاروق صاحب سے ملنے کی اجازت دی۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو اس ایئرکنڈیشنڈ آفس کے خاموش اور پُرسکون ماحول میں عزیز فاروق اسے اپنی میز پر بیٹھے نظر آئے۔ انہوں نے ریڈنگ گلاسز لگا رکھے تھے۔ ان کے سامنے میز پر ایک ڈرائنگ رکھی تھی جس کا وہ بغور مطالعہ کر رہے تھے۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ گلاسز آنکھوں پر سے اتارتے انہوں نے اسے اندر آنے اور کرسی پر بیٹھنے کی دعوت دی۔ وہ ان کی میز کے سامنے رکھی خوبصورت دو بیز کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔
انہوں نے اپنے سامنے رکھی ڈرائنگ ہٹا کر اس کی CV اپنے سامنے رکھ لی۔
"اچھا تو..." انہوں نے اس کی CV پر نظریں دوڑائیں۔ CV کے سب سے اوپر ہی اس نے اپنا مکمل نام، پتہ اور ای میل ایڈریس لکھا ہوا تھا۔ سو انہیں نام تلاش کرنے میں نہ دقت ہوئی نہ وقت لگا۔
"تو مس ہنیا سجاد! کچھ اپنے بارے میں مجھے بتایئے۔" ان کی عمر پچاس اور پچپن کے درمیان تھی۔
انہوں نے گرے پینٹ، لائٹ بلیو شرٹ اور ڈارک بلیو ٹائی پہن رکھی تھی جبکہ ان کا کوٹ پیچھے رکھے اسٹینڈ میں ہنگ ہوا نظر آرہا تھا۔ انہوں نے اپنے بالوں کو ڈائی نہیں کیا تھا اس لیے سیاہ بالوں کے ساتھ سفید بالوں کی بھی خاصی تعداد موجود تھی۔ ان کی شخصیت کے لیے کیا لفظ موزوں تھا۔ بارعب، باوقار، کرشماتی، مقناطیسی، کوئی ایک لفظ نہیں بلکہ ان سب کا مجموعہ۔ وہ انتہائی شاندار اور باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ ہالی ووڈ کے کسی ہیرو کی طرح روایتی ہینڈسم نہیں مگر اپنی شخصیت کے گریس اور ایلیگنس کے سبب اپنے مقابل پر چھا جانے والی شخصیت کے مالک۔ اور ان کا آفس بھی انہی کی طرح تھا۔
ان کی میز کی دائیں طرف والی دیوار کے ساتھ ایک بڑا سا بک شیلف تھا جس میں سول انجینئرنگ سے متعلق بے شمار قیمتی کتابیں موجود تھیں۔ کئی طرح کے [illegible]
دوسری جانب [illegible]
تھے۔ کمرے کی چاروں [illegible]
بلڈنگ اور برج ڈیمو کی تصاویر [illegible]
ان کی فرم نے بنائے تھے۔ ان کے [illegible]
اسٹالیشن، کمپیوٹر، کئی طرح کے جدید ٹیلی فون [illegible] کے علاوہ کمرے کے ایک طرف رکھے اسٹینڈ میں بہت ساری ڈرائنگز بھی رول ہوئی رکھی نظر آرہی تھیں۔
وہ پاکستان کی چوٹی کی چند مشہور ترین فرمز، جنہوں نے ملک میں ہی نہیں بلکہ بیرون ملک بھی اپنا نام بنایا تھا، ان میں سے ایک فرم کے CEO کے سامنے بیٹھی ہے، یہ سوچ نہ اسے نروس کر رہی تھی نہ کنفیوژ۔ وہ بالکل ریلیکس ہو کر بیٹھی تھی۔ اس نے سکون سے ان کا سوال سنا، ان کی خود کو جانچتی مکمل پروفیشنل نظروں کی جانب ہلکا سا مسکرا کر دیکھا اور پُرسکون لہجے میں بولی۔
"سر! آپ میری CV میں دیکھ چکے ہوں گے کہ میں نے کولمبیا یونیورسٹی SEAS سے سول انجینئرنگ میں گریجویشن کی ہے۔ اور بے..."

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
اماوس کا چاند
بشریٰ سعید
قیمت --- -/150 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

"میں نے آپ کی CV نہیں دیکھی مس ہنیا! میں لوگوں کو ان کی CVs (سی ویز) سے نہیں ان کی حقیقی قابلیت سے پرکھنے میں یقین رکھتا ہوں۔" انہوں نے اس کی بات کاٹ کر پروفیشنل انداز میں کہا۔

"میں ہر روز بے شمار CVs "(سی ویز) دیکھتا ہوں اور ان CVs میں لوگوں نے اپنی جو جو خصوصیات اور خوبیاں لکھی ہوتی ہیں انہیں پڑھ کر بے اختیار ذہن میں آتا ہے کہ اتنا قابل' لائق اور باصلاحیت بندے کو ہائر نہ کرکے تو ہم اس کے ساتھ نہیں بلکہ خود اپنے ساتھ زیادتی کریں گے۔ مگر جب ان سے ملو تو۔۔۔ میں کسی بھی ورک شاپ' سیمینار یا کانفرنس میں لیکچر دینے جاتا ہوں تو تمام ینگ گریجویٹس سے یہی کہتا ہوں کہ CV میں وہ لکھیں جو آپ ہیں' جو آپ بن چکے ہیں' وہ نہیں جو آپ بننا چاہتے ہیں۔ ویسے یہ بات یونہی برسبیل تذکرہ تھی۔ آپ اپنے بارے میں مجھے بتارہی تھیں۔"

اپنی بات مکمل کرکے وہ پروفیشنل انداز میں مسکرائے

"سر! لیکن مجھے اگر آپ نے اپنے پاس جاب نہ دی تو واقعی اپنے ساتھ بہت بڑی زیادتی کریں گے۔"

انہوں نے اس کی اس درجہ صاف گوئی اور اعتماد پر چونک کر اسے دیکھا۔ "وہ کس طرح؟" وہ مبہم سا مسکرائے تھے گویا اس کے پُراعتماد انداز کو پسند کررہے تھے۔

"وہ اس طرح سر! کہ میری CV میرے بارے میں وہ سب مکمل طور پر بتا نہیں پارہی جو میں ہوں۔ آپ نے اسٹرکچرل انجینئر کی جاب کے لیے کوئی ایڈ نہیں دیا' مگر ماشاء اللہ آپ کی فرم کا اتنا نام ہے۔ پھر میں نے انٹرنیٹ پر آپ کا کمپنی پروفائل بھی پوری توجہ سے دیکھ رکھا ہے۔ کتنے سارے مشہور' بڑے اور internationally recognized (بین الاقوامی تسلیم شدہ) پروجیکٹس آپ کی فرم کے کریڈٹ پر ہیں۔ اور ایسی کسی reputed فرم کا حصہ بننا یقیناً میرے لیے ایک اعزاز کی بات ہوگی لیکن اگر آپ نے مجھے اپنے پاس جاب نہ دی تو ظاہر ہے پھر میں کسی دوسری فرم میں جو آپ کی competitor بھی ہوگی' وہاں چلی جاؤں گی۔ اور definitely ہائر (hire) بھی کرلی جاؤں گی تو اپنے پاس خود چل کر آئے ایک ایسے ٹیلنٹ کو اپنے کسی competitor کو handover کردینا' سر! آپ مجھے ایسے لگتے تو نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ اتنے جوہر شناس تو ہیں ہی کہ ٹیلنٹ اور قابلیت کو ایک نظر میں پرکھ سکیں۔"

وہ سنجیدگی و متانت سے یوں بولی گویا کسی universal truth (آفاقی سچائی) سے انہیں آگاہ کررہی ہو۔ انہوں نے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا' ان کے لبوں پر محظوظ ہوتی مسکراہٹ تھی۔

"مجھے پتہ ہے سر! میرا یہ کہنا آپ کو immodesty لگ رہا ہوگا۔ لیکن میں اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ آدمی کو اپنی خوبیاں اور خامیاں سب پتہ بھی ہونی چاہئیں اور ان کا واضح اظہار بھی کرنا چاہیے۔

میں competent ہوں' talented ہوں' ambitious ہوں۔ سول انجینئرنگ کی صرف ڈگری ہی نہیں لی میں نے بلکہ سول انجینئرنگ میرا passion ہے۔

I want to build buildings, bridges, houses

جب میری عمر کی لڑکیاں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں' تب میں بچوں سے کھیلنے والے بلاکس سے (بلڈنگز) بنایا کرتی تھی' نئے نئے ڈیزائنز کی' اسکول میں آرٹ کی ٹیچر سینری بنانے کو کہتیں تو دوسرے بچوں کے برخلاف میری سینری میں آسمان' پہاڑ' پرندوں اور جھیل سے زیادہ فوکس مکان اور جھیل پر سے گزرتے پل پر ہوتا تھا۔ مکان اور پل کی چھوٹی چھوٹی ڈیٹیلز پر بھی میں نے پوری توجہ دی ہوئی تھی۔"

" competent' talented اور

ambitious میں میری طرف سے "confident" کا اضافہ بھی کرلیں۔" وہ ریلیکس سے انداز میں کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

"ویل مس سجاد! آپ کا خود پر اعتماد مجھے پسند آیا ہے۔"

وہ اس بار ذرا کھل کر مسکرائے تھے اور انہوں نے کھل کر ہی اسے سراہا بھی تھا۔

"اچھا تو مس ہنیا سجاد! مجھ پر ذرا یہ ثابت کرکے دکھا دیجیے کہ آپ جیسے ٹیلنٹ کو اپنے کسی competitor کے حوالے کردینے سے میرا کتنا بڑا نقصان ہوجائے گا۔"

وہ بولتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھے' پیچھے اسٹینڈ میں سے چند ڈرائنگز نکالیں' واپس مڑے' اپنی میز پر آئے' ان ڈرائنگز کو اس کے سامنے رکھا اور دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"یہ ایک رہائشی بلڈنگ ہے جو کراچی میں بنے گی' اس کی ڈرائنگز ہیں' ذرا ان پر اپنے کمنٹس دیجیے۔"

وہ ایک کثیر المنزلہ رہائشی بلڈنگ کی اسٹرکچرل ڈرائنگز تھیں۔ اس نے انہیں مکمل توجہ اور سنجیدگی سے دیکھنا شروع کیا۔

"یہ کس نے ڈیزائن کی ہے؟"

چند منٹوں بعد اس نے سر اٹھائے بغیر جیسے خود سے کہا تھا۔ اس نے احمق کا لفظ غالباً "سنسر کردیا تھا ورنہ اس کے بولنے کا انداز ظاہر کررہا تھا کہ وہ پوچھنا یہ چاہتی تھی کہ "یہ بلڈنگ کس احمق نے ڈیزائن کی ہے؟"

اس نے سر اٹھا کر عزیز فاروق کو دیکھا۔

"آئم سوری ٹو سے سر! لیکن اس ڈیزائن میں بے شمار خرابیاں ہیں۔ سب سے پہلے تو اس میں Seismic factor کو مدِنظر رکھا ہی نہیں گیا ہے۔ میں نے پاکستان کا (سیزمک) رسک زون میپ دیکھ رکھا ہے۔ میں جانتی ہوں کراچی seismic زون میں آتا ہے۔ یہاں زلزلے کے خطرات موجود ہیں۔ ارتھ کوئیک زون میں جو شہر آتا ہو وہاں اس طرح کے اسٹرکچر ڈیزائن کرنا اور وہ بھی ایک ہائی رائز ریذیڈنشل بلڈنگ؟ جہاں کئی سو افراد رہیں گے۔ ہم کئی سو افراد کی زندگیوں کو صرف اس لیے داؤ پر نہیں لگا سکتے کہ اس طرح ہماری لاگت کم آئے گی۔ لوگوں کی زندگیاں زیادہ اہم ہیں یا ہماری cost؟ اس کے علاوہ بھی ڈیزائن میں ٹیکنیکلی کئی خامیاں ہیں سر! میری صاف گوئی کا برا مت مانیے گا سر! مگر یہ کسی انتہائی ڈفر آدمی نے ڈیزائن کی ہے۔"

وہ جواباً یوں مسکرائے جیسے اس سے اسی جواب کی امید لگائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے اس کی تائید یا تردید کے بغیر وہ ڈرائنگز اس کے سامنے سے ہٹا کر میز پر قدرے دور کھسکا دیں۔ وہ اب انٹرکام پر اپنے پی اے یا سیکریٹری سے مخاطب تھے۔

"شوکت! دو کپ چائے۔" بولتے بولتے انہیں جیسے دھیان آیا تو ریسیور کان سے لگائے لگائے اس سے پوچھا۔

"آپ کیا لیں گی مس ہنیا؟ چائے' کافی یا کولڈ رنک؟"

"کولڈ ڈرنک۔" اس نے بلاتکلف انہیں اپنی پسند بتائی۔ وہ اس کی بلاتکلف گفتگو کو انجوائے کررہے ہیں۔ یہ ان کے چہرے پر پھیلی مدھم سی مسکراہٹ بتا رہی تھی۔

"ایک ڈائٹ کوک اور ایک کپ چائے۔" انٹرکام سے فارغ ہوکر وہ پھر اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

"تو مس ہنیا سجاد! آپ مجھے اپنے بارے میں بتارہی تھیں۔ آپ نے کولمبیا یونیورسٹی سے سول انجینئرنگ میں ڈگری لی ہے۔ آپ نے گریجویشن کب کی؟ اس سے پہلے کہیں اور جاب کی؟ امریکہ پڑھنے کے لیے گئی تھیں یا۔۔۔"

اس نے ان کی بات کاٹ کر خود اپنے بارے میں بتانا شروع کردیا۔

"سر! میں امریکہ ہی میں پیدا ہوئی تھی اور ہمیشہ وہیں رہی ہوں۔ میری پوری فیملی بھی وہیں سیٹلڈ ہے۔ میرے پاپا تو پیدا بھی وہیں ہوئے تھے۔ ان کی فیملی

Late 40s میں امریکہ مائیگریٹ کر گئی تھی جبکہ ممی کی فیملی کا معاملہ مختلف تھا۔ میرے نانا ڈپلومیٹ تھے، ممی ان کے ساتھ ملکوں ملکوں گھومتی تھیں۔ ویسے وہ پیدا پاکستان میں ہوئی تھیں۔ وہ شادی کے بعد امریکہ آئی تھیں۔ میرے پاپا (لائر) تھے۔ نیو یارک کی ایک Law firm شاید آپ نے نام سن رکھا ہو۔ J T & R وہ وہاں "Partner" تھے۔ ممی بھی ایک کیریر وومن تھیں۔ وہ ایک اکانومسٹ تھیں اور ایک مالیاتی ادارے کے ساتھ وابستہ تھیں۔ میرے پیرنٹس کا چند سال پہلے انتقال ہو گیا ہے۔ میرے تین بھائی بہن ہیں۔ دو بڑے بھائی اور ایک بڑی بہن۔ میرے ایک بھائی ہارورڈ یونیورسٹی میں ہسٹری کے پروفیسر ہیں' ایک بھائی سائیکاٹرسٹ ہیں اور بہن میری ہی طرح سول انجینئر۔"

"گویا آپ کی پوری فیملی اعلا تعلیم یافتہ ہے۔"

اس وقت ٹرے ہاتھ میں لیے پیون اندر داخل ہوا تھا۔

"جی سر! ہمارے گھر کا ماحول بھی اس طرح کا تھا پھر ہم سب بھائی بہن پڑھائی کے شوقین بھی تھے۔"

پیون ان کے ڈرنکس ان کے سامنے رکھ کر جا چکا تھا۔

"جب آپ کی ساری فیملی وہیں ہے پھر آپ پاکستان کیوں آگئیں؟" انہوں نے چائے کا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"سر! جیسا کہ میں نے ابھی آپ کو بتایا کہ میرے پیرنٹس کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔ بھائی بہن میرے سارے dedicated پروفیشنلز ہیں۔ اپنی اپنی جابز کی وجہ سے وہ لوگ ممی' پاپا کی زندگی ہی میں الگ الگ شہروں میں رہ رہے تھے۔ تینوں شادی شدہ ہیں۔ اپنی پروفیشنل اور گھریلو لائف دیکھنے کے بعد ان تینوں ہی کے پاس بالکل وقت نہیں بچتا۔ ان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ روز روز مجھ سے ملنے نیویارک آسکیں۔ تو اب ممی پاپا کے بعد میں نیویارک میں بالکل تنہا تھی۔ میں نیویارک میں جاب کر رہی تھی پھر میں نے سوچا اس طرح تنہا رہنے سے کیا یہ بہتر نہیں کہ اس ملک چلا جائے جہاں میری جڑیں ہیں۔ میں لاکھ پیدائشی امریکن سہی پر اپنے پیرنٹس کے حوالے سے پاکستان سے میرا تعلق ہے تو سہی۔ پھر یہاں کراچی میں میرے سگے ماموں رہتے ہیں۔ میں نے سوچا نیویارک میں تنہا رہنے اور مشینی زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ کراچی ماموں' ممانی کے پاس چلی جاؤں وہ دونوں ہمیشہ مجھے یہاں بلاتے بھی بہت تھے۔ ممی' پاپا کے بعد تو اکثر وہ دونوں مجھ سے کہتے تھے۔ پھر ہائی اسکول کے دنوں میں' میں ایک بار اپنے ماموں زاد بھائی کی شادی میں کراچی آ بھی چکی تھی۔ تب مجھے پاکستان اچھا لگا تھا۔ میں نے سوچا پاکستان جانے میں کیا حرج ہے۔ اگر یہاں نہ سیٹ ہو سکی تو واپس لوٹ جانے کا آپشن بہرحال میرے پاس ہمیشہ موجود رہے گا ہی۔"

اس نے کوک کا سپ لیتے ہوئے انہیں تفصیلاً بتایا۔

"خوش ہیں اپنے فیصلے سے؟ پاکستان اور امریکہ میں بہت فرق ہے۔ وہاں رہنے والوں کے لیے یہاں سیٹ ہونا کافی مشکل ہوتا ہے۔"

"سر! ابھی تو ابتدائی مرحلہ ہے۔ ابھی تو مجھے یہاں آئے زیادہ دن نہیں ہوئے۔ فیصلہ صحیح ہے یا نہیں کچھ وقت گزرنے کے بعد پتہ چلے گا۔ ویسے جب میں یہاں آرہی تھی تو میرے بھائی بہن' دوست اور کولیگز سب یہی کہہ رہے تھے کہ میں بہت بڑی غلطی کر رہی ہوں بلکہ نیویارک میں میری فرم کی سی ای او نے یہاں تک پیشن گوئی کر دی تھی کہ میں زیادہ سے زیادہ 5 یا 6 مہینوں بعد نیویارک واپس آجاؤں گی لہٰذا وہ میرا ریزائن بھی قبول نہیں کر رہے۔ انہوں نے بڑے کھلے دل سے مجھے آفر دی تھی کہ چند مہینوں بعد جب میں پاکستان سے مایوس ہو کر واپس نیویارک پہنچوں گی تو ان کی فرم کے دروازے تب بھی مجھ پر کھلے ہوں گے۔"

عزیز فاروق اس کی بات پر ہنسے تھے۔ پھر چائے کا

سیب لیتے کسی قدر سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"آپ وہاں کب سے جاب کررہی تھیں؟"

"زیادہ عرصہ نہیں ہوا سر! ان فیکٹ مجھے گریجویشن کیے ہوئے ہی ابھی پورے دو سال بھی نہیں ہوئے۔"

"آپ کی اردو ماشاءاللہ بہت اچھی ہے۔" چائے کا خالی کپ ٹرے میں رکھتے میں رکھتے انہوں نے تعریف کی۔

"شکریہ سر! اصل میں ہمارے گھر کا ماحول اس طرح کا تھا۔ ہمارے پیرنٹس اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے کہ ہم بھائی بہن گھر میں ایک دوسرے سے انگلش میں بات کریں۔ ہمارے پیرنٹس ہم سے ہمیشہ اردو میں بات کرتے تھے۔ ہمارے یہاں مشرقی روایات اور ویلیوز کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔"

وہ بھی اپنا کولڈ ڈرنک کا گلاس خالی کرچکی تھی۔ ساری گفتگو ہوچکی تھی' رسمی بھی' پیشہ ورانہ بھی' تعارفی بھی' فیملی بیک گراؤنڈ پر بھی' اب مزید بات کرنے کے لیے کوئی موضوع بچا نہیں تھا' سوائے یہ جاننے کے کہ آیا وہ فاروقی ایسوسی ایٹس میں ملازمت کی حق دار قرار پائی ہے یا نہیں۔ وہ بھی اس کے چہرے پر موجود تاثرات کو سمجھ چکے تھے لہٰذا سنجیدگی سے انہوں نے بات شروع کی۔

"ویل مس ہنیا سجاد! ہمارے پاس اس وقت کوئی ویکنسی نہیں ہے۔" انہوں نے اس کے چہرے پر پھیلتی مایوسی کو مسکرا کر دیکھا' پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولے۔

"ہمارے پاس اس وقت کوئی جگہ خالی نہیں مگر ہم آپ جیسے ٹیلنٹ کو اپنے کسی competitor کے حوالے کرنے کو بھی تیار نہیں۔"

"یعنی؟" اس نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

"یعنی یہ کہ آپ کے لیے جگہ تو ہمیں نکالنی ہی پڑے گی اور یعنی یہ کہ آپ کو میں اپائنٹ کررہا ہوں اور یعنی یہ کہ آپ کو فاروقی ایسوسی ایٹس میں جاب مل گئی ہے۔"

انہوں نے مسکرا کر اس سے کہا۔ وہ بھی طمانیت بھرے خوشگوار انداز میں مسکرائی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ آپ نیویارک میں کیا سیلری پیکج ڈرا کررہی تھیں اور یہاں ہم سے کیا expect کررہی ہیں۔ بہرحال ہم آپ کو جو پیکج آفر کررہے ہیں وہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔" وہ ایک بار پھر اپنے پروفیشنل انداز پر لوٹ گئے تھے اور اسے اس کی ممکنہ تنخواہ اور دیگر مراعات کے متعلق بتانے لگے تھے۔ اس نے اس پیکج پر فوراً" آمادگی ظاہر کردی تھی۔

"آپ کب سے جوائن کرنا چاہتی ہیں؟"

"کل سے۔" وہ اس جواب پر مبہم سا مسکرائے جیسے اس سے اسی جواب کی امید رکھتے تھے پھر انٹرکام پر اپنے سیکریٹری سے اس کا اپائنٹمنٹ لیٹر ٹائپ کرنے کو کہا۔ جتنی دیر میں اس کا اپائنٹمنٹ لیٹر تیار ہوا۔ اتنی دیر وہ اس سے اس کے سول انجینئرنگ کی تعلیم کے دوران پڑھائی کا حصہ بننے والے پروجیکٹس' اور پھر نیو یارک میں جاب کے دوران وہ کن کن پروجیکٹس میں شامل رہی' سے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ ابھی اس نے اپنا اپائنٹمنٹ لیٹر وصول کیا ہی تھا کہ ان کے آفس میں انہی کی عمر کے ایک صاحب داخل ہوئے۔

"آیئے ہلکرائی صاحب! ان سے ملیے۔ مس ہنیا سجاد' کولمبیا یونیورسٹی سے سول انجینئرنگ میں گریجویشن کرکے آئی ہیں' انہیں میں نے ہمارے ہاں اپائنٹ کرلیا ہے۔ مجھے امید ہے یہ ہمارے ہاں موجود انجینئرز میں ایک بہت اچھا اضافہ ثابت ہوں گی اور مس ہنیا! آپ جاوید ہلکرائی صاحب ہیں۔ ہمارے سب سے سینئر اور تجربہ کار اسٹرکچرل انجینئر۔ ہمارے 90 فیصد پروجیکٹس کو ہلکرائی صاحب ہی ہینڈل کرتے ہیں۔ آپ ان ہی کے انڈر کام کریں گی۔"

عزیر فاروقی نے دونوں کا تعارف کروایا۔ ہلکرائی صاحب لباس اور چال ڈھال میں عزیر فاروقی جیسے ہی تھے مگر ان کے چہرے پر سختی نمایاں تھی۔ انہوں نے

نرمی سے انداز میں سر ہلا کر اسے خوش آمدید کہا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی مس ہنیا!"

وہ اسے ایک روایتی باس کے تصور پر پورے اترتے دکھائی دے رہے تھے۔ اب باس چاہے جتنا بھی ٹیڑھا ہوتا' وہ باس کے بھی باس کو متاثر کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی لہٰذا فکر کس بات کی تھی۔

ایک کامیاب انٹرویو اور جاب کے حصول میں کامیابی کے بعد مطمئن اور آسودہ سی گاڑی میں آکر بیٹھ گئی۔ وہ آج اپنے ماموں فیاض احمد کے ڈرائیور کے ساتھ آئی تھی۔ چونکہ ابھی اسے کراچی کے راستے وغیرہ اچھی طرح ازبر نہ ہوئے تھے اس لیے فی الحال ہر جگہ ڈرائیور کے ساتھ آنا جانا مجبوری تھی۔ ورنہ وہ اپنے تمام کام خود کرنے کی عادی تھی۔ جس ملک کی وہ تھی' جہاں سے آئی تھی وہاں اپنے ذاتی کاموں کے لیے دوسروں پر depend کرنے کا کوئی رواج نہیں تھا۔ ابھی اسے نیویارک سے کراچی آئے محض 20 دن ہی تو ہوئے تھے۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ یہاں کے راستوں اور ٹریفک کے طور طریقوں سے جلد از جلد واقفیت حاصل کرکے اپنی ذاتی گاڑی خرید لے گی کہ ہر جگہ خود آجا سکے اور اپنے تمام کام خود انجام دے سکے۔

وہ گھر پہنچی تو اس کی ممانی شمسہ لاؤنج میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھیں۔

"السلام علیکم ممانی! ماموں کہاں ہیں؟"

"وعلیکم السلام بیٹا! ابھی نکلے ہیں یاور صاحب کی طرف۔ گھر میں اکیلا بیٹھا بندہ عاجز بھی تو آجاتا ہے۔"

اس کے ماموں' ممانی نے اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کی خاطر بہت قربانیاں دی تھیں۔ پوری زندگی انہوں نے بچوں کی خاطر ایک دوسرے سے دور تنہا زندگی گزار دی تھی۔ ماموں سعودی ایرلائن میں جاب کی وجہ سے جدہ میں اور ممانی بچوں کی تعلیم کی وجہ سے کراچی میں۔ بچے پڑھ لکھ کر کسی قابل ہوئے تو کوئی جہان تسخیر کرنے امریکہ روانہ ہوگیا تو کوئی کینیڈا اور انگلینڈ۔ رہ گئے تنہا بوڑھے ماں باپ ماموں ریٹائر ہونے کے بعد کراچی واپس لوٹ آئے تھے اور اب پوری جوانی بچوں کی خاطر ایک دوسرے سے دور گزارنے والے وہ میاں' بیوی دوبارہ ساتھ ہوئے تھے تو بڑھاپے میں' جب روپے پیسے کی ریل پیل تھی مگر نہ صحت باقی بچی تھی نہ دل اور شوق۔

بہت بڑا سا گھر تھا ان کا اور اس گھر میں ان دو افراد کی تنہائی ہنیا کو اپنے کزنز پر اکثر بڑا شدید غصہ آتا تھا۔ آخر امریکہ' کینیڈا اور انگلینڈ میں ایسا کیا مل رہا تھا جو والدین کے پاس رہنے سے زیادہ قیمتی تھا۔ ہنیا کے اپنے پاس آجانے سے وہ دونوں بہت خوش تھے۔ اس کے آنے سے کم از کم ان کے گھر کی تنہائی اور خاموشی کچھ تو کم ہوئی تھی۔

اس نے خوشی خوشی شمسہ کو اپنے جاب کے حصول میں کامیابی کی خبر سنائی۔ وہ بھی یہ سن کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز اس کا آفس میں پہلا اور تعارفی دن تھا۔ وہ ہلکرائی صاحب سے جاکر ملی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے ہاں کا working environment مختصراً" بتایا' اسے اس کے چند کولیگز سے متعارف کروایا۔ اس کے بعد اس کے کیبن میں بھجوادیا تھا۔ وہاں لڑکیاں اور خواتین کم اور مرد حضرات زیادہ تعداد میں تھے۔ اس کی طرح کی انجینئر لڑکیاں جو ابھی ینگ اور فریش گریجویٹس کے زمرے میں آتی تھیں صرف دو تھیں' شیریں منہاج اور جویریہ ابصار' جبکہ سینئر اسٹرکچرل انجینئرز میں ایک خاتون شامل تھیں۔ بنیادی طور پر یہ کنسلٹنگ فرم سول انجینئرنگ سے متعلق تھی مگر یہاں آرکیٹکٹس اور پلانرز بھی کافی تھے۔ نیچے عزیر فاروقی کے ساتھ دیگر سینئر انجینئرز و architects کے دفاتر' اکاؤنٹس کا شعبہ وغیرہ تھے جبکہ اوپر ڈرائنگ سیکشن اور جونیئر انجینئرز آرکیٹکٹس کے کیبنز موجود تھے۔ لائبریری بھی اوپر ہی تھی۔ میٹنگ روم

بھی اوپر ہی تھا۔ ڈرائنگ سیکشن اوپر ہونے کی وجہ سے تمام ڈرافٹس مین بھی تمام وقت اوپر ہی موجود ہوا کرتے تھے۔ ڈرائنگ سیکشن دو بڑے بڑے ہال نما کمروں پر مشتمل تھا۔ ایک ہال میں یہاں سے وہاں تک ہر طرف کمپیوٹر ہی کمپیوٹر تھے اور ان پر ڈرافٹس مین پوری مہارت سے ڈرائنگز بنانے میں مصروف و مگن جبکہ دوسرے ہال میں ڈرائنگ بورڈز لگے ہوئے تھے۔ وہاں بھی ڈرافٹس مین' انجینئرز آرکیٹکٹ مصروف ہی نظر آئے تھے۔ یہاں ڈرائنگ کا بیشتر کام کمپیوٹر کے ذریعے کیے جانے کے باوجود ابھی manual ڈرائنگ کی اہمیت مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی تھی۔ بیسمنٹ میں ریکارڈ روم وغیرہ تھے۔

پہلے دن دوستی کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ وہ اس پورے دن آفس کے ماحول کو سمجھنے اور تمام کولیگز کے ناموں کو یاد رکھنے میں مصروف رہی۔

"آپ نے PEC میں رجسٹریشن کروالی؟"

بلگرامی صاحب نے اپنے آفس میں بلا کر چند ڈرائنگز مطالعے کے لیے اس کے سپرد کرنے کے بعد اس سے دریافت کیا۔ بلگرامی صاحب کے پوچھنے سے پہلے ہی اسے اس چیز کا دھیان تھا' ظاہر ہے پاکستان میں بطور سول انجینئر کام کرنے کے لیے اسے پاکستان انجینئرنگ کونسل میں خود کو رجسٹر کروانا تھا' وہاں سے رجسٹریشن مل جاتی تب ہی وہ پاکستان میں ایک پروفیشنل انجینئر کے طور پر کوئی کام اور کوئی پروجیکٹ کرنے کی قانونی طور پر مجاز ہوتی۔ وہ اس اہم معاملے میں پوری طرح مستعد تھی' اس نے کل یہاں ملازمت کے حصول میں کامیابی کے بعد رات ہی PEC سے رجسٹریشن کے لیے وہاں کا فارم انٹر نیٹ سے ڈاؤن لوڈ کرلیا تھا۔ وہ اسے فل بھی کرچکی تھی' اس کا ارادہ تھا کہ تمام درکار دستاویزات منسلک کرنے کے بعد وہ اسے کل ہی PEC میں جمع کروا دے گی۔

بلگرامی صاحب کے بارے میں اس کا ابتدائی اندازہ درست تھا۔ وہ واقعی ایک ٹیپیکل باس تھے۔ کم مسکرانے والے۔ ڈسپلن قائم رکھنے اور ماتحتوں پر رعب برقرار رکھنے کے لیے وہ مختصر اور ٹو دا پوائنٹ بات کرنے والے ایک سخت مزاج باس تھے۔ سیریں اور جوریہ نے اس کی معلومات میں اضافے کے لیے اسے بتایا تھا کہ ان کا یہ رویّہ صرف اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہوتا ہے ورنہ سینئرز کے ساتھ وہ باآواز بلند قہقہے لگاتے اکثر و بیشتر دیکھے جاسکتے ہیں۔

اس سے تعارف حاصل کرنے والے اس کے تمام کولیگز اس بات پر حیران تھے کہ وہ نیویارک میں ایک اتنی اچھی جاب چھوڑ کر پاکستان کیوں چلی آئی۔ land of opportunities امریکہ کو چھوڑ کر پاکستان چلے آنے میں ایسا کیا چارم تھا؟ یہاں تو ہر دوسرا پاکستانی چاہے وہ پاکستان میں کتنا ہی اچھا کیوں نہ سیٹل ہو' معاشی اعتبار سے کتنا ہی خوشحال کیوں نہ ہو' خواب امریکہ جانے ہی کے دیکھا کرتا ہے۔ اور وہ نیویارک جیسے بڑے شہر میں اپنی اتنی اچھی جاب کو ٹھوکر مار کر پاکستان چلی آئی تھی؟

وہ ان لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کررہی تھی کہ ایک پیدائشی امریکن ہونے اور وہیں پلنے بڑھنے کے باوجود شاید وہ اندر سے اس خود غرض مادہ پرست اور مشینی ماحول کی عادی نہیں ہوسکی تھی جہاں کسی کو کسی کی پروا نہیں تھی' جہاں کوئی کسی کی زندگی میں مداخلت نہیں کرتا' جہاں سب اپنی اپنی زندگی اپنے اپنے من چاہے انداز میں اپنی ذمہ داری پر گزارتے ہیں۔ جہاں زندگی کی رفتار اتنی تیز ہے کہ اس کا ساتھ دینے کے لیے سب اندھا دھند دوڑ رہے ہیں' سب بے پناہ مصروف ہیں لوگوں کے پاس اپنے خونی رشتوں کو دینے کے لیے بھی بہت زیادہ وقت نہیں ہے۔ اسے تو یہ پاکستانی ماحول پرکشش لگتا تھا جہاں فیملی کے افراد ایک دوسرے سے اتنے زیادہ اٹیچڈ ہو کر رہتے ہیں۔ ماں' باپ' بھائی' بہن۔ اس کی توجیح سب کی سمجھ میں آگئی تھی' سب اسے مان بھی رہے تھے مگر اس کے باوجود ان میں سے اکثریت کی نظریں اسے یہ کہتی نظر آرہی تھیں کہ مشرقی و پاکستانی ماحول کی تلاش میں' اپنا پن و

چاہتیں پانے کے خواب لیے یہاں آئی وہ لڑکی بہت جلد یہاں سے مایوس ہو کر واپس لوٹ جائے گی۔

وہ وہاں واحد فارن کوالیفائیڈ انجینئر نہیں تھی۔ جتنی بڑی وہ فرم تھی اتنے ہی قابل دماغ اس کے ساتھ منسلک تھے۔ عزیر فاروق نے سول انجینئرنگ میں گریجویشن اور ماسٹرز امریکہ سے کر رکھا تھا۔

جاوید بلگرامی بھی امریکہ ہی سے ایم ایس کرکے آئے ہوئے تھے۔ وہاں کے سینئر انجینئرز و آرکیٹکٹ میں سے کئی ایک فارن کوالیفائیڈ تھے۔ گریجویشن پاکستان سے کی بھی تھی تو آگے اپنے پروفائل کو سجانے سنوارنے کے لیے بیرون ملک سے ڈگریز' سرٹیفکیٹس اور ڈپلومے لے کر آئے ہوئے تھے۔ اپنے قابل اور لائق انجینئرز و آرکیٹکٹ کو فرم خود بھی آگے پڑھنے کے مواقع فراہم کرتی تھی۔ ان کی مزید اعلا تعلیم کے اخراجات اٹھاتی تھی۔ ان دنوں فرم ہی کی طرف سے یہاں کے ایک انجینئر ایم ایس کرنے کینیڈا گئے ہوئے تھے۔ ہنیا کو جو چیز آغاز میں ہی سب سے نمایاں کررہی تھی' وہ یہ تھی کہ جونیئر انجینئرز و آرکیٹکٹ میں وہ واحد تھی' جو فارن کوالیفائیڈ تھی اور وہ بھی ایک اتنے نامور تعلیمی ادارے کی۔ ابھی وہ اپنی کارکردگی سے کسی پر بھی کچھ ثابت کرکے دکھا نہیں سکی تھی مگر کولمبیا یونیورسٹی کا نام سننے کے بعد اسے کوئی بھی نظر انداز نہیں کرسکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم سر۔۔۔!" وہ ہاتھوں میں ایک ڈرائنگ لیے سیڑھیوں کی طرف جارہی تھی تو جب اس کی عزیر فاروق سے ملاقات ہوئی۔

"وعلیکم السلام۔ کیسی ہیں مس ہنیا؟"

جوائن کرنے کے بعد پہلے دن اس کی ان سے ملاقات ہوئی تھی' انہوں نے اسے اپنے آفس میں بلا کر اپنی فرم کا ماحول اور یہاں کام کا طریقۂ کار مختصراً سمجھایا تھا۔ اس مختصر ملاقات کے بعد پچھلے تین دنوں میں اس کی ان سے سرے سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی کہ وہ بے حد مصروف رہا کرتے تھے۔

"ٹھیک ہوں سر!"

"کام سمجھ میں آنا شروع ہوا؟"

وہ بھی ان کے ساتھ چلنے لگی۔ وہ اپنے آفس کی طرف جارہے تھے۔

"جی سر! سمجھ میں آرہا ہے۔ لوکل بلڈنگ کوڈز اور یہاں کام کرنے کا طریقۂ کار آہستہ آہستہ سمجھ رہی ہوں۔"

"آپ کو امریکہ سے یہاں پر سب کچھ بالکل ڈفرنٹ ملے گا۔ ویسے میں کسی فارنر سے اپنے ملک کی برائیاں کرنا کبھی پسند نہیں کرتا مگر آپ چونکہ امریکن کم اور پاکستانی زیادہ لگتی ہیں اس لیے کہہ رہا ہوں' ہمارے ہاں آپ کو بہت سی وہ برائیاں ملیں گی جو بحیثیت مسلمان ہم میں ہونی نہیں چاہئیں۔ جھوٹ' دھوکا' بے ایمانی اور وقت کی بے قدری' اس مادہ پرست معاشرے میں جتنی بھی برائیاں ہوں مگر یہ برائیاں نہیں۔ یہی ان کی ترقی کا سبب ہے اور ہمارے ہاں ہر شخص جھوٹ اور بے ایمانی کے بل پر جلد سے جلد اوپر چڑھنا چاہتا ہے' آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ وقت کی ایسی بے قدری ہے کہ اگر کسی شخص نے آپ سے ملاقات کے لیے پانچ بجے کا وقت طے کیا ہے تو آپ اسے پانچ سے چھ تو از خود ہی کرلیجیے کہ وہ پانچ بجے تو وہاں ہرگز موجود نہ ہوگا۔"

افسوس بھرے لہجے میں بولتے وہ اپنے آفس تک پہنچ گئے تھے۔

"آیئے!" انہوں نے اسے اندر آنے کی دعوت دی۔ انہوں نے بلیک پینٹ اور کریم کلر کی شرٹ پہن رکھی تھی' کرسی پر بیٹھنے کے بعد انہوں نے ٹائی کی ناٹ کچھ ڈھیلی کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا لیں گی آپ؟" ان کے ساتھ تکلف تو اس نے پہلی مرتبہ نہیں برتا تھا پھر آج کیوں برتتی؟

"کولڈ ڈرنک۔"

"آپ چائے اور کافی بالکل نہیں پیتیں یا کم پیتی ہیں؟" انٹر کام پر چائے اور سوفٹ ڈرنک کا کہنے کے

بعد انہوں نے اس سے پوچھا۔
"پیتی ہوں مگر بہت کم۔"
چائے اور سوفٹ ڈرنک آگئی تب وہ اس سے اس کی پی ای سی میں رجسٹریشن کے متعلق پوچھنے لگے۔
"جی سر! میں نے فارم فل کرلیا ہے۔ میرا آج ہی وہاں جانے کا ارادہ ہے۔"
"ارے تو آپ میرے ساتھ چلیے۔ مجھے بھی پی ای سی ایک کام سے جانا ہے۔"
انہوں نے اس کا مسئلہ چٹکیوں میں حل کردیا تھا۔ اس نے جویریہ سے پی ای سی کے کراچی میں واقع برانچ آفس کا پتا اچھی طرح سمجھ کر' اس کا باقاعدہ نقشہ تک بنوالیا تھا مگر چونکہ اس کے ماموں کے ڈرائیور نے پی ای سی برانچ آفس کبھی دیکھا ہوا نہیں تھا' اس لیے اسے لگ رہا تھا کہ آفس ڈھونڈنے میں تھوڑی وقت ہوگی۔ اس نے جتنی دیر میں اپنا گلاس خالی کیا' انہوں نے انٹر کام پر اپنے سیکریٹری شوکت سلطان کو کچھ ہدایات دیں' پھر کرسی پر سے کھڑے ہوگئے۔
وہ ان کے ساتھ کہکشاں کلفٹن پر واقع پی ای سی کے برانچ آفس آگئی تھی۔ اگر وہ ایک عام انجینئرنگ گریجویٹ کی حیثیت سے یہاں آتی تو پہلے اس ای طویل مرحلے سے گزرنا پڑتا۔ مگر وہ یہاں عزیر فاروق کے ساتھ آئی تھی۔ مختلف لوگوں سے ان کے نام لے کر سلام دعا کرتے اور خیریت دریافت کرتے انہوں نے ڈپٹی رجسٹرار کے متعلق دریافت کیا تھا۔
"درانی صاحب اندر ہیں نا؟ مصروف تو نہیں؟"
اپنے سوال کا جواب لیتے وہ اسے ساتھ لیے سیدھے ڈپٹی رجسٹرار کے آفس میں آگئے تھے۔ وہاں ان کا بڑا گرم جوش استقبال ہوا تھا۔ پھر چائے پیتے ہوئے ان دونوں کے درمیان پی ای سی ہیڈ آفس اسلام آباد میں پی ای سی کے عن قریب ہونے والے الیکشنز پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ چائے کے بعد درانی صاحب نے اس کی اسناد دیکھیں اور پھر وہیں بیٹھے بیٹھے ہی دیگر تمام فارملٹیز بھی ہوگئیں۔ پی ای سی کے ساتھ اس کی رجسٹریشن کے لیے فیس متعلقہ بینک میں اس کے جائے بغیر ہی بھروادی گئی۔ اس کے ہاتھ میں فیس جمع کرانے کی تصدیق کے لیے بینک واؤچر کا ایک حصہ آگیا تو درانی صاحب نے اسے بتایا کہ اندازاً" ایک مہینے کے اندر اندر اسے رجسٹریشن کارڈ و سرٹیفکیٹ مل جائیں گے۔ عزیر فاروق اپنے جس کام سے پی ای سی آئے تھے وہ بھی ہوگیا تھا۔ اس کے بعد مزید کچھ دیر اور درانی صاحب کے ساتھ گفتگو ہوئی تھی' جس میں وہ بھی شامل ہوگئی تھی۔ وہ اب واپس جاتی بھی تو آفس پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد چھٹی کا ٹائم ہوجانا تھا چنانچہ عزیر فاروق نے اسے اس کے گھر ڈراپ کردیا تھا۔ اس نے انہیں اندر آنے کے لیے بہت کہا مگر وہ پھر کبھی آنے کا کہہ کر چلے گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

ہلگرامی صاحب کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ وہ اسے ایک ینگ' فریش اور تجربہ کار انجینئر سے زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں تھے۔ اس نے نیویارک میں اپنی فرم میں جو چند ماہ جاب کی تھی وہاں بھی اسے فریش اور ناتجربہ کار سمجھ کر دفتر کے اندر بیٹھ کر کام کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ وہ ڈرائنگز بنائے ڈرافٹس مین کی نگرانی کرے یا کبھی کوئی چھوٹی موٹی چیز اسے ڈیزائن کرنے کو دے دی جائے تو سائٹ پر جائے بغیر اسے دفتر کے اندر بیٹھے بیٹھے ہی کیلکولیٹر اور پین ہاتھ میں لے کر' یونیورسٹی میں آر سی سی اور اسٹیل اسٹرکچر میں پڑھے مختلف فارمولے لگا لگا کر اسے ڈیزائن کردے۔ کاغذ اور قلم کے ذریعے یہ حساب کتاب نکالتے کہ کولمز میں اتنا سریا ڈلے گا اور بیم میں اتنا' اسے لگتا جیسے وہ سول انجینئر نہیں بلکہ ریاضی داں ہے۔ اور ریاضی کا کوئی سوال حل کررہی ہے۔
وہ اندر سے ایک مکمل انجینئر تھی اور ایک مکمل انجینئر سائٹ پر جائے بغیر' دھول مٹی کھائے بغیر' سریے کو کاغذ پر نہیں اصل میں لگتا دیکھے بغیر' کالمز کو اپنی آنکھوں کے سامنے اٹھتا دیکھے بغیر بنیادوں کو کھدتا دیکھے بغیر خود کو مکمل انجینئر تصور نہیں کرسکتا۔ ایسا ہی

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

سب کچھ اس کے ساتھ یہاں ہو رہا تھا۔ بلگرامی صاحب سخت گیر باس تھے' وہ ان سے کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی' مگر وہ مطمئن نہیں تھی۔

نیویارک میں اس چیز کو اس نے برداشت کیا تھا مگر یہاں الجھن سی ہو رہی تھی۔ نیویارک میں وہ کسی کو متاثر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر یہاں وہ عزیر فاروق کو اپنے کام' اپنی ذہانت اور اپنی پیشہ ورانہ قابلیت سے متاثر کرنا چاہتی تھی۔

اس روز وہ ڈرائنگ سیکشن میں کمپیوٹر کے پاس کھڑی ڈرافٹس مین کو حسین آرکیڈ کی بیسمنٹ کی ڈرائنگز میں کچھ سمجھا رہی تھی جب عزیر فاروق' بلگرامی صاحب اور نجمہ یاسمین جو یہاں سینئر موسٹ آرکیٹکٹ تھیں' ایک ساتھ ڈرائنگ سیکشن میں داخل ہوئے۔ اس نے انہیں سلام کیا۔ وہ جس دن ان کے ساتھ پی ای سی گئی تھی اس کے بعد تو بس آتے جاتے یونہی سامنا ہو جانے پر سلام دعا اور مختصر خیر و عافیت ہی دریافت ہو پاتی تھی۔

"کیسی ہیں مس ہنیا؟" انہوں نے اس کے پاس رک کر اس کی خیریت پوچھی۔

"ٹھیک ہوں سر" ان سے ملاقات ہمیشہ اسی انداز میں ہوئی تھی جب وہ اپنے دل کی بات اتنے سارے لوگوں کے بیچ ان سے کہہ بھی نہیں سکتی تھی سو "ٹھیک ہوں سر!" کے علاوہ اور کیا جواب دیتی۔

اسے یہاں جاب کرتے ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ وہ پی ای سی میں بطور پروفیشنل انجینئر رجسٹرڈ ہو چکی تھی اس کے پاس رجسٹریشن کارڈ آ چکا تھا۔ کراچی کے بے ہنگم ٹریفک اور راستوں سے کچھ مانوس ہو جانے کے بعد اس نے اپنی ذاتی گاڑی خرید لی تھی اور اب گزشتہ ایک ہفتے سے وہ اپنی گاڑی خود ڈرائیو کر کے آفس آ رہی تھی۔ ان دو کاموں کے علاوہ اس کے پاس تیسرا ایسا کوئی قابل فخر کام اور کارنامہ نہیں تھا جسے وہ بتا سکتی کہ اس نے ایک مہینے کے دوران اسے انجام دیا ہے۔

عزیر فاروق اس کی خیر خیریت پوچھتے فوراً ہی بلگرامی صاحب اور نجمہ یاسمین کے ساتھ آگے طالب کی طرف بڑھ گئے تھے۔ طالب زیدی' عزیر فاروق اور بلگرامی صاحب سے کئی سال جونیئر مگر ہنیا سے کافی سینئر اسٹرکچرل انجینئر تھا۔ کافی Competent اور Dedicated طالب ان تینوں کو کمپیوٹر پر ایک ڈرائنگ دکھا رہا تھا۔ کسی High Rise بلڈنگ کے کولمز کی سیکشن ڈرائنگ دیکھتے وہ چاروں کولمز کی لمبائی اور چوڑائی پر آپس میں بحث کرنے میں مصروف تھے۔

وہ سر جھٹک کر دوبارہ ڈرافٹس مین کو ڈرائنگ میں پیش آنے والے مسئلے کے متعلق سمجھانے لگی۔ اس کے سامنے ہی وہ تینوں وہاں سے نکل کر چلے بھی گئے تھے۔ وہ کچھ دیر بعد ڈرائنگ سیکشن سے نکل کر اپنے کیبن میں آ کر بیٹھی تھی اور ابھی اس نے ان ڈرائنگز کو دیکھنا ہی شروع کیا تھا جو بلگرامی صاحب نے اسے چیک کرنے کے لیے کہا تھا کہ اسے انٹرکام پر اطلاع ملی عزیر فاروق صاحب اسے یاد کر رہے تھے۔

"جی سر؟" وہ دروازہ کھول کر ان کے آفس میں داخل ہوئی۔

"آیئے مس ہنیا!" وہ کمپیوٹر پر کچھ کر رہے تھے۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

وہ ان کی میز کے سامنے رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔

"میں نے سنا ہے آپ اپنی جاب سے خوش نہیں۔" انہوں نے چھوٹتے ہی کہا۔

"سر! آپ نے کس سے سنا؟" اس نے ہکا بکا انہیں دیکھا۔

آخر یہ مخبر کون پیدا ہو گیا تھا۔ جو اس کے دل کی خبریں ان تک پہنچا رہا تھا۔ اس نے اس طرح کی بات تو کسی کولیگ سے نہیں کی تھی' جاب سے مطمئن نہ ہونے کی بات تو اس کے اپنے دل کی بات تھی' کسی سے اس کا اظہار تو اس نے ہرگز نہ کیا تھا۔

"کسی نے بھی کہا' بات سچ ہے کہ نہیں؟" وہ اسے الجھن میں دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

"سر! بات اس حد تک سچ ضرور ہے کہ یہاں جو کام

...ل میں کر رہی ہوں وہ تو ایک ڈرافٹس مین بھی ...کتا ہے۔ میں ایک کوالیفائیڈ انجینئر ہوں۔ میں ...ٹن پر جانا چاہتی ہوں۔ میں کسی پروجیکٹ کا مکمل ...ر حصہ بننا چاہتی ہوں۔ ایئر کنڈیشنڈ آفس میں بیٹھ تھوڑی بہت ڈیزائننگ کر لینا' ڈرائنگز بنا لینا' ...نگز چیک کر لینا

its not my idea of civil engineerin... میں ...ٹن پر جانا چاہتی ہوں' میں کسی پروجیکٹ کی ...ننگ کے ابتدائی مرحلے سے لے کر اس کی Construction کے آخری مرحلے تک اس ...شامل رہنا چاہتی ہوں۔ میں اپنے ڈیزائنز کو اپنی ...ھوں کے سامنے بنتا دیکھنا چاہتی ہوں' میں ...کیٹکٹ' بلڈر' Contractor سب کے ...تھ Interact کرنا چاہتی ہوں۔"

انہیں اس کے اندر کی بات کیسے پتا چلی اس پر مزید ...را یا ان کی بات کی تردید کیے بغیر اس نے اسی صاف ...ئی اور اعتماد سے انہیں جواب دیا۔

"آپ نے یہ بات مجھ سے آ کر کہی کیوں نہیں؟"

"سر! مجھے لگا کہ کہیں بلگرامی صاحب میری بات ...برا نہ مان جائیں۔ آفٹر آل وہ میرے باس ہیں۔"

"بغیر کسی لگی لپٹی رکھے صاف صاف بات کرنے والی' ...تی پر اعتماد لڑکی سے مجھے اس بزدلی کی توقع نہیں تھی۔ ...نے یہ سوچ کر بھی کچھ زیادہ پوچھا بھی نہیں کہ یقیناً ...پ اپنی جاب سے مطمئن ہیں ورنہ سیدھی میرے ...س آ گئی ہوتیں۔"

"سر! آپ نے میرے بارے میں زیادہ برا امپریشن ...لے لیا ہے۔ میں اتنی منہ پھٹ بھی نہیں ہوں۔"

اس نے صفائی پیش کرنے والے انداز میں کہا تو وہ بے اختیار کھل کر ہنسے۔ وہ مسکراتے ہوئے محظوظ ...ظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"سر! آپ کو کیا ٹیلی پیتھی آتی ہے؟" ظاہر ہے انہوں نے ابھی ڈرائنگ سیکشن میں اس کے کسی انداز ...نے اس کی کوفت و بے زاری کو نوٹس کیا تھا۔

وہ مسکراتے رہے بولے کچھ نہیں۔

"تو بات کچھ یوں ہے مس ہنیا سجاد! کہ وہ ٹیلنٹڈ اور Competent انجینئر جسے میں اپنے کسی Competitor کے حوالے کر دیتا تو نقصان میرا تھا' وہ اگر میرے پاس اپنی جاب سے مطمئن نہیں تو بھی تو نقصان میرا ہی ہے۔ اگر میرے پاس سے غیر مطمئن ہوتی وہ میرے کسی Competitor کے پاس چلی گئی پھر...؟"

"سر!" اس نے جز بز ہوتے احتجاجی انداز میں کہا تھا۔ وہ اسے اس کی پہلے دن کی اپنے منہ میاں مٹھو والی باتیں یاد دلانا بھولتے نہیں تھے۔

"مجھے کورنگی ایک فیکٹری کی سائٹ پر جانا ہے' آپ میرے ساتھ وہاں چل رہی ہیں۔ اپنا جو کچھ بھی سامان آپ نے لینا ہے' وہ لے کر پانچ منٹ میں باہر پہنچیں' میں گاڑی میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔"

انہوں نے حکمیہ انداز میں کہا اور پھر فوراً ہی اپنے بجتے ہوئے ٹیلی فون کی سمت متوجہ ہو گئے۔ وہ اپنی خوشی بمشکل چھپاتی جلدی سے وہاں سے اٹھی۔ اپنے کیبن میں آ کر اس نے جلدی جلدی کمپیوٹر آف کیا' اپنی درازیں لاک کیں' ہینڈ بیگ' موبائل اٹھایا اور تیز قدموں سے فوراً باہر نکل آئی۔ وہ پانچ کیا چار منٹوں میں باہر آ گئی تھی۔ وہ ان کے برابر گاڑی میں بیٹھی تو انہوں نے اس فیکٹری کی ورکنگ ڈرائنگز اس کے حوالے کیں جس کی سائٹ پر اس وقت وہ لوگ جا رہے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ وہ راستے میں اس پروجیکٹ سے آگاہی حاصل کر لے۔ وہ خود ڈرائیونگ کے دوران اسے فیکٹری کے اسٹرکچرل ڈیزائن کے متعلق کافی کچھ بتاتے رہے تھے۔ کورنگی انڈسٹریل ایریا میں وہ فیکٹری کافی بڑے رقبہ پر بنائی جا رہی تھی۔ وہ دونوں وہاں پہنچے تو فیکٹری کی تعمیر کا کام زور و شور سے جاری تھا۔ سائٹ انجینئر' عزیر فاروق کی گاڑی کو دیکھتے ہی مستعد سا فوراً ان کی طرف آیا تھا۔

"السلام علیکم سر!" سے شروع کرتے ہوئے اس نے جلدی جلدی انہیں کام کی رفتار و معیار سے متعلق زبانی رپورٹ دینا شروع کر دی تھی۔

سائٹ انجینئر کے ساتھ چلتے وہ دونوں اندر آگئے تھے۔ وہاں ہر طرف دھول تھی، مٹی تھی، سیمنٹ، بجری، کرش، لکڑی، سریا ہر جگہ یہی کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ مزدور سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے جبکہ عزیر فاروق کو دیکھ کر ٹھیکے دار بھی وہیں آگیا تھا۔ ان لوگوں کو ہنیا سے متعارف کرواتے عزیر فاروق آگے بڑھے۔ فرسٹ فلور پر سریا پوری طرح بچھ چکا تھا۔ فرسٹ فلور تک جانے کے لیے ابھی سیڑھی نہیں بنی تھی۔ ان لوگوں نے لکڑی کا ایک مضبوط سا تختہ ٹیڑھا کر کے زمین سے لے کر فرسٹ فلور تک لگایا ہوا تھا اور اس کے ذریعے باتیں کرتے کرتے وہ سب بڑے اطمینان سے اوپر چڑھنے لگے تھے۔ ورکنگ ڈرائنگز ہاتھوں میں سنبھالے وہ بھی ان لوگوں کے پیچھے پیچھے اوپر چڑھ آئی تھی۔

"Beams کا اسٹیل چیک کیجیے۔"

عزیر فاروق نے اس سے کہا اور پھر دوبارہ سائٹ انجینئر اور ٹھیکیدار کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہوگئے۔ وہاں پوری طرح ہر طرف سریا بچھا ہوا تھا اور وہ احتیاط سے آہستہ آہستہ چلتی ورکنگ ڈرائنگز ہاتھ میں لیے ڈرائنگ میں موجود Beams کے سریے کا اصل Beams کے سریے کے ساتھ موازنہ کر رہی تھی، یوں آہستہ آہستہ احتیاط سے چلنا، خود کو کسی چیز سے ٹھوکر لگنے سے بچانا، کہیں سریا یا کوئی اور چیز چبھ نہ جائے اس بات کا دھیان رکھنا اور ساتھ ساتھ ڈرائنگ ہاتھ میں لیے کام کے معیار کا جائزہ لینا، یہ سب کچھ بہت نیا اور بہت مختلف تجربہ تھا۔

اسے اس کا کام سونپ کر عزیر فاروق سائٹ انجینئر کے ساتھ مصروف تھے۔ جو انہیں کنسٹرکشن کے دوران پیش آنے والی مختلف مشکلات اور پریشانیوں سے آگاہ کر رہا تھا اور وہ اسے حل بھی کرتے جارہے تھے۔ اس شعبے میں خواتین چونکہ ابھی بھی مردوں کے مقابلے میں کم ہیں اس لیے اپنے اپنے کاموں میں مصروف مختلف مزدور گاہے گاہے نظریں اٹھا کر اسے بھی دیکھ رہے تھے۔ اس نے قریب جا کر ان میں سے ایک دو سے بات کی تو اسے ان کی معلومات اور علم پر خوشگوار حیرت ہوئی۔

وہ پڑھے لکھے نہیں تھے، ان میں سے چند تو گنتی تک نہیں جانتے تھے مگر کس (کولم) میں کتنا سریا ڈالنا چاہیے اور کس طرح کی عمارتوں کے لیے کس طرح کے (کولنز) اور beams موزوں رہتے ہیں فرفر بتا سکتے تھے۔ اس کے ساتھ ان سب کا رویہ بہت احترام والا تھا۔ ان میں سے ایک نے تو اسے وہاں اتنا سنبھل سنبھل کر چلتے دیکھ کر ایسی جگہوں پر کس طرح چلا جاتا ہے اس کی تیکنک تک بتائی تھی۔

"چلیے مس ہنیا!" اسے کہتے ہوئے عزیر فاروق تیز قدموں سے اس سیڑھی نما لکڑی کے تختے پر سے بڑے آرام اور اطمینان سے نیچے اتر گئے تھے۔ وہ کونے تک تو آکر کھڑی ہوگئی تھی مگر اس تختے پر سے اترتے اسے ڈر لگ رہا تھا۔ چوٹ لگنے کا خوف نہیں تھا۔ لیکن اتنے لوگوں کے سامنے اگر وہ گر پڑی تو کس قدر شرمندگی ہوگی۔ عزیر فاروق آج یوں اسے اچانک اپنے ساتھ سائٹ پر لے آئیں گے۔ ایسی کوئی بات اس کے ذہن میں دور دور تک نہ تھی ورنہ وہ یہاں سینڈلز کے بجائے جوگرز پہن کر آتی۔

لکڑی کے تختے پر سے اترتے اونچی ہیل والے سینڈلز میں مقید اس کے پیر ذرا بھی اِدھر سے اُدھر ہوتے اور وہ سیدھی نیچے۔ اس تختے اور اس ڈھلان کو دیکھ کر اسے خوف آرہا تھا عزیز فاروق نیچے کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اسے ہچکچاہٹ کا شکار دیکھا تو جیسے از خود ہی اس کا مسئلہ سمجھ گئے۔ وہ جس تیزی سے نیچے اترے تھے، اسی سے واپس اوپر چڑھے اور اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ بغیر ایک سیکنڈ کی ہچکچاہٹ کے اس نے ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو فوراً تھام لیا۔

نیچے اترتے ہی انہوں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

"آپ گاڑی میں جا کر بیٹھیے میں آرہا ہوں۔"

اپنی گاڑی کی چابی اسے دیتے انہوں نے کہا اور خود دوبارہ سائٹ انجینئر سے کوئی بات کرنے چلے گئے۔

وہ چند ہی منٹوں بعد گاڑی میں آکر بیٹھے تو اس کا

www.paksociety.com

...ا۔ اب وہ اس کی کچھ دیر پہلے کی بزدلی کا ضرور مذاق ...ں گے۔ سائٹ پر جاتا ہے اور مکمل انجینئر بنتا ہے ...اویلا کرنے کے بعد عملی طور پر اتنی کم ہمتی۔ مگر ...ں امید کے برخلاف انہوں نے اس بات کا تو ...ے کوئی ذکر کیا ہی نہیں بلکہ وہ اسے اس ...رکشن سے متعلق دیگر باتیں بتانے لگے۔ اب وہ ...رل ایریا سے نکل آئے تھے۔

"مجھے اب بلڈنگ کنٹرول ایک میٹنگ میں جانا ...آپ بھی میرے ساتھ چلیے۔" وہ جیسے آج اس ...ام شکایتیں دور کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت دوپہر کا ...بج رہا تھا۔ وہ آفس میں ہوتی تو لنچ کر رہی ہوتی۔

"لنچ ٹائم ہو رہا ہے آپ کو بھوک لگ رہی ہوگی۔"

...یو کرتے کرتے انہوں نے اس کی سمت دیکھا۔

"نہیں سر! کچھ خاص نہیں۔" اس نے انہیں ...یقین دلایا، مگر کچھ ہی دیر ڈرائیو کرنے کے بعد انہوں ...گاڑی میک ڈونلڈز کے سامنے روک دی۔

"آپ کون سا برگر لیں گی؟"

"سر! آپ پلیز۔ تکلف..."

اس نے کہنا چاہا اور انہوں نے اس کی بات درمیان ...ہی کاٹ دی۔ "یہ ہنیا سجاد نے اتنے پُرتکلف جملے ...لنے کب سے شروع کردیے ہیں؟ ایک مہینہ پہلے ...جس ہنیا سجاد سے ملا تھا، وہ بلا تکلف اور بے جھجک ...کرتی تھی۔ آپ کی جس کوالٹی کی وجہ سے میں نے ...کو اپائنٹ کیا تھا خدا کے لیے اپنی اس بے ساختگی کو ...ت چھوڑیے۔ آپ بے جھجک اور بے تکلف بات ...آپ ہی اچھی لگتی ہیں۔"

اب تو اسے اپنی پسند بتانا ہی تھی۔ وہ گاڑی سے ...ر چلے گئے تھے۔ کچھ ہی منٹوں بعد وہ واپس گاڑی ...میں آکر بیٹھے اور اس کا پارسل ان کے حوالے کر دیا۔

"اور سر آپ؟" وہ اپنے لیے کچھ بھی نہیں لائے ...تھے۔

"میری عمر نہیں ہے فاسٹ فوڈز کھانے کی۔ یوں ...ی میں باہر کا کھانا بہت ہی کم کھاتا ہوں۔ دل کا مریض ...ں، میرے لیے گھر سے کھانا آتا ہے۔"

انہوں نے مسکرا کر کہا تھا۔ جب تک وہ تمام چیزیں کھا پی کر فارغ ہوئی، تب تک وہ سوک سینٹر بلڈنگ کنٹرول کے آفس پہنچ گئے۔ راستے میں بھی وہ اسے یہ بتاتے ہوئے آئے تھے کہ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے چند (ہائی آفیشلز) کے ساتھ ان کی اور ان کے ایک بلڈرز جن کے لیے انہوں نے ایک کئی منزلہ رہائشی عمارت ڈیزائن کی تھی یہ میٹنگ اس NOC کے بارے میں تھی، جو بلڈنگ کنٹرول والے جاری کریں تو ان کے فلیٹوں کی بکنگ کا کام شروع ہو۔

وہ بلڈر جن کے لیے انہوں نے وہ بلڈنگ ڈیزائن کی تھی وہاں پہلے سے موجود تھے اور ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کا نام عامر اعوان تھا۔ عمر میں کم و بیش عزیر فاروق جیسے ہی تھے۔ ان کی قیمتی گاڑی اور شاندار لباس ان کی امارات کا واضح اظہار تھے۔

ابتدائی تعارف کے دوران ہی اسے وہ صاحب پسند نہیں آئے تھے۔ اسے ان کی نظریں اچھی نہیں لگی تھیں۔ بظاہر بڑے کلچرڈ، بڑے مہذب مگر نظریں ایسی جیسے آپ کو آرپار دیکھ رہے ہوں۔ مردوں کی یہ قسم صرف یہاں نہیں، اس نے امریکہ میں بھی بہت دیکھ رکھی تھی بلکہ شاید رنگ، نسل اور قومیت کے جھگڑے سے آزاد یہ قسم ہر ملک اور ہر معاشرے میں پائی جاتی ہے۔ وہ جن کے لیے اس کی دوست کیتھی کہا کرتی تھی کہ ان کی نگاہیں ایسی ہوتی ہیں جیسے اپنے سامنے آنے والی ہر عورت اور ہر لڑکی کو گویا نظروں سے پوسٹ مارٹم کر رہے ہوں۔

میٹنگ سے فارغ ہونے کے بعد وہ لوگ واپس آفس پہنچے تو چار بج رہے تھے۔

"سر! آپ لنچ کر لیجیے۔" وہ اس کے ساتھ ہی سیڑھیاں چڑھ کر ڈرائنگ سیکشن میں جانے لگے تب وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

"لنچ؟" انہوں نے چونک کر اسے دیکھا، جیسے کوئی بھولی ہوئی بات اس نے یاد دلا دی تھی۔

"ہاں لنچ ابھی کر لیتے ہیں۔ پہلے ذرا مجھے طالب سے ایک بہت ضروری بات کہنی ہے۔ کل بلڈنگ چائلڈ

---کیئر اسپتال کی سبمیشن ڈرائنگز جانی ہیں۔" وہ اسے جواب دیتے ڈرائنگ سیکشن میں چلے گئے۔

شام کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے جب عزیز فاروق کے سیکریٹری شوکت سلطان نے اسے انٹر کام پر اطلاع دی کہ "سر آپ کو بلا رہے ہیں۔" وہ ان کے آفس میں آئی تو حسب معمول پہلے شوکت سلطان ہی سے ملاقات ہوئی۔ وہ کمپیوٹر پر کھٹا کھٹ کچھ ٹائپ کر رہے تھے۔

"سر اندر ہیں۔ آپ چلی جائیے۔"

اسے اپنے پاس رکتا دیکھ کر شوکت سلطان بولے۔

"سر نے لنچ کر لیا؟" وہ یہی پوچھنے رکی تھی سو فوراً ہی پوچھ لیا۔

شوکت سلطان نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"نہیں۔"

"ابھی تک نہیں کیا۔"

اس نے اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھتے حیرت سے کہا۔

"آپ کس قسم کے سیکریٹری ہیں؟ آپ کے باس نے شام ساڑھے پانچ بجے تک دوپہر کا کھانا نہیں کھایا۔ وہ ہارٹ پیشنٹ ہیں انہیں شاید اپنی میڈیسنز بھی لینی ہوں گی۔ اور اگر کوئی میڈیسن نہ بھی لینی ہو تب بھی ہارٹ پیشنٹ کے لیے بغیر کچھ کھائے پیئے مسلسل کام کرنا کیا مناسب ہے؟"

شوکت سلطان کی حیران نظروں کو نظرانداز کر کے اپنی ناپسندیدگی کا واضح اظہار کرتی وہ عزیز فاروق کے آفس کی طرف بڑھ گئی۔

"آیئے مس ہنیا!" وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو وہاں عزیز فاروق کے ساتھ بلگرامی صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کے سامنے میز پر ایک ڈرائنگ کھلی ہوئی رکھی تھی اور وہ اس کی آمد سے قبل شاید اسی پر تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔

"بیٹھیے" وہ بلگرامی صاحب کی برابر والی نشست پر بیٹھ گئی تھی۔

"بھئی بلگرامی صاحب! آپ کی ٹیم کی اس ممبر کو میں لیاقت علی میڈیکل کالج کے پروجیکٹ میں اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس پروجیکٹ میں طالب کے ساتھ مس ہنیا مجھے اسسٹ کریں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو۔۔۔"

وہ اس طرح بولے جیسے وہ بلگرامی صاحب کے لیے ایک انتہائی قیمتی سرمایہ تھی۔ جبکہ انہوں نے ابھی تک اسے ایک فارن کوالیفائیڈ فریش انجینئر نئی گریجویٹ سے بڑھ کر کچھ تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔ انہوں نے جس طرح لاتعلقی سے سر ہلا کر اسے اپنا انڈر قبول کیا تھا اسی طرح اس نئی تجویز کو بھی قبول کر لیا۔

وہ اب ان کے ساتھ کام کرے گی اسے یہ سوچ کر ہی بہت خوشی ہو رہی تھی۔

بلگرامی صاحب اور ان کی گفتگو کے بیچ وہ خاموش بیٹھی تھی۔ وہ دونوں اس میڈیکل کالج کی soil report پر بات کر رہے تھے۔ مزید چند منٹ گفتگو کر کے بلگرامی صاحب وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

اسے بھی جس بات کے لیے بلایا گیا تھا وہ ہو چکی تھی لہٰذا اسے بھی اب اٹھ جانا چاہیے تھا مگر وہ بلگرامی صاحب کے جانے کے باوجود وہیں بیٹھی رہی۔

"جی مس ہنیا! کہیے آپ کا آج کا دن کیسا رہا؟ سائٹ پر اور میٹنگ میں کچھ نیا سیکھنے کو ملا؟" وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"سر! آج کا دن بہت اچھا رہا۔ میں نے بہت کچھ سیکھا۔ اور تھینکس سر! مجھے اس نئے پروجیکٹ میں شامل کرنے کے لیے۔ میں آپ کے ساتھ کام کر سکوں گی میں ابھی سے ایکسائیٹڈ ہو رہی ہوں۔"

"زیادہ ایکسائیٹڈ مت ہوں۔ میں کام کے معاملے میں بلگرامی صاحب سے زیادہ سخت گیر باس ہوں۔ طالب سے پوچھیں (اسٹرکچرل ڈیزائننگ اور سبمشن کے دوران اس بے چارے نے مجھ سے کتنی ڈانٹیں کھائی ہیں۔" انہوں نے جیسے اسے ڈرانا چاہا تھا۔

"سر آپ اگر کسی کو ڈانٹتے ہوں گے تو بغیر وجہ کے

UrduPhoto.com

نہیں ڈانٹتے ہوں گے اگر کبھی مجھے ڈانٹ پڑی تو یقیناً میں نے بھی کوئی unforgivable blunder کیا ہو گا۔" وہ بے اختیار مسکرائے۔

"میرے متعلق اتنی اچھی اچھی آرا قائم کرلی گئی ہیں یعنی یہ کہ اگر کبھی ہنیا سجاد نے پاکستان سے مایوس ہو کر واپس امریکہ چلے جانے کا فیصلہ کرلیا تو اس مایوسی کا سبب کم از کم میں تو ہرگز نہیں ہوں گا۔"

"سر! آپ بہت اچھے ہیں۔ اپنے سب ایمپلائز کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ وہ اپنی جابز سے خوش اور مطمئن رہیں اس چیز کا دھیان رکھتے ہیں' جیسا کہ آپ نے میرے معاملے میں کیا۔ لیکن سر! آپ کو صرف اپنے ایمپلائز اور فرم کا نہیں اپنا بھی تو دھیان رکھنا چاہیے۔"

وہ اپنے مخصوص صاف گو انداز میں بولی۔ انہوں نے نہ سمجھ میں آنے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"سر! ساڑھے پانچ بج چکے ہیں۔ آفس ٹائم ختم ہونے والا ہے اور آپ نے ابھی تک لنچ نہیں کیا۔ آپ کو اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہیے جبکہ آپ ہارٹ پیشنٹ بھی ہیں۔"

انہوں نے بے اختیار سر پر یوں ہاتھ مارا جیسے کوئی بہت بھولی بسری بات اچانک کسی نے یاد دلادی ہو۔ وہ ان کی اور ہلکو امی صاحب کی گفتگو کے دوران یہ بات سن چکی تھی کہ سات بجے ان کی یہیں کسی کلائنٹ کے ساتھ میٹنگ تھی یعنی وہ ابھی مزید کافی دیر آفس ہی میں تھے۔

"سر! ابھی آپ کے کلائنٹ کے آنے میں ٹائم ہے آپ اتنی دیر میں کھانا کھالیجیے۔" ان کے چہرے پر ایک حیرت بھری مسکراہٹ ابھری تھی۔

"آپ ایک اتنی پیاری سی لڑکی جو میری اتنی تعریفیں بھی کررہی ہے مجھ سے کھانے کے لیے کہہ رہی ہے تو میرے انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' ہاں بس شرط یہ ہے کہ اسے کھانے میں میرا ساتھ دینا ہو گا۔"

اس سے بولتے ہوئے انہوں نے ریسیور اٹھایا' انٹر کام پر شوکت سلطان سے اپنے لیے کھانا بھجوانے کو کہا۔

"تو آپ کو پاکستان کیسا لگ رہا ہے' دو مہینے سے اوپر ہو گئے ناں آپ کو یہاں آئے۔"

"پاکستان اچھا ہے سر! ابھی تو کافی کچھ نیا اور نامانوس لگتا ہے۔"

وہ اسی موضوع پر بات کررہی تھی جب پیون کھانے کی ٹرے ہاتھ میں لیے اندر داخل ہوا۔ اس نے کھانا صوفے کے سامنے رکھی میز پر لگادیا تھا۔

"آیئے مس ہنیا!" ہاتھ دھونے کے لیے واش روم کی طرف جاتے انہوں نے اسے میز پر آنے کی دعوت دی۔ میز پر چکن پلاؤ' مکسڈ سبزیاں' چپاتیاں اور سلاد موجود تھی۔ وہ اس کے سامنے والے صوفے پر آکر بیٹھ گئے تھے۔ وہ دوپہر کو لنچ کرچکی تھی مگر ان کے ساتھ دینے کے خیال سے وہ اپنی پلیٹ میں تھوڑی سی مکس سبزیاں اور چاول ڈال رہی تھی۔ وہ اپنی پلیٹ میں سلاد ڈال رہے تھے۔ اس کے چاول ڈالنے کے انداز پر وہ ہاتھ روک کر دلچسپی سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ چکن کی بوٹیاں ہٹا ہٹا کر صرف چاول اپنی پلیٹ میں ڈال رہی تھی۔

"ویجی ٹیرین ہیں؟"

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔ انہوں نے صرف سلاد اپنی پلیٹ میں ڈالی تھی اور وہ ابھی صرف سلاد کھا رہے تھے۔

"آپ اپنے تمام باسز کی اتنی ہی فکر کرتی ہیں یا میں [illegible] اسپیشل ہوں؟" [illegible] نہیں کھانے میں سلاد زیادہ کھاتا ہوں اور باقی چیزیں کم۔"

"ہر وہ شخص جو مجھے اچھا لگے۔ میرے لیے بہت اسپیشل ہوتا ہے' چاہے وہ میرا باس ہو یا نہیں۔" وہ بے دھڑک بولی۔

"مجھے پتہ ہے سر!" بے خیالی میں بغیر سوچے سمجھے اس کے منہ سے نکلا۔ بولتے کے ساتھ ہی اسے اپنی

غلطی کا احساس ہوا۔ چمچہ منہ کی طرف لے جاتا ان کا ہاتھ اس بات پر اپنی جگہ ٹھہر گیا تھا۔ انہوں نے بے تحاشا حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"میرا مطلب ہے سر! آپ باہر کا کھانا نہیں کھاتے' پرہیز کرتے ہیں' احتیاط کرتے ہیں تو یقیناً کمپلیٹ اور healthy ڈائٹ لینے کے لیے سلاد اور فروٹس زیادہ لیتے ہوں گے اور کھانا کم کھاتے ہوں گے۔" اس نے جلدی سے اپنی بات کی وضاحت دی تھی۔ انہوں نے سر اثبات میں ہلا کر گویا اس کی بات کی تائید کردی تھی۔

"سر! کھانا بہت مزے کا ہے۔ آپ کی مسز نے بنایا ہے؟" اس نے اپنی پلیٹ میں مزید سبزیاں ڈالتے ہوئے موضوع بدلا۔

"نہیں۔ پہلے میری مسز ہی میرے لیے کھانا بنا کر بھیجا کرتی تھیں مگر اب ان کی صحت کچھ ٹھیک نہیں رہتی تو ان کی زیرِ نگرانی اور زیرِ ہدایات ہمارا کک کھانا تیار کرکے بھیجتا ہے۔"

"میں آپ کو اپنے ساتھ چائے یا کافی پینے کے لیے رکنے کو کہتا لیکن آفس ٹائم کافی دیر ہوئی ختم ہوچکا آپ کو گھر جانا ہو گا' آپ کے گھر والے انتظار کررہے ہوں گے۔"

کھانے کے بعد انہوں نے اس سے کہا تھا۔ ابھی وہ دونوں صوفوں ہی پر بیٹھے تھے کہ اسی وقت ان کے موبائل پر کوئی کال آنے لگی تھی۔ انہوں نے کال ریسیو کی وہ غالباً ان کے کسی کلائنٹ کی کال تھی۔

انہیں خدا حافظ کہہ کر وہ وہاں سے باہر نکلی تو شوکت سلطان نے سر کے لنچ کے لیے فکر مند ہوتی اس جمعہ جمعہ آٹھ دن کی اپائنٹ ہوئی نئی انجینئر کو بے حد تعجب اور حیرت سے دیکھا۔ اس نے صرف فکر کا اظہار ہی نہیں کیا تھا' بلکہ خود اندر جاکر انہیں کھانے کا یاد دلا کر ان کے لیے کھانا منگوا بھی لیا تھا اور غالباً" کھانا ان کے ساتھ کھا بھی لیا تھا۔ بغیر کسی ایڈ اور vacancy کے اپائنٹ ہوئی یہ نئی انجینئر جو سر کے بہت زیادہ آگے پیچھے پھرتی نظر آرہی تھی۔ وہ اپنے باس کو برسا برس سے جانتا تھا' وہ اس طرح کے آدمی نہیں تھے' مگر یہ امریکہ پلٹ نئی انجینئر اس کا دل چاہا وہ اس سے کہے۔

"میڈم! آپ غلط جگہ ٹرائی کررہی ہیں۔ سر اپنی مسز کو بہت زیادہ چاہتے ہیں۔ میں ان کا سیکریٹری گواہ ہوں کہ روزانہ آفس سے وہ کتنی کتنی مرتبہ اپنی مسز کو فون کرتے اور ان کی فون کالز ریسیو کرتے ہیں۔"

آج کل کی ذرا زیادہ پڑھی لکھی لڑکیوں میں یہ نیا ٹرینڈ چل پڑا تھا انہیں اپنے سے دگنی عمر کے مردوں میں بے پناہ کشش محسوس ہوتی ہے۔

"خیر مجھے کیا ہے۔" شوکت سلطان نے سر جھٹک کر اپنے آج کے کاموں کو جلدی جلدی وائنڈ اپ کرنا شروع کردیا۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے' آج ہماری بیٹی بہت خوش لگ رہی ہے؟"

فیاض صاحب اسے دیکھتے ہوئے بولے۔ وہ تینوں اس وقت رات کا کھانا کھا رہے تھے۔

"جی ماموں! آج میرا آفس میں دن بہت اچھا گزرا۔ میں کل سے اپنے باس کے ساتھ ایک پروجیکٹ میں بھرپور انداز میں شریک بھی ہونے والی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے انہیں اطلاع دی۔

"اللہ تمہیں یونہی ہنستا اور خوش رکھے ہنیا! زندگی میں بہت سی خوشیاں دے۔"

شمسہ بیگم نے بھرپور خلوص اور محبت کے ساتھ اسے دعائیں دیں۔ جب تک امریکہ میں تھی ان کا اس سے سرسری سا ہی رابطہ اور تعلق تھا مگر اب یہاں ان کے پاس آئی تو اپنی پیاری عادات کے سبب بہت جلد ان کے دل میں جگہ بنا گئی تھی۔ لگتی ہی نہیں تھی کہیں سے اس بے باک مادر پدر آزاد معاشرے کی پروردہ۔ اس میں وہی رکھ رکھاؤ' وہی تہذیب اور ادب و آداب تھے جو مشرقی لڑکیوں کا خاصا ہوا کرتے ہیں۔

کھانے کے بعد وہ شمسہ بیگم اور فیاض صاحب کے ساتھ لان میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگی تھی۔ اپنے بچوں

کے بغیر ان کا بڑا سا گھر جو ہر وقت ویران اور خاموش سا رہتا تھا اس کے آجانے سے وہاں کچھ رونق پیدا ہوگئی تھی۔ دن اس کا آفس میں گزر جاتا تھا مگر رات کا یہ وقت وہ اپنے ماموں، ممانی کے ساتھ کافی دیر تک باتیں کرکے گزارا کرتی تھی۔ اس کے ساتھ باتیں کرکے، وقت گزار کے وہ دونوں بہت اچھا محسوس کرتے تھے، خوش ہوتے تھے مگر فیاض کبھی کبھی اس بات پر دل میں حیران ضرور ہوتے تھے کہ اپنے ان بوڑھے ماموں، ممانی کی کمپنی میں وہ اتنی خوش اور مطمئن کیسے بیٹھی رہتی تھی۔

وہ اس کی عمر کے مطابق، اس کی دلچسپی کے موضوعات پر باتیں نہیں کرسکتے تھے، ان کے گفتگو کے موضوعات کچھ اور ہوتے تھے جو یقیناً" آج کل کے کسی لڑکے یا لڑکی کی دلچسپی کے حامل نہیں ہوسکتے تھے مگر وہ روز رات کو کافی دیر تک ان دونوں کے ساتھ باتیں کیا کرتی تھی۔ ان کی تنہائی اور اکیلے پن کا مداوا کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ رات گیارہ بجے تک ان کی یہ محفل جما کرتی تھی۔ گیارہ بجے ہنیا سونے کے لیے اٹھ جاتی تھی۔ ان دونوں میاں، بیوی کو بھی جلدی سونے کی عادت تھی لہٰذا جیسے ہی گیارہ بجتے وہ انہیں شب بخیر کہتی ان کے پاس سے اٹھ جاتی تھی۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز وہ عزیر فاروق اور طالب کے ساتھ میڈیکل کالج کی سائٹ پر پہنچ گئی تھی۔ جہاں آج سے باقاعدہ کنسٹرکشن کا آغاز ہونا تھا۔ خاصا بڑا پروجیکٹ تھا۔ میڈیکل کالج کے ساتھ الگ الگ بوائز اور گرلز ہوسٹلز بھی تعمیر ہونا تھے۔

عزیر فاروق تو وہاں آدھ پون گھنٹہ رک کر چلے گئے تھے جبکہ وہ اور طالب وہاں کاموں کی نگرانی کے لیے کافی دیر تک موجود رہے تھے۔ آج اس کے پاؤں میں جوگرز بھی تھے اور سر پر کیپ بھی۔ وہ ایک سول انجینئر کے پرفیکٹ حلیے میں تھی۔ خوب دھول مٹی کھا کر اور تیز دھوپ میں رنگ جھلسا کر وہ دونوں وہاں سے سہ پہر کے وقت آفس لوٹے تھے۔ آنے کے بعد وہ طالب کے ساتھ ڈرائنگ سیکشن میں تھی۔ میڈیکل کالج کی ورکنگ ڈرائنگز میں کچھ پوائنٹس وہ دونوں ڈسکس کررہے تھے۔ سامنے تینوں ڈرائنگ بورڈز پر میڈیکل کالج ہی کی ڈرائنگز لگی ہوئی تھیں۔ شیریں اور جویریہ اپنے اپنے الگ کاموں میں وہاں مصروف تھیں۔ تب ہی ذیشان باہر سے کچھ بولتے ہوئے اندر داخل ہوا تھا۔

"کیا ہوا بھائی؟ یہ منہ ہی منہ میں کیا بڑبڑایا جارہا ہے؟"

طالب نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ ذیشان نے اسی سال NED سے پاس آؤٹ کیا تھا۔ اسے یہاں جاب کرتے ابھی سات آٹھ ماہ ہی ہوئے تھے۔ خاصا شوخ و شریر اور چلبلا سا لڑکا تھا۔ اس کی ہنگامہ پروری دیکھ کر لگتا نہ تھا کہ وہ این ای ڈی سے گولڈ میڈلسٹ ہے۔

"کچھ نہیں، بس یونہی کچھ لوگوں کی کنجوسی بلکہ مہا کنجوسی پر افسوس کررہا ہوں۔ ابھی چھ مہینے پہلے کی بات ہے ہمیں پہلی سیلری ملی تھی ہم نے سارے کولیگز کو باہر لے جاکر کھانا کھلایا تھا اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ پہلی کیا دوسری سیلری وصول کرنے والے ہیں اور کولیگز کو کھانا کھلانا تو دور ایک ایک گلاب جامن تک نہ کھلاسکے۔"

اشارہ چونکہ اس کی جانب تھا اس لیے اس نے فوراً" مڑ کر ذیشان کو دیکھا۔ وہ افسوس بھرے انداز میں سر کو دائیں بائیں ہلا رہا تھا۔ وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

"مس ہنیا! کیا امریکہ میں دوستوں کی دعوت کرنے کا رواج بالکل نہیں ہے؟ ویسے سنا یہی ہے امریکی خاصے روکھے پھیکے لوگ ہوتے ہیں بلکہ بعض تو اس حد تک روکھے اور کنجوس ہوتے ہیں کہ اپنی گرلز فرینڈ کے ساتھ کہیں باہر کھانا کھانے جائیں تو دونوں اپنا اپنا بل خود پے کرتے ہیں۔" وہ چہرے پر ڈھیر ساری معصومیت لیے بولتا ہوا اس کے پاس آگیا۔

"ایسے کنجوس بوائے فرینڈ سے میرا واسطہ نہیں پڑا۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ شیریں اور جویریہ بھی اپنا اپنا کام چھوڑ کر ان لوگوں کی جانب متوجہ ہوگئی تھیں۔

"کہاں کھانا کھانے کا موڈ ہے، آج ہی چلیں؟" اس نے کھلے دل سے آفر دی۔

"جہاں آپ کھلا دیں گی ہم کھالیں گے، شریف لوگ ہیں۔"

اسی وقت چھٹی کے بعد پزاہٹ جانے کا پروگرام طے ہوگیا تھا۔

شام سات بجے وہ سب پزاہٹ پہنچے تھے۔ ابھی چونکہ ڈنر ٹائم نہیں ہوا تھا اس لیے رش نہیں تھا۔ اپنے اپنے من پسند پزا اور کولڈ ڈرنک کا آرڈر کرنے کے بعد اب وہ سب آپس میں باتیں کررہے تھے۔ فراز کا کل آفس سے گھر واپس جاتے کسی نے موبائل چھین لیا تھا اور وہ تاحال اپنے قیمتی موبائل کے چھن جانے پر دکھی تھا۔

"بھائی میرے، اتنا افسوس مت کرو۔ جس کی امانت تھی اس نے آکر لے لی۔" ذیشان نے اس کے مسلسل لٹکے منہ کو دیکھ کر اسے تسلی دی۔

"امانت؟" اس نے ذیشان کی جانب دیکھا۔

"جی، امانت۔ کراچی میں آپ موبائل لے کر گھوم رہے ہیں اس کا مطلب یہ کہ ڈاکوؤں کی امانت لیے گھوم رہے ہیں۔ وہ جب چاہیں آکر آپ سے اپنی امانت لے جاسکتے ہیں۔"

وہ ایسی ہی باتیں کیا کرتا تھا، سب اس کی بات پر ہنس پڑے تھے۔

"یہ تو شکر ہے اس کے پاس اچھا سیٹ تھا، اگر ایسا سیٹ ہوتا تو دو، چار ہاتھ تو وہ اسے ضرور جمادیتے۔ اتنا گھٹیا موبائل لے کر پھرتے ہو شرم نہیں آتی؟"

"ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو ذیشان! میری آنٹی نے اپنا سارا زیور لاکر میں رکھوا کر آرٹیفشل جیولری پہننی شروع کردی۔ ایک دن وہ انکل کے ساتھ کہیں جارہی تھیں ان کی گاڑی کو بائیک پر آتے دو لڑکوں نے روکا۔ آنٹی سے چوڑیاں اترواتے انہیں جیسے ہی یہ اندازہ ہوا کہ یہ اصلی سونا نہیں انہوں نے انکل کو اس قدر ذلیل کیا کہ بس۔"

پھر وہ سب اپنے اپنے ساتھ پیش آئے مختلف واقعات ڈسکس کررہے تھے۔ اس کے چہرے پر حیرت بھی تھی اور تاسف بھی۔ اس شہر میں رہنے والے، پاکستان کے اس سب سے بڑے شہر میں رہنے والے کس قدر غیر محفوظ تھے۔ لگتا تھا کسی کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کوئی حکومت نہیں، کوئی پولیس، کوئی قانون نہیں۔

"ہنیا کے سامنے یہ باتیں مت کرو۔ وہ ڈر کر امریکہ واپس چلی جائے گی۔" طالب نے اس کی شکل دیکھ کر ان لوگوں کو ٹوکا۔

"وہ ویسے بھی واپس چلی جائے گی۔ امریکہ سے آیا کوئی بندہ یہاں رہ سکتا ہے؟ بجلی نہیں، پانی نہیں، لاقانونیت، بدامنی، ایسی جگہ کون شریف آدمی رہ سکتا ہے۔" فراز نے تلخی سے کہا۔

"ہاں اسی لیے تو میں نے ٹریٹ لینے میں جلدی کی۔ میں نے سوچا اچانک کسی دن ہم سنیں گے کہ ہنیا واپس نیویارک جارہی ہیں۔ وہ بھی ہمیں ٹریٹ دیے بغیر۔"

"بے فکر رہیے ذیشان علی! ہنیا سجاد کراچی سے واپس نیویارک نہیں جانے والی۔ یہاں لاء اینڈ آرڈر کی پچویشن ٹھیک نہیں، لاقانونیت ہے، بدنظمی ہے، لوڈشیڈنگ ہے، پولیوشن ہے، گرمی ہے۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود میں نیویارک واپس نہیں جارہی۔ کیونکہ یہاں رشتے ہیں، یہاں محبت ہے۔"

اس نے چھری اور کانٹے سے پزا کا ایک پیس کاٹ کر منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"حوصلہ ہے آپ کا۔ مجھے تو آج امریکہ کا ویزا ملے میں مڑ کر کبھی یہاں دیکھوں گا بھی نہیں۔" فراز جواباً" بولا تھا۔ اس کا انتہائی شوق سے خریدا بہت قیمتی موبائل تازہ تازہ چھنا تھا اس لیے وہ زیادہ تلخ ہورہا تھا۔ کھانے کے بعد سب لڑکیاں آئس کریم کھانا چاہ رہی تھیں۔

www.paksociety.com

"آپ لوگ آئس کریم کھائیے ہم لڑکے کافی پئیں گے۔" ویٹر کو اشارہ کرتے ہوئے طالب ان لوگوں سے بولا۔

"ہم لڑکے؟" ذیشان نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔ طالب بے چارہ ان لوگوں سے سات آٹھ سال بڑا تھا اور وہ جب بھی خود کو لڑکوں میں شمار کرنے کی کوشش کرتا ذیشان یونہی اس کی ٹانگ کھینچا کرتا تھا۔

"لڑکیوں کے لیے آئس کریم اور ہم لڑکوں اور ہمارے انکل کے لیے کافی۔"

اس کی بات پر قہقہہ پڑا تھا اور طالب اور ذیشان کے درمیان نوک جھونک بھی شروع ہو گئی تھی۔

اپنے کولیگز کو ٹریٹ دے کر وہ گھر لوٹی تو دس بجنے والے تھے وہ آکر شمسہ بیگم کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ وہ دونوں باتیں کرنے لگی تھیں۔ فیاض صاحب اپنے کمرے میں ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ گیارہ بج چکے تھے وہ اپنے کمرے میں جانا چاہ رہی تھی۔ جبکہ شمسہ ابھی مزید باتیں کرنے کے موڈ میں تھیں۔ وہ مروتاً" بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی یہ بے چین سی کیفیت شمسہ بیگم کی نگاہوں سے بھی مخفی نہ رہی تھی۔

سو اسے سونے کے لیے کہتے ہوئے خود بھی اٹھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

وہ طالب کے ساتھ مل کر پوری تندہی سے میڈیکل کالج والے پروجیکٹ میں عزیر فاروق کی معاونت کر رہی تھی۔ چھوٹے موٹے مسئلے مسائل یہ دونوں مل کر خود ہی حل کر لیتے، ہاں کوئی بڑا مسئلہ درپیش ہوتا تو عزیر فاروق سے رجوع کرتے۔ اس روز بھی سائٹ سے سائٹ انجینئر کا فون آیا تھا۔ وہ فاؤنڈیشن ہی کے حوالے سے کچھ باتیں پوچھ رہا تھا۔

اس نے اپنی معلومات اور انتہائی مختصر سے تجربے کی روشنی میں اسے کچھ مشورے دے دیے تھے مگر وہ عزیر فاروق سے بھی اس بابت پوچھ لینا چاہتی تھی۔

"سر اندر ہیں؟" اس نے شوکت سلطان سے پوچھا۔ جب سے وہ اس پروجیکٹ کے ساتھ منسلک ہوئی تھی اس کے دن میں کئی چکر لگتے تھے ان کے آفس میں۔

"جی ہیں۔ ان کی مسز آئی ہوئی ہیں۔"

"میں چلی جاؤں؟" شوکت سلطان نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ لڑکی آج کل سر کی اتنی منظورِ نظر بنی ہوئی تھی، وہ اسے یہ کہہ نہیں سکتے تھے کہ وہ اندر نہ جائے۔

"سر! میں آجاؤں؟" اس نے دروازہ ذرا سا کھول کر ان سے پوچھا۔

"مس ہنیا؟ آئیے آئیے۔ بالکل آئیے۔"

خوشگوار سے انداز میں مسکراتے انہوں نے اسے اندر آنے کی دعوت دی۔ وہ اندر آئی تو ان کے سامنے والی کرسی پر ایک انتہائی خوبصورت سی خاتون بیٹھی نظر آئیں۔ انہوں نے آسمانی رنگ کا کاٹن کا کڑھا ہوا سوٹ پہن رکھا تھا، بال جو یقیناً" بہت لمبے اور سلکی تھے۔ ان کا ڈھیلا سا جوڑا بنایا ہوا تھا۔ انہوں نے کسی بھی قسم کا میک اپ نہیں کیا تھا، ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک تک نہ تھی، سوائے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن اور کانوں میں چھوٹے چھوٹے سے ٹاپس کے انہوں نے کسی بھی طرح کا مزید کوئی زیور نہیں پہنا تھا۔ مگر بغیر میک اپ اور کسی بھی خاص طرح کی تیاری کے وہ بے پناہ حسین تھیں۔ اپنے میاں کے ساتھ انہوں نے بھی گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ہاجرہ! یہ مس ہنیا سجاد ہیں۔ امریکہ سے آئی ہیں۔ ماشاء اللہ بہت لائق اور قابل انجینئر ہیں۔ اور مس ہنیا! یہ میری مسز ہاجرہ عزیر۔"

وہ کس کام سے آئی تھی، یکسر بھول گئی تھی۔ وہ یک ٹک ان کے چہرے کو دیکھتی ان کے قریب آگئی۔ اسے اپنے قریب آتا دیکھ کر وہ اخلاقاً" اٹھ کھڑی ہوئیں اور مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ وہ ہاتھ نہیں تھامنا چاہتی تھی، وہ محبت سے ان کے گلے لگ جانا چاہتی تھی مگر ایسا کر نہ سکی تو انتہائی گرم جوشی سے ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام لیا۔

UrduPhoto.com

"السلام علیکم۔" اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ انہیں کیا کہہ کر مخاطب کرے۔
"وعلیکم السلام۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی ہنیا!" انہوں نے مس کا اضافہ کیے بغیر اسے صرف ہنیا کہا تھا۔ وہ ابھی بھی ان کے چہرے کو یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ اسے ان کی آنکھوں میں ایک گہری اداسی ٹھہری نظر آ رہی تھی۔
"بیٹھیے ہنیا!" انہوں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس سے بھی بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ ان کی برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔
"سر! آپ بہت لکی ہیں۔ آپ کی مسز بہت خوبصورت ہیں۔"
"اور میں لکی نہیں ہوں؟ میرے میاں اتنے ہینڈسم ہیں۔" اس کے کمنٹس سے لطف اندوز ہوتی ہاجرہ عزیز مسکرائیں۔ مسکراتے ہوئے ان کے بائیں گال پر ڈمپل پڑا تھا۔ بہت گہرا بہت خوبصورت ڈمپل۔ اس نے بغور اس ڈمپل کو دیکھا۔
"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں' آپ دونوں لکی ہیں۔ اتنا شاندار' اتنا پرفیکٹ کپل تو بہت ہی کم اور کبھی کبھار دیکھنے کو ملتا ہے۔ وہ جنہیں دیکھتے ہی یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ ایک دوسرے کے لیے ہی بنائے گئے ہیں۔"
عزیر فاروق اس کے جوابی تبصرے سے محظوظ ہوتے قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔
"اس لڑکی کی یہی بات مجھے اچھی لگتی ہے۔ یہ دل کی بات بے دھڑک کہہ ڈالتی ہے۔" وہ اپنی بیگم سے مخاطب ہوئے تھے۔
اس نے اپنے برابر بیٹھی ہاجرہ عزیر کے چہرے کو پھر بغور دیکھا۔ اس کا ان کے چہرے پر سے نظریں ہٹانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔
"اور مما۔ میں کیا بتاؤں' میری مما کتنی خوبصورت ہیں۔" اس کے کانوں میں ایک آواز گونجی۔
"آپ کسی کام سے آئی تھیں مس ہنیا؟" اس نے ذرا چونک کر عزیر فاروق کی طرف دیکھا۔

"نہیں سر! زیادہ امپورٹنٹ کام نہیں ہے۔ ابھی آپ مصروف ہیں میں پھر آجاؤں گی۔"
وہ ایک دم ہی کھڑی ہو گئی۔ اسے خود سے ڈر لگا تھا' کہیں جذباتی ہو کر وہ کوئی احمقانہ حرکت نہ کر گزرے۔ ان سے پہلی بار مل رہی تھی اور انہیں دور دور سے اجنبی بن کر ملنا اور دیکھنا اس کے لیے بڑا کٹھن ثابت ہو رہا تھا۔ ہاجرہ عزیر کو خدا حافظ کہہ کر وہ فوراً" ہی عزیر فاروق کے آفس سے نکل آئی تھی۔
"بہت پیاری لڑکی ہے۔ یہ وہی ہے ناں جس کے بارے میں آپ بتا رہے تھے کہ نیویارک سے آئی ہے؟" اس کے چلے جانے کے بعد ہاجرہ عزیر فاروق سے پوچھ رہی تھیں۔
"ہاں وہی ہے۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ یقیناً" کسی بہت اچھی فیملی سے ہے۔ اس کے مینرز اور رکھ رکھاؤ اس کے کسی بہت اچھی فیملی سے ہونے کا بتا رہے ہیں۔ یہ مجھے انٹرویو دینے جس یقین سے آئی تھی کہ آج یہاں سے جاب حاصل کر کے ہی واپس جائے گی۔ مجھے اس کا خود پر وہ یقین اور بھروسہ بہت پیارا لگا تھا۔"
"مجھے دیکھ کتنے پیار سے رہی تھی۔ ایک پل کے لیے تو ایسا لگا جیسے میری اپنی بیٹی مجھے دیکھ رہی ہو۔" ہاجرہ نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں شوہر سے کہا۔
"آپ کی کیا بات ہے۔ آپ کو دنیا کی ہر لڑکی اپنی بیٹی نظر آتی ہے۔" انہوں نے ان کی بات جیسے سنی ہی نہیں تھی۔ وہ ابھی بھی خود کو اس کی محبت بھری نگاہوں کے حصار ہی میں محسوس کر رہی تھیں۔ اس لڑکی کی طرف ان کا دل اس طرح کھنچ کیوں رہا تھا۔ اس نے ہلکے گلابی رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ گلابی رنگ اس پر کتنا جچ رہا تھا۔
وہ بے تحاشا حسین نہیں تھی۔ مگر خوش شکل تھی۔ لمبا قد' مناسب سراپا اور اسٹائلش لکس' اس نے بالوں کی نیچے کر کے پونی بنائی ہوئی تھی۔ اس پونی میں اس کے اوپر سے سیدھے اور نیچے سے کرلی بال بہت

اسٹائلش لگ رہے تھے۔ میک اپ اور زیورات سے مکمل طور پر بے نیاز تھی سوائے دائیں ہاتھ میں ایک بریسلٹ کے اس نے کوئی زیور نہیں پہنا تھا۔ اپنی گفتگو اور نشست و برخاست سے عزیر فاروق کی طرح ہاجرہ کو بھی وہ کسی بہت اچھی فیملی کی فرد معلوم ہوئی تھی۔ انہیں ابھی بھی اس کی وہ نظریں یاد آ رہی تھیں جب وہ دروازے کے پاس سے آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھی تھی۔ ایک پل کو تو انہیں ایسا لگا تھا جیسے وہ ان کے گلے لگ جانا چاہتی ہے۔
"امریکہ میں پلی بڑھی لگتی نہیں ہے۔ پوری آستینوں کے ساتھ اتنے مکمل کپڑے تو اب پاکستان میں بھی لڑکیاں کم کم پہنتی ہیں۔"
اپنے خیالوں سے باہر نکلتے ہوئے انہوں نے شوہر کو مخاطب کیا۔ وہ جواباً" صرف مسکرائے تھے۔ ان کی بیگم کو ہنیا سجاد بے حد پسند آ گئی تھی اور وہ جانتے تھے اب ہاجرہ' ہنیا سجاد میں دنیا جہان کی وہ' وہ خوبیاں ڈھونڈ لیں گی جو شاید اس بے چاری میں ہوں گی بھی نہیں۔

☆ ☆ ☆

وہ ڈرائنگ سیکشن میں ہلگرامی صاحب کے پاس آئے تھے جو طالب کے ساتھ کھڑے ڈرائنگ بورڈ پر ایک ڈرائنگ پر کچھ تبادلۂ خیال کر رہے تھے۔ ہنیا بھی ایک اور ڈرائنگ بورڈ پر موجود تھی۔ وہ اسٹول پر بیٹھی اپنے قریب کھڑے ڈرافٹس مین کو کچھ سمجھا رہی تھی۔ انہیں اندر آتا دیکھ کر وہ فوراً" ہی احتراماً" کھڑی ہو گئی۔
"السلام علیکم سر!"
"وعلیکم السلام۔ کیسی ہیں مس ہنیا؟"
اس کے سلام کا جواب دیتے وہ دل ہی دل میں ہمیشہ کی طرح اس کے اس احترام لیے انداز سے بہت متاثر ہوئے۔ ان کے آفس میں اس طرح کا کوئی ماحول نہیں تھا کہ سینئرز یا باس کو دیکھ کر کھڑا ہوا جائے مگر وہ ان کی آمد پر ہر بار اسی طرح ہر کام چھوڑ کر فوراً" اٹھ کر کھڑی

ہو جاتی تھی۔
وہ ان کے ساتھ کہیں بھی جاتی' کبھی ان کے بیٹھنے سے پہلے خود نہیں بیٹھتی تھی' ان کے ساتھ کہیں داخل ہو رہی ہوتی یا وہاں سے باہر نکل رہی ہوتی' ہر بار اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ان کے لیے دروازہ وہ کھولے۔ "کچھ چیزیں' تعلیم بھی آپ کو نہیں سکھا سکتی' وہ تو آپ اپنے ماحول اور اپنی تربیت ہی سے سیکھتے ہیں۔ اس کے والدین یقیناً" بہت اچھے اور خاندانی لوگ تھے' انہوں نے اپنی بیٹی کو بہت اچھی تربیت دی تھی۔ وہ جس گھر بھی جائے گی' یقیناً" وہ لوگ بہت خوش قسمت ہوں گے۔" اس کے مینرز' ایٹی کیٹس' اس کی تہذیب اور اس کا رکھ رکھاؤ دیکھ کر بارہا ان کے دل میں یہی خیال آتا تھا۔
ہنیا اس وقت ان کے برابر والے ڈرائنگ بورڈ پر تھی اور اپنے کام کے ساتھ ان لوگوں کی گفتگو بھی پوری توجہ سے سن رہی تھی۔ وہ ڈرائنگ میں پوائنٹر کی مدد سے ہلگرامی صاحب اور طالب کو کچھ بتا رہے تھے۔ یک دم ہی پوائنٹر ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے فرش پر گر پڑا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ جھک کر پوائنٹر خود اٹھاتے' ہنیا جلدی سے اسٹول پر سے اٹھی اور فوراً" ہی نیچے گرا پوائنٹر اٹھا کر ان کی طرف بڑھا دیا۔ کسی اور نے اس بات کو محسوس کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر انہوں نے تو اس بات کو پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔
"کاش ایسی ایک لڑکی' کاش ہنیا سجاد جیسی لڑکی ان کی بہو بنتی۔"
دکھ بھری ایک سرد آہ بے اختیار ان کے لبوں سے نکلی تھی۔

☆ ☆ ☆

کام کا لوڈ زیادہ ہوتا یا سبمشن ڈرائنگز جانا ہوتیں تو آفس میں چھٹی کے ٹائم کے بعد دیر تک رکنے کا رواج کم تھا۔ مگر کسی پروجیکٹ میں اگر ڈیڈ لائن میٹ کرنا مشکل ہو رہا ہوتا تو سن ڈے کو بھی سب دفتر آ جایا کرتے

تھے۔

وہ للائی اوور کے جس پروجیکٹ میں عزیر فاروق کے ماتحت کام کر رہی تھی اس کی ڈیزائننگ کا کام دیگر دوسرے پروجیکٹس کے پریشر کے سبب کنٹرول میں نہیں آ رہا تھا لہٰذا اس نے اور انہوں نے سن ڈے کو آفس آنا طے کیا تھا۔ چھٹی کے دن کچھ دیر تک سو سکیں اس لیے انہوں نے دس بجے کا وقت مقرر کیا تھا۔ وہ دس بجے آفس پہنچی تو اس کے آگے پیچھے ہی آفس کے کچھ دیگر افراد بھی جنہیں اپنی ڈیڈ لائن میٹ کرنی تھیں آفس پہنچنے لگے۔

چھٹی کا دن تھا یہ کوئی ریگولر ورکنگ ڈے تو تھا نہیں نہ ہی کسی کلائنٹ نے آج یہاں آنا تھا لہٰذا سب casual لباس میں تھے۔ روزانہ کے برخلاف آج یہاں ڈیزائنر ٹوپیس تھری پیس سوٹ اور سلک ٹائیوں کے برخلاف جینز اور ٹی شرٹس میں نظر آ رہے تھے۔ وہ خواتین جو مغربی لباس پہننا پسند کرتی تھیں وہ بھی لیڈیز ٹو پیس سوٹ کے برخلاف جینز اور شرٹ میں نظر آ رہی تھیں۔

ڈرافٹس مین بھی چند ہی آئے ہوئے تھے اور انہوں نے ڈرائنگ سیکشن میں کاموں کے ساتھ ہلکی آواز میں میوزک بھی لگا رکھا تھا۔ بلگرامی صاحب اور طالب بھی اپنے کسی دوسرے پروجیکٹ کے سلسلے میں آج آئے ہوئے تھے اسی طرح نجمہ یاسمین اور ارسلان جو آرکیٹکٹ تھا آئے ہوئے تھے۔ سب اپنے اپنے آفسز میں اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے۔ جس کا جب کام ختم ہو جاتا اسے چلے جانا تھا تاکہ چھٹی کا بچا ہوا باقی دن اپنی فیملی کے ساتھ انجوائے کر سکے۔

عزیر فاروق بھی آج روزانہ سے مختلف لباس میں تھے۔ انہوں نے خاکی رنگ کا کاٹن کارنکل فری ٹراؤزر اور کاٹن کی ہاف سلیوز والی شرٹ پہن رکھی تھی۔ روزانہ سے آج وہ بہت مختلف اور بہت اچھے لگ رہے تھے۔ وہ ان سے پہلے ان کے آفس میں آ گئی تھی اور انہیں دیکھتے ہی اس نے بے ساختہ ان کی تعریف کی تھی۔

"سر! آپ آج بہت ہینڈسم لگ رہے ہیں۔"

جواباً قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔

"آپ اخلاقاً" جواب میں مجھے بھی آپ کی تعریف کرنی چاہیے۔ لیکن مجھے تو آپ روزانہ جیسی ہی لگ رہی ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ روزانہ آپ اچھی نہیں لگتیں مگر آج کچھ چینج لگ نہیں رہا۔ وہی سمپل مگر اسٹائلش ہنیا سجاد۔" اپنی بات کے اختتام پر انہوں نے اسے بغور دیکھا۔

"آپ کے لیے یہ کمنٹس میری بیگم نے دیے تھے۔ سمپل مگر اسٹائلش۔ ویسے لگتا ہے آپ کو دوسری لڑکیوں کی طرح سجنے سنورنے کا زیادہ شوق نہیں ہے۔"

انہوں نے اسے کبھی بھی میک اپ میں نہیں دیکھا تھا۔ نہ ہی وہ کسی طرح کے زیورات کبھی پہنتی تھی۔ لباس بھی اس کا قیمتی بے شک ہوتا مگر ہوتا ہلکے رنگوں پر مشتمل اور سادہ ہی ہوتا تھا۔ وہ اپنی عمر کی دوسری لڑکیوں سے واقعی بہت مختلف تھی۔

اس گفتگو کے بعد وہ کام کی بات پر آ گئے تھے۔ انہیں کام کرتے کرتے ساڑھے بارہ بج گئے تھے۔ جب میز پر رکھے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ وہ اس وقت بک شیلف کے پاس کھڑے پری اسٹریسڈ کنکریٹ پر ایک کتاب کھولے اس میں کچھ تلاش کر رہے تھے۔ جس طرح وکلاء کا کتابوں کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ اسی طرح انجینئرز کا بھی کتابوں سے کنسلٹ کیے بغیر ڈیزائننگ کا کام ہو نہیں سکتا۔

"فون دیکھیے گا مس ہنیا!" وہ چونکہ اس وقت ان کی میز کے پاس ہی کھڑی تھی لہٰذا انہوں نے اس سے کہا۔ اس نے کال ریسیور کی تو دوسری جانب ہاجرہ عزیر تھیں۔ وہ ان کی آواز سنتے ہی انہیں پہچان گئی تھی۔

"السلام علیکم۔" وہ آنٹی کہتے کہتے جھجک کر رک گئی۔ باس کی مسز کو آنٹی کہنا کچھ مناسب تو نہ تھا۔

"وعلیکم السلام۔ ہنیا بول رہی ہو نا؟" انہوں نے بھی اسے پہچان لیا تھا۔

"جی۔ آپ کیسی ہیں؟"

"الحمد للہ۔ تم سناؤ۔ تمہارے باس بہت برے ہوئی ہیں تم لوگوں کو سنڈے کو بھی آرام نہیں کرنے دیتے۔"

ان کے پر مزاح سے انداز پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ وہ اس سے بے تکلفی سے بات کر رہی تھیں اسے تم کہہ کر مخاطب کر رہی تھیں اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے اپنی کئی کولیگز سے مسز ہاجرہ عزیر کی بہت تعریفیں سن رکھی تھیں۔ وہ سب ان کے متعلق یہی کہتی تھیں کہ وہ ان سے جب بھی ملتی ہیں بڑی ملنساری اور خوش اخلاقی سے ملتی ہیں۔ ایک لمحے کو بھی یہ احساس نہیں ہونے دیتیں کہ وہ ان کے باس کی بیگم ہیں یعنی یہ خوش اخلاقی بطور خاص اس کے لیے نہ تھی شاید یہ ان کی شخصیت کا حصہ تھی مگر وہ پھر بھی بہت خوش تھی۔

"سر کو بلاؤں؟" اس نے ان سے پوچھا۔

"ہاں بس وہ میں نے یہ پوچھنے کے لیے فون کیا تھا کہ عزیر لنچ تک گھر آ جائیں گے یا میں کھانا آفس بھجوا دوں۔ ابھی تم لوگوں کو کیا مزید دیر لگے گی؟" انہوں نے اس سے پوچھا۔

"جی ابھی تو کافی کام رہتا ہے لیکن آپ لنچ مت بھجوائیں اصل میں لنچ میں بنا کر لائی ہوں۔" اس نے جھجکتے ہوئے انہیں بتایا ساتھ ہی کن انکھیوں سے عزیر فاروق کی سمت دیکھا۔ ان کی اس کی طرف پشت تھی اور وہ کتاب کے صفحے پلٹتے اپنا مطلوبہ صفحہ ڈھونڈنے میں بری طرح مصروف تھے۔ ان کا پیچھے فون پر ہونے والی گفتگو کی طرف ذرا سا بھی دھیان نہیں تھا۔

"اچھا؟ کیا بنا کر لے آئیں؟" ہاجرہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"پاستا اور مشروم سلاد ہے سر کھا لیں گے نا؟" اس نے آہستہ آواز میں پوچھا۔

"بالکل کھا لیں گے۔ پاستا تو انہیں بہت پسند ہے۔"

اس نے کل شام ہی سے جب آج آنا طے ہو گیا تھا تب ہی سے سوچنا شروع کر دیا تھا کہ اسے ان کے اور اپنے لنچ کے لیے گھر سے کچھ بنا کر لے جانا چاہیے۔ کیا بنانا چاہیے۔ اس نے رات ہی کو فیصلہ کر لیا تھا اور صبح صبح اٹھ کر اس نے دونوں چیزیں بنا بھی ڈالیں تھیں۔

"تم لوگ بڑی ہو! زیادہ لمبی بات نہیں کرنی چاہیے۔ جاؤ تم کام کرو۔ اللہ حافظ۔"

انہیں خدا حافظ کہتے ہوئے اس نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا تھا۔

"سر! آپ کی مسز کا فون تھا۔" کتاب ہاتھ میں لیے انہوں نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

"وہ لنچ بھجوانے کے لیے پوچھ رہی تھیں۔"

اس نے تھوڑا ہچکچاتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اس کے گھبرائے اور جھجکے انداز کو تعجب سے دیکھا وہ ان سے کچھ کہتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔ وہ ہاتھوں کو اضطراری انداز میں کھول اور بند کر رہی تھی۔ وہ بولے کچھ نہیں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

"سر! آج لنچ میں گھر سے بنا کر لائی ہوں۔ آپ کھائیں گے؟" وہ بے ساختہ ہنسے تھے۔

"اتنی خوف زدہ شکل کے ساتھ یہ بات کرنا تھی۔ میں سمجھا پتہ نہیں کیا ہو گیا۔"

"سر! آپ اپنے گھر سے تیار پرہیزی کھانا کھاتے ہیں۔ میں اس وجہ سے پوچھ رہی تھی۔ لیکن سر! میں نے بھی بد پرہیزی والی کوئی چیز نہیں بنائی ہے۔" بری طرح جھینپتے اس نے جھٹ وضاحتی انداز میں کہا۔

"کیا بنا کر لے آئیں؟"

ان کے مسکرا کر پوچھنے پر اس نے سکون کا سانس لیا۔ وہ خوامخواہ نروس ہو رہی تھی کہیں وہ یہ نہ سوچیں کہ وہ ان سے کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہی ہے جبکہ انہوں نے اس بات کو کتنا نارمل لیا تھا۔ دو بجے سے پہلے تو انہیں کھانا کھانے کا نہ وقت ملا تھا نہ ہی دھیان آیا تھا۔

سوا دو بجے جب ان کی اپنی رسٹ واچ پر نظر پڑی

انہوں نے خود ہی اس سے کھانے کے لیے کہا۔

"کیسی میزبان ہیں آپ؟ سوا دو بجے تک اپنے مہمان کو بھی بھوکا بٹھایا ہوا ہے اور خود بھی بھوکی بیٹھی ہیں۔ کہاں ہے وہ پاستا اور مشروم سلاد؟"

آج چونکہ آفس میں پیون کوئی موجود نہیں تھا۔ اس لیے کچن میں جا کر پاستا گرم کر کے اور پلیٹیں، فورک وغیرہ لے کر کھانا وہ ٹرے میں لگا کر ان کے آفس میں لے آئی۔

انہوں نے اپنی عادت کے مطابق پہلے سلاد کھانا شروع کی تھی اور پہلا چمچہ منہ میں لے جاتے ہی انہوں نے بے ساختہ تعریف کی تھی۔

"واہ مزا آگیا۔ یہ گھر کی بنی ہوئی سلاد تو لگ ہی نہیں رہی۔ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں کھانا کھانے جیسا مزا آ رہا ہے۔"

وہ شاید اس کا دل خوش کرنے کے لیے زیادہ تعریف کر رہے تھے مگر وہ ان کے تعریف کرنے پر واقعی بہت خوش ہو رہی تھی۔

"انجینئر صاحب کے یہ گن تو آج پتا چلے ہیں۔ لکھوالیں آپ مجھ سے۔ آپ کی شادی کسی بہت اچھے لڑکے سے ہوگی۔" کھانا کھالینے کے بعد وہ کافی بنا کر لے آئی تو اس کا پہلا گھونٹ لیتے ہی انہوں نے بے ساختہ کہا۔

"سر! آپ کو کیسے پتا؟"

"اتنی اچھی لڑکی کو کون ناپسند کر سکتا ہے۔ ویسے ٹو بی فرینک، کوئی لڑکا وڑکا اپنے لیے پسند کیا ہے یا یونہی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی ہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا تو انہوں نے فوراً پوچھا۔

"انکار میں سر کس بات پر ہلایا ہے۔ لڑکا پسند نہیں کیا یا ہاتھ پہ ہاتھ دھرے نہیں بیٹھیں؟"

"ہاتھ پہ ہاتھ دھرے نہیں بیٹھی۔" اس کے خود اعتمادی سے بھرپور اس جواب پر وہ محظوظ ہوتے کافی دیر تک ہنستے رہے تھے۔

☆☆☆

وہ عزیر فاروق کے آفس کی طرف جانے لگی تو پیچھے اپنی میز پر کام کرتے شوکت سلطان اس سے بولے۔

"سر آج لیٹ آئیں گے۔" دروازے کی ناب سے ہاتھ ہٹا کر اس نے مڑ کر انہیں دیکھا۔

"کیوں؟ خیریت؟"

"ان کی مسز کی طبیعت خراب ہے، سر کو شاید انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے۔"

وہ واپس اپنے کیبن میں آگئی۔ اسے تشویش ہو رہی تھی عزیر فاروق لنچ ٹائم کے بعد آفس آئے تھے اور جیسے ہی اسے یہ پتا چلا کہ وہ آفس آگئے ہیں، وہ خود کو ان کے پاس جانے سے روک نہ پائی۔

"آئیے مس ہنیا!" انہوں نے حسب عادت مسکرا کر اسے اپنے آفس میں خوش آمدید کہا۔ "سائٹ پہ [illegible] آئیں آپ؟"

"جی سر!" اس نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ تھکے ہوئے سے لگ رہے تھے، کچھ ٹینشن بھی ان کے چہرے پر تھی مگر وہ بظاہر مسکراتے ہوئے معمول کے انداز میں باتیں کر رہے تھے۔

"سر آپ کی مسز کی طبیعت کیسی ہے؟"

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" انہوں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"سب ٹیسٹ کی رپورٹس ٹھیک آئی ہیں مگر... اب میں سوچ رہا ہوں انہیں اسپتال میں ایڈمٹ کرا دوں۔"

اپنی فکر اور پریشانی اپنے اندر ہی چھپائے وہ اسے نارمل سے انداز میں بتا رہے تھے۔ مگر ان کی آنکھوں سے چھلکتی فکرمندی دیکھ کر وہ بتا سکتی تھی کہ وہ کس قدر ڈسٹرب ہیں۔

"اچھا وہ کوٹیشن کا کیا ہوا؟ آپ نے فیکس کر دی تھی؟" وہ واپس آفیشل معاملات کی طرف آگئے تھے۔

"جی سر! صبح آتے ہی میں نے فیکس کر دی تھی۔ وہاں سے فون بھی آگیا۔ HRK کے ایم ڈی آپ سے میٹنگ کے لیے دن اور ٹائم طے کرنا چاہ رہے تھے۔" اس نے سنجیدگی سے ان کی بات کا جواب دیا تھا۔

اس روز اس نے ہر نماز میں بڑی شدت سے

عزیر کے لیے دعائیں مانگی تھیں۔ ان کی صحت اور تندرستی کے لیے، وہ ان کے لیے بہت پریشان تھی۔ رات گئے تک اس کا یہی دل چاہتا رہا کہ وہ عزیر فاروق کے موبائل پر کال کرکے ہاجرہ کی خیریت معلوم کرے۔

وہ دفتری معاملات کے لیے آفس ٹائمنگز کے دوران اور آفس ٹائمنگز کے بعد بھی انہیں ان کے موبائل پر کتنی بار کال کرلیا کرتی تھی مگر دفتری کام کے علاوہ اس طرح کال کرتے اسے ہچکچاہٹ سی ہو رہی تھی۔

لیکن اگلے روز جب وہ آفس آئی اور اسے یہ پتا چلا کہ آج سر آفس نہیں آئیں گے، کیونکہ ان کی بیگم ہاسپٹلائزڈ ہیں تب وہ خود کو بالکل بھی روک نہ سکی۔ وہ آفس سے کچھ جلدی اٹھ گئی تھی۔ اس کی کولیگز کل کا پروگرام طے کر رہی تھیں سر کی مسز کی عیادت کا، مگر وہ کل تک رک نہیں سکتی تھی۔ وہ اسپتال آگئی تھی۔ ریسپشن سے ان کا روم نمبر معلوم کرتی وہ ان کے کمرے میں پہنچی تو وہ بیڈ پر لیٹی نظر آئیں۔

وہ کمرے میں اکیلی تھیں۔ اس نے دستک دیتے ہوئے دروازہ ذرا سا کھولا، وہ دروازے ہی کی سمت دیکھ رہی تھیں اسے دیکھ کر وہ مسکرائیں۔

"ارے ہنیا تم؟ آؤ۔" انہوں نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔

"آپ اٹھیں مت لیٹی رہیے۔" اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر انہیں اٹھنے سے روکا، انہوں نے دوبارہ تکیے پر سر رکھ لیا۔ ان کی آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے نظر آرہے تھے، وہ بہت بیمار اور بہت کمزور نظر آرہی تھیں۔

"کیسی ہو؟" وہ ان کے بیڈ کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیوں بیمار پڑ گئیں؟" اس نے ان کے زرد پڑتے چہرے کو تشویش سے دیکھا۔

"بس بیٹا! اس عمر میں تو یہ سب چلتا رہتا ہے۔ بڑھاپا ہے اب ہمارا۔"

"آپ کہاں سے بوڑھی ہو گئیں، ابھی اتنی ینگ ہیں آپ۔"

ہاجرہ بجھے بجھے سے انداز میں ہنسیں۔

"سر بہت پریشان ہیں آپ کے لیے۔ پلیز ان کے لیے ہی جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔" اس کی آواز بھرانے لگی تھی۔ وہ جلدی سے رخ موڑ کر اس گلدستے کو بیڈ کے پاس رکھی میز پر رکھنے لگی جو وہ ان کے لیے لے کر آئی تھی۔

"ہنیا!" انہوں نے اسے پھر پکارا۔ اس نے جلدی سے آنسو صاف کرکے ان کی طرف دیکھا۔

"آئم سوری، مجھے اس طرح نہیں کرنا چاہیے۔ یہ عیادت کا کوئی طریقہ نہیں۔"

بولتے بولتے اس کی آنکھوں سے دوبارہ آنسو گرنے لگے تھے۔ وہ جتنا اپنے آنسوؤں کو روکنا چاہ رہی تھی، وہ اتنی ہی شدت سے بہے چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے اس کے ہاتھ تھامے، وہ شاید کچھ کہنا بھی چاہ رہی تھیں کہ یک دم ہی اس نے اپنے ہاتھوں میں موجود ان کے دونوں ہاتھوں کو والہانہ چوما۔

"آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ آپ کو دیکھ کر، آپ سے مل کر مجھے میری ممی یاد آتی ہیں۔ وہ بالکل آپ کی طرح تھیں۔ آپ کو دیکھتی ہوں تو ایسا لگتا ہے اپنی ماں کو دیکھ رہی ہوں۔"

"مجھے بھی تم بہت اچھی لگتی ہو ہنیا! تم سے پہلی بار مل کر ہی ایسا لگا تھا جیسے میری بیٹی میرے سامنے کھڑی ہے۔ اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو شاید تمہارے جیسی ہی ہوتی۔"

ان کی آنکھوں سے بھی بے اختیار آنسو بہنے لگے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے رونے کا سبب نہیں پوچھ رہی تھیں۔ بس آنسو تھے جو کسی کے بھی اختیار میں نہ تھے۔

"سر کہاں ہیں؟" چند سیکنڈز بعد خود پر قابو پاتے اس نے پوچھا۔

"ڈاکٹر سے کچھ بات کرنے گئے ہیں۔ آنے والے ہوں گے ابھی۔" انہوں نے اپنے آنسو صاف کرتے آہستگی سے جواب دیا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھیں بالکل اسی طرح جیسے وہ والہانہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"تم روئیں کیوں ہنیا؟ مجھے بیمار دیکھ کر تم کیوں روئیں؟ اس طرح تو کسی بہت اپنے کو تکلیف میں دیکھ کر آنکھیں بھر آیا کرتی ہیں۔ جو دل کے بہت قریب ہو، جو بہت اپنا ہو اسے تکلیف میں دیکھ کر رویا جاتا ہے۔ تم سے میرے دل کا کیا ناتا ہے؟ کیا تعلق ہے؟ تم اتنی اپنی اپنی کیوں لگتی ہو ہنیا؟"

وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھیں مگر پوچھ نہیں پائی تھیں۔ عزیر فاروق کمرے میں آئے تو ہنیا کو بیٹھا دیکھ کر خاصے حیران ہوئے۔ وہ ان کے آنے کے بعد وہاں زیادہ دیر رکی نہیں تھی۔ وہ پندرہ منٹ ہاجرہ عزیر کے پاس ان کی عیادت کے لیے بیٹھی تھی۔ مگر ان پندرہ منٹوں میں ہاجرہ کے ساتھ اس کے دل کا ایک انوکھا رشتہ جڑ گیا تھا۔

ہاجرہ کو وہ پہلی ملاقات میں اتنی اچھی لگی تھی۔ بہت اپنی اپنی سی، جس کی طرف خود بخود ہی دل کھنچنے لگے ایسی لگی تھی اور آج کی ملاقات کے بعد تو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے ساتھ ان کا دل کا بہت گہرا ناتا جڑ گیا ہے۔ انہیں ہنیا کا اپنے لیے جذباتی ہونا سمجھ میں آرہا تھا۔ وجہ اس نے خود ہی بتادی تھی، وہ اپنی زندگی میں ماں کی کمی بہت محسوس کرتی تھی اور ان میں شاید اسے اپنی ماں کی کچھ جھلک نظر آتی تھی تب ہی ان کی بیماری کا سن کر وہ یوں کھنچی کھنچی انہیں دیکھنے چلی آئی تھی۔ مگر وہ اسے دیکھ کر اتنی بے اختیار کیوں ہو جاتی تھیں۔ وہ وجہ سمجھنے سے قاصر تھیں۔ دل کی دنیا کی تو یوں بھی اپنی ہی منطقیں ہوتی ہیں۔ جو دل کو اچھا لگ جائے اس کے اچھا لگنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ وہ اپنے دل سے منطق، دلیل اور وجہ نہیں مانگ سکتی تھیں وہ بس یہ جانتی تھیں کہ ان کے دل کو ہنیا سجاد بہت اچھی لگتی ہے۔

☼ ☼ ☼

پانچ دن ہسپتال میں رہ کر ہاجرہ گھر واپس آگئی تھیں۔

اس دوران وہ روزانہ صبح، شام پابندی سے ان کی فون پر خیریت دریافت کیا کرتی تھی۔ اب اسے عزیر فاروق سے ان کی خیریت معلوم کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے پاس ہاجرہ کا موبائل نمبر تھا، جو انہوں نے اسے خود دیا تھا، وہ اس پر کال کرکے جب بھی چاہتا ان کی خیریت معلوم کرلیا کرتی۔

وہ جب پہلے دن ان کی عیادت کرکے گئی تھی اس کے اگلے دن صبح میں ہاجرہ ہی نے اس کے موبائل پر اسے کال کی تھی۔ وہ ہسپتال کے بستر پر لیٹی، اکیلی بہت بور ہو رہی تھیں، سو انہوں نے اسے فون کرلیا تھا۔ وہ ابھی اس کے بارے میں بہت کچھ نہیں جانتی تھیں، اس روز اس نے انہیں امریکہ میں اپنی لائف، اپنے والدین، بھائی بہنوں کے متعلق کافی کچھ بتایا تھا۔ وہ پہلی گفتگو جیسے اس کی ہاجرہ کے ساتھ ٹیلی فونک دوستی کا آغاز تھی۔

"میں آپ کو آنٹی کہہ سکتی ہوں؟" اس روز اس نے ان سے پوچھا تھا اور انہوں نے اسے فوراً" اجازت دے دی تھی۔ ہاسپٹل میں قیام کے دوران تو دن میں دو، دو بار بات ہوتی ہی تھی مگر جب طبیعت بہتر ہونے پر وہ اپنے گھر واپس آگئیں، انہوں نے تب بھی اس کے ساتھ ٹیلی فونک رابطہ برقرار رکھا۔

انہوں نے اس سے کہا تھا کہ ان کا عزیر فاروق کے ساتھ ملازم اور باس کا رشتہ ہوگا مگر ان کے ساتھ اپنے رشتے میں وہ اس تعلق کو ذہن میں نہ رکھے۔ وہ اپنے گھر میں سارا دن تنہا ہوتی تھیں۔ ابھی بیماری سے اٹھی تھیں اس لیے گھر سے باہر زیادہ نکل نہیں رہی تھیں ورنہ انہوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ کہیں تفسیر کی کلاس لیتی ہیں۔

وہ کہتی تھیں قرآن کو سمجھنے کی اس کوشش کے دوران وہ اللہ سے زیادہ نزدیک ہو گئی ہیں۔ ان کا اللہ کے ساتھ تعلق پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گیا ہے۔ چاہے 6،5 منٹ کی مختصر سی گفتگو ہی ہوتی مگر وہ ہنیا کو فون کرتی ضرور تھیں۔ اگر ان کا فون نہ آتا تو وہ انہیں خود فون کرلیتی۔

انہیں ہسپتال سے گھر آئے ایک ہفتہ ہوا تھا جب اس رات ان کا اس کے پاس فون آیا۔

"کیسی ہیں آنٹی؟ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"طبیعت بالکل ٹھیک ہے تب ہی تو تمہارے سر کے ساتھ سیر کرتی پھر رہی ہوں۔"

ان کے لہجے کی خوشگواریت نے اس پر بھی خوشگوار اثر ڈالا۔ ورنہ انہیں بجھا بجھا اور نڈھال دیکھ کر وہ اندر سے ٹوٹنے لگتی تھی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ کہاں نکلے ہوئے ہیں آپ لوگ؟"

"وہ سر کی موجودگی میں فون کرتی تو نہیں تھیں مگر وہ جس وقت اکیلی بور ہو رہی ہوتیں اس وقت کیا کرتی تھیں پھر اس وقت سر کی موجودگی میں کیوں؟" وہ دل ہی دل میں حیران ہو رہی تھی۔

"ہم لوگ شاپنگ کرنے نکلے ہوئے تھے۔ میں نے تمہارے لیے ایک سوٹ خریدا ہے۔ میں وہ تمہیں دینے کے لیے تمہارے گھر پر آ رہی ہوں۔ تمہارے سر کہنے لگے کہ آپ کیا بغیر انفارم کیے ایسے ہی منہ اٹھا کر چلی جائیں گی، لہٰذا ان کے کہنے پر تمہیں انفارم کر رہی ہوں، ورنہ میرا ارادہ تو اچانک پہنچ کر تمہیں سرپرائز دینے کا تھا۔ ہم لوگ تمہارے گھر سے بس کچھ ہی دور ہیں۔ بس پانچ منٹ میں تمہارے گھر پر ہوں گے۔"

ان کی اس اطلاع پر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ اگلے 5 منٹ میں اس کے گھر پہنچ رہی تھیں۔ وہ انہیں اپنے گھر آنے سے منع نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کیا کرے؟ اس کا ذہن تیز رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ مگر اس تیز رفتاری کے باوجود بھی وہ کوئی مشورہ کوئی حل بتانے میں ناکام تھا۔ صرف پانچ منٹ میں وہ کر کیا سکتی تھی۔ پانچ منٹ میں تو وہ ساری بات اپنے ماموں، ممانی کو سمجھا بھی نہیں سکتی تھی۔ ... وہ دونوں پہلی بار اس کے گھر آ رہے تھے۔ اسے ان کی اچھی طرح تواضع کرنی تھی۔ انہیں اپنے ماموں اور ممانی سے ملوانا تھا۔ فیاض صاحب تو خیر کم گو تھے مگر اسے خطرہ شمسہ سے تھا۔ اگر انہوں نے کوئی بات بول دی۔ اس کی امریکہ میں جیسی زندگی وہ سمجھتے ہیں اس کے برعکس کوئی اور بات بتا دی۔ شمسہ کچھ بھی بول سکتی تھیں۔ کسی بری نیت یا برے ارادے سے نہیں، اس کی محبت اور چاہت ہی میں۔ مگر ان کی وہ محبت اور چاہت اس کے بنے بنائے ہر کام کو بگاڑ سکتی تھی۔ اتنے عرصے میں جو اس نے محنت کی تھی سب پر پانی پھر سکتا تھا۔ اس کی پانچ مہینوں کی محنت داؤ پر لگی ہوئی تھی۔

پریشانی اور گھبراہٹ میں وہ شمسہ بیگم اور فیاض صاحب کو یہ تک نہیں بتا سکی تھی کہ اس کے باس اور ان کی بیگم ان کے گھر آ رہے ہیں۔ گیٹ پر بیل ہوئی تو اسے اپنی اس حماقت کا احساس ہوا۔ انہیں ان کی آمد کی اطلاع دیتی وہ گیٹ کھولنے بھاگی۔

"یا اللہ! وہ لوگ بہت جلدی میں ہوں۔ میرے بہت بلانے پر بھی اندر نہ آئیں۔" گیٹ کھولنے تک اس نے یہی دعا مانگی تھی۔

"السلام علیکم۔" گیٹ کھولتے ہوئے اس نے ان دونوں کو سلام کیا۔ گیٹ پر ہاجرہ کھڑی تھیں اور عزیز فاروق ان سے ایک قدم پیچھے ہاجرہ نے ایک fancy شاپنگ بیگ اس کی طرف بڑھایا۔

"تم برائٹ کلرز پہنتی نہیں ہو یقیناً" تمہیں پسند نہیں ہوں گے اس لیے۔ مگر مجھے تو تمہارے لیے یہی کلر اچھا لگ رہا تھا۔ اب تمہارے سر تم لوگوں کو ہمارے گھر ڈنر پر انوائیٹ کرنے والے ہیں۔ ہر سال ہوتا ہے یہ ڈنر، فرم کے سب لوگوں کے لیے۔ تم اس میں یہی سوٹ پہن کر آنا، مجھے بہت خوشی ہو گی۔" وہ اتنے ٹینشن میں تھی کہ "آپ نے ناحق زحمت کی" یا "اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔" جیسے رسمی باتیں بولے بغیر فوراً ہی شکریہ کہہ کر شاپنگ بیگ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"آپ اندر تو آیئے آنٹی! سر! پلیز اندر آئیں۔" (کاش وہ اندر نہ آئیں، کاش وہ جلدی میں ہوں، کاش)

"ویسے تو ہمیں ابھی ایک اور جگہ جانا ہے لیکن تمہارے ماموں، ممانی سے ملے بغیر چلے گئے تو بہت بری بات ہو گی۔ چلو کھڑے کھڑے ان سے مل لیتے ہیں۔"

ان کے اس جملے نے اس کی جان نکال دی تھی۔ فیاض اور شمسہ نے بھانجی کے باس اور ان کی بیگم کا پرتپاک خیر مقدم کیا تھا۔ ڈرائنگ روم میں سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور بہت خوشگوار ماحول میں وہ فیاض اور شمسہ کا عزیز فاروق اور ہاجرہ سے تعارف کروا رہی تھی۔ تعارف کی رسمی کارروائی کے بعد فیاض، عزیز فاروق سے مردوں کے من پسند موضوع ملکی سیاست اور ملک میں جاری معاشی بحران پر گفتگو کرنے لگے تھے۔

جبکہ شمسہ نے ہاجرہ کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا تو موسم اور گرمی کے ذکر کے ساتھ تھا مگر بہت جلد موضوع ہنیا کی ذات بن گیا تھا۔ اس کے آجانے سے ان کے گھر کی ویرانی کس طرح دور ہو گئی ہے، اسے امریکہ سے آئے ابھی چند مہینے ہوئے ہیں اور اس نے اتنی جلدی خود کو پاکستانی ماحول میں ڈھال لیا ہے۔

وہ اوپر سے مسکرا رہی تھی، اندر سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگ گئی تھیں۔ اس کی اتنے مہینوں کی ساری محنت داؤ پر لگی ہوئی تھی۔ شمسہ کو چند منٹوں بعد ہی مہمان نوازی کی فکر ہوئی تھی جبکہ وہ اس وقت وہاں سے ایک پل کے لیے بھی ہلنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر شکر تھا کہ عزیز فاروق اس کے کچھ لانے کے لیے اٹھنے سے پہلے ہی جانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔

"ارے ایسے کیسے؛ اس طرح تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا۔" فیاض صاحب بولے۔

"تکلف کوئی نہیں ہے، ہم پھر کسی اور دن آپ کے ساتھ کھانا کھانے آجائیں گے۔ ابھی ہمیں ایک اور جگہ جانا ہے۔ لیٹ ہو رہے ہیں، وہاں ہمارا انتظار ہو رہا ہو گا۔"

فیاض اور شمسہ کو مہمانوں کے اور مہمان بھی وہ جو بھانجی کے باس تھے یونہی چلے جانے کا قلق ہو رہا تھا جبکہ اسے ذرا افسوس نہ تھا۔ وہ انہیں گیٹ تک چھوڑنے آئی تھی۔ جیسے ہی اسے خدا حافظ کہہ کر وہ دونوں گاڑی میں بیٹھے ان کی گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی، اس نے ایک گہری طمانیت بھری سانس لی۔ اللہ نے اسے بال بال بچا لیا تھا۔ اس کی ساری محنت اکارت جاتے جاتے رہ گئی تھی۔ اللہ کا شکر ادا کرتے اور سکون کا سانس لیتے اس نے یہ بھی سوچا کہ ایسی کوئی سچویشن آئندہ بھی پیش آ سکتی ہے۔ اب اسے فیاض اور شمسہ کو ساری بات بتانی ہی ہو گی۔

"ماموں! یہ عزیز فاروق صاحب اور ہاجرہ آنٹی آپ کو کیسے لگے؟" وہ اندر ان دونوں کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔

"بہت اچھے لگے بیٹا!" فیاض احمد نے جواب دیتے اسے کچھ حیرت سے بغور دیکھا۔ جو ان سے کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ شمسہ بھی اسی کو دیکھ رہی تھیں۔

"ماموں! یہ لوگ عالی کے پیرنٹس ہیں۔" اس نے بہت آہستہ آواز میں یہ جملہ ادا کیا تھا۔

"کیا؟" حیرت کی زیادتی سے شمسہ کے منہ سے چیخ نما انداز میں نکلا تھا، جبکہ فیاض احمد حیرت، بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ عباد کے بابا کی فرم میں جاب کر رہی تھی، اسے پتا تھی یہ بات؟ کب سے؟ کیا شروع وقت سے؟ کیا اس کی کراچی آنے کی وجہ نیویارک میں اپنے گھر کی تنہائی نہیں بلکہ کچھ اور تھی۔ فیاض متحیر سے بھانجی کو یک ٹک دیکھ رہے تھے۔ شمسہ ان سے بھی زیادہ حیرت کا شکار تھیں۔ وہ جو لگتا تھا عباد کا ذکر اس کی زندگی سے نکل گیا، درحقیقت ایسا نہ تھا۔ درحقیقت ایسا بالکل بھی نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

ڈاکٹر گراہم بارسلے کا Seismic Design Analysis of long span bridges کے موضوع پر خصوصی لیکچر تھا، جو خاص طور پر تھا تو اسٹرکچرل

انجینئرنگ اور ارتھ کوئیک انجینئرنگ میں ماسٹرز کرنے والے اسٹوڈنٹس کے لیے مگر اس میں شرکت کے لیے انہوں نے ان لوگوں کو بھی بہت زیادہ تاکید کی تھی۔ وہ اس سمسٹر میں انہیں structural Design پڑھا رہے تھے اور پتا نہیں وہ ان ہی کی کلاس میں ہمیشہ لیٹ کیوں پہنچا کرتی تھی۔ جان بوجھ کر نہیں، بس کسی نہ کسی وجہ سے صرف ان ہی کی کلاس میں ایسا ہوتا کہ وہ ان کے کلاس میں داخل ہونے کے بعد بھاگم بھاگ اور تاخیر سے کلاس میں پہنچتی۔ جب وہ اپنے اس خصوصی لیکچر میں ان لوگوں سے شریک ہونے کے لیے کہہ رہے تھے تب اسے دیکھتے انہوں نے بطور خاص کہا تھا۔

"دو لیکچر ٹھیک دس بجے شروع ہوگا ہنیا!" اپنے ایک پروفیسر پر اپنا برا امپریشن قائم ہو جانے پر وہ خود سے سخت ناخوش تھی۔ ان کی کلاسز میں وہ اتفاقاً" لیٹ ہوتی تھی مگر انہوں نے شاید اسے اس کی عادت سمجھ لیا تھا۔

اس صبح اس کی جلدی تو کوئی کلاس تھی نہیں 'لہٰذا رات دیر تک اپنے structural Design ہی کے پروجیکٹ میں مصروف رہنے کے بعد وہ صبح ساڑھے آٹھ بجے کا الارم سیٹ کرکے آرام سے سو گئی۔

دس بجے لیکچر تھا اور اتنا وقت نہانے 'تیار ہونے' ناشتہ کرنے اور کیمپس پہنچنے کے لیے بہت تھا۔ صبح ساڑھے آٹھ بجے الارم بے چارہ یقیناً" بہت دھوم دھڑکے سے بجا ہوگا مگر اس کی آنکھ کھلتی تب نا۔ وہ تو بھلا ہو جو ماما جانی نے اسے سوا نو بجے آکر جگاتے یہ پوچھ لیا کہ "کیا آج اسے یونیورسٹی نہیں جانا۔" وہ کمبل پھینک 'بستر چھوڑ بوکھلا کر بیڈ سے کودی تھی۔ پھر جو بھاگ دوڑ مچی وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ بھاگم بھاگ اس نے تیاری کی تھی 'ناشتے کا اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جتنی جلدی اس سے ممکن ہو سکتا تھا اتنی تیز رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کرکے وہ کیمپس پہنچی مگر اس تمام بھاگ دوڑ اور تیز رفتاری کے باوجود بھی جس وقت وہ اپنی گاڑی کیمپس میں پارک کر رہی تھی دس بجے چکے تھے۔ ڈاکٹر گراہم جتنے پنکچوئل تھے 'اسے امید تھی ادھر گھڑی کے کانٹے دس اور بارہ کے ہندسوں پر پہنچے ہوں گے ادھر انہوں نے لیکچر ہال میں قدم رکھا ہوگا۔ وہ باقاعدہ بھاگتی 'لوگوں سے ٹکراتی اپنے ڈپارٹمنٹ پہنچی 'سیڑھیاں بھی اس نے ایک وقت میں دو' دو پھلانگی تھیں۔

مگر اس ساری بھاگ دوڑ کے باوجود بھی وہ دس منٹ لیٹ ہو چکی تھی۔ لیکچر ہال کے دو دروازے تھے۔ ڈاکٹر گراہم کی نگاہوں میں آنے سے بچنے کے لیے اس نے آگے والے دروازے کی جگہ پیچھے والے دروازے سے اندر داخل ہونا مناسب سمجھا۔ ممکن ہے کہ اس وقت ان کا رخ پروجیکٹر کی طرف ہو۔ اسٹوڈنٹس کی طرف نہ ہو اور وہ اسے اندر داخل ہوتا نہ دیکھ سکیں۔

دل ہی دل میں دعائیں مانگتے وہ پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ ڈاکٹر گراہم کا رخ Projector یا رائٹنگ بورڈ کی طرف تو ہرگز نہ تھا مگر وہ سب سے اگلی قطار میں بیٹھے کسی لڑکے سے کچھ بات کر رہے تھے۔ غالباً" اس کے کسی سوال کا جواب دے رہے تھے۔

اس سے پہلے کہ ان کی نظر اس پر پڑے وہ جلدی سے کسی بھی خالی کرسی پر بیٹھ جانا چاہتی تھی۔ اسے سیکنڈ لاسٹ رو میں جو پہلی کرسی خالی نظر آئی وہ تیزی سے اس پر بیٹھ گئی۔ اس کے اس طرح اچھل کر بیٹھنے سے اس کرسی پر رکھا کلکیولیٹر جو غالباً" برابر والی کرسی پر بیٹھے لڑکے کا تھا' نیچے گر پڑا۔ بوکھلاہٹ میں جھک کر اس نے وہ کلکیولیٹر اٹھایا اور اسے اس لڑکے کی طرف بڑھایا۔

"آئم سوری۔" گھر سے بھاگتے دوڑتے تیار ہو کر آئی تھی 'اس لیے بال باندھنے کی بھی مہلت نہ مل سکی تھی۔ اس کے شانوں تک آتے بال جنہیں وہ پونی کی صورت باندھ کر رکھا کرتی تھی 'اس وقت بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔

"اٹس اوکے۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اپنا بیگ اور فائل اس نے ابھی تک

گود میں رکھا ہوا تھا' اب ذرا سانس بحال کرتے اس نے کرسی پر صحیح سے ہو کر بیٹھنے اور بیگ گود میں ہٹانے کی کوشش کی تو اس بار اس کی گود سے فائل نیچے گر پڑی۔ آس پاس کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے اسٹوڈنٹس نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا۔

ڈاکٹر گراہم کی نگاہ بھی آخر کار اس پر پڑ چکی تھی۔ اس کے برابر بیٹھے لڑکے نے جھک کر اس کی فائل اٹھائی اور اسے اس کی طرف بڑھایا۔ وہ اس کی طرف نہیں بلکہ سامنے ڈاکٹر گراہم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ خود اعتمادی سے مسکرا کر انہیں یوں دیکھ رہی تھی جیسے لیکچر کے شروع سے یہاں پر موجود تھی اور ان بے چارے ہی کی نگاہ اب تک اس پر نہ پڑی تھی۔ وہ لیکچر دیتے Multi media Projector کے سامنے سے ہٹے 'اپنا لیکچر جاری رکھتے وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے پچھلی نشستوں کی طرف آنے لگے۔

اس کی پریشانی اس لمحہ دیدنی تھی' اس نے کچھ گھبرا کر اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھا وہ لڑکا غالباً" اس کا مسئلہ سمجھ چکا تھا' اس نے بڑی آہستگی سے اس طرح کہ کسی اور کو پتا نہ چل سکے اپنی ڈیسک سے اس کی ڈیسک پر اپنی فائل خاموشی سے منتقل کر دی۔ جبکہ ہنیا کی فائل جو چند لمحے پہلے نیچے گری تھی وہ تو اب تک تھی ہی اس کے ہاتھ میں۔

اس نے ہنیا کی فائل کھول کر اپنی ڈیسک پر رکھ لی۔ ٹہلنے والے انداز میں لیکچر دیتے ڈاکٹر گراہم آخر کار سیکنڈ لاسٹ رو تک پہنچ چکے تھے۔ اس کی چونکہ بالکل کارنر کی کرسی تھی لہٰذا ان کے لیے اس کی فائل کی طرف دیکھنا ہرگز دشوار نہ تھا۔

وہ اس کی کرسی تک آ گئے تھے' وہ عین اس کے سر پر کھڑے تھے۔ وہ خود اعتمادی سے انہیں دیکھ کر مسکرائی تھی۔ وہ اسے نہیں اس کے سامنے کھلے صفحے کو دیکھ رہے تھے جو پورا کا پورا ان کے اب تک دیے لیکچر کے مختلف پوائنٹس اور ڈائی گرام سے بھرا ہوا تھا۔ اپنے لیکچر کے پوائنٹس اس کے سامنے لکھے دیکھے تو

انہیں اس کے متعلق دل سے شک کو دور کرتے یقین کرنا ہی پڑا کہ عادت کے برخلاف آج حیرت انگیز طور پر ہنیا سجاد کلاس میں صحیح وقت پر پہنچی تھی شاید انہوں نے ہی اسے اب دیکھا تھا۔ چونکہ یہ لیکچر پوسٹ گریجویشن اور انڈر گریجویٹس دونوں کے لیے تھا اس لیے لیکچر ہال پورا کا پورا بھرا ہوا تھا۔

شاید اتنے اسٹوڈنٹس میں وہ اسے پچھلی نشست پر بیٹھا دیکھ نہیں پائے تھے۔ وہ اس کے پاس سے مڑ کر واپس آگے کی طرف جانے لگے تب اس نے سکون کا سانس لیا۔

"تھینکس۔" اس نے دبی زبان میں اپنے برابر بیٹھے بندے کا شکریہ ادا کیا اور جس خاموشی سے اس کی فائل اس کی میز پر آئی تھی اسے اسی خاموشی سے اس کی ڈیسک پر رکھ دیا۔ وہ اب سنجیدگی سے لیکچر نوٹ کرنا چاہ رہی تھی، مگر گھڑی گھڑی اس کے بالوں کی چھوٹی چھوٹی لٹیں آنکھوں اور ماتھے پر بکھر کر اسے پریشان کر رہی تھیں۔ اس نے بالوں کی تازہ تازہ ہی کٹنگ کرائی تھی اور اس کی ہیر اسٹائلسٹ نے آگے کے بال زیادہ ہی چھوٹے کر دیے تھے 'اب ہیر بینڈ لگائے یا پونی بنائے بغیر اس سے کوئی کام نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کی عادت تھی، بکھرے بالوں کو جب تک سمیٹ نہ لیتی سکون سے کوئی بھی کام نہیں کر سکتی تھی۔ گھر سے بھاگتے دوڑتے نکلتے اس نے اپنا ہیر بینڈ بیگ میں ٹھونسا تھا۔ بیگ کھول کر اس نے اس میں سے ہیر بینڈ نکالنا چاہا تو ڈھیر سارے کوڑے کرکٹ میں اسے دنیا زمانے کی ہر چیز ملنے لگی۔ ماسوا اپنے چھوٹے سے بینڈ کی۔

بڑی مشکلوں سے نیچے دبا وہ بینڈ باہر نکالا اور وہ جلدی سے بالوں کو ہاتھوں سے سمیٹ کر ان میں بینڈ لگانے لگی تو اس کی نظر اپنے برابر بیٹھے بندے پر پڑی۔ وہ اپنا پین فائل پر بند کر کے رکھے بڑی محظوظ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا کہ وہ اپنی احمقانہ حرکتوں اور کھلاہٹوں پر کچھ شرمندہ سی ہوئی۔

پتا نہیں وہ کون تھا۔ اس نے سر جھکا کر سنجیدگی سے لیکچر نوٹ کرنا شروع کر دیا مگر یہ اندازہ اسے مسلسل رہا تھا کہ وہ اسے ہی دیکھ رہا ہے۔ وہ اب لیکچر نوٹ کر ہی نہیں رہا تھا۔ اس کا پین لیکچر کے باقی تمام وقت کیپ لگا اس کی فائل پر پڑا رہا تھا۔ ایک بندہ جس نے مسلسل آپ کو اپنی نگاہوں کے حصار میں لیا ہوا ہو' اس سے کیا خاک لیکچر نوٹ ہوتا۔ وہ اب اس کرسی پر بیٹھ کر پچھتا رہی تھی۔ یہ موصوف تو اس پر سے نظریں ہٹا ہی نہیں رہے تھے۔

جیسے ہی لیکچر ختم ہوا' وہ فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ اس نے اگلی قطار میں بیٹھی اپنی دوست کیتھی کے باہر نکلنے کا بھی انتظار نہیں کیا۔ ڈاکٹر گراہم کے بعد لیکچر ہال سے باہر نکلنے والی وہ پہلی اسٹوڈنٹ تھی۔ وہ کوریڈور کے آخری سرے پر سیڑھیوں تک ہی پہنچی تھی جب اسے کسی نے پیچھے سے آواز دی۔

"ہائے۔" اس نے مڑ کر دیکھا' اس سے ایک قدم پیچھے وہ ہی تھا۔

"ہائے۔" جواباً ہائے کہتی وہ رکی نہیں بلکہ چلتی رہی۔

"ڈاکٹر گراہم کا لیکچر کافی اچھا تھا' کیا خیال ہے آپ کا؟" اس کے ساتھ چلتا' وہ اس سے انگریزی میں مخاطب تھا۔

"ہاں۔" مختصر اثباتی جواب دیتے اس نے اسے بغور دیکھا۔ وہ خاصا خوش شکل تھا۔ بلیو جینز' براؤن شرٹ' بڑھی ہوئی شیو اور بکھرے بالوں کے ساتھ وہ کیتھی کی زبان میں خاصا cool لگ رہا تھا۔ وہ سیڑھیاں اترنے لگی تھی اور وہ بھی اس کے ساتھ ہی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔

"آپ سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ میں ہیں؟ آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ بائی دا وے میں عباد عزیز ہوں۔ MS کر رہا ہوں اسٹرکچرل انجینئرنگ میں۔"

"خوشی ہوئی آپ سے مل کر مسٹر عباد!" اس نے سنجیدہ اور روکھے پھیکے لہجے میں جواب دیا۔ اس نے اس کے تعارف کے جواب میں اپنا تعارف کرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"آپ پاکستانی ہیں یا انڈین؟" اسے اپنے کونفیڈینٹ اور بولڈ ہونے پر ناز تھا' مگر یہ بندہ تو کونفیڈینس کے معاملے میں اس سے کئی قدم آگے تھا۔ اس کے روکھے پھیکے انداز اور نو لفٹ والے چہرے کو دیکھ کر بھی مسلسل اس سے سوال پہ سوال کیے جا رہا تھا۔ مسلسل اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ بندہ پُراعتماد تھا' جرأت مند تھا اور کچھ تھا یا نہیں وہ کم از کم اس کی جرأت سے متاثر ہوئی۔

"امریکن۔" اس نے یک لفظی جواب دیا۔ وہ سیڑھیاں اتر چکی تھی۔ اب اس کا رخ S.W.Mudd بلڈنگ کی طرف تھا' جہاں اسے strength of Materials کی لیب میں جانا تھا۔

"اور آپ کے پیرنٹس؟" وہ اس کا پاکستانی Origin کنفرم کرنا چاہ رہا ہے یہ جاننے کے باوجود وہ بے نیازی سے انداز میں بولی۔

"امریکن۔" اسے اپنے مختصر اور مخاطب کو زچ کرتے جوابوں پر اندر ہی اندر خوشی ہو رہی تھی۔ وہ جیسے سمجھ گیا تھا کہ وہ اسے زچ کرنا چاہتی ہے لہٰذا بغیر ہار مانے بولا۔

"گرینڈ پیرنٹس؟"

"میرے دادا' دادی امریکن ہیں۔" اس بار اس نے سلیس اردو میں جواب دیا۔ وہ اس کے منہ سے اردو سن کر خاصا خوش نظر آ رہا تھا۔

"اور نانا' نانی پاکستانی؟ مجھے لگ ہی رہی تھیں آپ پاکستانی۔ میرا مطلب ہے آپ کا تو نہیں مگر آپ کے forefathers کا پاکستان ہی سے تعلق ہوگا' ایسا ہی لگ رہا تھا۔" وہ اتنے بے تکلفانہ انداز میں اس کے ساتھ چل رہا تھا جیسے نجانے کتنی بار اس سے مل چکا ہے۔ وہ بھی اب اردو ہی میں بات کر رہا تھا۔ وہ اپنی مطلوبہ بلڈنگ میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ اس کا پاکستانی Origin کنفرم ہو جانے پر خاصا خوش نظر آ رہا تھا۔

"آپ میرے ساتھ ایک کپ کافی پئیں گی ہنیا؟" ہنیا نے اس سے اپنا تعارف نہیں کروایا تھا اور وہ اسے اس کا نام لے کر مخاطب کر رہا تھا۔

اس نے یقیناً ہنیا کی فائل کے اوپر اس کا نام دیکھا تھا۔ اسے اس بندے کے کونفیڈینس پر رشک آیا' اس کا بے نیاز' قدرے مغرورانہ انداز اس کے اعتماد کو ذرا بھی تو نہیں ڈگمگا رہا تھا۔ اسے شاید خود پر کچھ ضرورت سے زیادہ ہی بھروسہ تھا۔

"سوری مسٹر عباد! ابھی تو میری کلاس ہے۔" وہ لیب کے سامنے آ کر رک گئی تھی۔ اور پھر اسے مزید کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر ہی وہ لیب میں داخل ہو گئی تھی۔

(باقی آئندہ)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
زندگی اِک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	150/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	300/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	150/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	400/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	400/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	180/-
مین سے عورت	غزالہ عزیز	150/-
دل اُسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	300/-
بکھرنا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	150/-
خواب دریچے	سعدیہ عابد کاشف	150/-

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی۔
فون نمبر: 2216361

یہ اس کا سول انجینئرنگ میں بی ایس کا ساتواں سمسٹر تھا' جو آدھا گزر چکا تھا۔ اگلا سمسٹر یعنی آٹھواں سمسٹر اس کا آخری سمسٹر تھا' گویا اس کے سول انجینئر بننے میں بس اب کچھ ہی فاصلہ رہ گیا تھا۔ اسے اپنے کیمپس اور کیمپس لائف سے عشق تھا۔ Columbia یونیورسٹی کا یہ مین کیمپس مین ہٹن میں مارننگ سائڈ ہائٹس پر واقع تھا۔ اسی نسبت سے مین کیمپس زیادہ تر مارننگ سائڈ کیمپس کہلاتا تھا۔ Columbia یونیورسٹی کے تقریباً" تمام گریجویٹ اور انڈر گریجویٹ پروگرامز یہیں کنڈکٹ ہوتے تھے اور تقریباً" تمام گریجویٹ اسکولز اسی مین کیمپس کے اندر ہی واقع تھے۔ اس کے علاوہ بھی دیگر تمام پیشہ ورانہ اور غیر پیشہ ورانہ شعبہ جات سب کی الگ الگ عمارتیں اسی ایک کیمپس میں واقع تھیں۔ کیمپس اور اس کا آرکیٹیکچر ہی کم دلفریب نہ تھا کہ مارننگ سائڈ ہائٹس جیسے علاقے سے قربت کیمپس اور کیمپس لائف کو مزید حسن عطا کردیا کرتے تھے۔ مارننگ سائڈ ہائٹس مین ہٹن کا وہ علاقہ تھا' جہاں تین خوب صورت ترین پارکس اور امریکہ کے سات لیڈنگ اسکولز واقع تھے۔

کولمبیا یونیورسٹی کے ساتھ ان دیگر تعلیمی اداروں کے بھی زیادہ تر فیکلٹی ممبرز مارننگ سائڈ ہائٹس اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں واقع گھروں اور اپارٹمنٹس میں رہائش رکھتے تھے۔ مارننگ سائڈ ہائٹس پر واقع بیشتر اپارٹمنٹس' کولمبیا یونیورسٹی کی اپنی ملکیت تھے' جن میں یونیورسٹی کے پروفیسرز' لیکچرارز' اور دیگر فیکلٹی ممبرز اور اسٹاف رہائش رکھتے تھے۔ کولمبیا یونیورسٹی کے بہت سے گریجویٹ اسٹوڈنٹس' اسکالرز' اور ڈاکٹریٹ ڈگری کے حصول کے لیے کوشاں طالب علم بھی اسی علاقے میں رہائش رکھنے کو قابل ترجیح سمجھتے تھے تاکہ اپنی ریسرچ کے لیے یونیورسٹی کی لیب اور لائبریری سے دن اور رات کے تمام اوقات میں آسانی سے استفادہ حاصل کرسکیں۔ کیمپس کے قرب و جوار کا یہ تمام علاقہ اپنے اندر ایک عجیب سی کشش رکھتا تھا۔

یہ سارا علاقہ ہمہ وقت اسٹوڈنٹس سے گھرا رہتا تھا۔ ان اسٹوڈنٹس میں کثیر تعداد کولمبیا یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس کی ہوتی تھی۔ وہ جو کیمپس کی حدود سے باہر نکلنے کے بعد بھی خود کو یونیورسٹی لائف کے سحر سے نہیں نکالنا چاہتے تھے' وہ اس علاقے کے مختلف مقامات پر صبح' دوپہر' شام یہاں تک کہ رات کے اوقات میں بھی ہروقت دیکھے جاتے۔ اسٹوڈنٹس کا کوئی گروپ یونیورسٹی سے فراغت [illegible] آس پاس کے کسی اپارٹمنٹ میں رہائش پذیر [illegible] پروفیسر کے گھر کچھ پوچھنے' سمجھنے' ڈسکشن کرنے [illegible] تو کوئی اسٹوڈنٹ اپنے ساتھی طالب علموں کو مارننگ [illegible] پارک میں گھاس پر بیٹھا کچھ سمجھاتا نظر آرہا ہو۔ کہیں علم کے شائق طالب علم آس پاس [illegible] اسٹورز پر کتابیں خریدتے نظر آتے اور انٹلیکچوئل پر مشتمل اسٹوڈنٹس کا کوئی گروپ [illegible] واقع کسی کافی شاپ میں گرماگرم کافی کے کپس [illegible] لمبی لمبی علمی بحثیں کرتا نظر آتا۔ کیمپس کے [illegible] مارننگ سائڈ ہائٹس کا یہ تمام علاقہ زبردست تھا۔ [illegible] بہت سے چھوٹے بڑے بک اسٹورز' ریسٹورنٹس [illegible] شاپس اور بازار موجود تھے۔ کچھ بک اسٹورز [illegible] ریسٹورنٹس اور کافی شاپس چوبیس گھنٹے کھلے رہتے تھے۔

یہاں دستیاب تمام اشیاء چاہے وہ لکھنے پڑھنے سے متعلق ہوں یا کھانے پینے سے' ان میں اسٹوڈنٹس [illegible] ناپسند' سب سے بڑھ کر اسٹوڈنٹس کے بجٹ کو مدنظر [illegible] جاتا تھا' اسی لیے نیویارک کے دیگر علاقوں کی نسبت قدرے کم مہنگا تھا۔ مارننگ سائڈ ہائٹس کا یہ پورا علاقہ چاہے وہ کیمپس کے اندر کی دنیا ہو یا باہر کی اپنے اندر [illegible] انٹلیکچوئل ٹچ رکھتا تھا۔ کیمپس سے باہر کی [illegible] کی دنیا بھی کیمپس ہی کا حصہ معلوم ہوتی تھی۔

اپنی مشکل ترین اور انتہائی محنت طلب پڑھائی سے [illegible] وقت نکال کر وہ' کیتھی اور مائیک کے ساتھ اکثر مارننگ سائڈ ہائٹس پر واقع کسی نہ کسی ریسٹورنٹ یا کافی شاپ کا رخ کیا کرتی تھی۔ کچھ کھانے پینے کا موڈ نہ ہوتا اور [illegible] ہوتی تو بھی وہ تینوں کبھی کبھی مارننگ سائڈ پارک یا ریورسائڈ پارک یا سینٹرل پارک کا رخ بھی کرلیا [illegible] تھے' گرمیوں کی دوپہروں کا کچھ وقت یہاں گزار کر [illegible] پڑھائی کی تمام تھکن اتر جاتی تھی۔

کولمبیا یونیورسٹی سے اس کا پہلا تعارف ماما جانی [illegible] حوالے سے ہوا تھا۔ وہ یہیں کی گریجویٹ تھیں' انہوں نے لیٹ 50's میں یہیں سے انگریزی ادب [illegible] بیچلرز کی ڈگری لی تھی۔ بنیہ غالباً" آٹھ' نو سال کی [illegible] اور ماما جانی کے ڈپارٹمنٹ کا alumni ڈنر تھا' [illegible] میں شرکت کے لیے وہ اسے بھی اپنے ساتھ کیمپس

www.urduphoto.com

لیں اور تب نیویارک کی مشہور سڑک براڈوے پر [illegible] کولمبیا یونیورسٹی کے مین گیٹس نے اسے باہر سے ہی [illegible] حصار میں لے لیا تھا۔ وہ بڑے بڑے بلند و بالا آہنی [illegible] اور ان کے اندر دور دور تک نظر آتے ایک جیسے [illegible] کے بڑے بڑے درخت۔

[illegible] دونوں اطراف درختوں کی یہ قطاریں باہر سے ہی اسے [illegible] ات کرگئی تھیں اور جیسے تب ہی دل میں اس نے خود [illegible] یہ عہد کرلیا تھا کہ ماما جانی کی طرح ایک روز میں بھی [illegible] تعلیمی ادارے کا حصہ بنوں گی۔ اس کی دلچسپی چونکہ [illegible] انجینئرنگ کی طرف تھی تو اس کا انتخاب اور اس کی [illegible] کولمبیا یونیورسٹی کا Fu Foundation [illegible] انجینئرنگ اسکول جو عرف عام میں Seas یا پھر [illegible] انجینئرنگ اسکول کہلاتا تھا' ٹھہرا تھا۔ انجینئرنگ اسکول [illegible] کیمپس کے شمالی حصے میں واقع تھا اور یہ کئی خوب صورت [illegible] عمارتوں پر مشتمل تھا۔ چھ' سات عمارتیں مل کر انجینئرنگ [illegible] اسکول کہلاتی تھیں۔ مین کیمپس کے اندر موجودگی کے [illegible] انجینئرنگ اسکول کے طلبہ کو یہ سہولت حاصل تھی [illegible] وہ یونیورسٹی کی دیگر تمام فیکلٹیز اور وہاں دستیاب [illegible] سہولتوں جیسے لائبریری وغیرہ سے با آسانی فیض یاب ہوسکتے [illegible] جبکہ انجینئرنگ اسکول کی اپنی لائبریری S. W. Mudd بلڈنگ کی چوتھے منزل پر واقع [illegible]

سول انجینئرنگ کا ڈپارٹمنٹ S. W. Mudd [illegible] اور انجینئرنگ ٹیرس پر واقع تھا۔ (اسٹرینتھ آف [illegible] میٹریلز) ہو یا سول مکینکس یا کسی ریسرچ سے متعلق [illegible] ڈپارٹمنٹ کی لیبز اور تمام ریسرچ سینٹرز شاندار اور [illegible] طرح کی سہولیات سے آراستہ تھے۔

کیتھی اور مائیکل جسے وہ لوگ مائیک کہتے تھے۔ اس کے [illegible] سے خاص اور قریبی دوست تھے۔ کیتھی تو اس کے [illegible] ہی کی دوست تھی۔ اسکول کے دنوں سے گریڈون سے وہ [illegible] ہمیشہ ساتھ رہی تھیں' جبکہ مائیک سے دوستی ہائی [illegible] اسکول کے دنوں میں ہوئی تھی۔ کیتھی اور مائیک ایک [illegible] دوسرے کے ساتھ تب سے ہی بہت سنجیدہ تھے۔ سول [illegible] انجینئرنگ میں بیچلرز ڈگری لے لینے کے بعد ان دونوں کا [illegible] پہلا کام ایک اچھی جاب کا حصول اور دوسرا کام ایک [illegible] دوسرے کے ساتھ شادی کے بندھن میں بندھنا تھا۔ [illegible] پڑھائی ہو یا دیگر ایکٹیویٹیز وہ تینوں ہمیشہ ساتھ رہا کرتے تھے۔ کیتھی اور مائیک تو خاص دوستوں میں آگئے مگر اس کی کیمپس میں اور بھی بہت دوستیاں تھیں۔ انجینئرنگ اسکول کے علاوہ دیگر اسکولز اور ڈپارٹمنٹس میں بھی اس کے کافی دوست تھے۔

اپنے اسکول اور اپنے ڈپارٹمنٹ میں بھی اپنے کلاس فیلو کے علاوہ اس کی دیگر کئی جونیئر اور سینئر اسکول میٹس کے ساتھ بھی اچھی ہائے ہیلو تھی۔ سول انجینئرنگ میں ایم ایس اور ڈاکٹریٹ کرنے والے بعض اسٹوڈنٹس سے بھی اس کی کیتھی اور مائیک کی سلام دعا تھی۔

پر عباد عذیر سے وہ اس روز سے پہلے تک قطعاً" واقف نہ تھی۔ مگر اس روز کے بعد تو جیسے وہ اسے ہر جگہ نظر آنے لگا۔ وہ کسی لیب سے باہر نکل رہی ہے تو پاس ہی کہیں وہ نظر آجائے گا' وہ کسی کلاس میں جارہی ہے تو راستے میں کہیں نہ کہیں وہ ضرور ٹکرائے گا' وہ لائبریری میں جانے کے لیے لفٹ کے پاس سے گزر رہی ہے تو وہیں کہیں وہ بھی کھڑا نظر آئے گا اور تو اور وہ اپنے ڈپارٹمنٹ اسکول سے باہر بھی کیمپس میں کسی دوسری جگہ موجود ہے تو وہ قطعاً" غیر متوقع سے انداز میں اچانک سامنے آجائے گا۔ "ارے آپ؟" کہہ کر حیران ہوتا وہ اس سے یوں سلام دعا کرتا جیسے وہ اسے کسی انتہائی غیر متوقع جگہ پر نظر آگئی ہو۔ ہینڈسم تو تھا ہی' اداکار بھی بہت اچھا تھا۔ مگر افسوس وہ نہ اتنی کم عقل تھی نہ نادان جو یہ نہ سمجھ پاتی کہ ان اتفاقیہ ملاقاتوں میں اتفاقیہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔

صرف اس نے کیا کیتھی اور مائیک تک نے اس کی موجودگی کو نوٹس کرنا شروع کردیا تھا اور وہ دونوں نوٹس کیوں نہ کرتے؟ صرف ڈپارٹمنٹ یا انجینئرنگ اسکول کی حدود تک بات ہوتی تو ان "اتفاقیہ" ملاقاتوں کو اتفاقیہ سمجھ بھی لیا جاتا کہ اگر وہ لوگ وہاں سے بی ایس کررہے تھے وہ ایم ایس' جس رفتار سے وہ کیمپس میں "اتفاقیہ" طور پر مسلسل اس کے سامنے آرہا تھا اسے دیکھتے ہی کچھ نہ کچھ بھانپ لیتا۔ اپنے ڈپارٹمنٹ کے علاوہ ان تینوں کے کیمپس میں دیگر بھی کئی فیوریٹ اسپاٹس تھے اور وہ تینوں وہاں بہ کثرت جایا کرتے تھے اور ان تمام جگہوں پر عباد عذیر اسے مل رہا تھا۔

وہ تینوں لاء لائبریری کی سیڑھیوں پر بیٹھے گپیں ماررہے ہیں' وہ سامنے آجائے گا۔ وہ اور کیتھی مائیک کا باسکٹ بال ٹیم دیکھنے جم آئی ہیں' مائیک کے لیے تالیاں بجارہی ہیں' نعرے لگارہی ہیں اور وہ ایک دم ہی کہیں سے نکل کر سامنے

آجائے گا' اس سے اور کیتھی سے ہائے ہیلو کر کے انہیں یہ بتاتا کہ وہ یہاں سوئمنگ کے لیے آیا تھا' یا کسی اور کھیل اور ایکسرسائز کے لیے کہ بقول اس کے اسے جب بھی اپنی تعلیمی مصروفیات سے فرصت اور موقع ملتا ہے تو وہ ورک آؤٹ کے لیے جم چلا آتا ہے۔

کیمپس میں الگ الگ طرح کی اشیائے خورد و نوش کے لیے ان تینوں کی الگ الگ فیوریٹ جگہیں تھیں۔ سوان تمام اسکولز کے کیفے وغیرہ میں ان تینوں کی آمدورفت رہا کرتی تھی اور ان تمام جگہوں پر وہ انہیں مل رہا تھا۔

وہ زیادہ دیر رکتا نہیں' بس کھڑے کھڑے سلام دعا کرتا اور وہاں سے چلا جاتا۔

مائیک نے تو کچھ نہ کہا تھا مگر کیتھی نے چند روزہ خاموشی کے بعد اس تازہ ترین صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہوئے اسے بڑی گمبھیر سنجیدگی سے باور کرایا تھا۔

"یہ ہینڈسم بندہ بڑی سنجیدگی اور مستقل مزاجی سے تمہارے پیچھے ہے ہنیہ سجاد!"

کیتھی سدا کی حسن پرست اور رومننک' اسے وہ بہت پسند آگیا تھا۔ کوئی بندہ اتنی مستقبل مزاجی سے آپ کے پیچھے آرہا ہو' اسے تو یہ بات ہی بڑی رومننک لگی تھی' جبکہ ہنیہ اس ساری صورتِ حال سے یکسر لاتعلق تھی' اس کا انداز یہ ہوتا تھا کہ اگر عباد عذیر اسے کہیں نظر آگیا ہے تو ٹھیک ہے اور اگر نہیں تو بھی ٹھیک ہے۔

اس سے یوں "اتفاقیہ" آمنا سامنا ہوتے کوئی ایک مہینہ تو ہو ہی گیا تھا جب اس روز وہ لائبریری میں بیٹھی تھی اور وہ ہمیشہ کی طرح اتفاقیہ وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس روز کیتھی نہیں آئی تھی اور مائیک بھی خدا جانے کہاں تھا' اس کی اگلی کلاس شروع ہونے میں ابھی خاصا ٹائم تھا اور یہ فارغ وقت وہ لائبریری میں سنجیدگی سے بیٹھ کر کام کرتے گزارنا چاہتی تھی۔

اسٹرکچرل ڈیزائن یہ پروجیکٹ سب کو اپنا اپنا انفرادی طور پر کرنا تھا مگر کوئی مسئلہ کسی کو درپیش ہوا کرتا تو وہ تینوں سر جوڑ کر ساتھ بیٹھ جایا کرتے تھے' اس وقت بھی کچھ چیزیں اسے بالکل سمجھ میں نہیں آرہی تھیں اور وہ کیتھی اور مائیک کی کمی شدت سے محسوس کر رہی تھی۔

پاس ہی اس کا لیپ ٹاپ رکھا تھا' جس میں اس کا اپنے اس پروجیکٹ کے سلسلے میں اب تک کیا تمام کام محفوظ تھا۔ منہ میں پین دبائے وہ مختلف کتابوں کے صفحے پلٹ رہی تھی جب عباد عذیر ایک دم ہی اس کے پاس آگیا۔

"ارے ہنیہ آپ؟ کیسی ہیں؟" بھرپور حیران اداکاری کرتا وہ اس کی برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟" اس کی طرف اس نے رسمی سے انداز میں پوچھا۔

"اللہ کا کرم ہے۔ مزے میں ہوں۔" ہنیہ نے نظریں دوبارہ اپنے سامنے بکھری کتابوں پر مرکوز کردیں۔

"کیا پڑھ رہی ہیں؟" عباد نے پہلے ان ڈھیر کتابوں پر اور پھر اس کے الجھے چہرے پر نظریں دوڑائیں

"پروجیکٹ ہے اسٹرکچرل ڈیزائن کا اسی پر کام کر رہی ہوں۔" اس نے اپنے سامنے رکھی فائل اور کتابوں کی طرف اشارہ کر کے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ کے ایکسپریشن بتا رہے ہیں کہ کچھ مشکل ہے جو حل نہیں ہو رہی۔ لائیں دکھائیں شاید میں آپ کی مدد کرسکوں۔"

اس نے خود ہی قدرے جھک کر اس کی فائل اور لیپ ٹاپ کی طرف دیکھنا شروع کردیا۔ ایک آدھ سیکنڈ یوں رہنے کے بعد اس نے بڑے آرام سے اس کا لیپ ٹاپ اور فائل اپنے سامنے کھسکالی اور سیدھا ہو کر مسئلے کی نوعیت سمجھنے لگا۔ وہ اس بے تکلفی اور دخل در معقولات پر کچھ جزبز ہوئی۔

"ہوں... تو یہ بیم پریشان کررہی ہے آپ کو؟" اس کی طرف دیکھے بغیر اس نے سنجیدگی سے کہا۔

یہ مسئلہ دریافت کرلینا اتنا مشکل نہ تھا کہ اس کی فائل پر لگے صفحات اور لیپ ٹاپ میں کھلی فائل سب فی الوقت اسی ایک مسئلے کے بیچ اٹکے ہوئے تھے۔ وہ چند منٹ فکر کرتا بڑے اطمینان اور بے تکلفی سے اس کے لیپ ٹاپ میں کھلی فائل میں صفحہ در صفحہ اوپر نیچے آگے پیچھے جاتا اس کے پروجیکٹ کی تفصیلات سمجھتا رہا۔ چند منٹوں کے بعد اس نے مسکرا کر ہنیہ کی طرف دیکھا۔

"یہ ایکویشن انٹیگریٹ نہیں ہو پا رہی آپ سے ہے نا؟"

اسے نہ چاہتے ہوئے بھی سر اثبات میں ہلانا پڑا۔

"اس میں کیا مشکل ہے بیم پر لوڈ آپ نکال چکی ہیں۔ بیم کی Length اور Depth آپ کو پتا ہے۔ اب صرف یہ ایکویشن انٹی گریٹ کرنی ہے۔ دیکھیں اس کی انٹی گریشن بڑی آسان ہے۔ میں آپ کو آسان طریقہ

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

بتاتا ہوں۔"

ہنیہ سے بولتے بولتے اس نے اپنی فائل میں لگا قلم نکالا اور ہنیہ کی فائل پر اس ایکویشن کو سولو کرنا شروع کر دیا، جو اسے کافی دیر سے پریشان کر رہی تھی۔ اس کی لکھائی صاف ستھری اور بہت عمدہ تھی، وہ الٹے ہاتھ سے لکھ رہا تھا۔ وہ جس طرح بول رہا تھا، اس نے واقعی اسی طرح چٹکیوں میں ساری ایکویشن حل کر کے فائل دوبارہ اس کے آگے کر دی تھی۔

وہ اب مسکراتا ہوا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور مسکراتے ہوئے اس کے بائیں گال پر ڈمپل پڑ رہا تھا۔ اسے یہ نہیں پتا تھا کہ ڈمپل کسی لڑکے کے چہرے پر بھی اتنا خوب صورت لگ سکتا تھا۔ اس کی مسکراہٹ بلاشبہ بہت خوب صورت تھی۔ ہمیشہ کی طرح وہ اسی لاپروا سے حلیے میں تھا۔ شیو بڑھی ہوئی، بال لاپروائی سے بکھرے ہوئے۔ اس نے کولمبیا یونیورسٹی کے لوگو والی براؤن کلر کی شرٹ، نیلی جینز کے ساتھ پہن رکھی تھی۔

"شکریہ۔" اس کے ڈمپل سے نگاہیں ہٹا اس نے سوال حل کرنے پر سنجیدگی سے اس کا شکریہ ادا کیا۔

"You are Always Welcom ویسے اپنی تعریفیں کرنے کی مجھے عادت نہیں ہے لیکن بہرحال یہ سچ ہے کہ میں خاصا ذہین ہوں اور اسٹرکچرل انجینئرنگ تو میرا خاص سبجیکٹ ہے، اس پر تو مجھے پوری کمانڈ حاصل ہے، لہٰذا آپ کو آئندہ بھی کچھ پوچھنا ہو تو مجھ سے پوچھ سکتی ہیں۔"

اس کی میز کے سامنے اسٹوڈنٹس کا گروپ جو شکلوں ہی سے "پڑھاکوؤں" پر مشتمل لگ رہا تھا، اس کے ارکان عباد کو اس زور سے بولنے کی وجہ سے گھور گھور کر دیکھنے لگے، تب وہ آواز آہستہ کر کے اس سے بولا۔

"یہ پڑھاکو، مستقبل کے پروفیسرز تو سکون سے بات بھی نہیں کرنے دیں گے۔ کیا خیال ہے کہیں باہر نہ چلیں؟ یہاں ہمارے کیمپس کے پاس ہی ایک نیا اٹالین ریسٹورنٹ کھلا ہے، وہاں کی کیپوچینو بہت اچھی ہوتی ہے۔"

اس نے بہت بے تکلفی سے اسے کافی پینے کی دعوت دی۔ ہنیہ نے بالکل ... کی طرح ٹھکرا دیا۔

"آپ کا شکریہ، لیکن ابھی میں کافی بزی ہوں۔ مجھے ... کام کرنا ہے ..."

اس کے جواب سے اس کے چہرے پر مسکراہٹ ایک دم ہی کچھ ماند سی پڑ گئی۔

"چلیں کوئی بات نہیں۔ آپ اپنا کام کریں، میں ... ہوں۔ بائے۔" وہ اسے خدا حافظ کہتا فوراً ہی چلا گیا۔ اسے لائبریری سے باہر نکلتا دیکھ کر اسے کچھ افسوس ... ہوا۔ وہ صرف ایک کپ کافی ساتھ پینے ہی کے لیے تو کہہ رہا تھا، کوئی اس سے اپنے ساتھ ماؤنٹ ایورسٹ سر کرنے کے لیے تو نہیں کہہ رہا تھا۔

اس نے پہلی بار ڈاکٹر گراہم کے لیکچر کے دوران بھی اس کی مدد کی تھی اور آج بھی اس کا ایک پیچیدہ مسئلہ جو شاید ... پورا دن لگ کر بھی تنہا حل نہ کر پاتی، حل کر کے ہی گیا تھا۔ وہ مہذب تھا، اس کے پیچھے آتا یا بات کرتا تو کبھی بھی ... غیر شائستہ بات نہ کرتا۔ وہ خوش شکل تھا، اعلا تعلیم یافتہ تھا، ذہین تھا، اس کے مینرز اور گفتگو کا انداز بتاتا تھا کہ ... اچھی فیملی سے تعلق رکھتا ہے۔

پھر کیا حرج تھا اگر وہ اس کے ساتھ ایک کپ ... لیتی۔ اس کا یہ افسوس مزید گہرا تب ہونے لگا جب ... کے بعد وہ اسے نظر آنا بند ہو گیا۔ نہ کہیں کسی کوریڈور ... نہ کسی لیب میں، نہ کسی پروفیسر کے آفس میں، نہ ... میں، نہ کسی کیفے میں، نہ جم میں۔ وہ اسے ... سرے سے کہیں نظر آ ہی نہیں رہا تھا۔ کیتھی ... اس کی غیر موجودگی محسوس کی تھی۔

"وہ تمہارا ہینڈسم ہیرو نظر نہیں آ رہا آج کل ... کوئی اور لڑکی لے اڑی ہے اسے۔ ایسے شاندار ... کون لڑکی بخشے گی۔"

اس نے کیتھی کی بات کا نہ نوٹس لیا تھا ... جواب دیا تھا۔ ٹھیک ہے وہ نہیں نظر آ رہا تو نہیں آ رہا ... کہیں، اسے کیا۔ اس نے سر جھٹک کر اس ... اپنے ذہن سے نکال دیا تھا۔ مگر یہ کیسی بات تھی ... بھی وہ کوئی کلاس لے کر باہر نکل رہی ہوتی اس کی نگاہیں کلاس روم سے نکلتے ہی کوریڈور میں ... گھومتیں، لاء لائبریری کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر اپنی ... مطابق سامنے سرسبز لان میں رکھتے کبوتروں ... غول کو دیکھنے کے بجائے وہ گردن گھما گھما ... پاس میں کچھ ڈھونڈا کرتی۔ کیتھی کے ساتھ جم آتی ... ایکسرسائز میں مصروف ہو جاتی اور وہ ... اوران ڈور جاگنگ ٹریک پر چلی آتی جہاں ... ایکسرسائز کر رہے ہوتے وہاں آجاتی۔ ...

urduphoto.com

خوب صورت مسکراہٹ اس کے ذہن سے محو نہیں ہوتی تھی۔ اس نے کئی بار احمقوں کی طرح اپنی فائل میں اس صفحے کو بغور دیکھا تھا جس پر اس کی خوب صورت ہینڈ رائٹنگ موجود تھی۔

وہ اپنے حال میں مگن رہنے والی مست ملنگ، کچھ مردانہ سی عادتیں رکھنے والی لاپروا سی لڑکی تھی مگر وہ جو اسے اپنے وجود کا احساس دلانے کی کوشش کرتا تھا اس کے پیچھے ہر جگہ موجود ہوتا تھا۔ اچانک ہی کہیں غائب ہو کر اس کی ... اور خود میں مگن انداز کو ڈگمگا گیا تھا۔ وہ خود سے بھی کسی قیمت پر یہ بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھی کہ وہ اس کی غیر موجودگی کو محسوس کر رہی ہے۔

جو بھی تھا اور وہ جو کوئی بھی تھا وہ کیوں اس کے متعلق کچھ سوچے؟ ہو گا کہیں، چلا گیا ہو گا کہیں۔

☆ ☆ ☆

وہ یونیورسٹی سے گھر واپس جا رہی تھی۔ ایک تو کیمپس میں دیر ہو گئی تھی، آج ماما جانی نے اپنی کچھ دوستوں کو شام کی چائے پر انوائٹ کر رکھا تھا اور اس نے ان سے کہا تھا کہ وہ یونیورسٹی سے گھر جلدی آجائے گی تاکہ ان ... کر سکے۔ مگر برا ہو اس کی گاڑی کا جو کیمپس سے کچھ ... ایمسٹرڈیم ایونیو پر آکر اچانک بند ہو گئی تھی۔ وہ زیادہ تر کیمپس سب وے کے ذریعے آتی جاتی تھی۔ ... کے اس سب سے بڑے اور سب سے جدید شہر میں ... کے اوقات میں صبح اور شام کے اوقات میں ٹریفک اس طرح جام ہوتا تھا کہ وہ فاصلہ جو آپ سب وے کے ... ٹرینوں کی برق رفتاری کے سبب دس منٹ میں ... طے کر لیں گے۔ وہ نیویارک کی سڑکوں پر گاڑی میں ... سے بھی اوپر کا سفر بن جاتا تھا۔ ٹریفک جام کے مسئلے ... اگر نمٹ لیں تو نیویارک میں دوسرا بڑا مسئلہ گاڑیوں کی ... بن جایا کرتا تھا۔

... نیں ہنن سے باہر کہیں جانا ہوتا یا اور کچھ ... کام ہوتا، جس کے لیے گاڑی میں جانا لازمی ہوتا وہ ... گاڑی نکالتی تھی۔ آج صبح بھی اپنے کچھ کاموں کے ... اسے گاڑی میں کیمپس آنا پڑ گیا تھا۔

... چار بجے سے سڑکوں پر ٹریفک جام ہونا شروع ... وہ اس لیے گھر جلدی پہنچنا چاہ رہی تھی مگر کسی ... کی طرح اکڑی اس کی گاڑی مزید چلنے سے صاف انکار کر چکی تھی۔ وہ گاڑی کو دوبارہ اسٹارٹ کرنے کے ہزار جتن کر چکی تھی۔

وہ گاڑی کا بونٹ کھول کر کھڑی اس کا نقص ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی، جب ایک گاڑی اس کے پاس سے گزری۔ اس کے قریب سے گزرنے اور آگے بڑھ جانے کے ساتھ ہی وہ فوراً" ریورس ہوئی اور اس کے قریب روک دی گئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس میں بیٹھا عباد عذیر گاڑی سے اتر رہا تھا۔

"مجھے پاس سے گزرتے ہوئے یہی لگا تھا کہ شاید آپ ہیں۔ لگتا ہے آپ کی گاڑی خراب ہو گئی ہے۔"

وہ جس طرح اچانک کہیں غائب ہوا تھا، اسی طرح انیسویں دن اچانک ہی دوبارہ نظر بھی آگیا تھا۔ یہ اس کی عباد عذیر کے ساتھ وہ پہلی ملاقات تھی جو واقعی اتفاقاً" ہو رہی تھی۔ وہ بھی یقیناً کیمپس ہی سے واپس جا رہا تھا۔ وہ لمحہ بھر پہلے تک شدید آف موڈ کے ساتھ یہاں کھڑی تھی، مگر اتنے سارے دنوں بعد اسے ایک بار پھر اپنے سامنے دیکھنا ایسا خوش گوار لگا کہ وہ اپنا سارا آف موڈ بھول گئی۔ وہ اس کی سوچوں سے بے خبر اس کے پاس آگیا تھا۔

"لائیں میں کچھ مدد کروں؟"

وہ کچھ دور ہٹ گئی۔ وہ اپنے ہمیشہ جیسے لاپروا حلیے میں تھا۔ بہرحال یہ طے تھا کہ بندہ ہفتہ، دس دن سے پہلے ریزر ہاتھ میں نہیں لیتا تھا۔ لباس کا بھی وہی انداز تھا۔ اس نے پوری آستینوں کی گرے کلر کی جو جرسی پہن رکھی تھی اس پر بالکل سامنے "کولمبیا یونیورسٹی" کے الفاظ لکھے تھے۔ آج سر پر بیس بال کیپ بھی تھی۔ سر جھکا کر وہ پندرہ منٹ تک انجن کے ساتھ مصروف رہا۔

"لگتا ہے معاملہ جنرل نزلیشن سے نہیں چلے گا، اسے کسی اسپیشلسٹ کو دکھانا پڑے گا۔"

گاڑی کا بونٹ بند کرتے اس نے مایوسی سے یوں سر ہلایا گویا گاڑی کی نہیں کسی انسان کی بات کر رہا ہو۔ یہ تو اسے بھی لگ ہی رہا تھا کہ مکینک کو دکھانا پڑے گا۔

"اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔ اپنی گاڑی لاک کر کے یہیں چھوڑ دیں۔"

اس نے ہنیہ کی طرف دیکھتے ہوئے اسے آفر دی۔ سر اثبات میں ہلاتے اس نے جلدی جلدی اپنی گاڑی لاک کی اور اپنا بیگ اور فولڈر اور فائل جو اس نے ہاتھ میں پکڑ رکھے تھے لے کر اس کی گاڑی کی طرف آگئی۔ وہ گاڑی

میں بیٹھ گئی تب وہ بیٹھا اور گاڑی اسٹارٹ کردی۔

"اور آپ کیسی ہیں؟ اسٹڈیز کیسی چل رہی ہیں؟" اسے کہاں جانا ہے' وہ پتا بتا چکی تب اس نے پوچھا۔ اس کی نظریں ونڈ اسکرین پر مرکوز تھیں۔

"ٹھیک۔۔ آپ کیسے ہیں؟ آج بہت دنوں بعد نظر آئے ہیں۔" اس نے پوچھا تو بہت عام' سے انداز میں تھا مگر عباد نے ونڈ اسکرین سے نظریں ہٹا کر اسے بغور دیکھا۔

"میں بوسٹن گیا ہوا تھا ایک کام کے سلسلے میں۔" وہ اس کی گہری نگاہوں سے ذرا مضطرب ہوئی۔ اس نے ایسا تو کچھ نہیں پوچھ لیا جس سے یہ لگے کہ اس نے اس کی غیر موجودگی کو محسوس کیا ہے۔

"آپ کا ساتواں سمسٹر ہے نا بی ایس کا؟"

"جی' سمجھیں ختم ہی ہونے والا ہے۔ ساتواں سمسٹر اور آپ کا ایم ایس؟" جواب دینے کے ساتھ اس نے سوال بھی کیا۔

"ایک سال گزر گیا' ایک سال باقی رہتا ہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"آپ کیمپس گاڑی میں آتے ہیں؟" اس نے گفتگو برائے گفتگو کے طور پر سرسری انداز میں پوچھا۔

"نہیں' ین ہٹن میں گاڑی وہ ڈرائیو کرے جسے بی پی پیشنٹ یا ہارٹ پیشنٹ بننا ہو۔ نیو جرسی گیا ہوا تھا ایک کام سے' وہاں سے واپس میں سیدھا کیمپس آگیا اس لیے گاڑی میں ہوں' ورنہ سب وے زندہ باد۔ لیٹ نائٹ کہیں جانا ہو پھر گاڑی ہی میں جاتا آتا ہوں۔"

عباد نے گاڑی — 71 اسٹریٹ پر اس ماڈرن اپارٹمنٹ بلڈنگ کے سامنے روکی' جس کے پینٹ ہاؤس میں وہ اور ماما جانی رہتے تھے اور جس کے لیونگ روم کی بڑی بڑی فرنچ ونڈوز سے باآسانی ایسٹ ریور کا نظارہ کیا جاسکتا تھا۔ دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر اترتے ہوئے وہ اس سے بولی۔

"آپ اندر نہیں آئیں گے؟"

"آپ بلائیں گی؟"

"میرا خیال ہے۔ میں آپ کو بلا ہی رہی ہوں۔"

اس کی بات پر وہ ہنس دیا۔ پھر اس نے ایک کاغذ پر تیز رفتاری سے کچھ لکھ رہا تھا۔ لکھ کر فارغ ہوا تو مسکرا کر اس کی سمت دیکھتے وہ کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔

"ن کو میرا سیل نمبر اور اپارٹمنٹ کا فون نمبر ہے' سوالی

آپ کے گھر آنے کا تو آپ کے گھر میں ضرور آؤں گا' آج نہیں کبھی اور۔۔۔"

اس نے اس سے اس کے کانٹیکٹ نمبر مانگے تو نہیں تھے لیکن اب وہ دے رہا تھا تو نہ لینا بدتمیزی تھی۔ اس نے وہ چٹ اپنے ہاتھ میں لے لی تھی اور اس کی ڈمپل والی مسکراہٹ کو دیکھتی وہاں سے اپنی بلڈنگ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

وہ پہلے ہی گھر لیٹ پہنچی تھی' لہٰذا آتے ہی اس نے ماما جانی کی کچن میں مدد کروانی شروع کردی تھی۔

ماما جانی اس کی دادی تھیں۔ اس کے والدین کے انتقال کے بعد اب گھر میں صرف وہ اور اس کی دادی ہی رہ گئے تھے۔ وہ کبھی لاڈ میں ہوتی تو انہیں دادی یا گرینڈ ما کہتی ورنہ وہ ماما جانی ہی کہلاتیں۔ اسے یہ سوچ کر بڑا مزا آتا تھا کہ اس کے دادا اور دادی کی پسند کی شادی تھی۔ اس کی دادی پچاس کے عشرے کے ابتدائی برسوں میں کراچی سے امریکہ پڑھنے کے لیے آئی تھیں۔ اس دور میں جب برصغیر پاک و ہند میں لڑکیوں کی روایتی تعلیم کا بھی زیادہ رواج نہ تھا' ان کے والدین نے انہیں پڑھنے کے لیے امریکہ بھیج دیا تھا۔ یقیناً اس کی دادی کی فیملی بہت روشن خیال فیملی تھی۔ یہاں انہیں اس کے دادا ملے' دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کیا اور جھٹ پٹ شادی ہوگئی۔ وہ پچھتر برس کی تھیں' بہت زندہ دل' بہت ایکٹو خاتون تھیں۔

اس کی اپنی دادی سے بہت انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ وہ اپنے والدین کی چوتھی اور آخری اولاد تھی اور جب وہ پیدا ہوئی تب اس کے باقی بہن بھائی ذرا بڑے ہوچکے تھے۔ اس کی ممی جب زندہ تھیں' کبھی کبھی بڑے مزے سے بتاتیں کہ تین بچوں کے بعد ان کی فیملی کمپلیٹ تھی' پھر اچانک ہی وہ آن وارد ہوئی۔ اس کی ممی جنہوں نے بچوں کی پرورش کی خاطر اپنا کیریئر اور پروفیشن کافی عرصہ چھوڑ رکھا تھا' جب تینوں بچے ذرا بڑے اور سمجھ دار ہوگئے تب دوبارہ جاب کرلی تھی اور تبھی ان کے کیریئر کی راہ میں یہ پیدا ہوئی تھی۔ جب وہ جاب چھوڑ کر گھر نہیں بیٹھ سکتی تھیں' چنانچہ اس کی پرورش ماما جانی نے کی تھی۔

وہ ان سے بچپن ہی سے بہت قریب بھی تھی اور ماما جانی بھی۔ اس سے بڑی اس کی بہن یمینہ اس سے دس سال بڑی تھی جبکہ دونوں بھائی جنید اور معاذ بارہ اور گیارہ سال بڑے تھے۔ عمر کا فرق زیادہ تھا' چنانچہ اس کی اپنے بہن بھائیوں

urduphoto.com

سے بہت زیادہ انڈر اسٹینڈنگ نہ تھی۔ امریکہ میں رہتے ہوئے بھی ان کے گھر کا ماحول ایک اسلامی اور مشرقی ماحول تھا۔ اس کا خصوصی کریڈٹ یقیناً ماما جانی کو جاتا تھا۔ "تم امریکی شہری ہو مگر ساتھ ہی تم مسلمان بھی ہو۔ اس کلچر کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو تمہارے لیے ممنوع ہیں۔" ماما جانی نے ان کی جیسے گھٹی میں یہ چیز شامل کردی تھی۔

ان چاروں بہن بھائیوں کی تربیت میں ماما جانی کا بہت ہاتھ تھا اور اس کو چونکہ پالا ہی انہوں نے تھا تو اس کی پرورش اور اس کی تربیت میں تو سو فیصد ان ہی کا عمل دخل رہا تھا۔

ماما جانی کی بدولت اپنے مسلم امریکن ہونے کو' اپنے اسلامی تشخص کو اس نے پورے دل کے ساتھ قبول کیا تھا۔ وہ پورے دل و جان سے امریکی شہری تھی اور وہ پورے دل و جان سے مسلمان تھی۔ وہ اپنے مسلم امریکن ہونے پر فخر کرتی تھی۔ اپنی جداگانہ پہچان اب اسے ہرگز شرمندہ نہ کرتی تھی بلکہ تفاخر کا احساس دلاتی تھی۔ ہاں پاکستان سے اسے "قطعاً" کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کے آباؤ اجداد کا تعلق چاہے پاکستان سے ہو اور چاہے اس کے بہت سے رشتے دار اب بھی وہیں رہتے ہوں' اسے مگر پاکستان سے ہرگز کوئی دلچسپی نہ تھی۔

ماما جانی کی دوستوں سے مل ملا کر اور انہیں کچھ سرو کرنے کے بعد اسے اپنی گاڑی کی فکر لاحق ہوئی۔

ابھی وہ اپنے موٹر مکینک کے گیراج کا فون نمبر ڈھونڈ رہی تھی کہ کسی گیراج میں کام کرنے والے ایک مکینک کا اس کے گھر فون آگیا۔ وہ ان کی بلڈنگ کے باہر اس کی گاڑی لیے موجود تھا۔ گاڑی ٹھیک ہو کر آچکی تھی' وہ اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ نیچے آکر اپنی گاڑی چیک کرلے۔ وہ حیران پریشان' ہکابکا نیچے اتری۔

موٹر مکینک نے اس سے گاڑی چیک کروائی کہ وہ اسٹارٹ کرکے چلا کر' ہر طرح اپنا اطمینان کرلے۔ اس نے اپنا ہر طرح کا اطمینان تو خیر کرلیا مگر ساتھ ہی اس نے بل مانگا تو اسے بتایا گیا کہ بل کی ادائیگی ہوچکی ہے' وہ صرف گاڑی چیک کرلے۔ گاڑی تو ظاہر ہے ٹھیک ہوچکی تھی۔ وہ موٹر مکینک کو وہاں سے روانہ کرکے اوپر اپنے اپارٹمنٹ میں آئی اور آنے کے ساتھ ہی وہ چٹ اپنے بیگ میں سے نکالی جو اسے گھر پر ڈراپ کرتے وقت تھمادی تھی۔ اس نے اپنے سیل فون سے اس کا سیل نمبر ملایا۔ اس نے پہلی بیل پر کال ریسیو کرلی تھی۔

"ہاں میں ابھی آپ کے فون ہی کا انتظار کررہا تھا' میں نے سوچا لڑکی courteous ہے ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ شکریہ کہنے کے لیے فون نہ کرے اسی لیے تو آپ کو اپنا فون نمبر دے دیا تھا۔"

اس کے ہیلو کے جواب میں وہ فوراً" بولا تھا۔ اسے بے ساختہ ہنسی آئی تھی۔ وہ باتیں مزے کی کرتا تھا۔

"لیکن میں نے شکریہ کہنے کے لیے تو فون نہیں کیا۔"

"پھر؟"

"میں نے تو صرف یہ پوچھنے کے لیے فون کیا تھا کہ آپ نے مجھے میری بلڈنگ کے باہر اتار دیا تھا پھر آپ کو میرے اپارٹمنٹ کا نمبر اور فون نمبر کیسے پتا چل گیا؟"

"میں اپنے ملنے جلنے والوں کی خیر خبر رکھتا ہوں۔ یہ نہیں کہ کوئی بہت دن نظر نہ آئے اور آپ کے پاس اس کا کونٹیکٹ نمبر تک نہ ہو کہ ایک فون کال کرکے خیریت ہی معلوم کرسکیں۔"

وہ اپنے سے پہر کے سوال پر تب ہی سے جی بھر کر پچھتا رہی تھی۔ اسے اس وقت یہ اندازہ نہیں تھا کہ مقابل لفظوں میں چھپے معنی اور چہرے پر چھپے تاثر پڑھنے کا شوقین ہے۔ منہ سے نکلی بات تو اب واقعی پرائی ہوچکی تھی۔

لہٰذا اس کی بات پر کوئی تبصرہ کیے بغیر اس نے فوراً" ہی موضوع تبدیل کیا۔

"آپ نے میری گاڑی ٹھیک کروادی' اس کا تو واقعی بہت شکریہ' لیکن آپ نے بل کیوں پے کیا؟ آپ پلیز وہ پیسے مجھ سے لے لیں۔"

"اس بات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' ہمارے ہاں خواتین سے پیسے لینے کو بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ ہاں اگر آپ کو ایسا لگ رہا ہے کہ میں نے آپ پر کوئی بہت بڑا احسان کردیا ہے اور آپ کو اسے لازمی اتارنا ہے تو آپ مجھے اپنے ساتھ کہیں کافی پلا سکتی ہیں۔"

گھوم پھر کر کافی پھر بیچ میں آگئی تھی۔ وہ بلاوجہ ہی اس روز یہ سمجھی تھی کہ وہ برا مان گیا ہے۔ پہلی دو دفعہ کے برخلاف اس بار کافی کی دعوت کے ذکر پر وہ اپنی ہنسی روک نہیں پائی تھی۔

"اور یہ کہیں یقیناً ہمارے کیمپس کے پاس کھلا وہ اپنا اٹالین ریسٹورنٹ ہی ہوگا' جہاں کی کیپوچینو بہت اچھی ہوتی ہے؟"

اس نے ہنستے ہوئے کچھ چھیڑنے والے انداز میں اس سے پوچھا۔ اسے عباد عذیر سے باتیں کرنا اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ زندہ دل تھا' شائستہ مذاق کیا کرتا تھا۔

"ویسے تو دعوت آپ کی طرف سے ہے۔ لیکن میری رائے پوچھیں تو وہ ریسٹورنٹ مناسب رہے گا۔" عباد اپنی ہنسی دبا کر سنجیدگی سے بولا۔

"کل میری' آخری کلاس چار بجے ختم ہوگی' میں سوا چار بجے تک وہاں آجاؤں گی۔"

وقت طے کرکے اس نے گفتگو ختم کردی تھی۔

اگلے روز وہ صبح سے بے چین تھی۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد گھڑی دیکھتی۔ ایسا لگتا تھا آج گھڑی سب کچھ بجائے گی بس چار ہی نہیں بجائے گی۔ اس روز شام کے چار بہت دیر سے بجے تھے۔ وہ کیتھی کو کلاس ہی میں خدا حافظ کرکے سب سے پہلے کلاس سے نکل گئی تھی۔

مارننگ سائڈ ہائٹس پر واقع ڈھیر سارے ریسٹورنٹس اور کیفے میں وہ اٹالین ریسٹورنٹ بھی ایمسٹرڈیم ایونیو اور 121 اسٹریٹ کے درمیان واقع تھا۔

وہ اندر داخل ہوئی تو عباد وہاں پر پہلے سے موجود ملا۔ دروازے سے داخل ہوتے ہی اسے وہ نظر آگیا' وہ دروازے ہی کی طرف نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی تھی' ایسا تاثر ابھرا تھا اس کے چہرے پر جیسے اچانک ہی کوئی بہت بڑی خوشی مل جانے پر کسی شخص کے چہرے پر پھیلا کرتا ہے۔ وہ اس کی میز کے قریب آئی۔ وہ اس کے استقبال کے لیے اپنی کرسی پر سے اٹھ گیا تھا۔ شاید یہ ماما جانی کی تربیت اور ان کی سکھائی باتوں کا اثر تھا کہ وہ مردوں کے مینرز کا سب سے پہلے جائزہ لیا کرتی تھی۔

ماما جانی کہتی تھیں مردوں کے اچھا ہونے کی سب سے پہلی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ عورتوں کی عزت کرنے والے ہوں' قطع نظر اس کے کہ ان عورتوں سے ان کا رشتہ کیا ہے۔ وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے بھی اس سے سلام دعا کر سکتا تھا مگر وہ جس طرح فوراً کھڑا ہوا تھا وہ اس سے متاثر ہوئے ... میزبان پہلے سے موجود ہے۔ میزبان اب آرہی

"تم ..." ... بیٹھ گئے تھے۔ اس نے بے ساختہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہیں دوڑائیں تو وہ جلدی سے بولا۔

"آپ لیٹ نہیں آئی ہیں' میں ہی ایکسائٹمنٹ ... کچھ جلدی آگیا ہوں۔"

اس نے اس کے ایکسائٹمنٹ کے لفظ کی نہ ... چاہی نہ اس پر کوئی تبصرہ کیا۔ ویسے اگر وہ یہ نہ بھی بتاتا ... آج کی اس کافی کے لیے وہ بہت پرجوش اور خوش تھا ... بھی اس کی ایکسائٹمنٹ بڑی واضح نظر آرہی تھی۔ ... نے اسے کبھی شیو کیے نہیں دیکھا' نہ ہی ... Casual طرز کی شرٹس کے علاوہ کسی اور لباس ... دیکھا تھا۔ جبکہ آج اس نے نہ صرف یہ کہ شیو ... بلکہ اس کے بال بھی بڑے سلیقے اور بڑی خوب ... سے جمے ہوئے تھے اور لباس بھی آج کاٹن کا بلیک ... اور آسمانی رنگ کی کاٹن کی نارمل طرز کی پلین شرٹ تھا ... بندہ ہمیشہ بہت لاپروا سے حلیے میں رہنا پسند کرتا ہے ... حساب سے یہ تیاری بہت زیادہ تھی۔

"آپ کیا لیں گی؟"

"کیپوچینو کے لیے آئے ہیں تو وہی لینی چاہیے۔" زبردستی بنائی گئی ہنسی پر میزبان وہ بھی ... وہ کررہا تھا۔ "دو کپ کیپوچینو' اٹالین ... پیسٹریز۔"

"ویسے میں چائے اور کافی زیادہ پیتی نہیں ہوں ... آپ کو کافی بہت پسند ہے۔" ویٹر آرڈر لے کر چلا گیا ... اس سے بولی۔

"ہاں کافی مجھے بہت پسند ہے۔ ویسے ایک بات ... "آپ" کہنا کچھ عجیب نہیں لگ رہا۔ اور ویسے ... مما' پاپا اور قریبی دوست مجھے عالی کہتے ہیں' تم بھی ... تو مجھے عالی کہہ سکتی ہو۔"

وہ ابھی دوست نہیں بنی تھی کہ قریبی ... بریکٹ کی جارہی تھی۔

"میں تمہیں تم کہہ سکتا ہوں اگر تمہیں ... تو؟" اس نے سر اثبات میں ہلایا تو وہ اس سے ...

"تم مجھے سب سے پہلے اتنی اچھی اردو ... بتاؤ۔" وہ جواباً مسکرائی۔

"اس کا راز میری دادی ہیں۔ ویسے تو ... ماحول ایسا تھا کہ اردو میرے سارے بہن بھائی ... بول لیتے ہیں مگر میری ذرا زیادہ اچھی اس ... دادی' دادا کے زیادہ نزدیک تھی' خاص طور ... گھر کے اندر اردو کے علاوہ کسی اور زبان میں بات کرنا ہرگز ... نہیں کرتیں۔"

"اچھا تمہاری دادی بھی ہیں؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بس صرف وہی ہیں۔ میرے دونوں بڑے بھائیوں اور ... بہن کی شادیاں ہوچکی ہیں۔ سب اپنی جابز کی وجہ سے ... الگ الگ شہروں میں رہتے ہیں۔ نیویارک میں صرف میں ... ماما جانی ہیں۔ میں اپنی دادی کو ماما جانی کہتی ہوں۔ دادی ... تم یہ مت سمجھنا کہ وہ کوئی بوڑھی سی ڈل سی خاتون ... ہیں۔ وہ ماشاء اللہ مجھ سے زیادہ ایکٹو اور اسمارٹ ہیں۔ ... انہیں دیکھو گے تو یقین نہیں کرو گے کہ وہ میری دادی ... ہیں۔ بہت زندہ دل اور خوش رہنے والی ہیں وہ۔ فیشن کا ... انہیں مجھ سے زیادہ پتا رہتا ہے۔ ان کے ساتھ وقت گزارو ... تو بوریت نہیں ہوتی۔ ان کی کمپنی میں کوئی ینگ آدمی ... بھی بور نہیں ہوسکتا۔ مزے کی بات بتاؤں مجھے پرانی موویز ... اور پرانے گانے پسند آتے ہیں اور انہیں نئی موویز' نئے ... گانے۔ وہ اسپائیڈر مین اور ہیری پوٹر کی عاشق ہیں۔" اس ... کی باتوں کو دلچسپی سے سنتا وہ مسکرایا۔

"پھر تو تمہیں بہت مزا آتا ہوگا اپنی دادی کے ساتھ؟"

"ہاں بہت۔"

ان کی کافی اور کوکیز وغیرہ ان کی میز پر سرو ہوگئے تھے۔ اس نے کیپوچینو کے سپ لینے شروع کردیے تھے ... عباد پہلے ایک پیسٹری کھا رہا تھا۔

"تم پاکستان سے آئے ہوئے ہو؟" عباد نے سر اقرار ... میں ہلایا۔

"وہاں پر کہاں سے؟"

"کراچی۔"

"میرے بھی ایک ماموں وہاں رہتے ہیں۔ میں ایک بار ... اپنے کزن کی شادی میں وہاں گئی بھی تھی۔ تم یہاں پڑھنے ... کے لیے آئے ہو؟"

"ہاں۔ ایم ایس کمپلیٹ کرتے ہی میں واپس چلا ... جاؤں گا۔ وہاں میرے مما' پاپا ہیں اور میں انہیں بہت مس ... کرتا ہوں۔"

اس نے مما' پاپا کا لفظ بڑی محبت سے ادا کیا' ایسے جیسے یہ ... ادا کرتے اس کی زبان میں ڈھیر ساری مٹھاس گھل گئی ...

"میں اپنے مما' پاپا کا اکلوتا اور بہت لاڈلا بیٹا ہوں۔ زیادہ تر بچے یا ماں کے زیادہ قریب ہوتے ہیں یا باپ کے۔ میرے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ میں تو دونوں ہی کے خاصا نزدیک ہوں۔ پاپا بھی میرے دوست ہیں اور مما بھی۔ سمجھو میں اپنے پاپا ہی کی خواہش پر یہاں آیا ہوا ہوں۔ اے لیول کے بعد جب میں ذرا چھوٹا بھی تھا اور پاپا نے مجھے انجینئرنگ کے لیے امریکہ بھجوانے کی بات کی تھی تب میں ننھے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔ میں مما اور پاپا کے بغیر رہنے کا تصور ہی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ تو پھر انجینئرنگ کرتے کرتے جب ذرا سمجھ آئی تو احساس ہوا کہ میں پاپا کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ انہوں نے بہت خواب دیکھ رکھے ہیں میرے لیے۔ وہ مجھے اعلا تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ تب پھر کراچی میں این ای ڈی یونیورسٹی سے بی ای کرنے کے بعد میں ایم ایس کرنے یہاں چلا آیا۔ میرے پاپا کی اپنی کنسلٹنگ فرم ہے اور اگر اسے شو آف نہ سمجھو تو میں یہ اضافہ بھی کردوں کہ پاکستان کی لیڈنگ سول انجینئرنگ کنسلٹنٹ میں سے ایک۔ فاروق ایسوسی ایٹس کو انٹرنیشنلی ریکگنائز کیا جاتا ہے۔ پاپا کا خواب ہر باپ کی طرح ہی ہے کہ میں خوب پڑھ لکھ کر واپس پاکستان پہنچوں اور ان کی فرم کو مزید آگے لے جانے میں ان کے ساتھ شامل ہوجاؤں۔"

وہ اسے اپنے بارے میں اور اپنے والدین کے بارے میں بتا رہا تھا۔ وہ جس والہانہ محبت اور عقیدت سے اپنے ماں' باپ کا ذکر کررہا تھا' اس سے وہ متاثر بھی ہورہی تھی اور حیران بھی۔

"دیکھو گی میرے مما پاپا کو؟" اس سوال پر اس نے تعجب سے اسے دیکھا۔ وہ اس وقت اسے اپنے ماں باپ کہاں سے دکھا سکتا تھا۔ اس نے اپنی ٹراؤزر کی پاکٹ سے والٹ نکالا اور اس والٹ میں سے دو تصویریں۔

"یہ میرے پاپا ہیں عذیر فاروق اور یہ مما ماجرہ عذیر۔ میں اپنے پاپا جیسا ہینڈسم نہیں' وہ تو اس ایج میں بھی ڈیشنگ لگتے ہیں۔ پتا ہے اپنے بی ای کے دوران میں پاپا کی فرم بہت زیادہ جاتا تھا' سمجھو یونیورسٹی کے بعد کا سارا وقت میں ان کے آفس میں ہوتا تھا اور ان کے آفس کی انجینئر اور آرکیٹکٹ لڑکیاں' ان میں کئی پاپا پر فدا تھیں۔ میں مما سے کہتا تھا آپ ذرا ٹھیک سے تیار ویار ہو کر رہا کریں' پاپا آفس میں سارا وقت حسیناؤں کے جھرمٹ میں رہتے ہیں۔"

urduphoto.com

وہ ہنستے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔ بنیہ کو اس کے ماں باپ کے ذکر میں کوئی دلچسپی ہے بھی یا نہیں' اس کی پروا کیے بنا وہ بولے جا رہا تھا۔

وہ حیرت سے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ پہلی بار اس کے عمر کے کسی لڑکے کو اس نے کبھی اپنے ماں' باپ کا اس شدت اور محبت سے ذکر کرتے سنا نہیں تھا۔

"تم اپنے مما' پاپا سے بہت پیار کرتے ہو؟" اس نے آہستگی سے پوچھا۔

"ہاں بہت۔" وہ جواب دیتے مسکرایا۔ پھر لمحہ بھر کے لیے اس کے چہرے پر اداسی یوں چھائی جیسے وہ اس وقت بھی اپنے مما' پاپا کو بہت مس کرنے لگا تھا۔

"میں مما پاپا کے پاس پاکستان واپس جانے کے لیے یہاں اپنا ایک ایک دن گن گن کر گزار رہا ہوں۔ مجھے یہاں نہیں رہنا بنیہ! مجھے پاکستان واپس جانا ہے۔"

اس نے چونک کر عباد عذیر کو دیکھا۔ اس نے دوسری بار یہ بات کہی تھی۔ وہ اسے بار بار یہ بات کیوں بتا رہا تھا کہ وہ اپنا مستقبل اپنا آنے والا کل امریکہ میں نہیں پاکستان میں دیکھتا ہے۔ کچھ پل وہ دونوں خاموشی کافی پیتے رہے۔ عباد نے اپنا کپ خالی کر کے میز پر واپس رکھا' تب اس کی طرف دیکھ کر دھیمے لہجے میں بولا۔

"میں تم سے ایک بات پوچھوں بنیہ؟" اس نے گردن اقرار میں ہلائی تب وہ کچھ ہچکچاتے ہوئے بولا۔

"دیکھو' میرا سوال تھوڑا پرسنل سا ہے' اگر تمہیں برا لگے یا تم جواب نہ دینا چاہو تو مت دینا میں مائنڈ نہیں کروں گا۔"

یا اللہ! اتنی لمبی تمہید۔ یا تو وہ بے دھڑک اور بے جھجک' خود اعتمادی سے ہر بات کرتا تھا یا اس طرح ہچکچا رہا تھا' کچھ کنفیوزڈ سا بھی لگ رہا تھا۔

"تم کہیں پر انگیجڈ ہو یا کوئی کمنمنٹ یا کوئی...."

"یا کوئی بوائے فرینڈ' جو تمہیں میرے ساتھ بیٹھا دیکھ کر تمہاری گردن مروڑ دے۔"

وہ ہچکچا کر ایک پل کے لیے رکا تھا اور اس نے اس کی بات اچک کر خود مکمل کر دی تھی۔ ایک بہت پر اعتماد بندے کو اس طرح ہچکچاتا اور سنبھل سنبھل کر بات کرتا دیکھ کر اسے بہت لطف آ رہا تھا۔ اسے نہ مردوں کی فطرت کا کوئی بہت زیادہ پتا تھا اور نہ ہی مردوں سے متعلق کوئی تجربہ پھر بھی اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ زندگی میں پہلی بار اس طرح کی بات کسی لڑکی سے کر رہا تھا اور اسے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس طرح کی بات کہی کس طرح جاتی ہے۔

وہ اس سچویشن کو اس کے لیے ہرگز آسان نہیں بنانا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس کی ہچکچاہٹ کے جواب میں خود اعتمادی سے بولی۔

"میں تمہیں انگیجڈ لگتی ہوں؟"

"نہیں۔"

"اور کمیٹڈ؟"

"لگتی تو نہیں ہو۔"

"بس پھر جو تمہیں لگتا ہے وہی صحیح ہے۔" اس نے اپنا کپ خالی کر کے ساسر پر رکھ دیا تھا۔

"چلیں؟" عباد کے چہرے پر لکھا نظر آ رہا تھا کہ وہ ابھی اس سے کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہے۔ مگر اس کے "چلیں" کہنے پر اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ بل پے کرنے لگا' تب وہ احتجاجی انداز میں چلائی۔

"یہ فاؤل ہے۔ کافی میری طرف سے تھی۔"

"کافی تمہاری ہی طرف سے ہے۔" وہ دونوں اردو میں بات کر رہے تھے اور اٹالین ویٹر ہونق کھڑا انہیں باہم بحث و تکرار کرتا دیکھ رہا تھا۔

"لیکن بل تم پے کر رہے ہو؟" عباد نے اپنے والٹ سے نکالا کریڈٹ کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔ "تم دے دو۔"

"لیکن یہ تمہارے پیسے ہیں۔"

"کتنی بحث کرتی ہو۔ انجینئر کے بجائے تمہیں وکیل بننا چاہیے تھا۔"

"میں بحث کر رہی ہوں یا تم میل شاؤنزم کا جیتا جاگتا سمبل بنے بیٹھے ہو۔"

وہ خفگی سے بولتی میز پر سے اٹھ گئی۔ وہ بل پے کر کے اس کے پیچھے پیچھے ریسٹورنٹ سے باہر نکل آیا تھا۔

وہ کچھ غصے اور کچھ خفگی میں باہر نکلی تھی' کچھ غلطی اس کی تھی اور کچھ سامنے سے آنے والی گاڑی کی۔ وہ گاڑی اسے ٹکر مارتی ہوئی گزر جاتی اگر عباد "بنیہ" کہہ کر زور سے چلاتا اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے پوری قوت سے اپنی طرف نہ کھینچتا۔ ایک پل کے لیے اس کا ذہن بالکل ماؤف سا ہو گیا تھا۔ خوف سے تھر تھر کانپتے اس نے خود میں اور موت میں انچ بھر کا فاصلہ دیکھا تھا۔ وہ اس کی خوف زدہ اور رنگ اڑی

UrduPhoto.com

شکل کو تشویش سے دیکھ رہا تھا۔

”تم ٹھیک ہو؟“ اس سے کچھ بولا نہیں گیا‘ اس نے صرف گردن ہلائی۔ زندگی اور موت میں صرف اتنا سا فاصلہ ہوتا ہے‘ موت کو اپنے اتنے قریب دیکھ کر اس کی آواز بند ہو گئی تھی۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے ہی اسے واپس ریسٹورنٹ لے آیا اور داخل ہوتے ہی جو پہلی میز نظر آئی اس کی کرسی پر اسے بٹھا دیا۔ ویٹر سے پانی لانے کا کہہ کر وہ اب فکر مندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”تم ٹھیک ہو نا ہنیا؟“

اس نے پانی کا گلاس ایک گھونٹ میں خالی کر کے میز پر رکھا اور سر اثبات میں ہلایا۔ وہ ان چند منٹوں میں خود کو سنبھال چکی تھی۔ فوری طور پر جس شاک کے زیر اثر آئی تھی اس سے بھی نکل گئی تھی۔

”چلیں؟“ اس نے اپنا ہینڈ بیگ دوبارہ شانے پر ڈالتے ہوئے ہنیا۔

”تم ٹھیک ہو نا؟ گاڑی لگی تو نہیں؟“ عباد نے کچھ سوچتے ہوئے اس سے پوچھا۔

”سب ٹھیک ہے۔“ گاڑی کے متعلق نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے اسے بتایا۔

وہ ایک دم ہی اس کے پاس سے اٹھ کر خدا جانے کہاں چلا گیا وہ اسے ریسٹورنٹ سے باہر نکلتا کچھ تعجب سے دیکھتی رہی۔ اس کے پاس آ کر بولا۔

”میں نے کیب روکی ہے‘ تم اس میں گھر جاؤ۔ اتنے شاک کی حالت میں سب وے میں جانا ٹھیک نہیں۔“

وہ اپنے لیے فکر مند ہوتے اس شخص کو دیکھتی رہ گئی۔ ماما جانی کے سوا اس کی زندگی میں دور دور تک کہیں کوئی شخص ایسا نہیں تھا‘ جسے اس کی اس طرح فکر ہو۔ وہ ایک حادثے کا شکار ہوتے بال بال بچ گئی تھی‘ اسے بہر حال نہ کوئی چوٹ لگی تھی نہ کچھ اور ہوا تھا مگر وہ اس کے لیے یوں فکر مند تھا جیسے پتا نہیں اس کے ساتھ کیا ہو گیا ہے۔ اب چونکہ وہ کیب روک چکا تھا اس لیے وہ اس کے ساتھ اٹھ کر ریسٹورنٹ سے نکل آئی۔ مگر باہر نکل کر جب اس نے عباد کو اپنے ساتھ کیب میں بیٹھتے دیکھا تو بے اختیار فوراً بولی۔

”نہیں‘ میں ٹھیک ہوں عباد۔ تم فکر مت کرو‘ میں آرام سے گھر پہنچ جاؤں گی۔“

”لیکن میں تمہارے ساتھ جا رہا ہوں۔“

”مگر عباد۔“

”تم اتنی بحث کیوں کرتی ہو ہنیا سجاد؟“ اس نے اس کی بات کاٹ کر ناراضی سے اسے گھورا۔

”اس لیے کہ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگ رہی کہ تم اپنے دس کام چھوڑ کر مجھے میرے گھر چھوڑنے جاؤ۔“ یلو کیب کا دروازہ کھول کر کھڑی وہ اس سے بحث کر رہی تھی۔ ابھی وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی کہ وہ یک دم ہی فیصلہ کن انداز میں بولا۔

”میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑنے جا رہا ہوں۔ اب میں کوئی بات نہیں سنوں گا“ وہ ہار مانتی خاموشی سے کیب میں بیٹھ گئی تھی‘ عباد درمیان میں کچھ فاصلہ رکھتے اس کے برابر میں بیٹھ گیا تھا۔

کیب چلنا شروع ہوئی تو کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ آہستہ آواز میں اس سے بولا۔

”اتنی لاپروا ہو کر سڑک پر مت چلا کرو ہنیا! جب وہ گاڑی اچانک سامنے آئی تو ایک لمحے کے لیے میں بری طرح ڈر گیا تھا۔“

اسے وہ لمحہ اچھی طرح یاد تھا جب خوف سے چلاتے عباد نے پوری قوت سے اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔ وہ اس کا کوئی بھی نہیں تھا مگر اسے اس کی فکر تھی۔ پتا نہیں کیوں مگر اچانک ہی اسے عباد عذیر کے وجود سے اس کی اپنے قریب موجودگی سے تحفظ کا احساس ہونے لگا۔ وہ یک دم ہی خود کو بہت محفوظ سا محسوس کرنے لگی۔ عباد نے صرف اسے بلڈنگ کے باہر تک ہی نہیں چھوڑا بلکہ کیب ڈرائیور کو چند منٹ وہیں رکنے کا کہہ کر اس کے ساتھ اندر تک آیا۔ لابی انٹرنس میں آ جانے کے بعد اس نے باقاعدہ اسے لفٹ تک چھوڑا۔ وہ اس کے لفٹ میں داخل ہو جانے کا انتظار کر رہا تھا۔

”اگرچہ کہ مجھے یہ بات بالکل اچھی نہیں لگ رہی کہ تم صرف مجھے چھوڑنے یہاں آئے ہو اور اب کیب میں واپس وہاں جاؤ گے جہاں اس وقت تمہیں جانا تھا لیکن عباد تمہارا بہت شکریہ۔“

”مجھے دوستوں سے شکریہ وصول کرنے کی عادت نہیں ہے‘ لہٰذا اپنا شکریہ فوراً“ واپس لے لو اور اب گھر جا کر آرام کرو۔ اپنی لاپروائی سے اپنا بھی خون خشک کیا ہے اور مجھے بھی ڈرایا ہے۔“

لفٹ آ گئی تھی وہ اس میں داخل ہو گئی تھی۔ جب تک

لفٹ کے خود کار دروازے بند نہ ہوئے اور جب تک اسے باہر کا منظر نظر آتا رہا‘ وہ تب تک وہیں کھڑا ہوا تھا۔

اور وہ اس کی زندگی کی پہلی رات تھی‘ جب اس نے کبھی اس کے تصور میں اس کی ڈمپل والی خوب صورت مسکراہٹ آنے لگتی‘ کبھی اسے دیکھتے ہی جو بے ساختہ چمک اس کی آنکھوں میں پیدا ہوئی تھی اسے وہ یاد آنے لگتی۔ کبھی اس کا گھبراتے اور ہچکچاتے وہ کہیں انگیجڈ یا کسی کے ساتھ کمیٹڈ تو نہیں ہے‘ پوچھنا مسکرانے پر مجبور کر دیتا۔ کبھی اس کے وجود کا تحفظ دیتا انداز ایک نیا نیا سا احساس دل میں جگانے لگتا۔ اگر یہ حادثہ ہو جاتا تو نہ جانے کیا ہو جاتا‘ اس کے دل کو ایک نئے ہی انداز سے دھڑکانے لگتا۔

اس پوری رات وہ عباد عذیر کو سوچتی رہی تھی۔ اس پوری رات وہ اس کے ساتھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز اسے کیمپس میں ملا تھا وہ۔ لو میموریل لائبریری میں آئی ہوئی تھی۔ وہاں اس کی ایک دوست رینی جو کولمبیا یونیورسٹی ہی کے آرٹس اسکول میں زیر تعلیم تھی اس کے اور اس کے کلاس فیلوز کی پینٹنگز کی نمائش تھی اور اس نے ہنیا کو نمائش میں آنے کی دعوت دی تھی۔ لائبریری کا کسی زمانے میں مین ریڈنگ روم اب یونیورسٹی کے اسی نوعیت کے ایونٹس اور ایگزیبیشن کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ وزیٹرز سینٹرز یہیں تھا‘ دیگر کئی طرح کے انتظامی امور سے متعلق دفاتر بھی اسی عمارت کے اندر قائم تھے۔ ساتھ ہی یہاں مختلف نمائشوں اور دیگر اسی نوعیت کے ایونٹس کا انعقاد بھی ہوتا رہتا تھا۔

لو لائبریری اپنے منفرد اور کلاسیکل آرکیٹکچر کی وجہ سے کولمبیا یونیورسٹی کی پہچان تھی۔ یونانی فن تعمیر اور طرز تعمیر کی یہ ایک خوب صورت مثال تھی۔ قدیم یونانی طرز کی عمارت جس کے سامنے بہت سارے گول ستون بالکل سیدھ میں کھڑے تھے۔ یہ گول ستون عمارت کی فرنٹ Elevation کو ایک خوب صورت رنگ اور طلسماتی حسن عطا کیا کرتے تھے۔

لو لائبریری کی عمارت کافی اونچائی پر واقع تھی اور اس تک پہنچنے کے لیے خوب صورت پتھر سے بنی سیڑھیوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ ان سیڑھیوں کے اسٹیپ بہت چوڑے اور بہت کشادہ تھے۔ ان ہی اسٹیپ پر مشہور فرانسیسی مجسمہ ساز ڈینئل چیسٹر کا بنایا۔ ”Alma Mater“ کا مجسمہ نصب تھا۔

کولمبیا یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس کے لیے یہ جگہ وہ جگہ تھی جہاں وہ اپنا فارغ وقت گزارنا اور دوستوں سے ملنا ملانا پسند کیا کرتے تھے۔ یہ سیڑھیاں ہر وقت اسٹوڈنٹس سے بھری رہتی تھیں۔ ان کشادہ اور طویل اسٹیپس پر سب فکری سے گھنٹوں بیٹھنا جیسے کولمبینز کا سب سے محبوب مشغلہ تھا۔ سیڑھیاں اتنی طویل‘ اتنی چوڑی اور اتنی کشادہ تھیں کہ ان پر ایک وقت میں اسٹوڈنٹس کا ایک جم غفیر با آسانی سما سکتا تھا۔

وہ پینٹنگز دیکھنے اور رینی سے مل لینے کے بعد مین ریڈنگ روم سے باہر نکل آئی تھی۔ وہ کوریڈور سے گزر رہی تھی‘ جب اسے عباد پرووسٹ کے آفس سے باہر نکلتا نظر آیا۔ اس کی ہنیا کی طرف پشت تھی‘ اس نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ چہرہ دیکھے بغیر‘ صرف پشت سے ہی اسے پہچان گئی تھی۔ وہ اس کے قریب آ گئی تھی۔ ”ہائے عباد۔“ وہ بے ساختہ اور فوراً“ گھوما۔ اسے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں وہی چمک ابھری تھی‘ جو اسے اچھی بھی لگتی تھی اور جس کی وہ عادی بھی ہونے لگی تھی۔

”ہنیا... کیسی ہو؟“

”ٹھیک... کیا ہو رہا ہے؟“

”کچھ نہیں‘ ڈاکٹر الیگزینڈر کے آفس ایک کام سے آیا تھا۔“ اس نے پرووسٹ کا نام لیا‘ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

”چلو کہیں چل کر بیٹھیں۔ ویسے آدھے گھنٹے بعد ہمارا گروپ ڈسکشن ہے پروفیسر ہیری کے ساتھ‘ لیکن اتنی دیر تو ہم بات کر سکتے ہیں نا؟“ عباد اس سے بولا۔ وہ دونوں لو لائبریری کی عمارت سے نکل کر سیڑھیوں پر آ گئے۔

حسب معمول اور حسب دستور اس وقت بھی وہاں اسٹوڈنٹس الگ الگ ٹولیوں کی شکل میں کافی تعداد میں موجود تھے۔

”تم بیٹھو... میں ذرا کھانے کے لیے کچھ لے آؤں‘ لنچ نہیں کیا‘ اب بھوک لگ رہی ہے۔“

وہ سیڑھیوں پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی‘ وہ تھوڑی

ہی دیر میں آگیا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ڈسپوزایبل گلاسز جن میں اسٹرابیری شیک تھا اور ایک پیپر پلیٹ جس میں سینڈوچز تھے موجود تھے۔ اس کا گلاس اسے پکڑا کر اور سینڈوچز کی پلیٹ ان دونوں کے درمیان رکھ کر وہ اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"تمہاری کیا ہابیز ہیں ہنیا؟ پڑھائی کے بعد کا ٹائم تم کیسے گزارتی ہو؟"

سینڈوچ کھاتے ہوئے عباد نے اس سے پوچھا۔

"ماما جانی کے ساتھ' فرینڈز کے ساتھ۔ کیتھی اور مائیکل جسے ہم لوگ مائیک کہتے ہیں۔ میرے بیسٹ فرینڈز ہیں ان کے ساتھ۔ ہابیز میں مجھے پرانی فلمیں دیکھنا پسند ہے' سمندر کے کنارے واک کرنا پسند ہے۔ تھوڑی رومنٹک ٹائپ کی ہوں مجھے چاندنی راتیں' بارش اور آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھنا اچھا لگتا ہے۔ جیسے اس وقت بیٹھی ہوں ایسے بیٹھ کر سامنے ان سفید سفید کبوتروں کو دیکھنا اچھا لگتا ہے۔ میں انہیں گھنٹوں بیٹھ کر دیکھ سکتی ہوں' تم۔۔؟"

"مجھے؟ آج کل تو مجھے ہنیا سجاد کے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگتا ہے۔ ویسے مجھے فٹ بال میں بہت انٹرسٹ ہے۔ دیکھنے میں بھی اور کھیلنے میں بھی۔ اس کے علاوہ میوزک کا بھی شوق ہے۔ میں گٹار اچھا خاصا بجا لیتا ہوں' تھوڑا بہت گا بھی لیتا ہوں۔ آئی مین دوستوں کی محفل میں۔"

وہ اس کے چہرے کو اپنی نگاہوں کے حصار میں لیے بول رہا تھا۔ اس کے جملے کے ابتدائی حصے کو قصداً" نظرانداز کر کے اس نے میوزک والی بات پر اپنے کمنٹس دیے۔

"پھر تو کبھی میں بھی تم سے گٹار سنوں گی۔"

عباد کے گروپ ڈسکشن کا وقت ہونے لگا تھا' وہ کھڑا تو ہو گیا مگر یوں جیسے بحالت مجبوری ——— اٹھ رہا ہو' ورنہ اس کے پاس سے جانے کا اس کا دل نہ چاہ رہا ہو۔

☆ ☆ ☆

پھر باقی سارا ہفتہ اس کی عباد کے ساتھ کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اس کی نگاہوں نے کیمپس میں آتے جاتے اسے تلاشا ضرور تھا مگر وہ نظر کہیں نہیں آیا تھا۔ وہ ایم ایس کرنے کے ساتھ اپنے ایک پروفیسر ڈاکٹر اینڈریو نبل جو یہاں وزٹنگ فیکلٹی ممبر تھے اور ایک کنسلٹنگ فرم میں پارٹنر تھے' وہاں ان کی فرم میں جزوقتی ملازمت اس انداز میں کر رہا تھا کہ ڈاکٹر اینڈریو اسے اپنے ساتھ اپنے مختلف پروجیکٹس میں بطور مشیر' معاون شامل کر لیا کرتے تھے۔

وہ ان کا فیورٹ اسٹوڈنٹ تھا' اور ان کی خواہش پر ان کے آفس میں ان کے ساتھ کام کر کے اپنا سول انجینئرنگ کا تجربہ وسیع کر رہا تھا۔ یقیناً وہ ان دنوں بہت مصروف رہا تھا' تب ہی پورے ہفتے اسے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ ہفتے کی رات جب وہ سونے لیٹ رہی تھی تب اس کا فون آگیا تھا۔

"تم کہاں تھے؟" اس نے پوچھنے سے خود کو بمشکل روکا تھا اور "ہائے" اور "کیسے ہو" پر اکتفا کیا تھا۔

"کل کیا کر رہی ہو؟ کوئی مصروفیت تو نہیں ہے؟" اس نے اس سے پوچھا۔

"نہیں۔ کیوں؟"

"تم کہہ رہی تھیں ناں تمہیں پرانی فلموں کا شوق ہے۔ Gone with the wind لگی ہوئی ہے سینما میں۔ میں نے دو ٹکٹس لے لیے ہیں۔ چلو گی؟"

اس نے فوراً" ہی اس کے ساتھ چلنے کی ہامی بھر لی تھی۔ اس کے ساتھ وقت طے کر کے عباد نے کہا کہ وہ اسے اس کے اپارٹمنٹ سے پک کر لے گا۔ وہ دوستوں کے ساتھ باہر گھومنے پھرنے' آؤٹنگ اور ڈنر وغیرہ پر جاتی رہتی تھی مگر اپنے لباس اور تیاری کے متعلق وہ اتنی کونشس اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اسے تیار ہونے اور بننے سنورنے کا زیادہ شوق ہی نہیں تھا۔ اسے بالوں کی کٹنگ کے لیے بھی ماما جانی زبردستی دھکے دے دے کر بھیجا کرتی تھیں اور اپنی اس بہت مہنگی کٹنگ کا وہ بالوں کو بینڈ لگا کر ستیاناس کر دیا کرتی تھی۔

مگر آج اپنی تیاری کے لیے اس کی فکر دیدنی تھی۔ اس نے بلیک جینز کے ساتھ پنک کلر کی انڈین اسٹائل کی کرتی جو اسے اس کی ایک انڈین فرینڈ نے گفٹ کی تھی پہنی تھی ۔ فل سلیوز اور ہائی نیک والی اس کرتی پر شیشوں اور دھاگوں کا بڑا خوب صورت کام بنا ہوا تھا۔ چہرہ جسے وہ روز صرف دھونے کی زحمت کرتی تھی۔

آج اس کی بڑے اہتمام سے کلینزنگ ہوئی تھی۔ بالوں کو بلو ڈرائی کر کے کٹنگ کو دوبارہ اس کی اصلی حالت میں واپس لایا گیا تھا اور تو اور ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک بھی لگائی گئی تھی۔

"ہنی! یہ تمہارا کوئی خاص دوست ہے؟" ماما جانی نے اس کی تیاریوں کو بغور دیکھتے آخر پوچھ ہی لیا تھا۔

"خاص تو نہیں بس دوست ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تو تھا ماما جانی! عباد نذیر نام ہے اس کا۔ پاکستان سے آیا ہوا ہے یہاں ایم ایس کرنے۔ بہت اچھا ڈیسنٹ لڑکا ہے۔" اس نے اپنی ہائی ہیل والی سینڈل پہنتے انہیں جواب دیا۔ "وہ تو مجھے بھی نظر آرہا ہے کہ وہ بہت اچھا ہے۔"

"کیا ہو گیا ہے ماما جانی آپ کو؟" وہ ان کے لہجے کی معنی خیزی پر جھنجلا کر بولی۔

"میں کیا اس سے پہلے اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں باہر نہیں جاتی؟ ابھی پرسوں ہی میں جیک کے ساتھ لنچ کرنے گئی تھی۔ آج آپ مجھے ایسے دیکھ رہی ہیں جیسے میں پہلی بار کسی کے ساتھ کہیں باہر جا رہی ہوں۔"

"پہلی بار اپنی عمر کے مطابق لڑکیوں کی طرح تیار ہو کر جا رہی ہو۔ جینز کے اوپر کوئی سی بھی اوٹ پٹانگ ٹی شرٹ اور سوئٹر لاد کر نہیں۔ بہرحال مجھے تو بہت اچھا لگ رہا ہے تمہارا یہ روپ اور وہ اچھا لڑکا بھی' جس نے ہنیا سجاد جیسی ٹام بوائے کو لڑکیوں کی طرح تیار ہونا تو سکھا دیا۔"

وہ ماما جانی کے ان کمنٹس کو سنتی وقت مقررہ پر نیچے اتر آئی تھی' جہاں اس کی بلڈنگ کے باہر گاڑی میں عباد اس کا منتظر تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکیڑے تھے۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

"تھینکس۔" وہ گاڑی چلاتا گاہے گاہے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں کبھی بھی ایسی نہیں ہوتی تھیں' جن سے وہ جھجکے' اس کی نگاہوں میں اپنائیت چاہت اور محبت کے سوا کوئی رنگ نہیں ہوتا تھا۔

مووی تو اس نے پہلے بھی دیکھی ہوئی تھی مگر اسے اس کے ساتھ دیکھنا بہرحال بہت اچھا لگا تھا۔ فلم دیکھتے ہوئے اس نے عباد کو بتایا تھا کہ مووی سے بھی زیادہ اسے یہ ناول پسند ہے اور اس کا ہیرو آل ٹائم فیوریٹ ہیرو ہے۔ اسے تو پرانی موویز کا شوق تھا' وہ پتا نہیں بغیر شوق کے اتنے شوق سے اس مووی کو کیسے دیکھ رہا تھا۔ مووی ختم ہونے کے بعد وہ اسے ایک اچھے سے انڈین ریسٹورنٹ میں ڈنر کرانے لے آیا تھا۔

"آج دیسی کھانوں کا دل چاہ رہا ہے۔ تمہیں پاکستانی اور انڈین کھانے پسند ہیں؟"

عباد نے پہلے اس سے پوچھا تھا اور جب اس نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تب وہ وہاں آگیا تھا۔ پالک پنیر' روغنی نان' زعفرانی پلاؤ' فیرنی اور برفی آرڈر کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ اس ڈنر کو اس نے بے حد انجوائے کیا تھا۔ بے تکلفی سے کھانا کھاتے ہوئے اس دوران وہ اس سے مختلف موضوعات پر بات کرتی رہی تھی۔ پڑھائی' پروفیسرز' دوست' اپنے گھر والے' ماما جانی' اسی طرح عباد بھی اپنی باتیں اس سے کرتا رہا تھا۔

اس کی باتیں زیادہ تر اس کے مما اور پاپا کے ذکر پر مشتمل تھیں۔ وہ بڑے مزے سے اسے بتا رہا تھا کہ روزانہ تین یا چار بار اس کی اپنے مما اور پاپا سے فون پر بات ہوتی ہے۔ وہ اپنے دوستوں کی بات شروع کرتا یا پڑھائی یا جاب کی کوئی بات بتانے لگتا' اس بات میں کہیں نہ کہیں اپنے مما' پاپا کا ذکر لازمی کرتا۔ اس کی ہر بات میں خواہ وہ کسی بھی موضوع پر ہو' اس کے مما' پاپا کا ذکر خود بخود ہی آجاتا تھا۔ نمکین' میٹھا اور گرین ٹی کے بعد ڈنر مکمل ہو گیا تب وہ دونوں وہاں سے اٹھ گئے۔

آج بل پے کرنے کے معاملے پر وہ اس سے الجھی نہیں تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کہیں بھی جائے گی' بل ہمیشہ وہ پے کرے گا' ہنیا کے حساب سے آج کی یہ شام جو انہوں نے ساتھ گزاری تھی اس کا اختتام ہو گیا تھا اب عباد کو اسے اس کے گھر ڈراپ کر دینا تھا مگر وہ بجائے اس کے گھر جانے والے راستے پر جانے کے' کہیں اور جانے لگا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"بس ہے ایک جگہ۔ ابھی تمہیں پتا چل جائے گا۔"

اس کے دو تین دفعہ کے استفسار کے جواب میں وہ سسپنس پیدا کرنے والے انداز میں بولا۔ اس نے ایک کثیرالمنزلہ رہائشی بلڈنگ کی پارکنگ میں لا کر گاڑی روک دی تھی۔ وہ حیران اور ناسمجھی کے عالم میں اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ وہ اسے کہاں لے کر آیا تھا؟ یہاں کون رہتا تھا؟

لفٹ سے دسویں منزل پر اترنے کے بعد وہ ایک اپارٹمنٹ کے دروازے پر آکر رک گیا۔ ابھی صرف رات کے آٹھ بجے تھے اور بہت زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ عباد نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر اپنی جیب سے ایک کی چین نکال کر جس میں کئی چابیاں لگی ہوئی تھیں' اس میں سے ایک چابی دروازے میں لگانے لگا۔ یہ عباد کا

اپارٹمنٹ تھا؟ وہ اسے اپنے اپارٹمنٹ لے کر آیا تھا؟

اس نے عباد کی طرف غور سے دیکھا۔ اس نے عباد کی مووی اور ڈنر کی آفر قبول کرتے یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ عباد عذیر کے ساتھ ڈیٹ پر جا رہی ہے اور اس کے ملک میں ننانوے فیصد ڈیٹس کا اختتام " Your place or mine " پر ہی ہوا کرتا ہے۔ اس کلچر میں یہ بات بری نہیں تھی۔

یہاں اس کے ملک میں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ رات گزار لینا ہرگز معیوب نہ تھا' معیوب یا برا اگر سمجھا جاتا تھا تو اس بات کو کہ ایک وقت میں آپ کے کئی لوگوں سے افیئرز ہیں' اگر ایک ہی بندہ ہے جس کے ساتھ آپ کے تعلقات ہیں تب تو آپ بہت اعلیٰ کردار کی حامل خاتون ہیں۔

خود اس کی دوست کیتھی اور مائیک جو ایک دوسرے کے ساتھ سو فیصد مخلص تھے اور جنہوں نے شادی کا فیصلہ کر چکے تھے۔ ایک دوسرے کے اپارٹمنٹس میں اکثر رات گزارا کرتے تھے اور وہ انہیں اس بات کے لیے بالکل برا نہیں سمجھتی تھی۔ وہ ان کا طرز زندگی تھا یہ اس کا۔ وہ امریکی کلچر کا حصہ ہوتے ہوئے بھی اس کلچر سے مختلف تھی مگر عباد نے شاید اسے اس کلچر کا حصہ سمجھا تھا۔ وہ عباد کو برا نہیں سمجھ رہی تھی' غلط نہیں سمجھ رہی تھی مگر شاید وہ اسے پوری طرح سمجھ نہیں سکا تھا۔

وہ اس کی سوچوں سے بے خبر دروازہ کھول چکا تھا۔

"آؤ بنیا!" اس نے مسکرا کر خوش دلی سے اسے اندر آنے کی دعوت دی۔

"آئم سوری عباد! میں اندر نہیں آسکتی۔ میں امریکن ہوں مگر اپنے ملک کے دوسرے لوگوں سے میری ویلیوز (اقدار) بہت مختلف ہیں۔"

اس نے سنجیدگی سے عباد سے کہا۔ عباد نے پہلے تو حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا' جیسے اس کی بات کا مطلب سمجھ نہیں پایا' اس کے چہرے پر اس کی ڈمپل والی خوب صورت مسکراہٹ کی جگہ پہلے حیرت ابھری اور پھر یک دم [illegible] کچھ کہے بغیر اس نے اپارٹمنٹ کا دروازہ زوردار دھماکے سے واپس بند کیا اور [illegible] لفٹ کی طرف جانے لگا۔

"[illegible] عباد؟" [illegible] آواز دی۔

وہ لفٹ میں داخل ہو گیا تھا۔ وہ اس کے پیچھے لفٹ کے اندر آگئی۔ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا' وہ لب بھینچے' انتہائی سنجیدہ لفٹ کے دروازے کو دیکھ رہا تھا۔

"تم کہاں جا رہے ہو عباد؟"

لفٹ سے نکل کر وہ تقریباً" بھاگتے ہوئے اس کے تیز قدموں کا ساتھ دے رہی تھی۔ وہ اس کی بات کا جواب دیے بغیر اپنی پارک شدہ گاڑی تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے پہلے بنیا کے لیے دروازہ کھولا اور پھر ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر خود گاڑی میں بیٹھ گیا۔

وہ اس کے غصے بھرے چہرے کو گاڑی سے باہر کھڑی ہونق بنی دیکھ رہی تھی۔ اسے اتنا شدید غصہ بھی آسکتا ہے۔

"گاڑی میں بیٹھو بنیا۔" اس نے اگنیشن میں چابی گھمادی تھی وہ جیسے ہی گاڑی میں بیٹھی' ابھی اس نے دروازہ بھی ٹھیک سے بند نہیں کیا تھا کہ اس نے فوراً" گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"عباد! تم مجھ سے ناراض ہو گئے ہو؟"

اس نے اسے مخاطب کیا۔ اس نے اسے جواب نہیں دیا۔ وہ طوفانی رفتار سے گاڑی کو دوڑاتا اسے اس کے گھر لے آیا تھا۔ اور اب لب بھینچے' اسٹیئرنگ پر ہاتھ جمائے اس کے گاڑی سے اترنے کا منتظر تھا۔

"عباد! دیکھو پلیز میرا یہ مطلب۔۔۔"

"تمہارا گھر آگیا ہے بنیا۔" سرد لہجے میں اس کی بات کاٹ کر اس نے اس سے کہا۔ انداز ایسا تھا کہ اگر وہ خود نہ اتری تو وہ اسے ہاتھ پکڑ کر اپنی گاڑی سے اتار دے گا۔

اسے یک دم ہی رونا آنے لگا تھا۔ ایک خوشگوار شام جو انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور انداز میں انجوائے کرتے گزاری تھی اس کا اختتام کتنے غلط انداز میں ہو رہا تھا۔ وہ جتنے غصے میں تھا اس سے کچھ بھی کہنے سننے کی کوشش کرنا بے کار تھا۔ وہ مایوس اور افسردہ اس کی گاڑی سے اتر گئی تھی۔

اس کے اترتے ہی اس نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کر دی اور اسے خدا حافظ کہے بغیر فوراً" وہاں سے چلا گیا

اسے رہ رہ کر اپنی کہی بات پر پچھتاوا ہو رہا تھا۔ وہ اتنا خوش' اتنا ایکسائیٹڈ اسے اپنے گھر لے جا رہا تھا' ایسے جیسے اسے کوئی سرپرائز دینا چاہتا ہو' اس کے لبوں پر اپنے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولتے کتنی شرارتی سی مسکراہٹ تھی۔

امریکی کلچر کو ذہن میں رکھتے جو بات اس نے عباد سے کہی تھی' وہ کم از کم اس وجہ سے اسے اپنے اپارٹمنٹ ہرگز نہیں لے کر گیا تھا۔ اس پوری شام وہ اس کے ساتھ رہی تھی اور اس پوری شام اس نے ایک بار بھی اس کا ہاتھ تک تو پکڑا نہیں تھا' ریسٹورنٹ میں اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھنے کے بجائے وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھا تھا' وہ آج تک جب بھی کبھی اس کے برابر بیٹھا ہمیشہ اپنے اور اس کے بیچ مناسب قسم کا فاصلہ رکھ کر بیٹھتا تھا اور اسے اس کی اتنی احتیاط پسندی کے باوجود بھی ایسا لگا کہ وہ اس وجہ سے اسے اپنے اپارٹمنٹ لے کر گیا ہے؟

وہ بہت بے چین تھی۔ صبح تک یقیناً" اس کا غصہ کم ہو چکا ہو گا' وہ اسے صبح فون کر کے سوری کہے گی۔ مگر صبح اسے فون کرنے پر اسے پتا چلا' وہ اس کی سوری کیا سنتا' وہ تو سرے سے اس کی کال ہی ریسیو نہیں کر رہا تھا۔

وہ اس پورے دن رات گئے تک وقتاً" فوقتاً" اس کے سیل اور اپارٹمنٹ کے نمبرز پر کال کرنے کی کوششیں کرتی رہی۔ کسی بھی جگہ اس کی کال ریسیو نہیں کی جا رہی تھی۔ اگلے چار دن بھی یہی تماشا ہوتا رہا تھا۔ مگر نہ وہ اس کی کال ریسیو کر رہا تھا اور نہ کیمپس میں کہیں نظر آ رہا تھا۔

وہ اپنے ڈپارٹمنٹ کے ان کوریڈورز' کلاس رومز اور لیبز کے روزانہ پابندی سے چکر لگا رہی تھی مگر سوائے مایوسی کے کچھ ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ پھر پانچویں روز جب وہ گزرے چار دنوں کی طرح اسے ڈپارٹمنٹ میں تلاش کرنے کی مہم پر نکلی ہوئی تھی تب بالآخر وہ اسے اپنے دوستوں کے ساتھ کوریڈور میں Soil Mechanics کی لیب کے پاس کھڑا نظر آگیا۔

اس نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اس کے پاس چلی آئی۔ یہ اچھا ہوا تھا کہ وہ اسے دوستوں کے درمیان مل گیا تھا' دوستوں کے درمیان کم از کم وہ اس کی بات تو سنے گا' اکیلا ملتا تو شاید اس کی بات سنے بغیر وہیں سے چلا جاتا' باتوں میں مشغول وہ سب لڑکے اسے دیکھ کر چپ ہو گئے تھے۔ وہ سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے ان چاروں لڑکوں کو نظر انداز کر کے ان میں کھڑے پانچویں شخص کو مخاطب کیا۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے عباد۔" اس نے قصداً" یہ جملہ اس سے انگریزی میں کہا تھا۔ تاکہ اس کے دوست بھی سن سکیں کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

عباد کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اکیلا ملتا تو کبھی اس کی بات نہ سنتا مگر دوستوں کے بیچ اب وہ کوئی سین کری ایٹ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ دوستوں سے معذرت کرتا اس کی طرف آگیا۔ ان دونوں نے خاموشی سے چلنا شروع کر دیا تھا۔ نیچے اتر کر لان کے ایک الگ تھلگ سے گوشے میں وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آکر کھڑے ہو گئے تھے۔

"میں بہت بزی ہوں' تمہیں جو بات کرنا ہے جلدی کرو۔" وہ اکھڑے لہجے میں بولا۔

"عباد! آئم سوری۔ تمہیں اس دن میری بات بری لگی تھی۔ میں تم سے۔۔۔"

اس نے بولنا شروع ہی کیا تھا کہ وہ اس کی بات کاٹ کر غصے سے بولا۔

"تمہیں مجھ سے سوری کہنے کی ضرورت نہیں ہے بنیا! تم نے مجھے جیسا سمجھا' وہ مجھے بتا دیا۔ افسوس مجھے تم پر نہیں خود پر ہے کہ میں تم پر اپنا بس یہی تاثر قائم کر پایا ہوں۔"

"عباد۔۔۔!"

"مجھے لگتا تھا تم بہت ذہین لڑکی ہو اور مجھے اب تک بہت اچھی طرح سمجھ چکی ہو مگر افسوس تم نے مجھے بالکل بھی نہیں سمجھا بنیا۔" اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ سنجیدگی سے ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے۔ میں تم سے کیوں ملتا ہوں؟ میں نے اس روز تمہیں اپنے ساتھ مووی دیکھنے اور ڈنر کی دعوت کیوں دی تھی؟ بنیا سجاد! میری گرل فرینڈ نہیں تھی جس کے ساتھ میں وقتی افیئر چلا رہا تھا' جسے میں نے ڈیٹ پر بلایا تھا' اس کے ساتھ ایک شام بھرپور انداز میں گزار کر اس ڈیٹ کو پرفیکٹ اینڈ دینے کے لیے اسے اپنے اپارٹمنٹ لے گیا تھا۔ میں نے اس لڑکی کو اپنے ساتھ باہر چلنے کی دعوت دی تھی جس سے میں محبت کرتا ہوں' جس کے ساتھ میں اپنی پوری زندگی گزارنا چاہتا ہوں' جس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں اور جسے میں اس روز پرپوز کرنا چاہتا تھا۔ مجھے لگا تھا کہ جو لڑکی اتنی رومانٹک ہے جسے پرانی فلمیں' چاندنی راتیں' بارش اور آسمان پر چمکتے ستارے دیکھنا پسند ہے اسے کسی مختلف اور بہت رومانٹک سے انداز ہی میں پرپوز کرنا چاہیے۔ میں اس موقع کو اس لڑکی کے لیے بہت یادگار اور رومانٹک بنانا

UrduPhoto.com

چاہتا تھا۔ میں اس لڑکی کو اپنے اپارٹمنٹ اس مختلف اور رومانٹک انداز میں پرپوز کرنے لے گیا تھا' جس سے محبت کی جاتی ہے اس کی عزت تو محبت سے بھی بڑھ کر کی جاتی ہے۔ تمہیں میں ایسا نظر آیا تھا کہ تم سے محبت تو کر سکتا ہوں مگر تمہاری عزت نہیں کر سکتا؟"

جو بات وہ اس روز ریسٹورنٹ میں جب وہ پہلی بار ساتھ بیٹھے کافی پی رہے تھے' باوجود کوشش کے اس سے نہیں کہہ پایا تھا' اس وقت غصے کے عالم میں با آسانی کہہ گیا تھا۔ وہ اس سے محبت کا اقرار کر رہا تھا' مگر غصے اور رنج کے ملے جلے انداز میں۔

"تم میری بہت ساری گرل فرینڈز میں سے ایک گرل فرینڈ نہیں ہو ہنیا! میں نے کبھی کسی لڑکی سے دوستی نہیں کی' میں نے کبھی کسی لڑکی کو اپنے ساتھ کہیں باہر چلنے کی دعوت نہیں دی' میں نے کبھی کسی لڑکی کو اپنے اپارٹمنٹ لے کر نہیں گیا' میں نے کبھی کسی لڑکی سے محبت کا اظہار نہیں کیا' میں نے کبھی کسی لڑکی کو پرپوز نہیں کیا' میں نے کبھی کسی لڑکی کو پرپوز کرنے کے لیے چاندنی رات کا انتظار نہیں کیا۔ اس روز فل مون تھا' تمہیں یاد ہے؟ میں نے تمہارے لیے اپنے اپارٹمنٹ کی بالکونی کو ڈھیر سارے پھولوں سے سجایا تھا' وہاں کیک تھا' کینڈلز تھیں اور بہت سارے پھول تھے۔ میں تمہیں ان پھولوں کے درمیان اس چاندنی رات میں پرپوز کرنا چاہتا تھا۔"

اب اس کی آواز میں غصہ نہیں صرف رنج اور افسوس تھا۔ وہ یک ٹک اس کی طرف دیکھتی خاموشی سے اس کی بات سن رہی تھی۔

"وہ لڑکی جو ڈاکٹر کراہم کے لیکچر میں بوکھلائی بوکھلائی میرے برابر میں آکر بیٹھی تھی' وہ لڑکی اسی لمحہ میرے دل میں اتر گئی تھی۔ میرے دل نے اسی لمحے کہا تھا کہ یہی ہے وہ جس کے ساتھ میں اپنی پوری زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ حالانکہ اس وقت تو مجھے تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں [illegible] خاص لگی ہے۔ کیا تمہیں کبھی ایسا نہیں لگا ہنیا؟ میں نے تمہاری آنکھوں میں اپنے لیے ایک خاص چمک' ایک خاص تاثر ہمیشہ دیکھا ہے۔ [illegible] محسوس کرتا ہوں۔ [illegible] تم بھی میرے لیے کچھ محسوس کرتی ہو۔ میں نے ساری زندگی کبھی کسی کے لیے اس طرح کی فیلنگز اپنے دل [illegible] جیسی تمہارے لیے۔ اس روز جب میری آنکھوں کے سامنے تمہارا ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا میں پورا کا پورا کانپ گیا تھا۔ میں نے اللہ سے اس لمحہ دعا کی تھی "میں اس لڑکی کو کھونا نہیں چاہتا' اسے کبھی مجھ سے جدا مت کرنا اللہ۔" تمہارا امریکن کلچر اسے جو نام دیتا ہے دے لو۔ مگر میں تمہیں یہ بتا دوں کہ کسی کے لیے ایسی فیلنگز انسان کے دل میں زندگی میں صرف ایک بار پیدا ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ محبت زندگی میں صرف ایک بار ہوتی ہے اور صرف کسی ایک ہی سے ہوتی ہے۔"

وہ اپنی بات مکمل کر کے وہاں رکا نہیں تھا۔ وہ اس کی باتوں کے حصار میں وہاں چپ چاپ تنہا کھڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

صبح کے دس بج رہے تھے جب اس نے عباد نذیر کے اپارٹمنٹ کے دروازے پر بیل کی۔ کل وہ اپنے دل کی سب باتیں بول کر اس کے پاس سے چلا گیا تب وہ اس کے پیچھے نہیں گئی تھی۔ اس نے اسے فون کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ وہ اسے کسی خاص اور رومینٹک انداز میں پرپوز کرنے اپنے اپارٹمنٹ لے کر گیا تھا اور اس نے اپنی غلط باتوں سے اسے ہرٹ کیا تھا۔ اب اپنی باتوں کا ازالہ وہ اس کے اپارٹمنٹ جا کر ہی کرنا چاہتی تھی۔

"میں اس لڑکی کو کھونا نہیں چاہتا' اسے کبھی مجھ سے جدا مت کرنا اللہ۔"

بہت سادہ سے اس کے یہ لفظ جن میں محبت کی شدت بہت تھی اس کے دل سے نکل نہیں رہے تھے۔ اس سے اس طرح بھی محبت کی جا سکتی ہے' اس میں ایسا تو کچھ خاص نہیں کہ کوئی اس سے ایسی محبت کرے۔

چھٹی کے دن شاید وہ دیر تک سویا کرتا تھا' تب ہی تو اس کی پہلی بیل پر تو دروازہ کھلا ہی نہیں تھا۔ وہ ایک' ایک' دو دو سیکنڈ کے وقفے سے بیل بجا رہی تھی۔ چوتھی بیل پر اس نے دروازہ کھولا تھا۔ وہ بستر سے نکل کر سیدھا دروازے پر آیا تھا۔ اس نے جینز کے اوپر شرٹ نہیں پہنی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر اس کی نیند سے بند ہوتی آنکھیں فوراً ہی پوری کی پوری کھل گئیں۔ وہ یک دم ہی دروازہ کھلا چھوڑ کر سامنے نظر آتے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے دروازے سے اندر قدم رکھ دیا' مگر کھڑی ہوئی وہیں تھی۔ وہ شرٹ پہن کر اس کے اوپری بٹن بند کرتا کمرے سے باہر نکلا۔

"اندر آجاؤ۔" اس نے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔

www.paksociety.com

اسے اپنے لاؤنج روم میں لے آیا تھا۔

"بیٹھو۔" وہ صوفے پر بیٹھ گئی تب وہ وہاں سے دوبارہ [illegible] چلا گیا۔ اس بار وہ دو تین منٹ بعد واپس آیا تھا' تولیے سے منہ پونچھتا ہوا۔

"ناشتہ کرو گی؟" وہ حد درجہ سنجیدہ اس کی میزبانی کر رہا تھا۔ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ کچن میں چلا گیا۔ وہ اٹھ کر اس کے پیچھے کچن میں آگئی۔ وہ فریج میں سے انڈے نکال رہا تھا۔

"تم مجھ سے یہ نہیں پوچھو گے کہ میں کیوں آئی ہوں؟"

"کیوں؟"

"دیکھو' میں پہلے ہی بہت شرمندہ ہوں۔ تم سے سوری کہہ رہی ہوں۔ اب کیا میں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگوں؟"

اس نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

"میں ناراض نہیں ہوں ہنیا۔"

"ناراض نہیں ہو تو پھر یہ اچھا خاصا خوب صورت چہرہ آج پھولا ہوا ہے؟"

وہ بے ساختہ مسکرایا تھا۔

"تھینک گاڈ۔ میں تمہاری اس ڈمپل والی مسکراہٹ کو دیکھنے کے لیے ترس گئی تھی۔"

اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی تھی۔

"عباد! نہیں عابی! تمہارے قریبی دوست تمہیں عابی کہتے ہیں۔ دیکھو عابی! کیا ہم پھر سے اسٹارٹ نہیں کر سکتے۔ فرض کر لو کہ پچھلا سنڈے ہماری لائف میں آیا ہی نہیں تھا۔ آج اس سنڈے کو تم مجھے پرپوز کرنے والے ہو۔"

وہ سنجیدگی سے اسے منا رہی تھی مگر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"کیا چیز ہو تم ہنیا سجاد؟"

"دیکھ لو۔ چاہو تو مجھے بے شرم بھی کہہ سکتے ہو کہ خود چل کر تمہارے گھر آئی ہوں کہ اینگری ینگ مین آیئے۔ مجھے پرپوز کیجیے۔ اب اس سے زیادہ اور کیا کروں۔"

"مگر یہ چاندنی رات نہیں ہے۔" وہ اب جیسے صرف اسے زچ کرنے کے لیے یہ بات کہہ رہا تھا' ورنہ اس کی مسکراہٹ اور آنکھوں کی چمک پوری طرح لوٹ آئی تھی۔

"کوئی بات نہیں عابی! میں چاندنی رات' پھولوں' کیک اور کینڈلز کے بغیر کام چلا لوں گی۔ تم جس طرح بھی کہو گے مجھے رومانٹک لگے گا۔"

"اس طرح بے قراری اور بے صبری سے کبھی کسی لڑکی نے خود کو پرپوز نہیں کروایا ہو گا۔" اس نے جیسے مصنوعی سے انداز میں اسے شرم دلانے کی کوشش کی۔

"اس لیے کہ ان کا واسطہ تمہارے جیسے مغرور بندے سے نہیں پڑتا ہو گا۔ اتنا منائے چلی جا رہی ہوں' خدا کے لیے اب تو مان جاؤ۔"

اس نے خاموشی سے ایک پل کے لیے کچھ سوچا پھر اس سے بولا۔

"کہیں باہر چلیں؟"

"کہاں؟"

"اوں۔۔۔ سینٹرل پارک۔ کچھ کھانے پینے کا سامان لے لیتے ہیں' وہاں ایک بوٹ لے لیں گے' پکنک ہو جائے گی۔" ہنیا نے سوچتے ہوئے جگہ بتائی۔

"اور تم مجھے پرپوز کب کرو گے؟" وہ ہنستے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھی۔

"وہیں کروں گا۔"

"دیکھو۔۔۔ آج تک مجھے کبھی کسی نے پرپوز نہیں کیا ہے' میں بہت ایکسائیٹڈ ہو رہی ہوں۔"

وہ اس کی بات کا جواب دیے بغیر انڈے واپس فریج میں رکھنے لگا۔

"تم بیٹھو۔ میں پانچ منٹ میں شاور لے کر آتا ہوں۔"

وہ دونوں کچن سے باہر نکل آئے تھے۔

"شیو بھی کر لینا۔ جو بندہ ہنیا سجاد کو پرپوز کرنے جا رہا ہو' ایٹ لیسٹ اس نے شیو تو کر رکھا ہو۔"

وہ اسے حکم دیتی واپس لاؤنج میں آگئی تھی۔

"شیو بھی کرنا پڑے گا؟" اس نے آلکسی سے پوچھا۔

"بالکل۔۔۔ بغیر شیو کیے پرپوز کیا تو میں تمہارا پرپوزل اسی وقت ریجیکٹ کر دوں گی۔ جو بندہ ہنیہ سجاد کو اچھے حلیے میں پرپوز نہیں کر سکتا' اس کا پرپوزل تو فوراً ریجیکٹ کر دینا چاہیے۔" وہ شان بے نیازی سے بولی۔

"پھر مجھے تھوڑی دیر لگے گی۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں انتظار کر لوں گی۔"

وہ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور ایک منٹ بعد ہی واپس بھی آگیا۔

"جب تک میں آپ کے شایان شان تیار ہو کر آرہا ہوں آپ یہ دیکھ لیجیے۔" اس نے ڈی وی ڈی پلیئر میں

ایک ڈی وی ڈی لگا دی۔

"ابھی تین مہینہ پہلے میں پاکستان گیا تھا تب میں نے یہ مووی بنائی تھی۔"

وہ اس کے گھر کی مووی تھی۔ اس کے مما پاپا کی مووی تھی۔ کہیں کہیں ان دونوں کے ساتھ وہ خود بھی تھا۔ اس کے گھر کا کچن، لان، کمرے، عباد کا بیڈ روم، اس کے مما پاپا کا بیڈ روم، اس کے پاپا کی اسٹڈی، ٹی وی لاؤنج، کار پورچ، مختلف جگہوں پر اور مختلف دنوں اور اوقات میں اس نے یہ مووی بنائی تھی۔ کیونکہ اس کے اور اس کے مما پاپا کے لباس تبدیل ہوتے نظر آ رہے تھے۔ وہ اسے مووی دکھا چھوڑ کر دوبارہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ وہ واقعی اپنے مما پاپا کا لاڈلا بیٹا تھا، اس کی اپنے مما پاپا کے ساتھ بہت زیادہ انیسچ منٹ تھی۔

ایک جگہ۔ اپنی مما کے ہاتھ سے کھانا کھاتا وہ بالکل چھوٹا سا بچہ لگ رہا تھا تو دوسری جگہ اپنے پاپا کو کمپیوٹر میں کچھ سمجھاتا بردبار اور سمجھ دار بیٹا۔ وہ کچھ ہی دیر میں تیار ہو کر آ گیا۔ تازہ تازہ شیو کیے، آفٹر شیو اور کولون کی خوشبوؤں میں مہکتا، بال سلیقے سے جمائے تھا جینز اور سوٹ شرٹ میں ہی مگر بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"اب ٹھیک ہے میڈم؟"

"ہاں اب بہتر ہے۔" اس نے مسکراہٹ دباتے جواب دیا۔ وہ دونوں باہر نکلنے لگے تب اس نے اس سے گٹار لینے کے لیے کہا۔

"گٹار؟ کیا تم یہ چاہتی ہو میں تمہیں گا کر پرپوز کروں؟"

"ہاں... گا کر کرو گے تو شاید میں تمہارا پرپوزل قبول کر ہی لوں۔"

"کر ہی لوں" کے الفاظ پر اس نے اسے گھورا تھا مگر وہ اندر سے اپنا گٹار نکال کر لے آیا تھا۔

وہ دونوں کیب میں سینٹرل پارک جا رہے تھے۔ راستے میں کیب رکوا کر عباد ایک سپر اسٹور میں چلا گیا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ وہاں سے واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پیکنگ کا شاپنگ سا کر تھا۔ وہ کیب میں اس کے برابر واپس بیٹھا تو اس نے شاپر کے اندر جھانکا۔ اندازہ تو تھا ہی کہ اس میں ان کی پکنک کا کھانے پینے کا سامان ہے۔ اس میں بریڈ تھی، کچھ آمیزیاں پیکٹ کا ایک پیکٹ تھا گرین اولیوز کی بوتل تھی۔ یعنی پنیر اور زیتون والے سینڈوچز وہیں تیار کر کے وہیں کھائے جائیں گے۔ اس کے علاوہ کینو اور سیب تھے

اور کئی طرح کے جوس اور کوک اور اسپرائیٹ وغیرہ... سارے کین تھے۔

سینٹرل پارک سینٹرل مین ہٹن میں 843 ایکڑ رقبے پر محیط ایک بہت بڑا اور بہت خوب صورت پارک تھا۔ یہ بلاشبہ امریکہ کا سب سے مشہور اور سب سے زیادہ وزٹ کیا جانے والا پارک تھا۔ بلند و بالا اونچی اونچی عمارتوں میں گھرے نیویارک شہر کے وسط میں یہ پارک گویا قدرتی نظر آتا تھا مگر لطف کی بات یہ تھی کہ تقریباً یہ سارا پارک لینڈ اسکیپ تھا۔ چاہے وہ اس کے اندر گارڈن ہوں، جنگلات، جھیلیں، تالاب سب کچھ لینڈ اسکیپ تھا مگر یہ سب چیزیں تیار اس مہارت اور خوب صورتی سے کی گئی تھیں کہ ان پر سو فیصد قدرتی ہونے کا گمان ہوتا تھا۔

سینٹرل پارک کے اندر بالکل قدرتی لگتے تالاب اور جھیلیں تھیں، بڑے بڑے سرسبز گارڈنز، جنگل، ٹینس کورٹ، اور طویل واکنگ اور جاگنگ، بائیکنگ کی قدرتی نظر آتی سرسبز اونچائیاں، بہت سارے ریسٹورنٹس، اس پارک میں ہر عمر سے تعلق رکھنے والوں کی دلچسپی کے لیے بہت کچھ تھا۔ دوسرے شہروں اور ملکوں سے آنے والے امپائر اسٹیٹ بلڈنگ، یونائیٹڈ نیشنز، مجسمہ آزادی کے بعد سب سے پہلے سینٹرل پارک ہی دیکھنے جایا کرتے تھے کہ آخر وہ جگہ کیسی ہے جسے انسانی ہاتھوں نے اس مہارت سے تخلیق کیا ہے کہ اس پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔

وہ دونوں سینٹرل پارک آ گئے تھے۔ ان لوگوں کا بوٹنگ کا ارادہ تھا سو وہ سینٹرل پارک کے بوٹ ہاؤس آ گئے تھے۔ یہ بوٹ ہاؤس جھیل کے ساتھ ہی واقع تھا۔ یہاں بوٹ ہاؤس ریسٹورنٹ بھی تھا جہاں بیٹھ کر کھاتے پیتے جھیل اور اس کی خوب صورتی سے محظوظ ہوا جا سکتا تھا اور یہاں پر سے لوگ پورے دن کے لیے مختلف طرح کی بوٹس اور سائیکلز کرائے پر حاصل کیا کرتے تھے۔ انہوں نے چپوؤں والی ایک چھوٹی کشتی کرائے پر لے لی تھی۔ 22 ایکڑ رقبے پر محیط یہ جھیل بے پناہ خوب صورت تھی۔ گہرے نیلگوں پانیوں کے اردگرد ہریالی، سبزہ اور گھرا ہوا۔

وہ دونوں کشتی میں بیٹھے جھیل کے نیلگوں پانیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ جھیل کے اوپر اڑتے

پرندے، بہت دور نظر آتی سفید سفید بطخیں اور اردگرد بکھرا سبزہ جھیل کو جادوئی اور طلسماتی حسن عطا کر رہے تھے۔ عباد چپوؤں کی مدد سے کشتی چلا رہا تھا اور وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ جھیل کا سفر طے کرتے وہ دونوں کافی دور نکل آئے تھے۔ ناشتہ چونکہ دونوں ہی نے نہیں کیا تھا اس لیے پہلے کھانے پینے ہی کا سلسلہ ہوا تھا۔

اس نے پنیر اور زیتون کا ایک سینڈوچ بنا کر پہلے عباد کو دیا تھا اور پھر اپنے لیے بھی سینڈوچ بنا کر کھانے لگی تھی۔ سینڈوچ کے بعد کینو اور سیب کھائے گئے تھے، اسپرائیٹ اور کوک کے کین کھول کر سوفٹ ڈرنک سے لطف اندوز ہوا گیا تھا۔

"میں سینٹرل پارک اپنے بچپن سے لے کر اب تک کئی مرتبہ آئی ہوں۔ یہاں فیملی کے ساتھ بھی اور دوستوں کے ساتھ بھی میں نے بے شمار یادگار پکنک منائی ہیں مگر اتنا انجوائے میں آج کر رہی ہوں، آج تک کبھی نہیں کیا۔" اس نے اپنے دل کی بات سچائی سے عباد کو بتائی۔

"اس لیے کہ اس وقت تم اس کے ساتھ ہو جس کے لیے تم بنائی گئی ہو۔ تم میرے ساتھ ہوتی ہو تو تمہیں اپنے مکمل ہونے کا احساس نہیں ہوتا؟ میں تمہارے ساتھ ہوتا ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے میری زندگی ہر طرح سے مکمل ہے، پرفیکٹ ہے۔ جیسے اب میری ذات میں کسی چیز کی کمی نہیں رہی۔" وہ آہستگی اور نرمی سے بولا۔

"ایک بات بتاؤ عابی؟" وہ اس کے عابی کہنے پر مسکرایا تھا۔

"میں تمہیں دو ڈھائی مہینے پہلے تک سرے سے جانتی ہی نہیں تھی اور اس وقت تمہارے ساتھ ذرا بھی اجنبیت محسوس نہیں ہو رہی۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے میں تمہیں ہمیشہ سے جانتی ہوں۔ میں اتنی جلدی کبھی کسی سے فرینڈلی نہیں ہوتی۔ میرے تو قریبی دوست بھی بہت کم اور ملے جلے قسم کے ہیں۔ پھر تم سے میں کیسے؟ مجھے خود پر حیرت ہو رہی ہے۔ اتنی جلدی بے تکلف ہونا یہ میری نیچر نہیں ہے۔" وہ اس کے الجھن لیے سوال پر مسکرایا۔

"میرا خیال ہے اسی کو محبت کہا جاتا ہے۔ کوئی ایسا ہوتا ہے جس کے ساتھ آپ پوری زندگی گزار دیتے ہیں اور آپ کا اس کے ساتھ دل کا رشتہ نہیں جڑتا اور کوئی پہلی نظر میں دل میں اتر جاتا ہے، بہت اپنا اور بہت خاص بن جاتا ہے، اس لیے کہ وہ آپ کے لیے بنایا گیا ہوتا ہے، وہ

صرف اور صرف آپ کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے کہ ہنیہ سجاد صرف میرے لیے بنائی گئی ہے۔"

"اگر مجھے انجینئر کے بجائے وکیل ہونا چاہیے تھا تو تمہیں بھی انجینئر کے بجائے شاعر ہونا چاہیے تھا عباد نذیر!"

شرارتی سے انداز میں کہتی وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ وہ اس کے جذبوں کے واضح اظہار سے بری طرح متاثر ہوئی تھی۔ وہ اتنے جذب اور اتنی سچائی سے اس سے محبت کا اقرار کر رہا تھا کہ وہ اس کے لفظوں کے حصار سے اب عمر بھر باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ روز ازل سے اس کا تھا اور ابد تک اسی کا رہے گا۔ وہ ہوا سے بکھرتے اس کے براؤن بالوں کو دیکھ رہی تھی، اس کے بائیں گال پر موجود ڈمپل کو دیکھ رہی تھی۔

"مما بھی یہی کہتی ہیں کہ میں بہت ہینڈسم اور گڈ لکنگ ہوں۔" اس نے اس کی نظروں کی چوری پکڑی تھی۔ وہ تبسم سے انداز میں اسے چھیڑ رہا تھا۔

"بس ٹھیک ہو۔ ویسے تم نے ابھی تک مجھے پرپوز نہیں کیا ہے۔"

"اوہ ہاں۔" اس کے کہنے پر اسے وہ بھولی ہوئی اہم ترین بات یاد آئی تھی۔ چپو اس کے ہاتھ میں پکڑا تا سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف مؤدبانہ سے انداز میں قدرے جھکا۔

"مس ہنیہ سجاد میں عباد نذیر عمر ساڑھے اٹھائیس سال تعلیم بی ای سول اور عنقریب ایم ایس اسٹرکچرل انجینئرنگ، آپ کو پرپوز کرنا چاہتا ہوں۔ میں ایک اچھی فیملی کا شریف لڑکا ہوں۔ بری عادات اور مشاغل الحمدللہ کوئی نہیں ہیں۔ میرا اکیڈمک ریکارڈ شاندار ہے اور اپنے پاپا کی فرم میں اور یہاں Zeal انجینئرنگ فرم میں جن پروجیکٹس میں شامل ہو رہا ہوں ان میں میری کارکردگی دیکھ کر آپ اندازہ لگا سکتی ہیں کہ بحیثیت ایک انجینئر میرا فیوچر بہت برائٹ ہے۔ کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟"

اس کا ہنستے ہنستے برا حال تھا، جبکہ وہ مسکراہٹ لبوں پر روکے بڑی سنجیدگی سے ہنوز اس کے آگے جھکا ہوا اس کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ ہنستے ہنستے ہی اس نے سر اقرار میں ہلایا تھا۔ وہ اب اپنی جیب سے کچھ نکال رہا تھا۔ وہ دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ ڈارک بلیو کلر کا ایک چھوٹا سا جیولری کیس تھا۔ اس

urduphoto.com
urduphoto.com
Urduphoto.com

نے اسے کھول کر اس میں سے ایک بریسلٹ باہر نکالا۔

"آفیشلی تو ہمارا رشتہ تب ہی طے ہوگا جب مما' پاپا تمہاری ماما جانی سے ہمارے رشتے کی بات کریں گی۔ انگیجمنٹ رنگ بھی میں تمہیں تب ہی پہناؤں گا' لہٰذا آج رنگ نہیں دے رہا۔ لیکن ایسا سوکھا سوکھا پرپوز کرنا بھی اچھا نہیں لگتا' اس لیے تمہارے لیے یہ بریسلٹ لایا ہوں۔"

یہ بریسلٹ بھی یقیناً وہ اسے پچھلے سنڈے کو دینا چاہتا ہوگا جب اسے اپنے اپارٹمنٹ لے کر گیا تھا۔ وہ بریسلٹ کا لاک کھول رہا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے بریسلٹ اسے پہنایا' پھر اس کا ہاتھ آگے پیچھے اور اپنے قریب کر کے غور سے دیکھا۔ "اتنی بری چوائس بھی نہیں ہے میری۔"

"مجھے کہہ رہے ہو یا بریسلٹ کو؟"

"دونوں کو۔" وہ قہقہہ لگا کر بولا۔

وہ وائٹ گولڈ کا بہت نازک اور خوب صورت سا بریسلٹ تھا' یقیناً بہت قیمتی بھی تھا۔ اسے خریدنے میں عباد نے یقیناً کافی پیسے خرچ کیے تھے۔ مگر اسے اس سے وہ قیمتی تحفہ لینا ذرا بھی برا نہ لگا۔ برا کیا اسے وہ بریسلٹ لینا بہت اچھا لگا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ میں موجود اس بریسلٹ کو محبت سے دیکھ رہی تھی۔

"یہ مت سمجھنا کہ یہ میں نے اپنے پاپا کے پیسوں سے خریدا ہے۔"

"نہیں۔ میں یہ نہیں سمجھ رہی۔" وہ کھل کر مسکرائی۔ وہ بہت امیر باپ کا اکلوتا بیٹا ہے' اسے نیویارک میں عیش سے رہنا چاہیے' کوئی کام کاج کرنے کی بھلا اسے کیا ضرورت ہے' ایسا کوئی انداز اس نے عباد عذیر میں نہ دیکھا تھا۔ اسے اتنی محنت کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی ایک فون کال پر اس کے پاپا جتنا پیسہ وہ کہتا اسے بھجوا سکتے تھے مگر وہ پھر بھی ڈاکٹر اینڈریو کے ساتھ ان کی فرم میں دن رات لگ کر انتہائی جانفشانی سے کام کیا کرتا تھا۔ بے پناہ محنت کیا کرتا تھا' مختلف پروجیکٹس میں ان کی معاونت کیا کرتا تھا اور ان کا مسئلہ اسے اپنی کرائی بہترین کمائی کے طور پر ملا کرتا تھا۔

اس کا ہاتھ ابھی بھی عباد کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بھی اس بریسلٹ ہی کو دیکھ رہا تھا۔

"تم میرے ساتھ پاکستان میں رہ لوگی ناں ہنیہ؟ بس یہ ایک Sacrifice (ایثار) ہے جو میں تم سے مانگ رہا ہوں' تم میری خاطر اپنا ملک چھوڑ دو۔ یہ کہہ رہا ہوں۔ اس کے علاوہ میں تم سے اور کچھ چھوڑنے کے لیے نہیں کہوں گا۔ مجھے پتا ہے' تمہارے لیے یہ ایک بہت بڑا اور مشکل فیصلہ ہوگا۔ اپنا ملک' اپنا شہر' اپنا رہن سہن کسی کے لیے چھوڑ دینا آسان نہیں ہوتا۔ لیکن مجھے پاکستان واپس جانا ہے ہنیہ! میرا ماسٹرز جیسے ہی کمپلیٹ ہوگا' میں فوراً پاکستان چلا جاؤں گا۔ میں امریکہ میں نہیں رہوں گا۔ مجھے ماسٹرز کرتے ہی واپس پاکستان چلے جانا ہے۔ وہاں میرے مما' پاپا میری راہ دیکھ رہے ہیں۔ میں پاکستان شاید چھوڑ بھی سکتا ہوں مگر میں اپنے مما' پاپا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

وہ یک دم ہی بے حد سنجیدگی سے اس سے مخاطب تھا۔ وہ کچھ ٹینشن اور خوف کی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا جیسے یہ سوچ رہا ہو کہ اگر ہنیہ نے اپنا ملک چھوڑنے سے انکار کر دیا تو وہ کیا کرے گا۔

"تمہیں ان کے بغیر رہنا بھی نہیں چاہیے۔ تم ان کے اکلوتے بیٹے ہو' انہیں تمہاری بہت ضرورت ہوگی۔ اور رہا سوال میرا تو میں تمہارے ساتھ صرف پاکستان کیا دنیا کے کسی بھی ملک اور کسی بھی شہر میں جا کر رہ سکتی ہوں۔"

جب عباد نے یہ سوال کیا تو خود بخود ہی اس کے لبوں سے یہ جواب نکلا۔ وہ اپنے جواب پر دم بخود رہ گئی تھی۔ اتنی آسانی سے اپنا ملک چھوڑنے اور کہیں اور زندگی گزارنے پر آمادہ تھی؟ اور کہیں اور بھی وہ پاکستان جس سے اسے رتی برابر بھی دلچسپی نہ تھی؟ جس کے متعلق وہ قطعاً کوئی اچھی آرا نہ رکھتی تھی؟ اس نے اپنے دل کو ٹٹولا۔

وہ نہ دم بخود تھا نہ حیران۔ وہ بے تحاشا خوش تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ عباد عذیر اگر ساتھ ہو تو وہ کسی ویران' بنجر اور بے آب و گیاہ ریگستان میں بھی زندگی گزار سکتا ہے۔ عباد طمانیت اور سرشاری سے بھرپور انداز میں یک دم مسکرا رہا تھا۔

"ہم ہر سال چھٹیوں میں نیویارک آیا کریں گے' میں تم سے وعدہ کر رہا ہوں۔" وہ اس کے ہاتھ کے اوپر اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کر کے اسے اپنے وعدوں کی سچائی کا یقین دلا رہا تھا۔

"میں تمہاری ماما جانی سے ملنا چاہتا ہوں ہنیہ۔"

"میں ماما جانی سے بات کر کے تمہیں بتا دوں گی۔"

دونوں سہ پہر کے ساڑھے تین بجے تک بوٹنگ کرتے رہے تھے۔

یہ اس کی زندگی کے وہ کامل ترین خوشیوں بھرے لمحات تھے جن کے لیے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ یہ کبھی ختم نہ ہوں۔

"ایک بات کہوں عباد' سبا یہ پانی کا سفر' یہ کھلا آسمان اور یہ چمکتی ہوئی دھوپ چاندنی رات سے زیادہ جادوئی اور رومانٹک ہے۔ میں آج کے اس دن کو اپنی ساری زندگی یاد رکھوں گی۔"

بوٹنگ کے اختتام پر جب وہ دونوں کشتی سے اتر رہے تھے تب اس نے عباد سے کہا تھا۔ کشتی بوٹ ہاؤس پر لوٹا کر وہ دونوں بوٹ ہاؤس ریسٹورنٹ میں آگئے تھے۔ ریسٹورنٹ کے اندر بیٹھنے کے بجائے انہوں نے اس کے آؤٹ سائڈ ٹیرس پر بیٹھنا پسند کیا تھا کہ یہاں سے جھیل کا منظر دیکھنا زیادہ دلکش اور سحر انگیز تھا۔ انہوں نے بالکل کنارے والی میز منتخب کی تھی تاکہ پانی کے زیادہ سے زیادہ نزدیک بیٹھ سکیں۔ سی نوز سے لطف اندوز ہوتے اب وہ جھیل میں بوٹنگ کرتے لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ نظروں کے سامنے حد نگاہ تک پھیلا پانی' سبزہ اس خوب صورت منظر میں بیٹھ کر تو کھانا کئی گنا زیادہ مزے دار لگ رہا تھا۔ کھانے کے بعد جب وہ ریسٹورنٹ سے نکل آئے تب اس کی فرمائش پر ایک طرف گارڈن میں گھاس پر بیٹھ کر عباد نے اسے گٹار پر چند دھنیں سنائی تھیں۔ وہ گٹار واقعی اچھا بجا رہا تھا۔ اس نے تالیاں بجا کر اور خوب دل کھول کر اسے داد دی تھی۔

شام پانچ بجے وہ دونوں واپسی کے لیے اٹھ گئے تھے۔ اب یہاں سے عباد کو اپنے گھر کی راہ لینی چاہیے تھی اور اسے اپنے۔ مگر وہ کیب میں پہلے اسے اس کے گھر چھوڑنے جا رہا تھا۔ اسے ہنسی بھی آرہی تھی اور اچھا بھی لگ رہا تھا۔ وہ نیویارک میں پیدا ہوئی' پلی بڑھی' اور وہ اسے یوں چھوڑنے جا رہا تھا جیسے وہ اپنے ہی شہر کے راستوں اور لوگوں سے انجان کوئی ڈرپوک سی لڑکی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا اس کے پاکستان میں ایسا ہی ہوتا ہے' مرد اپنے سے وابستہ خواتین کی یونہی پروا کرتے ہیں' یونہی ان کا خیال رکھتے ہیں۔ اس کے لیے یہ بڑا نیا اور انوکھا تجربہ تھا۔

☼ ☼ ☼

"ماما جانی نے تمہیں کل رات کھانے پر بلایا ہے۔"

اس نے اگلے ہی روز عباد کو فون کر کے کہا تھا۔ وہ ماما جانی سے کوئی بات نہیں چھپاتی تھی' اس نے کل شام گھر واپس آتے ہی انہیں عباد کے پرپوز کرنے سے لے کر باقی بھی ہر بات بتا دی تھی۔ اس کے سب بہن بھائیوں نے اپنی پسند سے شادیاں کی تھیں۔ جنید کی بیوی' اس کی بڑی بھابی ترکی کی تھیں اور خالصتاً" جنید کی اپنی پسند تھیں' جبکہ حماد نے ایک خالص امریکن اور عیسائی لڑکی سے شادی کی تھی' جو اس سے شادی کے لیے مسلمان ہوئی تھی' یمینہ کے شوہر خالد گو آباؤ اجداد کے لحاظ سے تعلق تو پاکستان سے رکھتے تھے مگر یمینہ اور ان کی شادی بھی سو فیصد پسند کی شادی تھی۔ یمینہ نے ان سے شادی کا فیصلہ کر لینے کے بعد والدین اور دادی کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا۔

وہ اگر یمینہ کی طرح ماما جانی کو اپنی پسند اور فیصلہ سے آگاہ کر دیتی انہوں نے تب بھی اس کے فیصلے کو تسلیم کر لینا تھا مگر وہ چاہتی تھی کہ ماما جانی اس کی خاطر نہیں بلکہ اپنے دل کی خوشی اور رضامندی سے عباد کو قبول کریں۔

وہ دادی تھیں مگر انہوں نے اسے ماں بن کر پالا تھا۔ ان کا بہت حق تھا اس پر۔ وہ اپنی زندگی کے ہر فیصلے میں ان کی بھی خوشی اور رضامندی چاہتی تھی۔

عباد اس کی بات سنتے ہی کنفیوژ سا ہو گیا تھا۔ یا تو خود فرمائش کی تھی ماما جانی سے ملنے کی یا اب نروس ہو رہا تھا۔

"سنو' وہ مجھے پسند کر لیں گی نا؟" وہ فون پر گھڑی گھڑی اس سے یہی پوچھے جا رہا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے عابی؟ ایسے نروس ہو رہے ہو جیسے میں تمہیں ماما جانی سے نہیں بلکہ پتا نہیں کس خطرناک شخصیت سے ملنے کے لیے کہہ رہی ہوں۔"

"یار! زندگی میں پہلی بار اس طرح کسی لڑکی کے گھر جا رہا ہوں اس کے گھر والوں کو خود کو دکھانے۔ وہ مجھے پسند کریں گے یا نہیں' اس بات کی ٹینشن تو ہوتی ہے ناں۔" وہ اس کے شرم دلاتے جملوں کے جواب میں وضاحتی انداز میں بولا۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز ماما جانی نے عباد کے لیے خاصا اہتمام کیا تھا۔ ہنیہ ان سے ملوانے اس طرح پہلی بار کسی لڑکے کو گھر پر بلا رہی تھی' یہ خاصا اہم موقع تھا۔ ماما جانی نے ڈنر کے لیے کافی کچھ بنایا تھا۔ ہنیہ نے بھی اس تیاری میں ان کا ساتھ دیا

www.urduphoto.com

تھا۔ ماما جانی عباد کے لیے پاکستانی کھانے بنا رہی تھیں ان کا کہنا تھا کہ وہ اپنے ہاں کے کھانوں اور گھر کے ذائقے کو یقیناً یہاں پر بہت مس کرتا ہوگا۔ انہوں نے کھڑے مسالے کا قیمہ' آلو میتھی' گلاب جامن اور چپاتیاں جو روٹین میں ان کے گھر نہیں بنتی تھیں بنائیں' جبکہ ہنیہ نے لزانیہ' رشین سلاد اور فرائیڈ رائس بنائے تھے۔ ماما جانی کا دعوا تھا کہ وہ ان بدیسی کھانوں کو ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔

ایک تو پڑھائی کی مصروفیت کے ساتھ کُکنگ کا ٹائم ہی کم ملا کرتا تھا اور اگر ملتا بھی تو اسے بس اسی طرح کی ڈشز بنانی آتی تھیں اسے پاکستانی کھانے بنانے بالکل بھی نہیں آتے تھے۔

عباد وقت کی پابندی کے ساتھ ٹھیک آٹھ بجے ان کے گھر پر موجود تھا۔ اس نے عباد کے لیے جا کر دروازہ کھولا تو اس کی تیاری دیکھ کر پہلے حیران ہوئی' پھر بے ساختہ ہنسی۔ اس کے پاس سوٹ نما چیزیں بھی تھیں اور وہ انہیں بہت کم پہنا بھی کرتا تھا' وہ اس کے بلیک ٹوپیس سوٹ اور میچنگ شرٹ اور ٹائی کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ بالوں کو بڑے قرینے اور زبردست اسٹائل کے ساتھ جیل سے جمائے اور خوب صورت بلیک شوز پہنے وہ' وہ عباد لگ ہی نہیں رہا تھا جس کے لیے شیو بنانا بھی بڑا مشکل کام ہوا کرتا تھا۔ وہ واقعی بر دکھوے کی پوری تیاری کر کے آیا تھا۔

"ٹھیک لگ رہا ہوں؟" ٹائی کی ناٹ درست کرتے اس نے اس سے پوچھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک خوب صورت سا بُکے اور ایک فینسی شاپنگ بیگ تھا۔

وہ اسے اندر لے آئی اور ماما جانی اس سے آ کر ملیں تو اس نے وہ دونوں چیزیں انہیں سلام دعا کرتے ہوئے پیش کیں۔ ہنیہ سے سنی بات اس نے یاد رکھی تھی' اس نے یہ یاد رکھا تھا کہ اس کی ماما جانی روایتی نانیوں' دادیوں سے مختلف ہیں اور انہیں نئی فلمیں اور نیا میوزک پسند ہے' سو [illegible] ان کے لیے [illegible] امریکن راک بینڈز کے کافی سارے البم لایا تھا۔ ماما جانی کو وہ [illegible] پسند [illegible] تھا۔

[illegible] انہوں نے اس سے کھانا کھانے کے لیے کہا اور [illegible] اس نے کھانا کھایا۔ عباد عذیر کی اس کی دادی کے ساتھ [illegible]

آوازیں اسے ڈائننگ ٹیبل تک سنائی دے رہی تھیں۔ ماما جانی تو تھیں ہی دل سے جوان' انہیں ینگ لوگوں کے ساتھ بیٹھنا' باتیں کرنا اچھا لگا کرتا تھا' رہا عباد تو وہ بھی خوش مزاج' زندہ دل اور جلدی گھل مل جانے والا تھا۔ سو اس کی ماما جانی کے ساتھ خوب مزے میں باتیں ہو رہی تھیں۔ کھانے کے وقت ماما جانی کی پیش گوئی کے عین مطابق اس نے اس کی بنائی کسی بدیسی ڈش کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ وہ صرف چپاتیاں قیمہ اور آلو میتھی کھا رہا تھا۔

گھر کی روٹی دیکھ کر اس کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ چپاتیوں کو بڑی عقیدت اور محبت سے کھا رہا تھا۔

"ترس گیا تھا میں تو گھر کی روٹی کے لیے۔ ماما جانی! اگر کبھی میرا دل چاہے تو کیا میں گھر کی روٹی کھانے آپ کے گھر آسکتا ہوں۔"

انہیں ماما جانی کہہ کر خطاب کرنے سے تو وہ پہلے ہی ان کا دل جیت چکا تھا۔ وہ جب سے آیا تھا انہیں آنٹی نہیں ماما جانی ہی کہہ رہا تھا' بالکل اسی کی طرح۔ اب جو اس نے گھر کی روٹی کے ہجر اور فراق کی داستان سنائی تو ماما جانی کا ممتا بھرا دل پردیس میں تنہا اس بچے کے لیے مزید گداز ہو گیا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا وہ نہیں۔۔۔

"فکر کیوں کرتے ہو میرے لال! میں تمہیں روز چپاتیاں پکا کر بھیجا کروں گی۔"

ندیدوں کی طرح وہ پتا نہیں کتنی ساری چپاتیاں کھا گیا تھا۔ ماما جانی کو وہ اتنا زیادہ پسند آچکا تھا کہ انہوں نے اسے صرف کھانا کھلایا ہی نہیں بلکہ گھر لے جانے کے لیے ساتھ باندھ کر بھی دیا۔ انہوں نے باقی بچی تمام چپاتیاں' قیمے اور آلو میتھی کا سالن اور گلاب جامنیں سب کچھ اس کے لیے پیک کر دیا تھا۔

"جب گھر کے کھانوں کا دل چاہا کرے بے تکلف آجایا کرو' یہ تمہارا ہی گھر ہے۔ بس فون پر بتا کر آنا۔ یہ ہنیہ تو اسپیگٹی' پاستا اور چاولوں میں خوش رہتی ہے' خالی اپنے لیے کون جھنجھٹ کرے' اس لیے میرا دل چاہتا ہے تو اسٹور سے کچی پکائی روٹی لے آتی ہوں۔ مگر تم بتا کر آؤ گے تو تمہارے لیے گرم گرم چپاتیاں بنا کر رکھوں گی۔"

اسے نظر انداز کیے وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مگن رہے تھے۔ ان کی اس طرح گاڑھی چھنتے دیکھ کر اسے لگ رہا تھا ان دونوں کی موجودگی میں وہ آئندہ بھی اسی طرح

اگنور ہوا کرے گی۔

"میں پاس ہو گیا نا؟" گھر واپس جانے کے بعد عباد نے لیٹ نائٹ اسے فون کیا تھا۔

"اتنی چاپلوسی اور چمچہ گیری کے بعد تمہیں پاس ہونا ہی تھا۔"

"میں بلاوجہ اتنا ڈر رہا تھا۔ ماما جانی تو اس قدر سوئیٹ ہیں۔"

"انہوں نے چپاتیاں ساتھ باندھ کر دے دی ہیں' اس لیے وہ سوئیٹ لگ رہی ہیں۔"

"ناراض ہو؟ میں نے تمہارا لزانیہ نہیں کھایا اس لیے۔" وہ اس کے چڑنے پر ہنسا۔

"ناراض نہیں ہوں لیکن فکر مند ضرور ہوں۔ میری تو میری ماما جانی تھیں تو ٹھیک ہے۔ مگر تمہیں تو گھر کی گھی روٹیاں کھلا کر کوئی بھی تمہارا دل جیت سکتا ہے۔ میرا کیا ہوگا' کل کہیں سے کوئی سگھڑ بیگم اگر نکل آئیں جو چپاتیاں بہت عمدہ بناتی ہوں۔"

"تو میں ان سے کہوں گا۔ آپ اپنی چپاتیاں اپنے پاس سنبھال کر رکھیے میں اپنی ہنی کے لزانیہ' پاستا اور اسپیگٹی ہی میں خوش ہوں۔" وہ بڑے انداز سے بولا۔

"ہنی؟" اس نے تعجب سے اس لفظ کو دہرایا۔ اسے سب ہنیہ ہی کہتے تھے۔ اس کے ممی' بابا جب زندہ تھے وہ یا ماما جانی ہی کبھی کبھار پیار میں اسے ہنی کہہ دیا کرتے تھے ورنہ اور کوئی نہیں۔

"ہاں ہنی۔ اگرچہ کہ باتیں تم اس وقت شہد جیسی میٹھی نہیں کر رہیں مگر ہنیہ کو مختصر کرنا چاہوں تو ہنی ہی بنتا ہے۔"

وہ اس وقت بقول اس کے شہد جیسی میٹھی باتیں نہ کرتی اسی کے دائیں ہاتھ میں پہنائے بریسلٹ کو اپنے بائیں ہاتھ سے آہستہ آہستہ گھما رہی تھی' اس پر آہستگی سے انگلیاں پھیر رہی تھی۔ وہ اتنا نازک' اتنا ڈیلیکٹ سا تھا کہ وہ اسے کچن کے یا اس طرح کے کسی کاموں کے دوران احتیاطاً پہنتی نہیں تھی۔ مگر جب ایسا کوئی کام نہ ہوتا تو پھر اسے پہنے رہتی تھی۔ اس بریسلٹ کی ہر دم اپنے قریب موجودگی اسے اچھی لگتی تھی۔

"ممی' بابا کا امریکہ آنے کا پروگرام بن رہا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں بجائے فون پر انہیں تمہارے بارے میں بتانے کے' جب وہ یہاں آئیں گے تب ڈائریکٹ تمہیں ان سے ملوا دوں۔"

چپاتیوں کا ذکر ختم کر کے عباد نے یہ بات کہی تو وہ یک دم ہی کونشس سی ہو گئی۔

"ایسے میں فون پر انہیں بتاؤں گا تو کہیں گے تو وہ کچھ نہیں مگر دل میں پتا نہیں تمہارے متعلق کیا سوچیں گے۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں پاکستانی اوریجن رکھتی کوئی بہت ماڈرن اور آزاد خیال امریکن لڑکی سمجھیں۔ میں چاہتا ہوں ان کے اوپر تمہارا پہلا امپریشن ہی شاندار پڑے۔ تم سے انہیں پہلی بار ملواؤں گا نا تو انہیں بتاؤں گا بھی نہیں کہ اس لڑکی کو میں نے پسند کیا ہے' اس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ یونہی ایک دوست کہہ کر تمہیں ان سے ملواؤں گا۔ ممی' بابا خود ہی سے سمجھ جائیں تو الگ بات ہے مگر میں انہیں شروع میں بتاؤں گا نہیں۔ اور مجھے یقین ہے وہ تمہیں پہلی ملاقات ہی میں دل و جان سے پسند کرنے لگیں گے۔"

"میں انہیں پسند آجاؤں گی ناں عالی؟ دیکھو' میں بہت زیادہ خوب صورت بھی نہیں ہوں۔"

جس بات پر وہ اس کا اتنا ریکارڈ لگا رہی تھی' اتنا مذاق اڑا رہی تھی اب خود کی باری آئی تھی تو وہی بات اس سے پوچھ رہی تھی۔

"کس نے کہا تم خوب صورت نہیں ہو؟ مجھ سے پوچھو' میں تمہیں بتاؤں کہ ہنیہ سجاد اس دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہے۔"

وہ اپنا بدلہ چکانے اور اسے زچ کرنے کے بجائے نرمی سے بولا۔

"تمہیں لگتی ہوں عالی! اس لیے تمہیں مجھ میں کوئی کمی نظر ہی نہیں آتی' مگر کیا میں انہیں اچھی لگ پاؤں گی؟"

"بالکل لگو گی۔ ممی تو ہیں ہی ایسی کہ انہیں دنیا کی ہر لڑکی اچھی لگتی ہے' اپنی بیٹی جیسی لگتی ہے اور رہ گئے بابا تو بابا تو میری پیش گوئی ہے ہنیہ کہ تمہاری پہلی ہی ملاقات میں دوستی ہو جائے گی۔ انہیں ذہین' پُراعتماد' اعلا تعلیم یافتہ اور خود پر بھروسا رکھنے والی لڑکیاں بہت اچھی لگتی ہیں اور یہ تمام خوبیاں تم میں موجود ہیں۔ مزید پسند وہ تمہیں تمہاری انجینئرنگ کی ڈگری کی وجہ سے کریں گے۔ ان کی ہونے والی بہو بھی ان کے اور ان کے بیٹے کی طرح انجینئر ہے' اس بات سے تو وہ بہت ہی خوش ہوں گے۔ یار! انہیں اپنے پروفیشن سے عشق کی حد تک لگاؤ ہے اور اپنے قبیلے کے افراد سے ان کی ہمیشہ خوب بنتی ہے۔"

وہ اس کی تسلی آمیز ان باتوں کے باوجود اندر سے تھوڑی سی پریشان ہو رہی تھی۔ وہ عباد کی طرح نہیں' اسے لوگوں کے دل موہ لینے نہیں آتے تھے۔ جیسے اس نے آکر منٹوں میں ماما جانی کا دل موہ لیا تھا' ویسی صلاحیت اور خوبی اس میں نہ تھی۔ عباد کو تو جیسے اللہ نے یہ صلاحیت ودیعت کر کے دنیا میں بھیجا تھا کہ وہ جس سے ملے اسے اپنا والہ و شیدا بنا لے۔

"ہنیہ ۔۔۔ کیا ہو گیا ہے یار! تم مما پاپا کو ضرور پسند آؤ گی اور بہت پسند آؤ گی' بلاوجہ کیوں ٹینس ہو رہی ہو۔ بلکہ میں تو یہ دعوا بھی کر سکتا ہوں کہ تمہارے سامنے وہ دونوں مجھے کم لفٹ کروایا کریں گے۔ تمہاری جس طرح کی نیچر ہے وہ اور پھر مما' پاپا جس مزاج کے ہیں وہ' مجھے یقین ہے یوں چٹکیوں میں دوستی ہو جائے گی تمہاری ان دونوں کے ساتھ۔۔۔ پتا ہے مما' پاپا کو اس کی بڑی خواہش تھی کہ ان کی ایک بیٹی بھی ہوتی۔ اور تم تو مجھے پتا ہے' پہلی ملاقات ہی میں ان کے بیٹی کے اس تصور پر سو فیصد پوری اتر جاؤ گی۔"

وہ عباد کو اچھی لگتی ہے' اس لیے باقی ساری دنیا کو بھی اچھی لگے گی وہ ایسی خوش فہم نہ تھی۔ ہاں وہ دعا ضرور کر رہی تھی کہ عباد کے عنقریب امریکہ آنے والے والدین کو وہ پسند آ جائے۔ بیٹی کے طور پر نہ سہی کم از کم اپنی بہو کے طور پر ہی۔ عباد اب اسے یہ بتا رہا تھا کہ اس کی مما کو اس کی شادی کی کتنی جلدی ہے۔ وہ جب پاکستان میں تھا اور ابھی انجینئرنگ کے آخری سال میں آیا ہی تھا انہیں تب سے اس کی منگنی کروانے کا شوق ہو گیا تھا۔ ان کا بس نہ چلتا تھا ادھر وہ انجینئرنگ کی ڈگری لے' ادھر وہ اس کی شادی کرا دیں۔

"وہ مجھ سے کہتی تھیں' میں جس بھی لڑکی کو پسند کروں گا' وہ وہاں رشتہ لے جائیں گی۔ انہیں میری پسند دل و جان سے قبول ہو گی۔ اور میں ان سے کہتا تھا مما! ابھی تک آپ کے جیسی کوئی لڑکی ملی نہیں ہے۔ میں اس لڑکی سے شادی کروں گا جس میں ہاجرہ عذیر جیسی نرمی اور محبت ہو گی' جو ہاجرہ عذیر ہی کی طرح خوب صورت ہو گی اور جو مجھ سے بالکل ویسی محبت کرے گی جیسے ہاجرہ عذیر مجھ سے' پاپا سے کرتی ہیں۔ پتا ہے ہنیہ! مما' پاپا میں بہت انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں۔ مما' پاپا کا اتنا دھیان رکھتی ہیں۔ روزانہ خود اپنے ہاتھوں سے پاپا کے لیے لنچ بنا کر ان کے آفس بھجواتی ہیں۔ پاپا کو کھانے میں سلاد کھانے کا بہت شوق ہے تو نئی نئی طرح کی سلاد بنا کر ان کے لیے بھیجتی ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں ہماری زندگی بھی ویسی گزرے جیسی مما' پاپا کی ہے۔"

وہ اس کی ٹینشن دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے بتا رہا تھا کہ اس کے ماما' پاپا بہت اچھے اور کھلے ذہن کے لوگ ہیں' وہ بیٹے کی پسند کو دل و جان سے قبول کر لیں گے۔

اس کی ٹینشن اور فکر مندی دور کرنے کے لیے بہت دیر تک اس سے یونہی ہلکی پھلکی باتیں کرتا رہا تھا۔ رات گئے تک وہ اس سے باتیں کرتا رہا تھا۔ اس سے پہلے باتیں کرتے کرتے وہ ریسیور کان سے لگائے لگائے ہی سو گئی تھی۔ اس سے شب بخیر اور خدا حافظ کہنے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی۔ نیند کی وہ کچی تھی اور نیند بھگا بھگا کر باتیں کرتے وہ کس وقت سو گئی۔ اسے خود پتا نہیں تھا۔

اگلے دن اس نے عباد کو فون کیا تو وہ ہنستے ہوئے بتانے لگا کہ وہ اپنے ایک دوست کا کوئی قصہ اسے سنا رہا تھا کافی دیر تک جب اس قصے پر ہنیہ کے کوئی کمنٹس کوئی ہوں' ہاں' اچھا' سنائی نہیں دیا' تب کہیں جا کر اسے یہ پتا چلا کہ محترمہ خدا جانے کتنی دیر ہوئی سو چکی ہیں۔

پھر تو جیسے اس طرح روز رات میں فون پر بات کرنا ان دونوں کی پکی عادت بن گیا تھا۔ وہ اسے فون کرتا اور وہ کہتی کہ جب میں سو جاؤں' فون تب بند کرنا۔ وہ روز ایسا ہی کرتا۔

ان کے اپارٹمنٹ میں ان کا ایک دوسرے سے تعلق اب کوئی چھپی بات نہ تھی۔ وہ عباد کے کلاس فیلوز ہوں یا ہنیہ کے سب یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ ہنیہ سجاد' عباد عذیر کو belong کرتی ہے' اور کسی نے بھی اسے ایسی ویسی نظروں سے دیکھتے یا زیادہ فری ہونے کی کوشش کی تو عباد عذیر اس کی گردن واقعی توڑ دے گا۔ کیمپس میں ان کی کلاسز کے اوقات اور مصروفیات ایک دوسرے سے اتنی الگ الگ تھیں کہ وہاں ان کی ملاقات روز نہیں ہو پاتی تھی' مگر کیمپس میں نہ مل پانے کے باوجود بھی وہ ایک دوسرے سے روز ملتے تھے۔ پڑھائی کی مصروفیات کے علاوہ عباد کی اپنی فرم کی بھی مصروفیات تھیں۔ وہ وہاں کسی نہ کسی پروجیکٹ میں ڈاکٹر اینڈریو کی معاونت کر رہا ہوتا تھا۔ کسی روز وہ مصروفیات میں بہت گھرا ہوتا' بہت تھک گیا ہوتا وہ کہتی بھی کہ آج نہیں ملتے' مگر وہ بالکل نہ مانتا۔

"تم مجھ سے ملنا نہیں چاہتیں؟"

"تم تھکے ہوئے ہو' اس لیے کہہ رہی ہوں۔"

"تم سے مل کر میری ساری تھکن اتر جاتی ہے لڑکی! تمہاری شکل دیکھ لوں تو ایک دم فریش ہو جاتا ہوں۔"

ان باتوں کے بعد پھر اس کے انکار کا کوئی جواز نہ رہ جاتا۔

باہر ملنے کے علاوہ عباد ہر دوسرے تیسرے دن ان کے گھر پر بھی موجود ہوتا تھا۔ اور وہاں وہ خود کم اور ماما جانی کے انوائیٹ کرنے پر زیادہ آیا ہوا ہوتا تھا۔ وہ ماما جانی کا فیورٹ بن گیا تھا اور وہ تقریباً" ہر دوسرے روز ہی اس کے لیے کچھ نہ کچھ بنا کر ہنیہ سے اسے فون کرواتیں۔

"ہنیہ! عباد کو فون کر کے کہو آج رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھائے۔ میں نے آلو کے پراٹھے بنائے ہیں۔"

آلو کے پراٹھے' بیسنی روٹیاں' پوریاں' چوریاں' اب ان کے گھر میں اسی قسم کی دیسی ڈشز بننے لگی تھیں۔ اب ان کے گھر میں چپاتیاں پابندی سے بننے لگی تھیں۔ پاکستانی کھانوں کی خوشبوئیں ان کے کچن سے ہمہ وقت آیا کرتی تھیں۔ اس روز پھر وہ دونوں باہر نہیں ملتے تھے۔ عباد کی ماما جانی کے ساتھ چند ہی دنوں میں اتنی گاڑھی چھننے لگی تھی۔ جیسے پتا نہیں کب کی واقفیت ہے۔ وہ ان کے ساتھ ان کے مطلب کی باتیں کرتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ اپنی سہیلیوں اور میل جول کی خواتین کے متعلق باتیں اور گوسپس کر کے بہت خوش ہوتی تھیں۔ وہ بھی بھرپور دلچسپی لیتا' مختلف عورتوں کی غیبتیں کرتا' کہیں سے انجینئر عباد عذیر نہیں لگتا تھا۔

ماما جانی اسے کیوں اتنا نہ چاہتیں' اسے لوگوں کے دل جیتنے کے تمام گر آتے تھے۔ ماما جانی نے یونہی تذکرۃً" بتایا ہو گا کہ جو موئسچرائزر وہ استعمال کرتی ہیں' وہ آج کل کہیں مل نہیں رہا۔ وہ تو تھیں ہی ایسی' اپنا خوب خیال رکھتیں۔ زندہ دلی سے زندگی گزارتیں۔ انہوں نے تو یونہی تذکرۃً" کہا تھا مگر عباد پتا نہیں کہاں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر وہی موئسچرائزر ان کے لیے لے آیا تھا۔ اب ان باتوں کے بعد وہ ماما جانی کا دوست کیونکر نہ بنتا؟ اس کی خوب گہری دوستی ہو گئی تھی' ماما جانی کے ساتھ۔

ایک دوبار جب وہ ہنیہ کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے باہر لے جا رہا تھا' تب انہیں بھی زبردستی ساتھ لے گیا تھا۔ حالانکہ انہوں نے پہلے پہل صاف منع کر دیا تھا کہ ان ینگ لوگوں کے بیچ ان کا کیا کام ہے' وہ دونوں جا کر انجوائے کریں۔ مگر اسے اپنی بات منوانی آتی تھی۔ ضد سے' لاڈ سے' ناراضی دکھا کے' آخر کار وہ انہیں ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔ وہ عباد کے نزدیک ہوئی تھی تو اس کی شخصیت کی خوبیوں کو قریب سے جانا تھا۔ وہ اسے کیمپس میں پہلے پہل ایک لاابالی اور لاپروا سا لڑکا نظر آیا تھا مگر جب اسے قریب سے دیکھا اور جانا تو پتا چلا وہ اس تاثر سے بہت مختلف تھا بلکہ وہ اپنی عمر کے دوسرے لڑکوں ہی سے بہت مختلف تھا۔ حساس' نرم دل' دوسروں کی پروا کرنے والا۔ چوبیس' پچیس سال کی عمر کے لڑکے کہاں ایسے ہوتے ہیں جیسا وہ تھا۔ یہ عمر تو لاپروائی اور بے نیازی کی عمر ہوتی ہے۔ دنیا کے ہنگاموں اور رنگینیوں میں کھو جانے اور محفلوں میں گم رہنے کی عمر ہوتی ہے۔ اس عمر میں تنہائی' بڑھاپا' اکیلا پن ان باتوں کے تو معنی بھی سمجھ میں نہیں آتے۔ مگر وہ ان سب کو سمجھتا تھا۔

اسے اس روز عباد اتنا پیارا' اتنا اچھا لگا تھا جب اسے یہ پتا چلا کہ وہ اپنی ہی بلڈنگ کے ایک اپارٹمنٹ میں رہنے والے ایک 78 سالہ بوڑھے مصری نژاد امریکی کی تنہائی بانٹنے اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر اس سے ملنے جاتا تھا۔ ہر اتوار پابندی سے اس کے ساتھ گزارتا تھا' دو تین گھنٹوں پر مشتمل طویل وقت' جس میں وہ بوڑھا اپنے سب دکھ اس سے کہہ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیا کرتا تھا۔ اس کے بچے سب اسی شہر میں رہتے تھے مگر باپ سے ملنا تو درکنار سال' چھ ماہ میں ایک بار ایک فون کال باپ کو کر لینے کی بھی فرصت ان کے پاس نہ تھی۔

اس نے اپنی خوبیاں جتانے کے لیے ہنیہ کو یہ سب نہیں بتایا تھا بلکہ ہوا یوں تھا کہ اس اتوار وہ اتفاقاً" ہی اس کے اپارٹمنٹ آ گئی تھی۔ عباد کے پاس انجینئرنگ سے متعلق کتابوں کا زبردست ذخیرہ تھا اور اسے اس کے پاس سے کچھ کتابیں چاہیے تھیں۔ وہ بغیر فون کیے وہاں آ گئی تھی۔ عباد کہیں باہر جانے کے لیے تیار نظر آ رہا تھا۔ اس نے اپنے اپارٹمنٹ کی چابی ہنیہ کو دے کر یہ کہا تھا کہ اسے کہیں ضروری کام سے جانا ہے' ہنیہ آرام سے کتابیں دیکھ لے اور جب جانے لگے تو اپارٹمنٹ کا دروازہ لاک کر کے چابی اس کی بلڈنگ کے کیئر ٹیکر کو دے جائے۔ کہہ کر وہ چلا گیا۔

وہ کتابیں دیکھنے میں کھوئی تو اسے وقت کا پتا بھی نہیں چلا۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد جب وہ اٹھی اور اتفاقاً" ہی عباد کے

اپارٹمنٹ کی بالکونی میں نکل آئی۔ بالکونی سے اس پارک کا منظر صاف نظر آیا تھا' جو عباد کے اپارٹمنٹ کی بلڈنگ کی بیک سائیڈ پر اور بالکل نزدیک تھا۔ بیچ میں ایک ون وے روڈ اور سامنے پارک تھا۔

پارک میں کچھ بچے فٹ بال کھیل رہے تھے' کچھ لوگ اپنے پالتو کتوں اور بلیوں کی زنجیریں تھامے ٹہل رہے تھے۔ پارک اتنا نزدیک تھا کہ سب ہی کچھ واضح نظر آرہا تھا۔ اس کی نگاہیں گھومتے گھومتے ایک بینچ پر جاکر رک گئی تھیں۔ اس پر عباد اور ایک ضعیف شخص بیٹھے نظر آرہے تھے۔ وہ کہیں کام سے جانے کا کہہ کر گیا تو وہ سمجھی وہ پتا نہیں کہاں اور کتنی دور گیا ہے' جبکہ وہ تو اپنے اپارٹمنٹ کے اتنے نزدیک موجود تھا۔ وہ اس کے اپارٹمنٹ کے دروازہ لاک کرکے خود بھی اس پارک ہی میں آگئی۔

عباد نے اسے دیکھ کر کچھ حیران ہوتے اس کا تعارف اس سرخ و سپید بوڑھے آدمی سے کروایا تھا۔ ایک اتنے بوڑھے' اتنے ضعیف شخص کے ساتھ عباد کو یہاں بیٹھے دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔ اسی وقت فٹ بال کھیلتے بچوں کی بال اچھلتی عباد کی گود میں آکر گری اور ان میں سے ایک بچے نے دور سے ہی اسے آواز دی۔

”عابی اکم آن۔“ بڑا بے تکلفانہ انداز تھا اسے بلانے کا۔ پتا چلا وہ سب بچے عباد ہی کی بلڈنگ میں یا پھر آس پاس کی بلڈنگز میں رہتے تھے اور وہ سب عباد کے دوست تھے۔ وہ سب بہت دیر سے اسے کھیلنے کے لیے بلا رہے تھے اور وہ عبداللہ نامی اس بوڑھے شخص کے ساتھ بیٹھا انہیں کچھ دیر میں آنے کا یقین دلا رہا تھا۔ اس بار بچوں کو ٹالنے کے بجائے وہ اٹھا اور فٹ بال کو اپنے پیروں سے کک لگاتا ان بچوں کے قریب پہنچ گیا۔ ایک سیکنڈ کے اندر وہ ان بچوں کے کھیل میں شامل ہوگیا تھا۔ وہ ان آٹھ' نو اور دس سال کی عمر کے بچوں کے بیچ بچہ بنا ان کے ساتھ فٹ بال کھیلنے لگا تھا۔

”آپ بیٹھیے' اتنی جلدی نہیں چھوڑیں گے' تم بیٹھ جاؤ۔“ عبداللہ نے اس سے کہا۔ وہ ان کے برابر بینچ پر بیٹھ گئی تھی اور نبیہ [illegible] عبداللہ [illegible] عباد کی تعریفیں شروع کرتے ہوئے اسے یہ بتایا کہ اپنی بیوی کے مرنے کے بعد اب وہ بالکل تنہا ہیں۔ تنہا وقت کاٹنا ان کے لیے عذاب بن جاتا ہے اور ایک بوڑھے بیمار شخص کے ساتھ کون وقت [illegible]

کون گزارنا چاہتا ہے' سو وہ اپنے گھر کی تنہائی اور اکیلے پن سے گھبرا کر یہاں اس پارک میں آجاتے ہیں۔ یہیں ان کی عباد سے دوستی ہوئی تھی۔ اور اب عباد ہر سنڈے ان سے ملنے اس پارک چلا آتا ہے' ہفتے کے باقی دنوں میں بھی اسے جب بھی موقع ملتا ہے وہ صبح گھر سے نکلتے وقت یا شام میں لوٹتے وقت عبداللہ کے اپارٹمنٹ آکر ان کی خیر خیریت معلوم کرلیتا ہے۔

وہ عباد کی بہت تعریفیں کررہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ان سے باتیں کرنے والا ان کی باتیں سننے والا عباد کے سوا اور کوئی بھی نہیں۔ عباد ہی انہیں زندہ ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ وہ بچوں کے ساتھ بچہ بن کر کھیلتے عباد عزیر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کتنا اچھا تھا' وہ کتنا منفرد اور کتنا حساس تھا۔ اتنا نرم دل' وہ نیکی اور اچھائی کا جذبہ لیے بوڑھے عبداللہ سے ملتا تھا اور اپنی اس نیکی کو نبیہ سے بھی چھپائے رکھنا چاہتا تھا۔

وہ اتوار کے دن اس کے ساتھ کہیں جاتا تو شام ہوتے اسے واپسی کی جلدی ہونے لگتی تھی مگر اس جلدی کی وجہ اس نے نبیہ کو کبھی نہیں بتائی تھی۔ اسے عباد کی اس modesty پر پیار آیا۔

”تو عباد عزیز ہر سنڈے کی شام کو اس پارک میں عبداللہ سے ملا کرتے ہیں۔“ کچھ دیر بعد جب وہ دونوں تنہا ہوئے تب اس نے مسکرا کر عباد سے کہا۔

وہ اس کی شخصیت کے ایک اچھے پہلو' اس کی ایک نیکی سے واقف ہوگئی ہے' اس پر فخر میں مبتلا ہونے کے بجائے وہ شرمندہ ہورہا تھا۔ فوراً گفتگو کا موضوع تبدیل کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ یہ خوبی اسے عباد سے اور نزدیک کررہی تھی' عباد کے لیے اس کے دل میں موجود محبت کو مزید گہرا کررہی تھی۔

وہ بچے جو عبداللہ ہی کی طرح عباد کے دوست نظر آرہے تھے' اس کے ساتھ مزید کھیلنا چاہتے تھے' وہ اسے ابھی چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے اور اسے لگتا تھا صرف وہ اور ماما جانی ہی عباد عزیر کے گرویدہ ہوئے ہیں۔ وہ سراسر غلط تھی۔ عباد عزیر تو بوڑھوں' بچوں' واقف کاروں' ناواقفوں سب کا پسندیدہ تھا۔ وہ ہر دل عزیز تھا۔ وہ سب کے دل موہ لیا کرتا تھا' اسے لوگوں کے دلوں میں گھر کرنا آتا تھا۔ بہت امیر باپ کا اکلوتا بیٹا مگر بہت سادہ' خوش شکل' ذہین' اعلا تعلیم یافتہ مگر منکسر المزاج۔

عباد عزیز سے اسے محبت پہلے ہوگئی تھی اور اس کی خوبیاں بعد میں پتا چلی تھیں۔ اس کی شخصیت کی خوبیاں اور اچھائیاں اس پر آہستہ آہستہ اب آشکار ہورہی تھیں۔ وہ اتنا خوبصورت دل رکھنے والا اتنا پیارا انسان اللہ نے اس کے لیے بنایا تھا۔ اسے خود پر پیار بھی آتا' فخر بھی ہوتا اور اس کا دل اللہ کا شکر گزار بھی ہوتا۔

☆ ☆ ☆

وہ عباد کو تلاش کرتی لیب میں آگئی تھی۔ وہ اپنے معمولات اور روٹین سے اسے اس طرح آگاہ رکھتا تھا کہ اسے معلوم تھا کہ آج اسے کونکریٹ لیب میں اور اس کے بعد لائبریری میں کام ہے اور وہ اسے ان ہی دونوں جگہوں میں سے کسی جگہ پر ملے گا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو عباد اسے وہاں نظر آگیا تھا۔ وہ ایک مشین کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا انڈین دوست موہن اور امریکن دوست حنیف کھڑے تھے اور اس کا جاپانی دوست ہیروشی ان تینوں کے پیچھے ایک اسٹول پر بیٹھا ٹانگیں ہلاتا ہوا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ جبکہ اس کا فرنچ دوست نک اس وقت ان لوگوں کے ساتھ نہ تھا۔ وہ تینوں مشین کی طرف منہ کیے اپنے کام میں مشغول تھے۔ انہوں نے اسے نہیں دیکھا تھا مگر کتاب پڑھتے ہیروشی نے اسے دیکھ لیا تھا۔ جس طرح عباد کی کیتھی اور مائیک سے دوستی ہوگئی تھی' اسی طرح اس کی بھی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔ اس کے دوستوں کے ساتھ اچھی دوستی ہوگئی تھی۔ وہ قریب آئی تو پتا چلا ہیروشی کوئی Text book نہیں بلکہ ہیری پوٹر پڑھ رہا تھا۔

”کونکریٹ لیب میں ہیری پوٹر؟ ڈیوڈ اسٹین مین کہاں ہیں۔“ اس نے لیب انچارج کا نام لے کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ”وہ اس ریڈیو ایکٹو اسپائیڈر کو ڈھونڈنے نکلے ہیں جس نے پیٹر پارکر کو کاٹا تھا۔“ یہ تمام columbians کے درمیان ایک عام مذاق تھا۔

اس کی آواز پر عباد' موہن اور حنیف نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا تھا۔ موہن اور حنیف نے ہیلو کہہ کر خوش اخلاقی سے اس کی خیریت پوچھی تھی' جبکہ عباد فوراً ہی اپنا سب کام کاج چھوڑ کر اس کے پاس آگیا تھا۔

”چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔“ جب ان دونوں کے ساتھ ان کے دوست بھی ہوتے' تب وہ آپس میں انگریزی میں بات کیا کرتے تھے۔

”لیکن تم مصروف ہو۔“

”مصروف ان کے کام میں ہیں ہم تینوں۔ یہ جو ٹانگیں جھلاتے ہیری پوٹر سے لطف اندوز ہورہے ہیں۔“ عباد نے ہیروشی کو گھورا جو بتیسی کی نمائش کرتا کھل کر ہنسا تھا۔ گویا وہ تینوں دوست ہیروشی کا کوئی کام کررہے تھے۔ وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

”اب کچھ کام خود بھی کرلو۔“ اسے لتاڑتا عباد نبیہ کے ساتھ لیب سے باہر نکل آیا تھا۔ ان کا رخ لو اسٹیپس کی طرف تھا۔ اس کی طرح عباد کو بھی لو اسٹیپس پر بیٹھنا اچھا لگتا تھا۔ نبیہ کے 8th سمسٹر کی کلاسز کافی دن ہوئے شروع ہوچکی تھیں۔ اس سمسٹر میں سب سے اہم اس کے ڈیزائن پروجیکٹ تھے اور وہ ان ہی کے متعلق باتیں کرتی ہوئی عباد کے ساتھ چل رہی تھی۔

وہ دونوں لو اسٹیپس پر آکر بیٹھ گئے۔ حسب معمول وہاں بہت اسٹوڈنٹس تھے۔ نیویارک کی شدید سردیاں ابھی پوری طرح شروع تو نہیں ہوئی تھیں مگر اپنی جھلک دن کے مختلف اوقات میں دکھانے ضرور لگی تھیں۔ اب کم از کم سوئٹر کا استعمال لازمی تھا۔ مگر اس وقت چونکہ سورج نکلا ہوا تھا' سو وہاں بیٹھنا خوشگوار لگ رہا تھا۔ عباد نے کولمبیا یونیورسٹی کے Logo والی گرم جیکٹ جس کے ساتھ ٹوپا بھی جڑا ہوا تھا۔ پہن رکھی تھی۔ اس کی گود میں جو فائل رکھی تھی اس پر Proud to be nedian کا اسٹیکر چپکا ہوا تھا۔ وہ اس کی فائل پر یہ اسٹیکر چپکا پہلے بھی دیکھ چکی تھی۔ مگر اس بارے میں کہا آج تھا۔

”تم پڑھتے کولمبیا یونیورسٹی میں ہو اور Proud اپنے Nedian ہونے پر فیل کرتے ہو؟“

”مائی ڈیر! یہ محبت کا معاملہ ہے۔ اور محبت تو صرف کسی ایک ہی سے ہوتی ہے اور زندگی میں ایک ہی بار ہوتی ہے۔ میں NED سے محبت کرتا ہوں' میں اپنے کیمپس وہاں کی چھوٹی بڑی اچھی بری ہر بات سے محبت کرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے میں تمہیں پاگل لگوں کہ میں ایک اعلا درجہ کی یونیورسٹی میں پڑھتے ہوئے اپنے اس ترقی پذیر ملک کی اس کولمبیا کے مقابلے میں کئی گنا چھوٹی اور ورلڈ رینکنگ میں کسی بھی نمبر پر نہ آنے والی یونیورسٹی کو پسند کرتا ہوں۔ مگر محبت تو ایسی ہی ہوتی ہے ڈیر! میں کولمبیا کے مقابلے میں NED سے محبت کرتا ہوں' نیویارک کے مقابلے میں

کراچی سے محبت کرتا ہوں۔ وہ جیسا بھی ہے میرا شہر ہے۔ وہاں بہت کچھ بہت برا' بہت غلط ہے' مگر وہ میرا اپنا شہر ہے۔ میں دنیا کے کسی بھی حصے میں چلا جاؤں' کہیں بھی جا کر رہنے لگوں' کسی بھی یونیورسٹی میں پڑھوں مگر NED اور کراچی دونوں سے محبت کرنا کبھی چھوڑ نہیں سکتا۔"

"پھر تو تمہاری اس یونیورسٹی اور اس شہر سے میں بہت جلدی ملنا چاہتی ہوں عالی!"

"ہاں تم ملو گی نا' ان شاء اللہ بہت جلدی۔" وہ جواباً مسکرا کر بولا۔ باتوں کے دوران ذکر نکلا تو اس نے عباد کو بتایا کہ ماما جانی کی برتھ ڈے آرہی ہے مگر اس بار وہ اپنی دوستوں کو پارٹی دینے کے موڈ میں نہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اب سالگرہ منانے سے انہیں اپنی بڑھتی عمر کا احساس زیادہ ہونے لگتا تھا۔ عباد اس رات ماما جانی کے بلانے پر ان لوگوں کے ساتھ ڈنر کرنے آیا تھا اور آتے ہی اس نے چٹکیوں میں ماما جانی کو برتھ ڈے منانے پر آمادہ کر لیا تھا۔

"آخر ایک اتنی حسین خاتون روز روز تو 75 سال کی نہیں ہوتیں۔ یہ موقع تو زندگی میں صرف ایک بار ہی آیا کرتا ہے۔" وہ ماما جانی کی فیورٹ اور ان کا ڈارلنگ یونہی تو نہ تھا وہ اتنے مزے سے ان کے حسن کی شان میں قصیدے پڑھ رہا تھا اور وہ قہقہے لگا کر ہنس رہی تھیں۔

"To age with grace" کی آپ سے بڑھ کر زندہ مثال میں نے نہیں دیکھی ماما جانی!"

ماما جانی کا ہنستے ہنستے برا حال تھا۔ اور پھر اس نے صرف کہا ہی نہیں تھا' واقعی ان کی برتھ ڈے پارٹی میں آن بھی دھمکا تھا۔ ان کے اور ان کی سہیلیوں کے درمیان جو سب کی سب اس کی نانی اور دادی کی عمر کی تھیں' وہ مزے سے جما بیٹھا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

عباد اپنے تھیسس کے کسی کام کے سلسلے میں تین' چار دن کے لیے بوسٹن جا رہا تھا۔ اسٹرکچرل انجینئر میں MS کر رہا تھا' [illegible] کی پڑھائی بہت [illegible] تھی' اس پر وہ اپنے ہر کام پر محنت اتنی کرتا تھا' ہر چیز بالکل پرفیکٹ کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی اسٹڈیز کو بہت سنجیدگی سے لیتا تھا۔ اس کی ہر بات شروع اور ختم اسی جملے پر ہوتی [illegible]

"پاپا کو مجھ سے بہت امیدیں ہیں۔ میں انہیں لیٹ ڈاؤن نہیں کرنا چاہتا۔ وہ مجھ سے جو توقع رکھتے ہیں میرا دل [illegible] چاہتا ہے میں اس سے بھی بڑھ کر ثابت ہو سکوں۔"

یوں اسے بوسٹن یونیورسٹی میں وہاں کے سول انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ کے ایک پروفیسر سے ملنا تھا۔ اسے وہاں اپنی کچھ ریسرچ بھی کرنی تھی۔ اور ڈاکٹر اینڈریو نے بھی اسے وہاں کچھ کام کہے تھے۔ وہ بھی کرنے تھے۔ گزشتہ روز ان کی ملاقات نہیں ہو سکی تھی اور رات فون پر عباد نے جب اپنے جانے کا اسے بتایا تو وہ فوراً بولی۔

"تم مجھ سے ملے بغیر چلے جاؤ گے؟"

اگلے روز عباد کی کیمپس میں اور اپنی فرم میں بہت زیادہ مصروفیات تھیں۔ کیمپس میں اگر آمنا سامنا ہو بھی جاتا تو وہاں بات چیت کا موقع ملنا مشکل تھا۔ عباد کو کل وہاں اس کے ایڈوائزر نے بلایا ہوا تھا اور ان کے ساتھ طویل نشست کے بعد اس کے پاس ہنیہ سے ملنے کا بچنا مشکل تھا۔ شام ساڑھے سات بجے اس کی روانگی تھی اور اس سے پہلے کا وقت اس کا ڈاکٹر اینڈریو کی فرم میں جو وال اسٹریٹ پر تھی وہاں گزرنا تھا۔ "پر کل ملنا تھوڑا مشکل ہے۔"

"میں نہیں جانتی اگر تم مجھ سے ملے بغیر چلے گئے نا تو میں تم سے بات بھی نہیں کروں گی' تمہاری کوئی کال بھی ریسیو نہیں کروں گی۔" وہ دھونس جماتے فیصلہ کن انداز میں بولی۔ اس کی ناراضی سے بچنے کے لیے اس بے چارے نے بڑی مشکلوں سے کھینچ کھانچ کر سہ پہر تین بجے کا ٹائم ملنے کے لیے طے کیا تھا۔ اسے ففتھ ایونیو تو آنا ہی تھا' وہاں اسے ایک بک اسٹور سے آرکیٹیکچر اور ڈیزائن پر کوئی خاص کتاب خریدنی تھی سو اس نے ہنیہ سے ففتھ ایونیو ہی میں واقع ایک ریسٹورنٹ میں ملنے کا پروگرام طے کیا تھا۔

اسے اس کی بے تحاشا مصروفیات میں سے وقت نکال کر زبردستی اور دھونس دھمکی سے ملنے پر مجبور کرنے کے بعد وہ خود صحیح وقت پر ریسٹورنٹ نہیں پہنچ سکی تھی۔ ڈاکٹر گراہم نے آج ایک ایکسٹرا کلاس ارینج کر لی تھی اور کلاس لے کر بھاگتے دوڑتے نکلنے کے باوجود بھی تین بج کر تیس منٹ پر ریسٹورنٹ میں پہنچی تھی۔ عباد ایک میز پر بیٹھا اسے اندر داخل ہوتا غصے سے گھور کر دیکھ رہا تھا۔

"آئم سوری۔ آئم سو سوری۔ دیر ہو گئی نا' وہ ڈاکٹر گراہم۔۔۔"

"آدمی کو محبت نہیں کرنی چاہیے۔" اس کی بات کاٹ کر عباد خفگی سے بولا۔ "اچھا بھلا آدمی خوار ہو کر رہ جاتا ہے

یا محبت کے پیچھے پچھلے تیس منٹوں سے میں بیٹھا یہی سوچ رہا ہوں کہ عباد عزیز عشق نے تمہیں واقعی نکما بنا دیا ہے ورنہ تم آدمی کام کے تھے۔"

"سوری کہہ تو رہی ہوں۔ اچھا غصہ تھوک دو۔ یہ بتاؤ کھا پیو گے؟" وہ اسے مناتے ہوئے لجاجت سے بولی۔

"فی الحال میں صرف غصہ پی رہا ہوں ہنیہ سجاد!" وہ کرسی پر سے کھڑا ہو گیا۔

"تم جا کہاں رہے ہو؟"

"بک اسٹور۔ اگر آپ کو یاد ہو تو مجھے ایک کتاب ارجنٹ خریدنی ہے اور آپ سے یہاں ملنے کے بعد مجھے وہی خریدنے جانا تھا۔ مزید یہاں بیٹھنے کا میرے پاس وقت نہیں' آپ اگر آنا چاہیں تو میرے ساتھ وہاں تک آسکتی ہیں۔"

وہ خفا خفا لہجے میں بولتا ریسٹورنٹ کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ غلطی جان بوجھ کر چاہے نہیں کی گئی تھی مگر کی تو اسی نے تھی' اس لیے فوراً ہی اٹھ کر اس کے پیچھے پیچھے ریسٹورنٹ سے نکل آئی۔

(ففتھ ایونیو) پر ریسٹورنٹ سے چند قدموں ہی کی دوری پر وہ بہت بڑا سا اور چار منزلہ بک اسٹور واقع تھا جہاں وہ دونوں پیدل چلتے فوراً ہی پہنچ گئے تھے۔ بک اسٹور کے ریوالونگ ڈور کے ذریعے وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ اس بک اسٹور میں تھیں ہی صرف آرکیٹیکچر اور ڈیزائن سے متعلق کتابیں۔ آرکیٹیکچر ہی کے الگ الگ موضوعات پر کتابیں الگ الگ سیکشنز میں چاروں فلور پر موجود تھیں۔

عباد فرسٹ فلور پر آگیا تھا۔ اسے جو کتاب خریدنی تھی وہ اس نے وہاں پر فوراً ہی نکال لی تھی۔ اب وہ مزید چند اور کتابیں دیکھ رہا تھا۔ اس وقت چونکہ اس سے ناراض تھا اس لیے اس سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ اسے نظرانداز کر کے کتابیں دیکھے جا رہا تھا۔ وہ سامنے والے شیلف میں لگی ہسٹری آف آرکیٹیکچر سے متعلق کتابیں دیکھنے لگی تھی۔ سول انجینئرز کو آرکیٹیکچر میں بہت زیادہ دلچسپی نہ بھی ہو تو بھی دلچسپی لینی پڑتی ہے جبکہ اسے تو قدرتی طور پر ہی آرکیٹیکچر اور خصوصیت کے ساتھ ہسٹری آف آرکیٹیکچر میں گہری دلچسپی تھی۔ وہ قدیم مصری آرکیٹیکچر پر ایک کتاب نکال کر دیکھ رہی تھی۔ وہ کتاب کے صفحات پلٹ کر اس میں موجود قدیم اور نایاب رنگین تصاویر اور نقشوں کو توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ جب اس نے عباد کو ایک دم تیزی سے اپنی طرف آتا دیکھا۔ وہ جو کتاب دیکھ رہا تھا' اسے ایک دم اس کی جگہ پر واپس رکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف آیا۔

"تمہارے ہاتھ میں کیا ہوا؟"

صبح دیر ہو جانے کی وجہ سے جلدی میں کپڑے استری کرتے اس کا ہاتھ جل گیا تھا۔ اس کے جس ہاتھ میں کتاب تھی اسی پر وہ جلا ہوا نشان اس کی کلائی پر نظر آرہا تھا۔ عباد نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس جلے ہوئے نشان کو بغور دیکھا۔

"وہ کپڑے آئرن کرتے جل گیا تھا۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"تم اتنی لاپروا کیوں ہو ہنیہ سجاد؟"

وہ تشویش سے اس کی جلی ہوئی کلائی کو دیکھتے ہوئے برہمی سے بولا۔ اتنا معمولی سا اس کا ہاتھ جلا تھا اور وہ اسے دیکھ اس طرح رہا تھا جیسے پتا نہیں اس کے کتنی خطرناک کوئی چوٹ ووٹ لگ گئی ہے۔

"اس پر کوئی آئن منٹ (مرہم) وغیرہ بھی نہیں لگایا تم نے؟"

"کم آن عباد! اتنا معمولی سا جلا ہے۔ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اسی لاپروائی سے بولی۔

"معمولی جلا ہے یا زیادہ مگر جلا تو ہے نا؟ تم اپنی کیئر کیوں نہیں کرتیں؟ چلو اب میں کتاب لے چکا ہوں۔"

وہ ناراض لہجے میں بولتا اس ہسٹری آف آرکیٹیکچر سیکشن سے باہر نکل آیا۔ وہ بھی اس کے ساتھ باہر آگئی تھی۔

"میں پے منٹ کر کے آتا ہوں۔ تم اوپر جا کر بیٹھو۔" عباد نے اپنے ہاتھ میں موجود کتاب کی طرف اشارہ کر کے اس سے سنجیدگی سے کہا۔ پے منٹ وغیرہ سب نیچے گراؤنڈ فلور کے کاؤنٹر پر ہوتی تھی۔ بک اسٹور کے سب سے اوپر والے فلور پر انٹیریئر ڈیزائننگ سے متعلق کتابوں کے سیکشن کے علاوہ ایک فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ بھی موجود تھا۔ عباد اس سے وہیں جانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ وہ جانے لگی تب عباد پیچھے سے اسی سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"کچھ آرڈر کر دینا میں دس منٹ میں آتا ہوں۔"

وہ اوپر آگئی اور آکر آئس کافی کا آرڈر کرنے کے بعد عباد

کا انتظار کرنے لگی۔ وہ دس نہیں پندرہ منٹ بعد واپس آیا تھا۔ وہ میز پر اس کے سامنے والی کرسی پر آکر بیٹھ گیا اور پھر اپنی جیب سے کچھ نکالنے لگا۔ وہ ایک آئنمنٹ تھا۔

"ہاتھ دکھاؤ۔" کارٹن میں سے ٹیوب باہر نکالتے ہوئے اس نے اس سے کہا۔ اس نے کچھ حیران سی ہوتے اپنی جلی ہوئی کلائی اس کے سامنے کردی۔ وہ اس کے لیے یہ آئنمنٹ خریدنے گیا تھا' اس لیے اسے دیر لگی تھی۔ ایسی ایسی وہ صبح شام اپنے کتنی چوٹیں لگاتی رہتی تھی' جلد بازی اس میں بھی اور جلدی کے چکر میں بھی ہاتھ جلا لینا' کبھی کہیں اور چوٹ لگا لینا تو جیسے اس کے لیے ایک معمول کی بات تھی۔ ایسے معمولی جلنے ولنے کو تو وہ کسی گنتی میں رکھتی ہی نہیں تھی۔ وہ حیرت سے عباد کو دیکھ رہی تھی۔ جو ٹیوب میں سے آئنمنٹ نکال کر اس کی جلی ہوئی کلائی پر لگا رہا تھا۔ ایک ڈیڑھ انچ سے زیادہ جلا ہوا نشان نہ تھا جس پر وہ آہستہ آہستہ آئنمنٹ لگا رہا تھا۔

"تکلیف تو نہیں ہو رہی؟" اس نے آئنمنٹ لگاتے ہوئے ہی سر اٹھائے بغیر پوچھا۔ ایک ٹک اس کے جھکے چہرے کو دیکھتے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ سر جھکائے عباد کو اس کا انکار میں ہلتا سر کیسے نظر آسکتا تھا۔ اس لیے اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ بغیر پلکیں جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اسے دن میں تین' چار بار لگا لینا۔ اس سے ٹھنڈک بھی پہنچے گی اور زخم جلدی ٹھیک بھی ہو جائے گا۔"

اس کے چہرے پر موجود تاثرات کو قصداً نظر انداز کرکے وہ اسی اکھڑے اکھڑے سنجیدہ انداز میں بولا اور ٹیوب کا ڈھکن بند کرکے اور اسے کارٹن میں دوبارہ ڈال کر آئنمنٹ اسے پکڑا دیا۔

"جلدی پیو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

وہ آئس کریم اور گرینڈ چاکلیٹ سے سجے اپنے آئسڈ کافی کے گلاس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اسی سنجیدہ اور خفا انداز میں اس نے گلاس اٹھا تو لیا مگر اس کا اب اسے پینے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ عباد نے چند گھونٹوں میں اپنا گلاس خالی کر دیا تھا۔ وہ دونوں بک اسٹور سے باہر نکل آئے' عباد کے ہاتھ میں بک اسٹور سے خریدی کتابوں کے دو شاپنگ بیگز تھے۔ اس نے کچھ کتابیں تو اس نے اپنے لیے بھی کتاب خریدنے کے لیے اٹھائی تھی شاید نے منٹ کے لیے نیچے جا کر اسے کچھ اور کتابیں بھی اچھی لگ گئی تھیں۔ اسے سب وے کے ذریعے اپنے گھر اور عباد کو بس کے ذریعے اپنے آفس جانا تھا۔ وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے سب وے اسٹیشن تک آگئے تھے۔

"یہ لو۔" عباد نے وہاں پہنچ کر اپنے ہاتھ میں موجود شاپنگ بیگز میں سے ایک اسے پکڑا دیا۔

"کیا ہے اس میں؟" شاپنگ بیگ اس کے ہاتھ سے لیتے اس نے پوچھا بھی اور ساتھ ہی اندر جھانکا بھی۔ قدیم مصری آرکیٹیکچر پر وہی کتاب تھی جو وہ ابھی کچھ دیر پہلے بک اسٹور میں دلچسپی اور محویت سے دیکھتی رہی تھی۔ اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ ابھری۔

"سنو ہم تو مجھ سے ناراض تھے؟"

"ناراض تھا نہیں' ناراض ہوں۔" وہ بس اسٹاپ کی طرف جانے کے لیے اس کے پاس سے مڑنے لگا۔

"تمہاری ناراضی ایسی ہوتی ہے تو راضی ہونا کیسا ہوگا عباد عذیر؟ ویسے تم ناراض ہو کس بات پر' دیر سے آنے اس بات پر یا میں نے اپنا ہاتھ جلایا اس بات پر؟" مسکراتے ہوئے اس کے قریب چلی آئی۔

"دونوں باتوں پر۔" وہ اس کی مسکراہٹ نظر انداز کرکے سنجیدگی سے بولا۔ وہ بس اسٹاپ کی طرف جانے کے لیے قدم اٹھا رہا تھا۔

"بوسٹن سے میں تمہیں فون نہیں کروں گا۔ اگلے تین چار دن میں بہت بزی ہوں۔"

"کوئی بات نہیں' میں کرلوں گی۔" اس نے پیچھے سے زور سے کہا تاکہ آواز اس تک واضح پہنچ سکے۔

"کوئی ضرورت نہیں۔ وہاں مجھے بہت کام ہیں' میں ڈسٹرب ہوں گا۔"

مڑے بغیر اس نے آگے چلتے چلتے اس کی بات کا جواب دیا تھا۔ اسے خدا حافظ کہنے اور مڑ کر اس کی طرف دیکھنے کی اس نے زحمت گوارا نہیں کی تھی' وہ بس اسٹاپ کی طرف چلا گیا تھا۔ اسے بس اسٹاپ کی طرف جاتا دیکھتے اس نے شاپنگ بیگ سے وہ کتاب نکالی۔ اس کتاب کو دیکھتے' اس کے ٹائٹل پر ہاتھ پھیرتے اس کے لبوں پر ایک دلفریب سی مسکراہٹ تھی۔ مسکراتے ہوئے اس نے کتاب کو کھولا' اس کے پہلے صفحے پر خوب صورت ہینڈ رائٹنگ میں لکھا تھا۔

"لاپروا لڑکی! میرے لیے ہی اپنی پروا کرلیا کرو۔ عالی!"

اس کے لبوں پر بکھری مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی تھی۔

آئنمنٹ اور کتاب سنبھالے سب وے اسٹیشن کی سیڑھیاں اتر رہی تھی تو اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ زمین پر نہیں آسمان پر چل رہی ہے۔ اسے خود اپنا آپ اتنا اہم' اتنا خاص لگ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات وہ اس کی تحفے میں دی اس کتاب کو پڑھ رہی تھی جب ڈیڑھ بجے کے قریب اس کا فون آگیا۔ وہ بوسٹن میں بہت مصروف ہوگا لہٰذا وہ اسے فون نہیں کرے گا اور وہ بھی اسے ہرگز فون نہ کرے' کا حکم صادر کرکے جانے کے بعد وہ اسے پہلی رات ہی فون کر رہا تھا۔

"تمہارا ہاتھ کیسا ہے؟" اس نے ہیلو کے بعد پہلی بات یہی پوچھی تھی۔ گویا فون ہوا ہی اس کی خیریت معلوم کرنے کے لیے تھا۔

"ہاتھ میں بہت تکلیف ہے عالی!" مسکراہٹ لبوں پر روکتے وہ انتہائی سنجیدگی سے بولی۔ وہ اس کی مسکراہٹ کو محسوس نہیں کر سکا تھا' اس لیے یک دم تشویش سے کہنے لگا۔

"تم نے آئنمنٹ نہیں لگایا ہوگا' مجھے پکا یقین ہے۔" اس کے لہجے میں کچھ برہمی بھی در آئی تھی جیسے اس کی لاپروائی سے تنگ آگیا ہو۔

"آئنمنٹ بھی لگایا' ڈاکٹر کو بھی دکھایا۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا آپ کا ہاتھ تو بہت خطرناک جلا ہے' اس کا تو لمبا علاج چلے گا' شاید سرجری کرنی پڑے۔"

"ویری فنی!" وہ اس کے مذاق پر چڑ کر بولا۔

"تم میرا معمولی سا ہاتھ جلنے پر اتنا پریشان ہو رہے ہو' اگر کبھی میں واقعی بیمار پڑ جاؤں تو کیا کرو گے؟"

"میں تمہیں بیمار پڑنے نہیں دوں گا۔" سنجیدگی و خفگی ترک کرکے اس بار وہ مسکراتے انداز میں بولا۔

"تم سب کی اتنی پروا کرتے ہو' یا مجھ میں کچھ اسپیشل ہے؟"

"کیا دل چاہ رہا ہے سننے کو؟ کیا مجھ سے پھر یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ مجھے تم سے بہت محبت ہے؟"

"کیا حرج ہے پھر سے کہہ دینے میں۔ ایسی بات تو جتنی بار بھی کہہ دی جائے' دل کو اچھی لگتی ہے۔"

"اوکے۔ تو پھر یہ سچا! مجھے تم سے بہت محبت ہے اور جن سے مجھے بہت محبت ہوتی ہے' میں انہیں تکلیف میں دیکھ نہیں سکتا۔"

"اور ان لوگوں میں کون کون شامل ہے۔ میرا مطلب ہے یہ فہرست کتنی طویل ہے؟"

"انتہائی مختصر۔ مما' پاپا اور تم۔" وہ اسے اپنے ماں' باپ کے بعد اپنی زندگی کا سب سے اہم فرد کہہ رہا تھا اور صرف کہہ نہیں رہا تھا۔ بلکہ اس کا ردِ عمل اور اس کے رویے اس بات کو ثابت بھی کر رہے تھے۔

"بک بہت اچھی ہے عالی! تھینک یو۔"

"تمہیں اچھی لگ رہی تھی' اسی لیے لی تھی۔"

"مجھے جو جو چیز اچھی لگا کرے گی' خرید کر دیا کرو گے؟" اس نے شرارت بھرے انداز میں پوچھا۔

"ہاں' ہر وہ چیز جو میری دسترس میں ہوگی۔" وہ سنجیدہ اور مستحکم لہجے میں بولا۔

گھڑی کی طرف اچانک اس کی نظر پڑی تو خیال آیا کہ اب گفتگو ختم کردینی چاہیے۔ وہ یقیناً بہت تھکا ہوا بھی ہے اور اسے کچھ دیر آرام کرلینا چاہیے پھر وہاں اس کی بہت زیادہ مصروفیات ہیں۔ اس نے اس سے یہ بات کہہ دی۔

"نہیں ابھی نہیں۔ ابھی کچھ دیر اور بات کرو۔" اس سے باتیں کرتے کرتے اسے نیند آنی شروع ہو گئی تھی۔

"عالی! مجھے نیند آرہی ہے۔" جمائیاں روکتے اور بند ہوتی آنکھوں کو کھولتے اس نے اس سے کہا۔

"تو سو جاؤ۔" اس کے اس جواب پر اسے یک لخت یہ احساس ہوا کہ وہ اتنی دیر سے اس کے سونے ہی کا منتظر تھا' وہ سو جائے گی' تب وہ فون بند کرے گا۔ اس کے لبوں پر بے ساختہ گہری مسکراہٹ بکھری۔ بات کتنی رومانٹک تھی' کتنی سوئیٹ سی تھی۔ وہ کسی کو بتائے تو وہ یقین نہ کرے' بلکہ اس کی کوئی بھی دوست یقین نہ کرے۔

"آج ایک بات تو کنفرم ہو گئی عباد عذیر! کہ تم اگر چاہو تو بھی مجھ سے ناراض ہونا تو کیا ناراض ہونے کی اداکاری تک نہیں کر سکتے۔" آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے عباد سے مسکرا کر کہا۔ وہ جواباً "اب کیا کہہ رہا تھا اسے ٹھیک سے سمجھ میں نہیں آرہا تھا' وہ واقعی سونے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

"میں وہاں بہت مصروف ہوں گا اور ایک بار بھی فون نہیں کروں گا۔" کا زبانی اعلان کرنے کے بعد اب وہ اسے

کال روزانہ کر رہا تھا۔

"آج تم نے میرے ہاتھ کی خیریت تو پوچھی نہیں؟" تیسرے روز رات میں جب بات ہوئی تب اس نے عباد سے کہا۔ اسے اس کا فکر کرنا اچھا بھی لگتا تھا اور ہنسی بھی آتی تھی۔

"اڑالو مذاق۔"

"مذاق نہیں اڑا رہی، تمہیں یاد دلا رہی ہوں۔" وہ ہنس کر بولی۔

"تمہیں قدر ہی نہیں ہے میری محبت کی۔" وہ کچھ خفگی سے بولا۔

"قدر تو بہت ہے۔ مگر میں یہ سوچ رہی ہوں کہ تم اتنی سی بات پر اتنا پریشان ہوگئے تھے اور اگر کبھی میں زیادہ بیمار ہوگئی تو کیا کروگے؟"

"یار! میں کیا کروں I cant help it۔ میں ایسا ہی ہوں۔ مما کہتی ہیں عالی! تم اتنا پریشان ہوجاتے ہو کہ تمہارے ڈر سے اکثر بیماری مجھے چھپانی پڑتی ہے۔ مجھے بے وقت لیٹا دیکھ لو تو پریشان ہوجاتے ہو' مجھے معمولی نزلہ' بخار ہوجائے تو ٹینشن سر پر سوار کرلیتے ہو' پر بنی! میں کیا کروں یار! میں ایسا جان کر نہیں کرتا۔ جن لوگوں سے مجھے شدید محبت ہے' میں انہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا' میں انہیں معمولی سا بیمار بھی نہیں دیکھ سکتا۔ پاپا کا چند سال پہلے ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا' تب میں ان کے سرہانے سے ہٹتا نہ تھا۔ یونیورسٹی' دوست' پڑھائی' زندگی مجھے کچھ اچھا نہ لگتا تھا۔ پاپا کہتے تھے۔ میں ان جیسے بہادر آدمی کا بیٹا لگتا ہی نہیں ہوں۔"

وہ سنجیدگی سے اپنی ایک کمزوری کا جیسے اعتراف کرنے لگا۔

"عالی! تم بہت اچھے ہو۔ یو آر سو سویٹ اپنی عمر کے دوسرے لڑکوں سے بہت مختلف۔ تمہاری عمر کا کوئی لڑکا میں نے تمہارے جیسا نہیں دیکھا۔ اتنا سینسنو اتنا لونگ اور اتنا کئرنگ تمہارے مما پاپا بہت لکی ہیں کہ ان کا تمہارے جیسا چاہنے والا بیٹا ہے۔"

"اور تم لکی نہیں ہو؟" اس کی سچائی سے کی تعریف کے جواب میں اس نے بے ساختہ پوچھا۔

"صرف لکی نہیں' میں lukiest گرل ہوں (خوش قسمت ترین لڑکی) ہوں اس دنیا کی۔"

"تھینکس تھینکس آج کے لیے اتنی تعریفیں کافی ہیں۔ میں آسمان پر چڑھنے لگا ہوں۔" وہ ہنس کر بولا۔

"سنو! تم واپس کب آؤ گے؟" کچھ دیر بعد جب اسے نیند آنے لگی تھی تب آنکھیں بند کرنے سے پہلے اس نے عباد سے پوچھا۔

"ایک دو دن میں' ان شاء اللہ۔"

"جلدی آؤ۔ میں تمہیں بہت مس کررہی ہوں۔"

"مس! لیکن ہم روز تو بات کررہے ہیں۔"

"روز تمہیں دیکھ تو نہیں رہی۔"

"تم اپنی آنکھیں بند کرو' میں تمہیں تمہارے بالکل سامنے نظر آؤں گا۔"

اس نے آنکھیں بند کیں اور وہ واقعی اسے اپنے بالکل سامنے نظر آنے لگا۔ اپنی خوب صورت ڈمپل والی مسکراہٹ لیے۔

"آیا نظر۔" اس کی آنکھیں بند تھیں اور آہستہ آہستہ وہ غنودگی میں بھی جارہی تھی۔

"ہاں۔"

"یہ میرا بہت آزمایا ہوا اور کامیاب طریقہ ہے۔ مما' پاپا جب مجھے بہت زیادہ یاد آتے ہیں تو میں کسی پرسکون اور خاموش سی جگہ جاکر آنکھیں بند کرکے بیٹھ جاتا ہوں یا لیٹ جاتا ہوں اور وہیں مما' پاپا میری نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں۔ تمہارے لیے اب تک تو کبھی ایسا کیا نہیں تھا' مگر آج عمل کرنے لگا ہوں۔"

وہ اس سے اسی بات پر بھی کچھ کہنا چاہتی تھی' پوچھنا چاہتی تھی مگر نیند کے غلبے نے اسے مزید بولنے نہ دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

Thanks giving کی چھٹیاں آرہی تھیں اور عباد لوٹا نہیں تھا۔ تین چار دنوں کے لیے گیا تھا اور ہوگئے تھے سات دن۔ وہ اسے بے تحاشا مس کررہی تھی۔ فون پر بات روز ہورہی تھی مگر فون اس کی موجودگی کا نعم البدل تو نہیں ہوسکتا تھا۔ اور اس روز تو اس کی عباد سے سرے سے بات ہی نہیں ہوسکی تھی۔ عباد کا فون آیا نہیں تھا اور اس نے فون کیا تو سیل آف ملا تھا۔ اگلے روز "تھینکس گیونگ ڈے" تھا۔

چھٹی کا دن تھا اور وہ رات بھر اسے شدت سے یاد کرتی رہی تھی۔ اس کی خیریت کے لیے متفکر بھی ہوتی رہی تھی۔ اس کا فون کیوں نہیں آیا تھا۔ آخر ایسی کیا مصروفیت

آگئی تھی جو اس نے اپنا سیل بھی آف کیا ہوا تھا۔ بوسٹن میں اس کا عباد سے رابطہ اس کے سیل ہی پر ہوتا تھا' جس جگہ وہ ٹھہرا تھا' وہاں کا نمبر اس کے پاس نہ تھا اور اب اسے رہ رہ کر اپنی اس غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ وہاں کا فون نمبر کیوں نہیں لیا۔

"یا اللہ! عباد بالکل خیریت سے ہو' وہ وہاں بالکل ٹھیک ہو۔"

پریشان ہوتے اور ساتھ ہی اس کی خیریت کی دعائیں مانگتے صبح چار ساڑھے چار بجے کہیں اس کی آنکھ لگی تھی۔ وہ بہت گہری نیند سو رہی تھی جب سوتے سوتے اسے ایسا لگا جیسے عباد اس کے پاس آیا ہے۔ وہ بہت گہری نیند میں تھی' مگر اس احساس نے اس کی نیند کو پل دو پل کے لیے توڑا تھا۔ نیند سے بوجھل' مندی مندی آنکھیں کھول کر اس نے اپنے اردگرد دیکھا' اس کا کمرہ خالی تھا۔ مکمل اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں دوبارہ بند ہو گئی تھیں' وہ پھر سو گئی تھی۔ اس بار وہ پتا نہیں کتنی دیر سوئی تھی' جب اس کی آنکھ کسی کے باتیں کرنے اور ہنسنے کی آوازوں سے کھلی۔ ان کے بڑے سے پینٹ ہاؤس میں وہ زندگی سے بھرپور آواز اور ہنسی اسے مدھم سی اپنے کمرے تک سنائی دے رہی تھی۔

"عالی!" وہ یک دم بیڈ پر سے اٹھی۔

باتھ روم جانا' منہ ہاتھ دھونا' لباس تبدیل کرنا' بال باندھ لینا ان میں سے کسی ایک بھی بات کا اسے دھیان نہیں آیا تھا۔ اس نے کاٹن کا سفید رنگ کا سلیپنگ ڈریس پہن رکھا تھا جس کی قمیص اور ٹراؤزر پر سرخ سرخ رنگ کی خوب ساری اسٹرابریز بنی تھیں۔ یہ اس کا فیورٹ سلیپنگ سوٹ تھا اور اس میں وہ اپنی عمر سے کہیں چھوٹی بالکل اسکول کی بچی نظر آتی تھی۔ اس کے خوب صورت انداز میں کٹے بال اس وقت اس کے شانوں اور ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے اور وہ آنکھیں ملتی بیڈ سے اٹھ کر سیدھی اپنے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

باتوں کی آواز اور کچھ پکنے کی خوشبوئیں کچن سے آرہی تھیں۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی کچن کی طرف آئی۔ وہ اسے دروازے کے باہر ہی سے نظر آگیا تھا۔ کل رات وہ اس کے لیے اتنی فکر مند تھی' پریشان رہی تھی کہ اس وقت اسے اپنے سامنے موجود دیکھ کر اس کا دل چاہا کہ وہ بھاگتی ہوئی جائے اور اس کے سینے سے لگ جائے۔ مگر وہ جانتی تھی عباد اس بات کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ وہ دونوں ساتھ کہیں باہر جاتے' ان کے اردگرد دوسرے کپلز کیا کیا کچھ نہیں کر رہے ہوتے تھے اور وہ باتیں کرتے کرتے اگر کبھی اتفاقاً عباد کا ہاتھ تھام لیتی تو وہ چند منٹوں کے بعد ایسے کہ وہ برا بھی محسوس نہ کرے' اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے الگ کرلیا کرتا تھا۔ اس معاملے میں اتنا زیادہ مشرقی اور شرمیلا قسم کا تھا کہ نہ لوگوں میں نہ اکیلے میں کبھی بے وجہ اس کا ہاتھ تک نہ تھامتا تھا۔ خود کو خوشی اور ایکسائٹمنٹ کے کسی بے ساختہ اظہار سے روکتے وہ کچن کے دروازے ہی پر رک گئی تھی۔

"عالی؟" عباد اور ماما جانی دونوں کچن میں موجود تھے۔ وہ دونوں کوکنگ رینج کے آگے کھڑے کچھ کر رہے تھے۔ کچن سے زبردست قسم کی کھانوں کی خوشبوئیں آرہی تھیں۔ اس کی آواز پر عباد اور ماما جانی دونوں نے گردن گھما کر اسے دیکھا تھا۔ اس کے حلیے کو دیکھ کر عباد کے چہرے پر مسکراہٹ اور ماما جانی کے چہرے پر ناگواری پھیلی تھی۔

عباد کو وہ اس سوئے سوئے انداز' الجھے بکھرے بالوں اور ڈھیلے ڈھالے بچکانہ سے لباس میں' جس میں ہنیہ سجاد جیسی دبلی پتلی لڑکیاں باآسانی سما سکتی تھیں بڑی پیاری بہت سوئیٹ اور بڑی کیوٹ لگی تھی جب کہ ماما جانی نے اس کے حلیے کو دیکھ کر اپنا سر پیٹ لیا تھا۔ اس فضول حلیے میں وہ عباد کے سامنے آرہی ہے' کہ کوئی معقول آدمی تو ایسی مست ملنگ لڑکی سے شادی سے اس لمحے ہی انکار کردے۔

"آیئے ہنیہ سجاد۔ آیئے۔" عباد نے اسی کے گھر میں اس کا خیر مقدم کیا۔

"تم کب آئے؟"

"جب لوگ ہاتھی گھوڑے سب بیچ کر سو رہے تھے۔" وہ مسکرا کر بولا۔ وہ ماما جانی کے گھورنے کے باوجود کچن کے اندر گئی۔ اپنے بکھرے بالوں کو ہاتھوں سے سمیٹتے ہوئے۔

"دیکھیں ماما جانی! یہ والی تو میں نے صحیح تلی ہے نا؟"

ماما جانی نے پیڑا اٹھا کر اسے بیلنے کی تیاری کرتے نظریں اٹھا کر برنر پر رکھی کڑھائی کو دیکھا جس میں پوریاں تلی جارہی تھیں۔ وہ بیل بیل کر پوریاں کڑھائی میں ڈال رہی تھیں اور عباد انہیں چھلنی والے اسٹیل کے چمچے سے خوب دبا دبا کر تلنے میں مصروف تھا۔

"ہاں یہ بالکل ٹھیک ہیں۔ پہلی والی تھوڑی کم تلی معلوم ہو رہی تھیں۔" وہ ان دونوں کے بالکل قریب چلی آئی تھی۔

"ہنیہ! پہلے منہ ہاتھ دھو آؤ بیٹا!" ماما جانی نے دانت پیستے بظاہر نرم انداز میں پوتی کو مخاطب کیا۔ اپنے گھورنے کا کچھ اثر نہ ہوتا دیکھ کر آخر کار انہیں یہ بات بولنی ہی پڑ گئی تھی۔ عباد نے پوریاں تلنا روک کر ایک نظر ماما جانی کو اور پھر ایک نظر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر شرارت بھرے تاثرات تھے اور وہ لب بھینچ کر اپنی مسکراہٹ کو دبا رہا تھا۔

"ہاں تب تک میں اور ماما جانی ہمارا آج کا یہ اسپیشل ناشتہ بھی تیار کرچکے ہوں گے۔ حلوہ پوری بمعہ آلو کی ترکاری اور کھڑے مسالے کا زبردست اور چٹ پٹا قیمہ۔" کسی ریسٹورنٹ کے شیف کی طرح اس نے اسے مینیو بتایا۔ صبح صبح اٹھنے کے ساتھ ہی اسے اپنے سامنے دیکھنے کی خوشی' حیرت' ایکسائٹمنٹ ان سب کو ساتھ لیے وہ واپس اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ اس نے نہانے اور لباس تبدیل کرنے میں سات آٹھ منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگایا تھا۔ وہ واپس کچن میں آئی اور ان دونوں کے پاس آکر کھڑی ہوئی تو عباد فوراً بولا۔

"یہ مہمان بن کر کھڑے ہونے کی نہیں ہو رہی۔ جلدی جلدی برتن لگاؤ ڈائننگ ٹیبل پر۔ گیارہ بج گئے ہیں اور اب مجھے اور ماما جانی کو شدید بھوک لگ رہی ہے۔ تمہاری طرح پونے گیارہ بجے سو کر نہیں اٹھے ہیں بلکہ صبح سویرے کے جاگے ہوئے ہیں۔"

ہنیہ نے میز پر برتن پہنچائے اور ٹیبل سیٹ کرنا شروع کردی تھی جبکہ ماما جانی اور عباد جلدی جلدی پوریاں تل تل کر ہاٹ پوٹ بھرنے میں مصروف تھے۔ وہ کھانا اچھا پکا لیتا ہے' یہ ہنیہ کو پتا تھا۔ عباد نے خود ہی اسے بتایا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اس کا ککنگ کا ہنر صحیح معنوں میں تو امریکہ آکر نکھرا ہے' یہاں آکر اکیلے رہنا پڑا اور سب کام خود کرنے پڑے تو کھانا پکانا اور بھی اچھا آگیا مگر امریکہ آنے سے پہلے وہ پاکستان میں بھی ہلکی پھلکی ککنگ شوقیہ کرلیا کرتا تھا۔ وہ صرف کھانے کا نہیں پکانے کا بھی شوقین تھا۔ وہ جب کراچی میں تھا تو اکثر اپنے مما' پاپا کو اپنے ہاتھوں سے ناشتا بنا کر کھلاتا تھا۔ وہ نیویارک آنے سے پہلے اپنی مما سے ڈھیر ساری ریسی پیز ایک ڈائری میں نوٹ کروا کر لایا تھا۔ وہ اپنی مما کی ریسی پیز کو ٹرائی کرتا اب خاصا اچھا کک بن گیا تھا۔

"روزانہ نہ باہر کا کھانا کھا سکتے ہیں جبکہ حلال حرام کا بھی مسئلہ ہے اور نہ ہی روز ہمیں کوئی کھانے پر بلا سکتا ہے تو بہتر یہی ہے خود پکانا سیکھ لیا جائے۔"

اکثر رات میں بات ہونے پر جب عباد سے پوچھتی کہ آج رات کے کھانے میں اس نے کیا کھایا تو وہ اپنے کچھ نہ کچھ پکانے کا ذکر کرتے اس سے یہ بات کہتا تھا۔ کئی مرتبہ بات کرتے ایسا ہوتا کہ گفتگو کے درمیان عباد اسے ہولڈ کروا کر جاتا۔

"میں ذرا سبزی میں چمچہ چلا آؤں یا میں ذرا دال میں بگھار لگا آؤں۔"

لہٰذا وہ اسے اتنی مہارت سے کھانا پکاتے دیکھ کر حیران نہیں ہو رہی تھی مگر ماما جانی کو شاید یہ بات آج پہلی بار پتا چلی تھی اس لیے خوش ہونے کے ساتھ تھوڑی حیران بھی تھیں۔ حیرانی اس کی مہارت پر تھی ورنہ پڑھنے کے لیے باہر آئے لڑکے جب سر پر پڑتی ہے تو مارے باندھے کچن کا رخ کرتے ہی ہیں۔ اپنا کھانا بھی خود پکاتے ہی ہیں۔

ناشتا سارا لگ چکا تھا اور وہ لوگ ڈائننگ ٹیبل پر آکر بیٹھ گئے تھے۔ اسے حلوہ پوری اتنی زیادہ پسند نہیں تھی جتنی عباد اور ماما جانی کو۔ وہ دونوں تو خوب مزے لے لے کر تمام چیزیں کھا رہے تھے۔ جبکہ وہ سدا کی ڈائٹ کونشس' یہ سوچ رہی تھی کہ ڈھیر سارے گھی میں تلی یہ پوریاں اور اصلی گھی اور مکھن اور پتا نہیں کیا کیا ڈال کر بنایا گیا سوجی کا حلوہ کھا کر اس کا وزن کہاں پہنچے گا۔

"نہیں ہو رہیں تم موٹی' ڈھنگ سے کھاؤ۔" عباد نے اس کی پلیٹ میں ایک پوری مزید ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ دیکھو' عباد میرے لیے لایا ہے۔" ماما جانی نے سامنے صوفے پر رکھا ایک شاپنگ بیگ اسے اشارے سے دکھایا۔ وہ ایکسائیٹڈ سی اٹھ کر گئی اور شاپنگ بیگ اٹھا کر دیکھا۔ اس میں ماما جانی کے لیے ایک اسکارف تھا' پرفیوم تھا اور سوئس چاکلیٹس کا ایک پورا ڈبا تھا۔ وہ ان چیزوں کو دیکھ کر مسکرائی۔ وہ ماما جانی کی پسند کے عین مطابق چیزیں ان کے لیے لے کر آیا تھا۔

"تم آئے کب تھے؟" وہ واپس کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آج صبح چھ بجے میں نیویارک پہنچا ہوں۔ گھر پر سامان رکھا' نہایا' کپڑے بدلے' تھوڑی دیر وقت گزرنے کا انتظار کیا۔ چھٹی کا یہ دن میرا اکیلے گزارنے کا ہرگز کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں راستے میں یہ ہی سوچتا ہوا آیا تھا کہ تم لوگوں کے ہاں آجاؤں گا۔ جب آٹھ بجنے لگے' تب میں نے سوچا

تم اٹھی ہو نہ اٹھی ہو' ماما جانی تو اب تک ضرور اٹھ چکی ہوں گی تو پھر بس فوراً" یہاں چلا آیا۔ تم سو رہی تھیں اور میں اور ماما جانی بور ہو رہے تھے تو میں نے ان سے کہا۔ چلیں ہم کچھ پکا لیتے ہیں۔ اب thanks givivg ہمارا تھوڑی ہے کہ ہم ٹرکی بنانے کھڑے ہوں۔ ہم تو اپنے دیسی کھانے بنائیں گے۔"

عباد نے اسے مفصل جواب دیا۔

"ناشتہ ہو گیا ہے ختم۔ اب میرا آج کے دن کا پروگرام سن لیں آپ لوگ۔ ہم تینوں آج کا یہ پورا دن نہیں باہر گھومتے پھرتے گزاریں گے۔ اور ماما جانی! آپ بالکل بھی منع نہیں کریں گی۔ آپ کو اکیلا چھوڑ کر میں اور ہنیہ کہیں نہیں جائیں گے۔"

ماما جانی کے انکار کے لیے کھلتے لب دیکھتے ہی عباد نے فوراً" کہا تھا۔

"آپ جلدی سے تیار ہو کر آجائیں۔ ہنیہ تو میرا خیال ہے تیار ہی ہے۔"

انہیں ساتھ لے جانے پر زبردستی آمادہ کر لینے کے بعد اس نے ان سے کہا۔ وہ ان کا اتنا فیورٹ تھا کہ وہ اسے ناراض کر نہیں سکتی تھیں' سو تیار ہونے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ اب ڈائننگ ٹیبل پر وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ماما جانی کے سامنے اس سے اس طرح بات نہیں کر پا رہی تھی جیسے کرنا چاہتی تھی اگرچہ کہ بیٹھی ہوئی تو اس کی برابر والی کرسی پر ہی تھی۔

ان کے چلے جانے کے بعد اس نے عباد کو بغور دیکھا۔ وہ بھی اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"کیسی ہو؟"

"تم نے کل فون کیوں نہیں کیا' میں اتنی پریشان ہو رہی تھی۔ اوپر سے سیل بھی آف۔" اس کی خیریت کا جواب دیے بغیر اس نے پوچھا۔

"میں نے سوچا' جب صبح یہاں پہنچ ہی رہا ہوں تو فون کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نے پتا ہے' کل ہی پروگرام بنا لیا تھا کہ آتے ہی صبح صبح تمہارے ہاں پہنچ جاؤں گا۔" وہ خوشگوار لہجے میں اسے بتا رہا تھا مگر وہ یک دم ہی برہمی سے بولی۔

"واہ! یہ اچھا ہے' تم نے وہاں بیٹھے خود ہی سب کچھ سوچ لیا' فیصلہ کر لیا اور میں جو یہاں ساری رات پریشان ہوتی رہی ہوں۔"

"پریشان؟ لیکن کیوں؟ میرا فون نہیں آیا اس بات پر۔" وہ اس کی حیرانی پر مزید چڑ گئی۔

"جی اسی معمولی بات پر۔ خون خشک ہو گیا میرا پریشان ہو ہو کر۔ دل میں اتنے برے برے خیال آ رہے تھے۔ خود فون نہیں کیا تو نہیں کیا' آخر سیل کس خوشی میں آف رکھا ہوا تھا۔" وہ اس بار حیران ہونے کے بجائے مسکرایا تھا۔

"تمہارے اس طرح لڑنے سے پتا ہے کیا لگ رہا ہے؟ ایسا لگ رہا ہے ہماری شادی کو دس پندرہ سال تو ضرور ہو ہی چکے ہیں۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا مگر وہ منہ پھلائے اسے گھور رہی تھی۔

"اوکے۔ غلطی میری ہے' مجھے فون کر دینا چاہیے تھا۔ پر مائی ڈیئر مس ہنیہ سجاد! مجھے یہ پتا نہیں تھا کہ آپ میرے فون نہ کرنے سے پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

"ہاں۔ پریشان ہونے کا سارا حق تو بس صرف تمہیں ہے۔ میرا ذرا سا ہاتھ جلا تھا تو خود نے اس قدر واویلا مچایا تھا اور میں دوسرے شہر گئے ایک بندے کے لیے جس کی کوئی خیر خبر' کوئی اطلاع مجھ تک نہیں پہنچ رہی' پریشان ہوں تو میرا مذاق اڑایا جائے گا۔"

عباد نے بات تو کوئی ایسی نہیں کہی تھی جس پر وہ رو پڑے ___ مگر بولتے بولتے ایک دم ہی اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں' آواز بھی بھرا گئی تھی۔

"ارے ارے۔ اچھا میری غلطی ہے۔ آئم سوری۔ آئم ایکسٹریملی سوری۔" وہ بری طرح بوکھلا گیا تھا۔

"رونا مت' دیکھو پلیز رونا مت۔ تم اپنے اسٹرابریز والے سلیپنگ ڈریس میں بغیر منہ دھوئے اچھی لگ سکتی ہو مگر روتے ہوئے بالکل اچھی نہیں لگو گی۔"

وہ شرارت بھرے لہجے میں بولتا اسے ہنسانا چاہتا تھا مگر وہ بجائے ہنسنے کے رو پڑی تھی۔

"کل تمہارا فون نہیں آیا تو میں پریشان ہو گئی تھی۔ میں تمہارے لیے بہت پریشان ہو گئی تھی عابی! مجھے خود پر غصہ آ رہا تھا کہ تم جہاں بھی ہو' میں نے تم سے وہاں کا نمبر نہیں لیا۔"

"آئم سوری۔" اس بار وہ سنجیدگی سے معذرت کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر نہ شرارت تھی نہ ہنسی۔

اس نے اسے رونے سے بھی منع نہیں کیا تھا' اسے خود ہی ایک دو منٹ بعد جب دل ذرا ہلکا ہوتا محسوس ہوا تو یہ احساس ہوا تھا کہ عباد کا مذاق اڑاتے اڑاتے وہ خود بھی اسی جیسی ہوتی جا رہی ہے۔ ایک دن اس کا فون نہ آنے کی اس کی اتنی معمولی سی بات کو ایشو بنا کے اس پر آنسوؤں کے دریا بہائے جائیں گے۔

"سوری۔ میں نے کچھ اوور ری ایکٹ کیا ہے۔" اس کے کندھے پر سے سر اٹھا کر شرمندہ سی آواز میں اس نے کہا۔

"لگتا ہے' میں بھی تمہارے جیسی ہوتی جا رہی ہوں۔" وہ نظریں جھکائے شرمندہ آواز میں کہہ رہی تھی۔

"تم میرا ہاتھ جلنے پر پریشان ہو رہے تھے بوسٹن سے فون کر کر کے میری خیریت پوچھ رہے تھے تو میں تم پر ہنس رہی تھی اور اب حرکتیں خود بھی ویسی ہی کر رہی ہوں۔"

"یہ تو اچھی بات ہے ناں ہنی! ذرا سوچو ہماری لائف کتنی انٹرسٹنگ ہو گی تم میرے لیے پریشان ہوا کرنا میں تمہارے لیے پریشان ہوا کروں گا۔ بس ماما پاپا کے لیے تھوڑی مشکل ہو جائے گی' پہلے صرف بیٹے کا بات بات پر پریشان ہونا اور ٹینشن لینا برداشت کیا کرتے تھے اب خیر سے بہو بھی ایسی ہی مل جائے گی تو سونے پہ سہاگا ہو جائے گا۔"

"میں تمہیں بہت مس کر رہی تھی' تین چار دنوں کا کہہ کر گئے تھے اور سات دن لگا دیے۔ اوپر سے کل جب تمہارا فون نہیں آیا تو میرا دل اتنا پریشان ہونے لگا تھا' اتنا گھبرا رہا تھا۔"

"ہم زبانی دعوا نہیں کرتے کہ تمہیں مس کر رہے تھے۔ ہم تو جناب ثبوت بہم پہنچانے صبح آتے کے ساتھ ہی خود بنفس نفیس آپ کے گھر پہنچ گئے ہیں' اس وقت جب ابھی محترمہ خواب غفلت سے بیدار بھی نہ ہوئی تھیں۔"

"تم نے آ کر مجھے اٹھایا کیوں نہیں؟" وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کے متبسم چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"میں آتے ہی ماما جانی سے سلام دعا کے بعد تمہارے کمرے میں آیا تھا' مگر تم اتنی گہری نیند سو رہی تھیں' میرا تمہیں جگانے کو دل نہیں چاہا۔ میں نے سوچا چلو محترمہ کو کچھ دیر اور سونے دیتے ہیں۔"

وہ عباد کے اس جواب پر حیران رہ گئی تھی۔ اسے صبح کسی وقت کی اپنی وہ کیفیت' وہ احساس یک دم یاد آیا تھا جب گہری نیند میں اسے اپنے قریب عباد کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ "تم میرے کمرے میں آئے تھے؟ واقعی؟"

"ہاں۔ اس میں اتنی حیرانی کی کیا بات ہے۔ بس دروازے سے ذرا سا اندر آیا تھا' ایک آدھ سیکنڈ وہاں رک کر یہ فیصلہ کرتا رہا کہ تمہیں اٹھا دوں یا سویا رہنے دوں۔ ایک دل چاہ رہا تھا فوراً" اٹھا کر بٹھا دوں اور دیکھوں مجھے اچانک سامنے دیکھ کر تم کیسے ری ایکٹ کرو گی اور ایک دل تمہیں اتنی گہری نیند سے اٹھانے کو بالکل نہیں چاہ رہا تھا۔"

اس نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔

"میں تمہیں ایک بہت عجیب سی بات بتاؤں عابی؟ تم یقین نہیں کرو گے' مجھے خود بھی یقین نہیں آ رہا ابھی تک۔ آج صبح مجھے وقت نہیں پتا مگر گہری نیند میں مجھے ایسا لگا تھا جیسے تم آئے ہو۔ میں اتنی گہری نیند سو رہی تھی اور اسی نیند میں مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ تم میرے قریب کہیں موجود ہو۔ میری آنکھ کھل گئی تھی عابی! سنو کیا تم نے مجھے آواز دی تھی' کیا کمرے میں کوئی شور ہوا تھا۔ کیا تم نے مجھے بلا کر یا آواز دے کر اٹھانے کی کوشش کی تھی؟" عباد بھی اسے حیرت ہی سے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔ میں تو تمہیں اتنی گہری نیند میں دیکھ کر دروازے سے بس ذرا سا اندر آیا تھا اور پھر وہیں سے پلٹ گیا تھا۔ اف میرے خدایا ہنی! لگتا ہے تمہیں مجھ سے واقعی سچی محبت ہو گئی ہے۔" جملے کا آغاز سنجیدگی سے کرنے کے بعد وہ اختتام پر پھر اپنے انداز پر لوٹ گیا تھا۔

"بدتمیزی مت کرو۔" شرمانے ورمانے کے شوق میں ہرگز مبتلا نہ ہونے کے باوجود وہ کچھ جھینپ گئی تھی۔ اس لیے فوراً" بات بدلتے ہوئے اس سے بولی۔

"تم میرے لیے کچھ نہیں لائے؟"

"میں عباد عذیر پورا کا پورا ثابت سالم جو تمہارے لیے آگیا ہوں۔ اتنے شان دار تحفے کے بعد کسی اور تحفے کی ضرورت ہے؟"

"باتیں بنانے کی نہیں ہو رہی ہے' کچھ نہیں لائے تو صاف صاف بتا دو نہیں لایا' فضول میں یہ ڈائیلاگز کیوں بول رہے ہو۔"

وہ کرسی پر سے اٹھ گئی تھی۔ ماما جانی تیار ہو کر آنے والی ہوں گی' وہ ان کے آنے سے قبل ناشتے کی میز سمیٹ دینا چاہتی تھی۔

وہ پورا دن ان تینوں نے ایک ساتھ گزارا تھا۔ چھٹی کا دن تھا' تہوار کا موقع تھا' اس لیے باہر ہر طرف خوب

گھما چکی تھی۔ باہر سردی خوب تھی۔ نومبر کے مہینے میں اتنی شدید ٹھنڈ تھی' لگتا تھا اس سال نیویارک میں سردیاں ہر مرتبہ سے زیادہ شدید آنے والی تھیں۔ وہ لوگ عباد کی گاڑی ہی میں گھومنے نکلے ہوئے تھے۔ شام سات بجے عباد نے انہیں ان کے اپارٹمنٹ ڈراپ کیا تھا۔

"یہ لو' تمہارے لیے۔"

عباد کو خدا حافظ کہہ کر وہ اور ماما جانی گاڑی سے اتریں تب عباد نے ایک شاپنگ بیگ گاڑی کی ڈکی سے نکال کر اسے پکڑایا۔ اس نے مسکراتے ہوئے وہ شاپنگ بیگ اس سے لے لیا۔ اسے پہلے ہی پتا تھا وہ یونہی بول رہا ہے' ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ عباد عذیر' ہنیہ سجاد کے لیے کچھ لیے بغیر یونہی خالی ہاتھ آگیا ہو۔ وہ ایک ویل آف فیملی سے تعلق رکھتی تھی۔ نیویارک کے جس علاقے میں جس پر آسائش اور شان دار پینٹ ہاؤس میں وہ اور ماما جانی رہ رہی تھیں اسے دیکھ کر ہی کوئی بھی ان کی مالی پوزیشن کا ایک لمحے میں اندازہ لگا سکتا تھا۔

اس کے پاپا نیویارک میں ایک کامیاب لائر رہے تھے' ایک بہترین فرم میں پارٹنر رہے تھے اور وہ اس کے اور ماما جانی کے لیے اتنا کچھ چھوڑ کر گئے تھے کہ اگر وہ پڑھائی ختم ہونے کے بعد کوئی جاب نہ بھی کرتی تب بھی بڑی اچھی زندگی گزار سکتی تھی۔ جب اللہ نے معاشی اعتبار سے اسے یہ خوش حالی دی ہوئی تھی تو وہ جب چاہتی اور جہاں سے چاہتی اپنے لیے کچھ بھی خرید سکتی تھی مگر خود خریدی ہوئی چیزوں کے مقابلے میں اسے عباد کی تحفے میں دی اشیاء زیادہ پیاری لگا کرتی تھیں۔ جو کتاب عباد نے اسے خرید کر دی تھی' چاہتی تو وہ خود بھی کھڑے کھڑے خرید سکتی تھی مگر عباد کے خرید کر دینے سے وہ کتاب انمول ہو گئی تھی' بہت خاص' بہت اہم اور بہت پیاری ہو گئی تھی۔

عباد کے سامنے اس نے تھینک یو کہتے صرف شاپنگ بیگ کے اندر ذرا سا جھانکا تھا' اس میں کچھ کپڑوں ٹائپ کی چیز نظر آرہی تھی۔ وہ اسے تسلی سے اوپر جا کر دیکھنا چاہتی تھی۔ اس نے اوپر آکر دیکھا تو وہ ایک ماڈرن اسٹائل کا پاکستانی لباس تھا۔ ڈارک گرین ٹراؤزر' لائٹ گرین اور ڈارک گرین پرنٹ کی قمیص اور لائٹ گرین دوپٹہ' قمیص اور دوپٹے پر ڈارک گرین رنگ کے دھاگوں سے بڑی نفیس کڑھائی ہوئی تھی۔

اس کے پاس اس طرح کے جدید انداز و فیشن کے چند پاکستانی ملبوسات تھے جنہیں وہ عید' بقر عید وغیرہ پر یا یہاں مقیم پاکستانی کمیونٹی کا کوئی فنکشن وغیرہ ہوتا تو اس میں پہن جایا کرتی تھی مگر اتفاق سے اس نے ابھی تک کبھی عباد کے سامنے پاکستانی ڈریس نہیں پہنا تھا۔ عباد اس کے لیے یہ کپڑے لایا تھا یعنی وہ اسے اس لباس میں دیکھنا چاہتا تھا۔ اسے پاکستانی ملبوسات میں کچھ خاص دلچسپی نہیں تھی پھر نیویارک کی شدید سردی میں پاکستانی لباس پہننا تھا بھی دل گردے کا کام مگر اب وہ سوچ رہی تھی کہ اسے اس طرح کے کپڑے پہننے کی عادت ڈال لینی چاہیے۔ ہر وقت نہ سہی تو کم از کم جب عباد سے ملتی ہے تب تو ضرور اسی طرح کے لباس پہننے چاہئیں جن میں وہ اسے دیکھنا چاہتا ہے۔

☆ ☆ ☆

"آخر یہ میری ہونے والی بھابی صاحبہ کب تشریف لائیں گی؟"

اس کے ساتھ کچن میں موجود عدیل نے نجانے کون سی ویں دفعہ یہ بات کہی۔ عباد میکرونی ابال رہا تھا جبکہ عدیل کچن میں رکھی میز پر چڑھ کر بیٹھا سوائے باتوں کے کوئی کام نہیں کر رہا تھا۔ عدیل سفیان اس کا سب سے قریبی' سب سے خاص اور بچپن کا دوست تھا۔ اسکول' کالج' یونیورسٹی وہ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہے تھے۔ ان دونوں میں اتنی دوستی تھی کہ ان دونوں کی فیملیز بھی اس دوستی کے سبب ایک دوسرے کے قریب آگئی تھیں۔ عدیل' عباد کے مما' پاپا سے اور عباد' عدیل کے والدین اور بھائی بہنوں سے بہت بے تکلف تھا۔ وہ دونوں دوست ایک دوسرے کے گھر بے تکلف جایا کرتے تھے۔ ان دونوں نے این ای ڈی سے ایک ساتھ انجینئرنگ کی تھی فرق صرف یہ ہوا تھا کہ عباد نے سول اور عدیل نے میکنیکل انجینئرنگ کی تھی۔ ایک ہی ساتھ پاس آؤٹ کر کے وہ دونوں اپنے اپنے متعلقہ شعبوں میں ایم ایس کرنے آگے پیچھے ہی امریکہ آگئے تھے۔

عدیل بوسٹن میں مقیم تھا۔ وہ وہاں بوسٹن یونیورسٹی سے ایم ایس کر رہا تھا۔ امریکہ میں الگ الگ جگہوں پر رہنے کے باوجود وہ دونوں ایک دوسرے سے ملنے کا موقع نکال ہی لیا کرتے تھے۔ پچھلے دنوں جو وہ اپنی ریسرچ کے حوالے سے بوسٹن گیا تھا تب عدیل ہی کے پاس ٹھہرا تھا۔ مما' پاپا سے پہلے وہ ہنیہ کے بارے میں اپنے کسی بھی جاننے والے کو کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا' ملوانے کا تو ذکر ہی کیا تھا۔ مگر ہوا کچھ یوں کہ جب وہ بوسٹن اس کے پاس جا کر ٹھہرا تو عدیل جیسا کائیاں اور چالاک اسے اتنی عقیدت اور محبت سے گھنٹوں کے حساب سے فون کے ساتھ مصروف دیکھ کر فوراً "کسی گڑبڑ" کے آثار بھانپ گیا۔ پھر تو جب تک اس نے اس سے ساری بات اگلوا نہ لی چین سے نہ بیٹھا۔ اور اب جب وہ تین چار روز کے لیے کسی ایگزیبیشن میں شرکت کے لیے نیویارک آیا ہوا تھا اور عباد ہی کے پاس ٹھہرا ہوا تھا تب عباد کے پیچھے پڑ گیا تھا کہ اسے ہنیہ سے ملوایا جائے۔ تب عباد نے اس ہفتے کی شام ہنیہ کو کھانے پر انوائیٹ کر ہی لیا تھا۔ ان دنوں اس کی اپنی پڑھائی کی مصروفیات کافی بڑھی ہوئی تھیں۔ اس لیے وہ گھر پر پکانے وکانے کا جھنجھٹ پالنے کے بجائے میزبانی کے فرائض نبھاتا' عدیل کو کہیں نہ کہیں باہر لے جا کر کھانا کھلا دیا کرتا تھا۔

آج کی یہ دعوت خاص عدیل ہی کے اصرار پر گھر پر ہو رہی تھی۔ وہ عباد کے باہر لے جا کر کھانا کھلانے کو اچھی میزبانی ماننے ہی سے انکاری تھا۔

"امریکہ آکر تیرا خون سفید ہو گیا ہے۔ میرے پاس آیا تھا تو میں کیسا تجھے مزے مزے کے کھانے پکا کر کھلاتا تھا اور تو۔ شرم کر عباد عذیر! شرم کر۔"

یہ الگ بات کہ طعنے دیتا اپنے کھلائے جن مزے مزے کے کھانوں کا وہ ذکر کر رہا تھا' وہ عباد کا دل ہی جانتا تھا کس طرح کے ہوتے تھے۔ عدیل سفیان انجینئر اچھا بے شک تھا' مگر کک انتہائی برا' خیر اس کے طعنوں' تشنوں سے تنگ آکر عباد نے آج کی اس زبردستی کی دعوت کا اہتمام کیا تھا جس کے مہمان عدیل سفیان اور ہنیہ سجاد تھے۔ وہ ابھی عدیل کو کوئی جواب دے نہیں پایا تھا کہ دروازے پر بیل ہوئی۔ "ہنیہ آگئی۔" وہ دروازہ کھولنے کے لیے جانا چاہتا تھا کہ عدیل جھٹ میز پر سے اترا اور اسے روک کر بولا۔

"دروازہ میں کھول دوں گا۔ تم کھانا پکاؤ۔"

اس کے گھورنے کو نظر انداز کرتا عدیل دروازہ کھولنے چلا گیا تھا۔ اس کے کچن سے اپارٹمنٹ کا مین دروازہ نظر آتا تھا' وہ گردن ترچھی کر کے اس طرف دیکھنے لگا۔ عدیل نے دروازہ کھول دیا تھا اور ہنیہ کے کچھ کہنے سے قبل ہی گرم جوشی سے بولا تھا۔

"السلام علیکم۔ میں عدیل سفیان ہوں' عباد کے بچپن کا دوست اور آپ یقیناً "ہنیہ سجاد" ہیں۔"

عدیل نے ہنیہ کے ہاتھ سے اس کی چھتری لے لی تھی اور اسے دروازے کے ساتھ ہی موجود چھتریاں ٹانگنے کی جگہ پر ٹانگ دیا تھا۔

"آیئے ناں' آپ اندر آیئے۔ بڑی خوشی ہو رہی ہے مجھے آپ سے مل کر۔"

آج باہر سردی تو شدید تھی ہی ساتھ تیز بارش بھی ہو رہی تھی' ہنیہ نے (اوور کوٹ) گلوز' سب کچھ پہن رکھا تھا پھر بھی اس کا چہرہ سردی کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ پہلی ہی ملاقات میں اس بے تکلفی سے ملتے عباد کے دوست کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے بھی آپ سے مل کر خوشی ہوئی ہے۔" ہنیہ نے گلوز اتارتے ہوئے عدیل سے کہا' وہ دونوں ساتھ چلتے اب کچن ہی کی طرف آرہے تھے' عباد ہنیہ کو دیکھ رہا تھا مگر ہنیہ جب تک تھوڑا آگے نہ بڑھ آتی اسے دیکھ نہیں سکتی تھی۔

"ویسے آپ چاہیں تو مجھے تم کہہ سکتی ہیں۔ عباد آپ کا بھی دوست ہے اور میرا بھی اور دوست کا دوست' دوست ہی ہوتا ہے۔"

ہنیہ کو شاید وہ اس طرح ایک سیکنڈ کے اندر اندر اس درجہ بے تکلفی کا مظاہرہ کرتا اچھا لگ رہا تھا تب ہی تو وہ مسکرا رہی تھی۔

"اوکے' میرے ابھی ابھی بنے دوست عدیل سفیان! کیا تم مجھے یہ بتا سکتے ہو کہ عباد کہاں ہے؟"

"وہ سگھڑ بچہ ہم دونوں کے لیے کھانا پکا رہا ہے۔ لاؤ یہ کوٹ میں ہینگ کر دوں۔"

ہنیہ نے گلوز کے بعد اپنا اوور کوٹ بھی اتار لیا تھا۔ وہ اپنا کوٹ اور گلوز کہیں رکھنا چاہتی تھی کہ سدا کے کام چور عدیل سفیان نے بڑی شائستگی اور مینرز کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے اپنی خدمات پیش کیں۔

"کمینہ نہ ہو تو۔" شام سے مجال تھی جو وہ ٹس سے مس بھی ہوا ہو' اس کی ذرا سی بھی مدد کرائی ہو اور اب کیسے اپنی خدمات آفر کی جا رہی تھیں جیسے ہنیہ خود تو اپنا اوور کوٹ کہیں رکھ نہیں سکتی تھی۔ عدیل کو گالیاں دے کر فارغ ہوا تو اب اس نے بھرپور اور تفصیلی نگاہ ڈالی تھی ہنیہ پر۔ اس نے سبز رنگ کا وہی ڈریس پہن رکھا تھا جو وہ ابھی بوسٹن سے اس کے لیے لے کر آیا تھا۔

اسے بے اختیار ہنیہ پر شدت سے پیار آیا۔ اس نے بوسٹن میں ایک پاکستانی بوتیک سے اس کے لیے یہ ڈریس خریدا تھا' یونہی اس کا دل چاہا تھا وہ اپنے ہاں کے کپڑوں میں اسے دیکھے۔ ہنیہ لباس بڑا باوقار قسم کا پہنا کرتی تھی۔ پہنتی بے شک وہ جینز' ٹراؤزر' شرٹس اور لانگ اسکرٹس بھی تھی مگر اس کا لباس باوقار ہوتا تھا' اس میں نہ بے حیائی ہوتی تھی نہ جسم کی کسی بھی انداز سے نمائش۔ بلکہ زیادہ تر وہ پینٹ شرٹ کے اوپر اتنے ڈھیلے ڈھیلے اور لمبے سوئٹرز پہنا کرتی تھی کہ دیکھنے والے یہ تک نہیں جان سکتے تھے کہ اس لڑکی کا فگر کیسا ہے' وہ کتنی دبلی' کتنی اسمارٹ یا کتنے متناسب سراپے کی مالک ہے۔

اسے ہنیہ سے محبت پہلے ہوگئی تھی اور اس کی خوبیاں اور اچھائیاں بہت بعد میں جاکر پتا چلی تھیں۔ جب وہ ہنیہ سجاد کے لیے بے اختیار اور بے بس کردینے والی محبت میں مبتلا ہوا تو یہ تک نہیں جانتا تھا کہ اس لڑکی کی نیچر اور مزاج کیسا ہے' وہ کس کردار کی حامل ہے۔ پاکستانی اوریجن رکھتی تھی پر وہ ایک امریکن لڑکی تھی اور یہاں اس نے صرف پاکستانی ہی کیا دوسرے اسلامی ملکوں سے تعلق رکھتی مسلمان لڑکیوں کو ہر وہ عمل کرتے دیکھا تھا جو خالص اور اصلی امریکن لڑکیاں کرتی نظر آتی تھیں۔ جس معاشرے میں پندرہ' سولہ سال کی لڑکیوں میں کنواری لڑکیاں تلاش کرنا کار محال ہو' وہاں وہ ایک امریکن لڑکی سے جو مسلمان بے شک تھی' محبت کر بیٹھا تھا اور جانتا نہیں تھا اس لڑکی کی زندگی کیسی ہے' اس کی آمد سے قبل اس لڑکی کی زندگی میں کون کون آچکا ہے۔ مگر ابھی اس کی ہنیہ سجاد سے دوستی بھی نہیں ہوئی تھی۔ ابھی وہ صرف دور دور سے ہی اسے دیکھا کرتا تھا جب اسے یہ خوشگوار احساس ہوا تھا کہ جس سے وہ بے اختیارانہ محبت میں مبتلا ہوا ہے وہ ایسی لڑکی ہے جسے وہ فخریہ اپنے ماں' باپ سے لے جاکر ملوا سکتا ہے۔

جب وہ پہلی مرتبہ ہنیہ کو اپنے اپارٹمنٹ لایا تھا اور وہ اندر آنے سے انکار کرگئی تھی' تب فوری طور پر اسے ہنیہ کا ایسا کرنا اپنے سچے اور خالص جذبوں کی توہین لگا تھا مگر کچھ ہی دنوں بعد جب وہ ہنیہ کو پرپوز بھی کرچکا تھا اور وہ اس کا پرپوزل قبول بھی کرچکی تھی اس نے اس بات کو دوبارہ سوچا تو اسے ہنیہ سجاد پر پیار آنے کے ساتھ ساتھ اس پر فخر بھی محسوس ہوا تھا کہ وہ کتنے مضبوط کردار' کتنے اعلیٰ کردار کی لڑکی تھی۔

وہ آج اس کے لیے' صرف اسے خوشی دینے کے لیے یہ لباس پہن کر آئی تھی' اسے اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ اتنی سخت ٹھنڈ میں اس نے یہ لباس اس کی خاطر پہنا تھا۔ وہ والہانہ نگاہوں سے اسے سرتاپاؤں دیکھ رہا تھا۔ اس نے قمیص کے اوپر سبز رنگ ہی کا سوئٹر پہن رکھا تھا۔ میک اپ اور جیولری سے وہ ہمیشہ کوسوں دور رہتی تھی پر آج وہ دیکھ رہا تھا کہ اس نے میک اپ بھی کر رکھا تھا اور زیور بھی پہنا ہوا تھا۔ دوپٹہ اوڑھنے کی اسے بالکل بھی عادت نہیں تھی مگر اس وقت اس نے شانوں پر اسی سوٹ کا ہلکے سبز رنگ کا دوپٹہ لیا ہوا تھا۔

دوپٹہ سنبھال کر سج سج چلتی وہ اس کے دل میں اتر رہی تھی۔ ہنیہ اور عدیل کچن کے قریب آگئے تھے۔ وہ اسے دیکھ کر بھرپور انداز میں مسکرائی تھی۔

''کیسے ہو عالی؟'' وہ دونوں کچن میں آگئے تھے۔

''ٹھیک۔ بارش بہت تیز ہورہی ہے' تم آرام سے پہنچ گئیں۔'' وہ ایک ٹک اسے دیکھتا اس سے مخاطب تھا۔

جب سے وہ دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی' اس نے ایک پل کے لیے بھی اس پر سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔

عدیل جو اسے بغور دیکھ رہا تھا' اس نے بلاوجہ کھنکار کر اسے اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہا۔

''چلو ہنیہ! ابھی کھانا تیار ہونے میں تو وقت ہے' جب تک عالی کھانا تیار کررہا ہے' اتنے میں ہم اندر چل کر کچھ گپ شپ کرلیتے ہیں۔'' عدیل' ہنیہ سے بولا۔ وہ جیسے کوئی کک یا شیف تھا' اس نے خار بھری نگاہوں سے عدیل کو گھورا۔

''میرا خیال ہے' باتیں یہیں کرلیتے ہیں۔ عدیل! ساتھ ساتھ عالی کی ہیلپ بھی کرادیں گے۔'' ہنیہ ان دونوں دوستوں کے بیچ کی بے تحاشا بے تکلفی سے آگاہ تھی نہ عدیل کی عادات سے' وہ ایسا عالی کے چڑانے اور تنگ کرنے کے لیے کہہ رہا ہے۔ اسے یہ بھی نہیں پتا تھا' وہ تو بس سنجیدگی سے جواباً یہ بولی تھی اور پھر اس کے قریب آگئی تھی۔

''لاؤ عالی! میں ہیلپ کراؤں' کیا کام رہ گیا ہے؟'' وہ کچن کے کاموں سے کوسوں دور رہنے والی لڑکی تھی' مارے باندھے کچن کا رخ کرنے والی اور اس وقت پوری طرح کام کرنے کے موڈ میں' اس کی مدد کرانے کے موڈ میں۔

uphoto.com

''میں کرلوں گا' تم ابھی آئی ہو' کچھ دیر بیٹھ جاؤ۔''

''تو میں کیا پیدل چل کر آئی ہوں۔ سلاد بنی ہے کیا؟'' اس نے بولتے بولتے میز پر رکھی سبزیوں کی طرف اشارہ کرکے پوچھا۔ عدیل خاموش کھڑا ایک نظر اسے دیکھ رہا تھا' ایک نظر ہنیہ کو۔ اسے اس کی ہونق اور حیرت بھری شکل دیکھ کر بڑا مزا آرہا تھا۔ امریکہ ہی میں پیدا ہوئی اور پلی بڑھی لڑکی سن کر پتا نہیں اس نے ہنیہ کے متعلق کیا خاکہ اپنے ذہن میں بنا رکھا تھا اور وہ ملاقات کے اولین لمحوں ہی میں اتنی زیادہ مشرقی ثابت ہورہی تھی۔

اس کے منع کرنے کے باوجود ہنیہ سلاد کے لیے سبزیاں کاٹنے لگی تھی۔ جتنی دیر میں اس نے میکرونی تیار کی' ہنیہ نے سلاد بنالی' اس کے بعد اس نے چکن لیگ' ڈیپ فرائی کرنے میں عباد کی مدد کرائی تھی۔ کام چوروں اور بے شرموں کی طرح ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر بیٹھے عدیل سفیان کو بھی آخرکار شرم آہی گئی تھی اور اس نے میز پر برتن لگانے شروع کردیے تھے۔ اس سارے عمل کے دوران عدیل اور ہنیہ کی آپس میں بات چیت بھی مسلسل ہورہی تھی۔ وہ خود جان بوجھ کر کم بول رہا تھا۔ عدیل کو ہنیہ سے ملنے کا' دوست کی پسند سے متعارف ہونے کا اتنا شوق تھا تو اب وہ چاہتا تھا عدیل' ہنیہ کی شخصیت کو پوری طرح جان جائے اور اسے اتنا ہی اچھا اور اتنا ہی منفرد سمجھے جتنی وہ حقیقت میں ہے۔ عدیل اور ہنیہ کی زیادہ تر بات چیت اپنے اپنے پروفیشن' سول انجینئرنگ اور میکینیکل انجینئرنگ پر ہورہی تھی۔ وہ پڑھائی میں تھی ہی بڑی زبردست۔ اپنے مضمون پر اسے پوری دسترس حاصل تھی چنانچہ وہ اپنی پی تلی گفتگو سے عدیل سفیان کو مرعوب و متاثر کررہی تھی۔ ایسی نازک کامنی سی لڑکی اور باتیں اتنی بھاری بھرکم' وہ دوست کے چہرے کے تاثرات کو انجوائے کررہا تھا۔

کھانے کے بعد اس کے ساتھ ساتھ ہنیہ نے بھی میز پر سے برتن اٹھانے شروع کردیے تھے۔ وہ ان برتنوں کو دھونے کے بھی موڈ میں تھی۔

''فار گاڈ سیک ہنیہ! میں نے تمہیں ڈنر پر انوائیٹ کیا تھا' گھر کے کام کروانے کے لیے نہیں۔ دھل جائیں گے یہ برتن' چھوڑو انہیں۔''

آج چونکہ بارش خاصی تیز ہورہی تھی' اس لیے کھانے کے بعد ہنیہ زیادہ دیر رکی نہیں تھی۔ وہ اپنا چاکلیٹ کلر کا اوورکوٹ اور گلوز پہنتے جانے کی تیاری کررہی تھی۔

عدیل اس پوری شام سارا وقت ان دونوں کے ساتھ موجود رہا تھا اور اسے ایک پل کے لیے بھی ہنیہ کے ساتھ اکیلے میں بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وہ اس کی تعریف کرنا چاہتا تھا۔ وہ آج بہت اچھی لگ رہی ہے' یہ بتانا چاہتا تھا مگر عدیل جان بوجھ کر سارا وقت اس کے سر پر سوار رہا تھا۔ ہنیہ دروازے تک آگئی تھی' وہ اس کے ساتھ نیچے تک جانا چاہتا تھا۔

''ہاں چلو ہم ہنیہ کو نیچے تک خدا حافظ کہہ کر آتے ہیں۔'' اسے بھی ہنیہ کے ساتھ دروازے سے نکلتا دیکھ کر عدیل فوراً بولا۔

''ہنیہ کو نیچے تک میں چھوڑ آؤں گا۔'' دانت پیستے اس نے دوست کو گھورا۔ بتیسی کی نمائش کرتا عدیل وہیں رک گیا تھا۔

''تمہارا دوست بہت اچھا ہے عالی! بہت جولی اور زندہ دل سا۔'' لفٹ میں داخل ہوتے وہ اس سے بولی۔ اس نے آج ہنیہ کو یہی کہہ کر انوائیٹ کیا تھا کہ اس کا بچپن کا اور بہت گہرا دوست عدیل سفیان اس سے ملنا چاہتا ہے سو وہ اس سے پوچھنے لگی۔

''میں ٹھیک سے تیار ہوکر آئی تھی ناں عالی! تمہارے دوست پر میرا امپریشن ٹھیک پڑا ہوگا نا؟''

''صرف ٹھیک! تم آج بہت اچھی لگ رہی ہو۔ ویسے مجھے تو تم اسٹرابریز والے سلیبنگ ڈریس میں بھی بہت پیاری لگتی ہو مگر آج میرا خیال ہے تم سب کو اچھی لگ رہی ہوگی۔''

وہ اس کے شرارتی انداز پر کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ وہ دونوں اس کے اپارٹمنٹ کی بلڈنگ سے نکل آئے تھے۔ اسے کیب کے ذریعے واپس جانا تھا۔ عباد نے اس کے چھتری کھولنے سے پہلے اپنی چھتری کھول لی تھی اور اس کے نیچے اسے پوری طرح لے لیا تھا۔ خود اس پر بارش کی چھینٹیں آرہی تھیں مگر ہنیہ پر اس نے بارش کا ایک قطرہ نہیں گرنے دیا تھا۔

''ممی' پاپا اور ماما جانی نے مجھے لاڈ پیار میں بالکل نہیں بگاڑا تھا مگر مجھے لگتا ہے تم مجھے Spoil کرکے ہی چھوڑو گے۔ مجھے بلاوجہ اپنے ناز' نخرے اٹھوانے کی عادت ہوتی جارہی ہے۔''

وہ اس پر چھتری تانے اس کا محافظ بنا کھڑا تھا اور وہ مسکرا کر اس سے کہہ رہی تھی۔ باقی ان شاءاللہ آئندہ ماہ)

ایک اتفاق ہنیہ اور عباد کو ایک دوسرے کے قریب لے آتا ہے۔ دونوں کی محبت میں بظاہر کوئی رکاوٹ نہیں۔ ہنیہ کی دادی ماما جانی سے بھی عباد کی دوستی ہو جاتی ہے۔ اسے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے کا فن آتا ہے۔ ہنیہ اپنے آپ کو اس کی محبت سے روک نہیں پاتی۔ عباد کا دوست عدیل' ہنیہ سے مل کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا' ہنیہ' عباد کے والدین کی جانب سے خدشات کا شکار ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۳
تیسری قسط

ایک ٹیکسی روکی' جب وہ رک گئی تب وہ اس سے بولا'

"میں تمہارے سارے ناز' نخرے بڑی خوشی سے اٹھاؤں گا ہنیہ سجاد۔" وہ ٹیکسی میں بیٹھ گئی تھی۔

ٹیکسی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تب وہ اندر جانے کے لیے واپس مڑا۔ اپنے اپارٹمنٹ واپس آیا تو عدیل لیونگ روم میں صوفے پر اوندھا لیٹا اسپرائٹ کا کین ہاتھ میں لیے ٹی وی پر فٹ بال کا کوئی میچ دیکھنے میں مگن تھا۔

"یہ نہیں ہوا کہ کچن سمیٹ دیتے۔ اول درجے کے کام چور ہو تم عدیل سفیان!" اس نے آگے بڑھ کر ٹی وی آف کر دیا۔

"میرے گھر میں نوکروں کی فوج نہیں ہے' شرافت سے کچن میں آؤ اور میرے ساتھ برتن دھلواؤ۔ پہلے تم جیسے پیٹو کے لیے پکاؤں' ٹھنساؤں اور پھر برتن مانجھوں' مجھے کیا نوکر سمجھ رکھا ہے۔"

اسے لتاڑتا وہ کچن میں آگیا۔ برے برے منہ بناتا عدیل اس کے پیچھے کچن میں آگیا تھا۔ وہ اسفنج کی مدد سے ایک سنک میں برتنوں پر ڈش واشنگ لیکوڈ لگاتا جا رہا تھا اور برابر والے دوسرے سنک میں عدیل انہیں پانی سے دھو دھو کر رکھتا جا رہا تھا۔ وہ اب منتظر تھا کہ عدیل' ہنیہ کے تعلق کوئی تبصرہ کرے گا' کچھ کہے گا مگر وہ گھما بنا ادھر ادھر کے موضوعات پر تبادلہ خیال کرتا برتنوں کو کھنگال رہا تھا۔

"عدیل! تمہیں ہنیہ کیسی لگی؟ وہ مما' پاپا کو پسند آئے گی نا؟"

اس کے گھنے پن سے ہار مانتے اسے خود ہی پوچھنا پڑا۔

عدیل اس کی طرف دیکھتا قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔ "مجھے پتا تھا اتنی دیر لگے گی اسی بات کی بے چینی ہو رہی ہے پر میں نے کہا عاشق صادق جب تک خود نہ پوچھیں گے خود سے ایک لفظ نہیں کہوں گا۔" عدیل ہنستے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یار! تو تو واقعی کام سے گیا۔ میں شروع میں سمجھا تھا یونہی کوئی چھوٹا موٹا سا افیئر ہے مگر تمہیں دیکھ کر تو لگ رہا ہے تم سانس بھی اسے دیکھ کر لیتے ہو۔ میں تھا تب اس پر سے نظریں نہیں ہٹ رہی تھیں' آنکھیں اسے دیکھ کر چودھویں کے چاند کی طرح چمکنے لگی تھیں۔ اکیلے میں خدا جانے کیا حال ہوتا ہوگا۔"

"میں نے تم سے یہ فضول بک بک کرنے کے لیے نہیں کہا' جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔"

وہ اپنا مذاق اڑائے جانے پر خفگی سے بولا۔

"تم اس سے بہت محبت کرتے ہو ناں عابی؟" اس بار ہنسی مذاق ترک کر کے عدیل نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں بہت زیادہ۔ اپنی زندگی سے بھی زیادہ۔ اسی لیے تو اس بات کے لیے فکر مند ہوں کہ وہ مما' پاپا کو پسند آجائے گی کہ نہیں؟ تم بتاؤ عدیل! بالکل سچائی سے' وہ مما' پاپا کو کیسی لگے گی؟"

ان دنوں اس کے لیے زندگی کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ ہنیہ اس کے مما' پاپا کو پسند آجائے گی کہ نہیں۔

"سو فیصد پسند آئے گی۔ جب بوسٹن میں تم نے مجھے ہنیہ کے بارے میں بتایا تو سچی بات ہے میں کچھ خاص خوش نہیں ہوا تھا' میں نے کہا۔ تم کس چکر میں پڑ گئے' پاکستانی اور یہیں والی امریکن لڑکی' مجھے تمہارے لیے یہ چیز مناسب نہیں لگی تھی۔ مگر ہنیہ سے مل کر مجھے اپنے تمام biased خیالات سے دستبردار ہونا پڑ رہا ہے۔ وہ واقعی بہت اچھی ہے۔ ہر لحاظ سے تمہارے قابل' تمہاری فیملی کے شایان شان' آنٹی' انکل کی اکلوتی بہو بننے کے لائق۔ اور جیسے تم احمقوں کی طرح اسے تک رہے تھے ایسے ہی وہ بھی تھوڑی تھوڑی دیر بعد تمہیں دیکھ رہی تھی۔ باتیں مجھ سے کر رہی تھی پر دھیان اس کا سارا وقت تم پر تھا۔ ہماری پاکستانی لڑکیوں کی طرح وہ behave کر رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا تمہیں ہاتھ پکڑ کر بٹھا دے اور کچن کا سارا کام خود نمٹا دے۔ ایسے مٹھاس بھرے لہجے میں تمہیں عابی کہہ رہی تھی کہ میں بلاوجہ تم سے جیلس ہوا جا رہا تھا۔ ایک لڑکی جو خوبصورت بھی ہے' ذہین بھی ہے' اعلا تعلیم یافتہ بھی ہے' اچھی عادات و مزاج بھی رکھتی ہے' اچھی فیملی سے تعلق رکھتی ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ آپ سے بہت زیادہ اور والہانہ محبت بھی کرتی ہے' عابی! ایسی لڑکیاں کہاں ملا کرتی ہیں؟ یہ ہنیہ سجاد تمہیں کہاں ملی تھی؟ اس کی کوئی چھوٹی بہن وہن ہے تو پلیز' مجھے اس سے ملوا دو۔"

وہ سرشاری و سکون سے مسکرا دیا تھا۔ ہنیہ اس کے لیے جو تھی' وہ تو تھی مگر ان دنوں اسے اصل فکر اپنے مما' پاپا کی تھی۔ ہنیہ انہیں کیسی لگے گی؟ وہ انہیں پسند آئے گی کہ نہیں؟ وہ چاہتا تھا جیسی والہانہ محبت ہنیہ سے وہ کرتا ہے' ویسی ہی محبت اس کے مما' پاپا کو بھی ہو جائے اس سے۔ عدیل کے کمنٹس نے اسے خوشی اور بھرپور سکون پہنچایا تھا۔

"اول تو اس کی کوئی چھوٹی بہن نہیں ہے' ایک ہی بہن ہے اور وہ اس سے کئی سال بڑی اور شادی شدہ ہے' دوسرے یہ کہ اگر ہوتی بھی تو وہ ہنیہ سجاد نہیں ہو سکتی تھی۔ اس دنیا میں ہنیہ سجاد صرف ایک ہی ہے اور وہ عباد عزیر کے لیے ہے۔" وہ کچھ مغرورانہ انداز میں بولا تھا۔

وہ دونوں برتن دھونے اور سکھانے کے عمل سے فارغ ہونے کے بعد اب عباد کے بیڈ روم میں آگئے تھے۔ جہاں عدیل' عباد کے کمپیوٹر اور پرنٹر پر کچھ کام کرنا چاہتا تھا۔

"کب ملواؤ گے تم آنٹی' انکل کو ہنیہ سے؟" پرنٹر میں صفحات لگاتے ہوئے عدیل نے اس سے پوچھا۔

"مما' پاپا کے نیویارک آنے کا ہو رہا ہے' ویسے ہو تو ان کے آنے کا پچھلے کئی مہینوں سے رہا ہے۔ پاپا آنے کی ڈیٹ کنفرم کرتے ہیں پھر ان کی کوئی مصروفیت آجاتی ہے۔ کوئی امپورٹنٹ کلائنٹ' کوئی اہم پروجیکٹ اور ان کا آنا ملتوی ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس بار میں پاپا سے تھوڑا ناراض ہوا تھا میں نے ان سے کہا کہ آپ کے ہائی اسٹینڈرز میں اس بری طرح پھنسا ہوں کہ کرسمس اور نیو ایئر کی چھٹیوں میں بھی پاکستان آنے کا سوچ تک نہیں سکتا اور آپ ہیں کہ اپنے آنے کو مسلسل ٹالے چلے جا رہے ہیں۔ خدا کے لیے اپنے اکلوتے بیٹے کے حال پر رحم کریں' آپ دونوں سے ملنے کے لیے میں ترس رہا ہوں۔ لہٰذا پاپا نے پکا وعدہ کیا ہے کہ وہ پوری کوشش کریں گے کہ کرسمس کی چھٹیوں میں اگر یہاں نہ بھی آسکے تو نیو ایئر پر تو ہر حالت میں میرے ساتھ نیویارک میں ہوں۔"

"پھر تو اب کم دن رہ گئے ہیں۔ دسمبر آدھا تو سمجھو گزر ہی گیا ہے۔"

"ہاں۔ اسی لیے تو میں بہت ایکسائیٹڈ بھی ہوں اور تھوڑا سا ڈر بھی رہا ہوں۔ حالانکہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہنیہ ایسی ہے کہ مما اور پاپا دونوں کو پہلی نظر ہی میں دل و جان سے پسند آجائے گی۔"

"وہ پاکستان میں سیٹل ہونے کے لیے تیار ہے؟"

"ہاں۔ صرف پاکستان کیا' وہ کہتی ہے وہ دنیا کے ہر اس حصے میں میرے ساتھ رہنے کے لیے تیار ہے جہاں میں رہنا چاہوں گا۔" اس نے فخریہ انداز میں جواب دیا۔

"عباد عزیر! میں تجھ سے جیلس ہو رہا ہوں۔" بیڈ پر اوندھے لیٹے اس نے اب اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

پاکستان رہنے اور پاکستان سیٹل ہونے کی بات پر اس کا دھیان خود بخود اپنے گھر کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ تصور کی آنکھ سے اپنے گھر کو دیکھنے لگا تھا۔ کراچی میں اس کا پیارا سا دہ گھر' شام کا وقت' اس کے گھر کا بڑا سا' خوبصورت سا لان' لان چیئرز پر مما' پاپا' ہنیہ اور وہ خود' کتنا مکمل تھا وہ منظر' بہت زیادہ وقت تو نہیں رہ گیا تھا اب اس منظر کو حقیقت بن جانے میں۔

"یہ اکیلے اکیلے کس بات پر مسکرایا جا رہا ہے؟" اس کے لبوں پر بکھری دلفریب مسکراہٹ دیکھ کر عدیل پوچھے بغیر رہ نہ سکا۔

"ہر بات بچوں کو بتانے کی نہیں ہوتی۔" آنکھیں بند کیے کیے ہی اس نے چڑانے والے انداز میں عدیل کو جواب دیا۔

"جاتے وقت لائٹ آف کر کے جانا۔" وہ کروٹ لے کر تکیے پر سر رکھ کر صحیح سے لیٹ گیا تھا۔ عدیل کچھ دیر بعد اپنا کام مکمل کر کے کمرے سے چلا گیا تھا۔ وہ بھی یقیناً برابر والے کمرے میں سونے کے لیے لیٹ چکا تھا۔ ہنیہ کو اپنے گھر کے مختلف حصوں میں مما' پاپا اور اپنے ساتھ گھومتے پھرتے اور چلتے دیکھتے اسے نیند آنے لگی تھی۔ اس کی آنکھ لگنے لگی تھی۔

"میں تمہیں ایک بہت عجیب سی بات بتاؤں عابی! تم

یقین نہیں کرو گے، مجھے خود بھی یقین نہیں آرہا ابھی تک۔ آج صبح مجھے وقت نہیں پتا مگر گہری نیند میں مجھے ایسا لگا تھا جیسے تم آئے ہو۔ میں اتنی گہری نیند سو رہی تھی اور اسی نیند میں مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ تم میرے قریب کہیں موجود ہو۔ میری آنکھ کھل گئی تھی عابی!"

ہنیہ کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ جس دن سے اس نے یہ بات اسے بتائی تھی وہ ہر روز دن سے نجانے کتنی بار اس بات کو سوچتا اور اس پر خوش ہوتا تھا۔ وہ لڑکی اسے اتنا چاہتی تھی۔ وہ گہری نیند سوتی' اپنے قریب اس کی موجودگی یوں پہچان گئی تھی جیسے عباد عذیر کے ساتھ اس کا دل کا نہیں روح کا رشتہ تھا۔

جس روح کے ساتھ اس کی روح نے ازل کی صبح ہمیشہ ساتھ رہنے کا وعدہ کیا تھا اس کی طرف خود بخود کھنچی چلی آئی ہے۔ جیسے وہ بس کسی ان دیکھی' ان جانی قوت کے زیر اثر اس کے قریب کھنچتا چلا جاتا ہے۔ یہ ایک روح کا دوسری روح کے ساتھ ازل کے روز قائم ہوا لافانی رشتہ تھا' اور انسانی فہم سے بہت بالاتر تھا۔

سنا ہے۔
زمین پر وہی لوگ ملتے ہیں' جن کو
کبھی آسمانوں کے اس پار
روحوں کے میلے میں
اک دوسرے کی محبت ملی ہو!

☆ ☆ ☆

"تو عابی کے پیرینٹس امریکہ آنے والے ہیں؟" لائبریری کے ریڈنگ روم میں اس کے ساتھ بیٹھی کیتھی نے اس سے پوچھا۔

"ہاں ابھی ڈیٹ کنفرم نہیں۔ لیکن دسمبر کے اینڈ یا جنوری کے شروع میں وہ لوگ یہاں آئیں گے' یہ بالکل کنفرم ہے۔"

ہنیہ ہی کے حوالے سے کیتھی اور مائیک کی بھی عباد کے ساتھ کافی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ دونوں عباد سے جب بھی ملا کرتے ان تینوں کی آپس میں خوب دوستانہ انداز اور بے تکلفی کے بات چیت ہوا کرتی تھی۔ کیتھی اپنی بچپن کی دوست کے لیے بہت خوش تھی' اسے عباد بہت پسند تھا۔

ہائی اسکول میں جب کیتھی سمیت ان کی کلاس کی کوئی لڑکی ایسی نہ تھی جس کا کوئی بوائے فرینڈ نہ ہو تب ہنیہ کو تنہا دیکھ کر کیتھی کڑھا کرتی تھی۔ یہ سیں تھا کہ ہنیہ کے ساتھ کوئی لڑکا ڈیٹ پر جانا نہیں چاہتا تھا' اس کے مسلسل انکار کے بعد تو لڑکے اس کی طرف اور بھی زیادہ متوجہ ہوا کرتے تھے۔ مگر اس کا ایک مستقل انکار' ایک مستقل نہیں۔ وہ اپنے مذہب پر کاربند رہی دوستوں کی پارٹیز میں' فنکشنز میں ہر جگہ تنہا رہتی' ہر جگہ تنہا نظر آتی۔ اور کیتھی اسے تنہا دیکھ کر کڑھتی یہ سوچنے لگتی کہ کہیں اس کی دوست ہمیشہ یونہی تنہا نہ رہ جائے۔ اور اب جب اس کی دوست کو وہ مل گیا تھا جس کے انتظار میں اس نے جونیئر اسکول' ہائی اسکول اور یونیورسٹی کے ابتدائی تمام سال بالکل تنہا گزار دیے تھے تب کیتھی اس کے لیے بہت خوش تھی۔ جس کے انتظار میں اس نے یہ تمام سال اپنی عمر کی باقی تمام لڑکیوں کے بر خلاف بالکل تنہا کاٹے تھے' وہ تھا اس قابل کہ اس کے انتظار میں عمر گزار دی جائے۔ وہ ہنیہ سے کتنی محبت کرتا تھا یہ تو کوئی پوچھنے اور بتانے والی بات ہی نہ تھی۔

ہنیہ اب کیتھی سے یہ بات کر رہی تھی کہ پتا نہیں وہ عباد کے والدین کے معیار پر پوری اتر سکے گی یا نہیں اور کیتھی اسے دوستانہ گرم جوشی سے یہ یقین دلا رہی تھی کہ وہ انہیں ضرور پسند آئے گی

"فرائی ڈے کو عابی آرہا ہے نا تمہارے ساتھ؟" کچھ دیر بعد کیتھی نے اس سے پوچھا۔ کرسمس ایو پر اس نے اپنے گھر پر پارٹی رکھی تھی جس میں اپنے تمام قریبی اور خاص دوستوں کو مدعو کیا تھا۔ کیتھی نیویارک میں تنہا رہ رہی تھی۔ پہلے اس کے والدین بھی یہیں تھے پھر جب اس کے والد ریٹائر ہو گئے تو وہ اور اس کی والدہ واپس کیلی فورنیا اپنے آبائی شہر لاس اینجلس منتقل ہو گئیں۔ اپنی تعلیم کی وجہ سے کیتھی یہیں رہ گئی تھی۔ اس نے اپنے گھر پارٹی میں ہنیہ کے ساتھ عباد کو بھی آنے کی دعوت دی تھی۔ خود اسے فون کر کے پارٹی میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ کیتھی کے بذات خود انوائیٹ کرنے کے باوجود بھی عباد کا وہاں جانے کا کچھ خاص موڈ نہ تھا۔

"یار! میں کیا کروں گا' تمہارے فرینڈز کی پارٹی میں جا کر۔ تمہاری کیتھی اور مائیک کے علاوہ میں وہاں کسی کو جانتا تک نہیں ہوں گا۔"

"وہاں میری سب فرینڈز اپنے بوائے فرینڈز کے ساتھ آئیں گی۔ کیتھی نے تو ان کے بوائے فرینڈز کو انوائیٹ بھی نہیں کیا تھا اور انہوں نے کہا کہ ہمیں انوائیٹ کر رہی ہو تو ہم پارٹی میں اکیلے تو ہرگز نہیں آئیں گے۔ عابی! میں وہاں

اکیلی جاؤں گی' تمہیں اچھا لگے گا؟ پلیز میرے ساتھ چلو۔ ...آج تک ان ہی فرینڈز کی پارٹیز میں ہمیشہ بالکل اکیلی گئی ...اپنی فرینڈز کی طرح میرے ساتھ کوئی ہوتا ہی نہیں ...جسے میں پارٹیز میں اپنے ساتھ لے جاسکوں' دوستوں ...سامنے تھوڑا سا اترا سکوں۔"

اس نے کہا اس بے ساختگی سے تھا جیسے اپنی کوئی بہت ...حسرت بیان کر رہی ہو کہ عباد قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"تو مجھے لے جانے کا مقصد دوستوں کے سامنے ...انا اور شو آف کرنا ہے۔"

"تم میرے ساتھ ہو گے تو مجھے اچھا لگے گا' میں پراؤڈ ...ل کروں گی۔ وہ سب تو صرف اپنے بوائے فرینڈز کو ساتھ ...ئی ہیں اور میرے ساتھ وہ آیا ہے جس نے مجھے پرپوز کیا ...ہے' جو مجھ سے شادی کرنے والا ہے۔ عابی! پلیز قارمائی ...یک!"

"اس طرح سے بول کر تو مجھ سے چاند پر چلنے کو کہو گی میں ...نے کے لیے کھڑا ہو جاؤں گا۔ اچھا جانا کتنے بجے ہے؟"

وہ اس سے اپنی بات منوا کر فخریہ مسکرائی تھی اور پھر ...نے چلنے کا ٹائم بتانے لگی تھی۔

"ہاں' عابی آرہا ہے۔" اس نے کیتھی کو مسکرا کر جواب ...تھا۔

کیتھی کے گھر پارٹی میں جانے کے لیے اس نے بڑے ...ہتمام سے تیاری کی تھی۔ اس بار جو عید گزری' اس پر ماما ...جانی نے اسے سیاہ رنگ کا ویلویٹ کا بہت خوب صورت ...ڈریس بنا کر دیا تھا۔ اپنی کسی جاننے والی سے وہ انہوں نے ...س کے لیے بطور خاص کراچی سے وہاں کے کسی مشہور ...ڈیزائنر کی بوتیک سے منگوایا تھا۔ ویلویٹ کا بلیک کلر کے ...نگرکھا اسٹائل کی اونچی سی قمیص' ویلویٹ ہی کا ٹراؤزر ...ٹ کے گلے' آستینوں اور دامن پر سلور رنگ کا کام ...بہت خوب صورت اور نازک سا کام بنا ہوا تھا۔ عید پر وہ ...ڈریس پہننے کا موقع نہیں مل سکا تھا مگر آج اس نے اسی ...ڈریس کا انتخاب کیا تھا۔ چونکہ ویلویٹ کا سوٹ تھا۔ اس ...لیے آج کے اس ٹھنڈے موسم کے لیے یہ ڈریس موزوں ...تھا۔ شوق نہیں تھا تو جیولری وغیرہ کا کوئی خاص ...کلیکشن بھی نہیں تھا۔ ماما جانی نے سے اپنا ایک سلور ...کا سیٹ نکال کر دیا تھا۔ سلور ہی کی چین میں سلور ...سے آراستہ نیکلس' ایئر رنگز اور انگوٹھی۔

...زندگی میں پہلی بار اس نے گہرے شیڈ کی لپ اسٹک لگائی تھی۔ آئی لائنر' مسکارے اور بلش آن کا استعمال کیا تھا۔ بالوں کو وہ آج دوپہر ہی ایک نئے انداز میں سیلون سے کٹوا کر آئی تھی۔ اس نئے ہیر کٹ میں اس کے بالوں کے قدرتی کرلز اور بھی اچھے لگ رہے تھے۔ آج سردی چونکہ بہت زیادہ تھی' اس لیے بڑے اہتمام سے اس نے اپنا سب سے قیمتی منک کوٹ اور منک ہیٹ پہنا تھا۔

ماما جانی کو خدا حافظ کہتی وہ عباد کے گھر آگئی تھی۔ کیتھی کا اپارٹمنٹ چونکہ عباد کے اپارٹمنٹ سے نزدیک تھا لہٰذا اس کے اور عباد کے بیچ یہی طے ہوا تھا کہ پارٹی میں جانے کے لیے وہ عباد کے گھر آجائے گی۔ دوپہر میں جب عباد اپنے اپارٹمنٹ کی بلڈنگ کے گراؤنڈ فلور پر واقع لانڈری روم میں لانڈری کے لیے آیا ہوا تھا' تب اس نے تمینہ کو فون کر کے اس سے پوچھا تھا کہ وہ آج کس کلر کے کپڑے پہن رہی ہے۔

"بلیک کلر کے" اس نے اسے بتا دیا تھا۔ وہ اس کے اپارٹمنٹ پہنچی تو عباد تیار ہو کر اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے بلیک کلر کا ڈنر سوٹ پہن رکھا تھا۔ جب تمینہ نے اسے پارٹی میں ساتھ چلنے کے لیے راغب کر لیا' پھر اس نے اس سے یہ وعدہ بھی لیا تھا کہ وہ پارٹی میں بہت اہتمام سے تیار ہو کر چلے گا۔

آج کیتھی کے ہاں پارٹی میں شریک لوگوں کو ان کی تیاری اور خوش لباسی کے حوالے سے مختلف خطابات

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
اماوس کا چاند
بشریٰ سعید
قیمت --- -/150 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

دیے جانے تھے۔ ان خطابات میں ایک خطاب "کپل آف دی ایوننگ" کا بھی تھا جو آج پارٹی میں شریک سب سے پرفیکٹ کپل کو دیا جاتا تھا۔ کیتھی اپنی پارٹیز میں ایسی ایکٹویٹیز ضرور رکھا کرتی تھی۔ باقاعدہ ایک باکس رکھ دیا جاتا تھا' جس میں لوگ اپنا اپنا ووٹ خاموشی سے ڈال دیا کرتے تھے۔ ایسا ہی آج بھی ہونا تھا۔

عباد نے اس وقت تو ہنسی مذاق میں اس کی ساری بات ٹال دی تھی مگر اس وقت وہ جس اہتمام اور جس نک سک سے درست بھرپور انداز میں تیار نظر آرہا تھا' اسے دیکھتے پتا چل رہا تھا کہ اس کی یہ بات کہ۔

"عالی! میں چاہتی ہوں آج پارٹی میں "کپل آف دی ایوننگ" ہم ہی دونوں قرار پائیں۔"

دل سے چاہے وہ اس کی اس فرمائش کو جتنا بھی بچکانہ اور امیچیور سمجھتا ہو' پر اس نے اس کی بات ٹالی نہیں تھی۔

"دیکھ لینا عالی! آج کپل آف دی ایوننگ ہم ہی ہوں گے۔" وہ بے تحاشا خوش اور ایکسائٹڈ تھا۔ عباد کے ساتھ کسی پارٹی میں جانا اسے بہت زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔ عباد اس کی ایکسائٹمنٹ پر مسکرا رہا تھا۔ وہ اس کی خاطر' اس کی خوشی کی خاطر اس کے ساتھ جا رہا تھا اور اسے خوشی دینا اسے ہمیشہ ہی کی طرح بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے عباد کو بتایا تھا کہ کیتھی نے گٹار کا بھی انتظام کر کے رکھا ہوا ہے اور اس نے خاص طور پر کہلوایا ہے کہ آج عباد پارٹی میں سب کو گٹار پر کچھ اچھی دھنیں ضرور سنائے۔ عباد نے اپنا کیمرہ ساتھ لے لیا تھا۔

"باہر کرسمس کی اتنی رونق ہے' پیدل چلیں نہ؟"

کیتھی کا اپارٹمنٹ عباد کے گھر سے نزدیک تو تھا' پر واکنگ ڈسٹینس۔ پر بھی نہ تھا۔ مگر کرسمس کے موقع پر نیویارک کی سڑکوں پر جو بے تحاشا رونق اور گہما گہمی ہوتی تھی' اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے پیدل چلنے سے زیادہ بہترین اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

نومبر کی آخری تاریخوں سے جنوری کی ابتدائی تاریخوں تک ہر سال نیویارک شہر سیاحوں سے بھر جاتا تھا۔ نومبر سے لے کر جنوری تک یوں لگتا جیسے شہر کی سڑکوں پر کسی جشن کا اہتمام ہے۔ چھوٹی بڑی تمام دکانیں سجی ہوئی' روشنیوں سے جگمگاتی ہوئی۔ ہر اسٹور' ہر شاپ کے باہر خوب صورت کرسمس ٹری سجے نظر آتے تھے۔

نیویارک شہر جو روشنیوں سے یوں بھی جگمگاتا رہتا تھا' کرسمس کے موقع پر اس کی رونقیں اور روشنیاں آنکھوں کو خیرہ کر دیا کرتی تھیں۔ عباد کے ساتھ ساتھ اس کا بھی یہی موڈ ہو رہا تھا کہ نیویارک کی سڑکوں پر کرسمس کی رونقوں اور ہنگاموں کو انجوائے کرتے کیتھی کے گھر پہنچیں۔ وہ دونوں باہر نکل آئے تھے۔ موسم بے انتہا سرد تھا۔ سب کچھ پہنے ہوئے ہونے کے باوجود بھی سرد ہوائیں جسم کے آرپار گزرتی محسوس ہو رہی تھیں مگر مجال تھی' جو یہ سخت ترین سردی لوگوں کے جوش و خروش اور تہوار کی رونقوں کو کچھ کم کر دیتی۔

وہ دونوں Lexington Avenue پر آگئے تھے۔ وہ سڑک کے دونوں اطراف موجود اسٹورز کو دیکھتے' وہاں کی رونق اور گہما گہمی سے لطف اندوز ہوتے آگے بڑھ رہے تھے۔ تہوار کی خوشی سے سرشار نیویارکرز اور سیاح ان اسٹورز میں داخل ہوئے اور وہاں سے نکلتے نظر آرہے تھے۔ بڑے بڑے اسٹورز کے باہر اور اندر خوب صورت کرسمس ٹریز نظر آرہی تھیں۔ اسٹورز کے باہر سرخ لباس اور سفید داڑھیوں والے گیٹ اپ میں سانتا کلاز کھڑے نظر آرہے تھے۔ جو ان اسٹورز میں گھستے اور وہاں سے نکلتے بچوں میں چاکلیٹس اور ٹافیاں تقسیم کر رہے تھے۔

عباد نے ایک اسٹور پہ رک کر کیتھی کے گھر لے جانے کے لیے کرسمس کیک' چاکلیٹس کا ایک باکس اور ایک فلاور شاپ سے پھولوں کا بڑا سا گلدستہ خریدا تھا۔ پھول اس نے پکڑ لیے تھے' باقی دونوں چیزیں عباد نے اٹھا رکھی تھیں۔ وہ دونوں اب نیویارک کی سب سے فیشن ایبل سڑک (میڈیسن ایونیو) پر آگئے تھے۔

یہاں Brand کونشس امراء تو بڑی تعداد میں نظر آتے ہی تھے مگر ساتھ ہی ونڈو شاپنگ کرتے وہ بے شمار افراد بھی جو ان جگہوں سے شاپنگ کرنا تو ہرگز افورڈ نہیں کر سکتے تھے مگر ان کی رونقوں سے لطف اندوز ضرور ہو سکتے تھے۔ میڈیسن ایونیو پر کرسمس کا بہت زیادہ اہتمام ہوتا تھا۔ یہاں کی رونق اور مختلف بوتیکس اور اسٹورز کی سجاوٹیں اور روشنیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہاں خاص کی چیز ان شاپس اور ڈپارٹمنٹ اسٹورز کی (ڈسپلے) ونڈوز تھیں' جنہیں کرسمس کے موقع پر بے حد خوب صورتی

سے سجایا جاتا تھا۔ بچے ان ونڈوز کے شیشوں سے ناک لگائے ان میں سجی اپنی من پسند اشیاء کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

"سال کا یہ واحد موقع ہوتا ہے جب نیویارکرز نائس اور فرینڈلی نظر آتے ہیں۔" عباد اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہنے لگا۔ وہ اسے چھیڑنے کے لیے اکثر اس طرح کی باتیں بولا کرتا تھا۔ وہ اسے چھیڑنے کو نیویارکرز کو Snob بولا کرتا' انہیں ہر لمحہ خود کو بہت مصروف پوز کرنے کا شوق ہے بولا کرتا اور وہ چونکہ ایک نیویارکر تھی تو برا مان کر جھٹ بولا کرتی۔

"بڑے شہروں کے بارے میں لوگ یونہی یہ غلط فہمی رکھتے ہیں۔ اصل میں بڑے شہروں میں رہنے والے تیز رفتار زندگی گزارتے ہیں۔"

ساڑھے سات بجے وہ دونوں کیتھی کے گھر پہنچے تو تقریباً تمام مہمان آچکے تھے۔ کیتھی نے گرم جوشی سے ان دونوں کا استقبال کیا۔ بنیہ کے ہائی اسکول کے دنوں کے وہ چند اچھے دوست جن سے اب کم کم اور ایسے کسی خاص موقع ہی پر ملنا ہوا کرتا تھا۔ پارٹی میں موجود تھے۔ وہ سب چونکہ آج عباد سے پہلی مرتبہ مل رہے تھے' اس لیے ابتدا تعارف اور رسمی خیر و عافیت ہی سے ہوئی تھی۔

کیتھی اسے اپنے گھر جب بھی مدعو کرتی ہمیشہ اس بات کا دھیان رکھا کرتی تھی کہ وہ اس کے لیے اس طرح کی حلال ڈشز کا اہتمام ضرور کرے' جنہیں وہ باآسانی کھا سکے۔

اس کے اپارٹمنٹ کا لیونگ روم اور ڈرائنگ روم مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ لیونگ روم میں ایک طرف بڑا سا اور بہت خوب صورت کرسمس ٹری سجا تھا۔

فل والیوم میں میوزک بج رہا تھا' قہقہے لگ رہے تھے اور مختلف لوگ کیتھی کے یاد دلانے پر وقتاً فوقتاً باکس کے پاس رکھی چھوٹی چھوٹی چٹس پر Best ویل ڈریسڈ مین' بیسٹ ویل ڈریسڈ لیڈی' لیڈی آف دی ایوننگ' جنٹل مین آف دی ایوننگ اور کپل آف دی ایوننگ کے ناموں کا اندراج کر کے اپنی اپنی پرچیاں باکس میں ڈالتے جا رہے تھے۔ چند من چلوں کا گروپ تیز میوزک پر ڈانس کرنے میں مشغول تھا۔ وہ اپنے اور عباد کے لیے پلیٹس میں کچھ ڈال کر لانا چاہتی تھی۔ عباد کو سب دوستوں سے ملوانے اور متعارف کرانے کی مصروفیت میں ابھی تک ان دونوں نے کچھ لیا ہی نہیں تھا۔

"عالی! کیا لوگے؟" وہ صوفے پر اس کے برابر سے اٹھنے لگی۔

"جو دل چاہے۔ میرے لیے بھی اپنی ہی پلیٹ میں ڈال کر لے آؤ۔"

وہ اٹھی اور میز پر سے ایک بڑی سی پلیٹ اٹھا کر اس میں اپنے اور عباد کے لیے کافی کچھ ڈال کر فورکس اور چمچے لے کر واپس آگئی۔ پلیٹ اس کے ہاتھ میں پکڑا کر وہ کولڈ ڈرنک لینے کے لیے جانے لگی۔

"کیا کولڈ ڈرنک بھی ایک ہی گلاس میں لے آؤں؟" اس نے تو مذاق میں پوچھا تھا مگر عباد نے سنجیدگی سے سر اقرار میں ہلایا۔ آج وہاں سب شیمپین اور ریڈ وائن پی رہے تھے' اسپرائٹ اور کوک کی بوتلیں کیتھی نے میز پر رکھی ہی ان دونوں کے لیے تھیں۔ اس نے بوتل میں سے ایک گلاس میں اسپرائٹ ڈالی اور واپس عباد کے پاس آگئی۔

"واؤ سو رومننک۔" وہ دونوں ایک ہی پلیٹ میں ساتھ بیٹھ کر کھانے اور باتیں کرنے میں اتنے مگن بلکہ اردگرد سے اتنے لاتعلق تھے کہ کیتھی کی مسکراتی آواز پر دونوں نے چونک کر سر اٹھایا۔

"اگر آپ دونوں برا نہ مانیں تو میں آپ دونوں کی ایک تصویر کھینچ سکتی ہوں؟ اصل میں تم دونوں اس وقت ساتھ بیٹھے مجھے اچھے بہت لگ رہے ہو۔"

"شیور۔" عباد نے مسکرا کر اسے اجازت دی۔ کیتھی نے ان دونوں کی طرف جھکی' ایسے جیسے کوئی رازداری کی بات ان سے کرنا چاہتی ہو۔

"باقی لوگ جسے بھی کہیں' پر میرے لیے میری پارٹی کا سب سے شاندار کپل تم دونوں ہو۔ وہ کپل جسے دیکھ کر دل میں پہلا خیال یہی آتا کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے بنائے گئے ہیں۔"

وہ دوست کے محبت بھرے تعریفی تبصرے پر کچھ فخریہ انداز میں مسکرائی تھی جبکہ عباد تھینکس کہتا بے ساختہ ہنسا تھا۔ کیتھی نے ان دونوں کی اسی انداز میں بیٹھے ایک تصویر کھینچ لی تھی۔ باہر ہلکی برف باری شروع ہوئی تو اندر پارٹی میں موجود تمام افراد نے زوردار تالیاں بجا کر اس برف باری کا خیر مقدم کیا۔

نیویارک میں ہر سال کرسمس پر برف باری نہیں ہوتی تھی' ایسا کبھی کبھی ہوتا تھا اور جب بھی کرسمس ایو اور کرسمس کے دن برف باری ہوتی لوگ یونہی جوش اور ولولے کے ساتھ اس برف باری کا استقبال کرتے۔ پارٹی اپنے عروج پر تھی' برف باری نے لوگوں کے جوش اور خوشی کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔ کیتھی نے شور وغل مچاتے تمام لوگوں کو خاموش کرا کے گٹار عباد کے ہاتھ میں لا کر پکڑا دیا تھا۔

اس نے۔
ایک خوب صورت اور مدھر دھن بجانی شروع کر دی تھی۔ وہ لوگ جو ہنگامے اور شور شرابے کے موڈ میں تھے اور ایک جگہ سکون سے بیٹھ کر گٹار سننے میں زیادہ انٹرسٹڈ نہیں تھے' وہ بھی آہستہ آہستہ اس کی بجائی خوب صورت دھن کے زیر اثر آتے جا رہے تھے۔ عباد نے اپنا کوٹ اتار کر تہمینہ کو دے دیا تھا' جسے وہ گود میں رکھے بیٹھی تھی' قمیص کی آستین کہنیوں تک فولڈ کی ہوئی تھیں اور ٹائی بھی قدرے ڈھیلی کر کے کمرے کے بیچوں بیچ ایک کرسی پر بیٹھا وہ دھن بجا رہا تھا۔ باہر ہوتی برف باری جو کیتھی کے اپارٹمنٹ کی بڑی بڑی ونڈوز سے صاف نظر آ رہی تھی' روئی کے گالوں کی طرح آسمان سے گرتی برف اور اندر ایک رومینٹک سی دھن۔ وہ دھن بجاتے ہوئے اسے دیکھتا رہا تھا جو چہرے پر مسکراہٹ سجائے بہت خوش بیٹھی تھی۔ وہ صرف ایک دھن سنانے بیٹھا تھا مگر وہاں موجود بنیہ کے دوستوں نے اصرار کر کے اس سے مزید بھی کئی دھنیں سنی تھیں۔

پارٹی ابھی اپنے جوبن پر تھی مگر چند لوگ چونکہ جانے کی اجازت مانگ رہے تھے تو کیتھی باکس کھول کر آج کون کس اعزاز کا حق دار قرار پایا ہے کا اعلان کرنے لگی۔ بنیہ کی خواہش کے عین مطابق "کپل آف دی ایوننگ" وہ دونوں ہی قرار پائے تھے اور وہ بھی بڑی غالب اکثریت سے۔

"آج یہاں دوسرے کئی کپلز ایسے ہیں جو تہمینہ اور عباد سے زیادہ خوش لباس اور خوش شکل ہیں مگر جو کیمسٹری ان دونوں کے بیچ نظر آ رہی ہے' جو ایک ہونے کا احساس ان دونوں میں ہے وہ اور کسی میں بھی نہیں۔"

کیتھی نے ان دونوں کو بیسٹ کپل قرار دینے کے بعد کہا تھا۔ عباد مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ پتا تھا وہ اس وقت مارے خوشی کے پھولی نہیں سما رہی ہے۔ اور وہ اس کے چہرے سے سمجھ گئی کہ وہ یہاں سے اٹھنا چاہ رہا ہے اس

لیے اس سے بولی تھی۔

"چلیں عالی؟"

"ہاں! تم یہاں ٹھہرو' میں گھر سے گاڑی لے آتا ہوں۔"

"گاڑی کی کیا ضرورت ہے' جیسے پیدل آئے تھے ایسے ہی چلیں گے سڑکوں پہ رونق دیکھتے ہوئے۔"

"اس وقت برف باری نہیں ہو رہی تھی ہنی۔ اب باہر برف پڑ رہی ہے' ٹھنڈ بھی یقیناً" زیادہ ہو گئی ہو گی۔"

وہ اپنے اپارٹمنٹ جا کر وہاں سے اپنی گاڑی لانے یا پھر نیچے سے کوئی کیب روکنے کے پوری طرح موڈ میں تھا مگر وہ ایسا بالکل نہیں چاہتی تھی۔ برف باری میں اس کا ہاتھ تھام کر روشن جگمگاتی سڑکوں پر چلنا کتنا رومانٹک تھا۔

"میں اتنی نازک نہیں ہوں عالی! اس موسم کی عادی ہوں۔ نیویارک کی سردیاں اور برف باری' میں اس میں پیدا ہوئی اور بڑی ہوئی ہوں۔ پلیز عالی! پیدل چلو نا۔ رات میں اس وقت برف باری میں پیدل چلنا اتنا اچھا لگے گا۔ پلیز!"

وہ اس کی پلیز سے ہار مان کر چپ ہو گیا تھا۔ عباد اس اسٹینڈ جس پر تمام مہمانوں کے اوور کوٹ ٹنگے تھے' وہاں سے اپنا اور اس کا اوور کوٹ اٹھا کر لے آیا تھا۔ جتنی دیر میں اس نے اپنا اوور کوٹ پہنا وہ اس دوران اس کا ہیٹ اور گلوز پکڑ کر کھڑا رہا۔ بنیہ کا ایک دوست جو اس منظر کو دور سے بیٹھا دیکھ رہا تھا' اس نے کیتھی کو جو قدرے دور کھڑی تھی زور سے آواز دے کر کہا تھا۔

"آج اور کچھ صحیح دیا گیا ہو یا نہیں Best کپل کا اعزاز بالکل درست جگہ پر دیا گیا ہے۔"

اس نے بنیہ سجاد اور عباد عذیر کی جوڑی کو جنت میں بنائی جوڑی قرار دیا تھا۔

"خوش ہو اب' تمہیں بیسٹ کپل کا ٹائٹل چاہیے تھا' وہ مل گیا۔"

سب کو خدا حافظ کر کے جب وہ دونوں باہر نکل آئے تب عباد نے اس سے پوچھا۔ رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے مگر نیویارک کی سڑکوں پر ابھی کرسمس کی رونقیں اور ہنگامے ذرا ماند نہیں پڑے تھے۔ برف باری اور سردی کی شدت نے بھی لوگوں کے ذوق و شوق اور ایکسائٹمنٹ کو کم نہیں کیا تھا۔

نیویارک کی ان جگمگاتی' خوب صورت سڑکوں پر برف باری میں چلنا اپنے آپ میں ایک بے حد خوب صورت تجربہ تھا۔ ابھی ہر چیز پر ہلکی ہلکی برف پڑنی شروع ہوئی تھی' صبح تک تمام سڑکیں' درخت' مکانات' بلڈنگز برف سے ڈھک جاتی تھیں۔ پورا شہر برف اوڑھے نظر آنے لگتا تھا۔ جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح کے حساب سے بدنام اس شہر میں عام دنوں میں رات کے وقت یوں پیدل چلنا خطرے سے خالی نہ تھا' مگر یہ کرسمس ایو تھا۔ باہر رونقیں ایسی تھیں' چہل پہل اس قدر تھی کہ کم از کم آج رات ایسے حادثات اور واقعات کا ہونا ناممکن تھا۔ آسمان سے گرتی نرم اور سفید برف جو ان دونوں پر ایک ساتھ گر رہی تھی' اس برف باری میں اس طویل سڑک پر عباد کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا' اس سے زیادہ حسین اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا' بنیہ سجاد جیسی رومانٹک لڑکی کے لیے۔

آج یہ موسم یہ برف باری زندگی کے سب موسموں سے زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔ اس کا دل چاہا تھا وہ عباد کا ہاتھ تھام کر چلے' اس نے آہستگی سے اپنے گلوز میں عباد کا ہاتھ تھام لیا تھا' اسے پتا تھا وہ دو تین منٹ بعد اس کے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ نکال لے گا۔ وہ ایسا نہیں چاہتی تھی' کاش آج' صرف آج کے دن وہ ایسا نہ کرے۔ زندگی کے ان خوب صورت اور یادگار لمحات کو وہ یونہی اسی انداز میں گزار تا رہنے دے۔ پھر اگلے سال تو وہ دونوں یہاں ہوں گے بھی نہیں۔ کراچی میں عباد کے گھر میں' غالباً" اس کے بیڈ روم میں بیٹھے نیویارک کی اس سرد ترین مگر بے حد رومینٹک رات کو یاد کر رہے ہوں گے۔ (میڈیسن ایونیو) پر واقع تمام بڑے اور چھوٹے اسٹورز پر ابھی بھی خریداروں کا رش تھا' وہ ان خوب صورت اور بڑے بڑے اسٹورز کے باہر سے ونڈو شاپنگ کرتے گزر رہے تھے۔ اسے ایک بڑے سے اسٹور میں باہر ڈسپلے پر بہت خوب صورت مردانہ شرٹس' ٹراؤزرز اور ٹائیاں وغیرہ ٹنگے نظر آئے تھے۔

"عالی! اندر چلیں؟" اس کے کہنے پر عباد اس کے ساتھ اندر آ گیا تھا۔ اندر آ جانے کے بعد اب وہ اسے اپنے اندر آنے کی وجہ بتا رہی تھی۔

"عالی! منع مت کرنا پلیز! ورنہ مجھے بہت دکھ ہو گا۔ دیکھو میں نے آج تک کبھی تمہیں غصے میں کچھ نہیں دیا' ہمیشہ تم دیتے ہو' میرا ابھی تو دل چاہتا ہے تمہیں کوئی گفٹ دینے کو۔ دیکھو یہ شرٹس مجھے اچھی لگ رہی ہیں۔ میں ان میں سے ایک تمہارے لیے خریدنا چاہتی ہوں۔" جس طرح ہر جگہ

خود پیسے خرچ کرتا اور اسے کہیں ذرا سے بھی پیسے خرچ نہ کرنے دیتا اس سے وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں عباد یہاں بھی منع نہ کردے۔ مگر وہ آج اس کے تمام اندازے غلط ثابت کر رہا تھا' اس نے سڑک پر اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا بلکہ اب کافی دیر بعد جب وہ اسٹور میں آئے تھے۔ تب اسٹور کے اندر آکر اپنا ہاتھ الگ کیا تھا اور اس نے اس سے تحفہ لینے سے بھی انکار نہیں کیا تھا۔

"دل چاہتا ہے تو دیتی کیوں نہیں ہو گفٹ! میں تو اکثر یہ سوچا کرتا ہوں کہ یہ ہنیہ بڑی کنجوس لڑکی ہے اس نے آج تک کبھی مجھے گفٹ میں کچھ نہیں دیا۔"

وہ مبسم نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ یکدم بہت خوش ہو گئی تھی۔ خوشی سے سرشار ہوتے وہ ہینگرز میں ٹنگی شرٹس دیکھنے لگی۔

"عابی! تمہیں کون سا کلر اچھا لگ رہا ہے؟ یہ بلیو یا وہ فان؟" اس نے دو ڈیزائن شرٹس کی جانب اشارہ کیا۔

"فان۔" وہ شرٹس سے زیادہ اس کی خوشی سے تمتماتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"عابی! مجھے بلیو زیادہ اچھی لگ رہی ہے۔ تم پر بلیو کلر بہت زیادہ سوٹ کرتا ہے۔" اس نے جیسے ایک الجھن عباد کے سامنے رکھی مگر وہ فوراً" ہی بولا۔

"نو پرابلم۔ ہم بلیو ہی لے لیتے ہیں۔"

"پر تمہیں فان زیادہ اچھی لگ رہی ہے نا؟" اسے بلیو شرٹ زیادہ پسند آرہی تھی مگر وہ عباد کی پسند کو بھی مقدم رکھنا چاہتی تھی۔

"مجھے ہر وہ چیز سب سے زیادہ اچھی لگتی ہے جو ہنیہ سجاد کو اچھی لگتی ہے' اب تو یہ بلیو شرٹ ہی خریدی جائے گی۔" اس نے وہ شرٹ اٹھالی تھی اور پیچھے کھڑے سیلز گرل کے سپرد کرتا اس کے ساتھ کاؤنٹر کی طرف پے منٹ کے لیے آگیا۔

"پیسے میری فیانسی دے گی۔ یو نو یہ میرا نیو ایئر گفٹ ہے۔"

وہ کاؤنٹر پر کھڑے اطالوی کیشیئر کو بتانے لگا۔ اس کی فخریہ انداز میں دی جانے والی اس اطلاع پر وہ درمیانی عمر کا اطالوی بندہ مسکرایا تھا' ساتھ ہی اس کی فیانسی کے اتنا اچھا تحفہ دینے پر اسے سراہا بھی تھا۔ جبکہ وہ عباد کی اس حرکت پر جھینپی اور پھر مسکرائی۔ وہ اس شرٹ کو اچھے سے ریپنگ پیپر میں پیک کرواتا اور اس پر خوب صورت سا ربن بھی بندھوانا چاہتی تھی مگر عباد نے منع کر دیا تھا۔

"تم اس پر مجھے کچھ لکھ کر دو۔ تاکہ میں اسے جب بھی پہنوں یہ یاد آجائے کہ یہ تم نے دی ہے۔"

کاؤنٹر کے سامنے سے ہٹنے کے بعد وہ اس سے بولا۔

"شرٹ خراب ہو جائے گی۔" وہ متامل سی ہوئی۔

"Just your signatures اندر کی طرف چھوٹا سا کچھ لکھ دو۔" عباد نے شاپنگ بیگ میں سے ڈبا اور ڈبے میں شرٹ نکال کر اسے پکڑائی اور پھر اپنی جیب سے قلم نکال کر اسے دیا۔

"نہیں خراب ہو گی یار! اندر کی طرف بالکل چھوٹا سا لکھ دو۔ یہ لیبل پر لکھ دو۔" اسے گومگو کی کیفیت میں دیکھ کر وہ بولا' ساتھ لکھنے کے لیے جگہ بھی بتادی۔

ہنیہ نے کالر کے نیچے پشت پر جہاں اس مشہور ڈیزائنر کا لیبل لگا تھا جس کی ڈیزائن کردہ یہ شرٹ تھی اس پر To Aabi Love Honey کے الفاظ انتہائی چھوٹی اور باریک لکھائی میں لکھ دیے۔ عباد بڑی خوشی خوشی اس شرٹ اور اس پر لکھی گئی تحریر کو مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔

"اب یہ گفٹ ہمیشہ کے لیے یادگار ہو گیا ہے۔" وہ اب شرٹ کو تہہ کر کے واپس ڈبے میں ڈال رہا تھا۔ اسٹور میں ان دونوں کے علاوہ بھی کئی لوگ موجود تھے اور اپنی اپنی شاپنگ میں مصروف تھے۔ وہ سر پہ اپنے منک ہیٹ کو ٹھیک کر رہی تھی' جب عباد اس سے بولا۔

"آؤ ہنی! میں تمہاری ایک تصویر کھینچوں۔"

شاپنگ بیگ اپنے پیروں کے پاس رکھ کر اس نے کیمرہ سنبھال لیا۔ اس نے آج پارٹی میں ہنیہ کی کئی تصویریں کھینچی تھیں۔ وہ اس انداز اور اس لباس میں اسے اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ بے اختیار دل چاہا تھا اس کی ایک اور تصویر کھینچے۔ وہ عباد کے کہنے پر اسٹور کی بڑی سی ڈسپلے ونڈو کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ عباد نے کیمرہ آنکھ سے لگایا اسٹور روشنیوں سے جگمگا رہا تھا ہنیہ کے چہرے پر اس طرح روشنی پڑ رہی تھی کہ تصویر بہت اچھی کھنچ سکتی تھی۔ اس نے اسے اس بڑے سے شیشے کی کھڑکی کے سامنے اس لیے کھڑا کیا تھا کہ یہاں سے باہر سڑک کا منظر بھی نظر آرہا تھا۔

وہ تصویر میں ہنیہ پر فوکس رکھتے بیک گراؤنڈ میں گرتی ہوئی برف کو بھی لانا چاہتا تھا جو باہر سڑک پر روشنیوں کی

چکاچوند کے سبب تصویر میں نظر آرہی تھی۔ اس تصویر میں ہنیہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اپنی عمر سے بہت چھوٹی اور بہت مختلف لگ رہی تھی۔

"اب ہم دونوں ساتھ ساتھ ایک تصویر کھنچوائیں۔" عباد یہ بولتے ہوئے اس اطالوی کیشیئر کے پاس چلا گیا۔ جو فی الوقت فارغ کھڑا تھا اور اس سے درخواست کی کہ وہ ان دونوں کی ایک تصویر کھینچ دے۔ عباد خود بھی اس کے ساتھ اس جگہ کھڑا ہو گیا تھا' جہاں ابھی ہنیہ نے اکیلے کھڑے ہو کر تصویر کھنچوائی تھی۔

"Nice Couple۔" تصویر کھنچ جانے کے بعد جب عباد نے اس اطالوی کا شکریہ ادا کیا' تب اسے کیمرہ لوٹاتے اس نے مسکرا کر ان دونوں کو اپنے تعریفی تبصرے سے نوازا۔

"اب تو تم اور بھی خوش ہو گی۔ آج ہر جگہ تمہیں یہی کمنٹس اور یہی ٹائٹل مل رہے ہیں۔"

وہ دونوں اسٹور سے باہر نکل آئے' تب عباد اسے چھیڑنے لگا۔

"ہاں بہت خوش ہوں۔" اس نے مغرورانہ انداز میں گردن اکڑائی۔

"صبح تک تو یہ ساری سڑکیں اور سب درخت برف سے ڈھک چکے ہوں گے۔" اس کا ہاتھ تھام کر چلتے ہوئے عباد نے سر اٹھا کر آسمان سے گرتی برف کو دیکھا۔ اسٹور سے باہر نکلتے ہی عباد نے از خود اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس کا ہاتھ تھام کر چند قدم چلتے ہی اسے عباد کے ہاتھ پکڑنے کی وجہ سمجھ میں آگئی۔ اس نے موسم کے لحاظ سے بند جوتے پہنے ہوئے تھے مگر آخر فیشن بھی کسی چڑیا کا نام ہے سو ہائی ہیل والے بند جوتے پہننے سے وہ خود کو روک نہیں سکی تھی۔

وہ اپنی ہائی ہیل کے سبب برف پر پھسل نہ جائے' اس کے کوئی چوٹ نہ لگ جائے' اس لیے اس نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ وہ اس کا کس طرح خیال رکھا کرتا تھا' جیسے وہ کوئی چھوٹی سی بچی ہے کانچ کی گڑیا ہے' اپنے لیے اس کی یہ پروا' یہ فکر اسے بے انتہا اچھی لگ رہی تھی۔

"کاش نیویارک میں سارا سال برف باری ہوا کرے' کم از کم اس بہانے عباد عذیر نے میرا ہاتھ تو پکڑ لیا۔"

دل میں جو بھی خوشی محسوس کی تھی' پر زبان سے وہ اسے چھیڑنے سے باز نہ رہی تھی۔

"تمہاری فرمائش پر آج میں تمہارے ساتھ چلا گیا' ہم نے پوری شام ساتھ گزاری' خوب انجوائے بھی کر لیا' اب میرا خیال ہے ان تفریحات کو ختم کر کے پڑھائی کے متعلق کچھ سیریس ہو جاؤ' تمہارے ایگزیمز سر پہ ہیں۔" اس کی شوخی اور شرارت کے جواب میں وہ سنجیدگی سے بولا۔ وہ دونوں اب عباد کے اپارٹمنٹ کے کافی نزدیک پہنچ چکے تھے۔

"اتنا تو پڑھتی ہوں میں عابی۔"

"کوئی نہیں پڑھ وڑھ رہیں۔ روز تمہیں ملنا ہوتا ہے' روز تمہیں گھنٹوں فون پہ باتیں کرنا ہوتی ہیں۔ روز تمہیں ملنا ہوتا ہے' روز تمہیں گھنٹوں فون پہ باتیں کرنی ہوتی ہیں۔ ذرا سوچو تمہارا رزلٹ پہلے جیسا نہ آیا تو ماما جان تو یہی سوچیں گی نا کہ ایسا میری وجہ سے ہو رہا ہے' مجھ سے ملنے سے پہلے ان کی پوتی خوب پڑھاکو تھی۔" وہ حد درجہ سنجیدگی سے بولا۔

اس کی اس سنجیدگی اور دو ٹوک انداز سے اسے کچھ خطرے کی بو آئی۔ "تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ آج کے بعد' اب جب تک تمہارے ایگزیمز نہیں ہو جاتے روز ملنا بند۔" اس ظالمانہ حکم پر اس نے اپنے سینے پہ بے ساختہ ہاتھ رکھا اور احتجاجی انداز میں چلائی۔

"ارے واہ کیوں ملنا بند۔ میں نہیں مانتی تمہاری بات۔"

"نہیں مانو گی یا بحث کرو گی تو فون پر بات کرنا بھی بند کر دوں گا۔ کچھ ہوش کے ناخن لو لڑکی! ایگزیمز میں پاس ہونا ہے کہ نہیں۔"

وہ اپنے ظالمانہ فیصلے میں بالکل اٹل تھا' اختلاف اور بحث کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ اسے اتنا دو ٹوک اور اٹل دیکھ کر دھونس' دھمکی والا انداز ترک کر کے وہ التجائیہ انداز پر فوراً" آگئی۔

"اتنی خوب صورت شام کا اختتام اتنے برے نوٹ پر؟ پلیز عابی! اتنا سنگ دلانہ حکم مت دو۔ میں تم سے ملے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں پرامس کر رہی ہوں اسٹڈیز پر پوری توجہ دوں گی' تمہیں شکایت نہیں ہو گی۔ میں بہت اچھا رزلٹ لاؤں گی۔"

"تم کچھ بھی کہو میرا فیصلہ اٹل ہے ہنیہ سجاد! ہاں فون پر ہم ضرور بات کیا کریں گے' مگر گھنٹوں کے حساب سے

نہیں بلکہ تھوڑی سی دیر کے لیے۔"

"رہنے دو اس احسان کی بھی کیا ضرورت ہے۔"

اس کا منہ پوری طرح پھول چکا تھا۔ وہ اب اس سے ایک لفظ بات نہیں کر رہی تھی۔ عباد نے کئی بار اس سے موسم پر ' برف باری پر ' رات کی خوب صورتی پر بات کرنا چاہی مگر وہ اس سے رخ پھیرے ' منہ پھلائے خاموش چلتی رہی۔ وہ عباد کے اپارٹمنٹ پہنچ گئے تھے۔ وہ اس سے کچھ بولے بغیر سیدھی اپنی گاڑی کے قریب آگئی۔ وہ اسے خدا حافظ کہے بغیر اپنی گاڑی میں بیٹھنے لگی تھی۔

"اتنی خوب صورت شام کا اختتام اتنے برے نوٹ پر؟"

وہ اس کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے اسے گاڑی میں بیٹھنے سے روکا تھا۔ ہنیہ نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ اس کا جملہ اس کو لوٹاتے وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ اب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔

"ہنیہ سجاد! صرف تم نہیں ' میں بھی تم سے ملے بغیر نہیں رہ سکتا۔ نہ ملنے کی بات جو میں نے کہی ہے تو کوئی بہت خوشی سے نہیں کہی ہے۔ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ اپنا زیادہ وقت میرے ساتھ گزارتے تم اپنی اسٹڈیز کو کچھ اگنور کر رہی ہو اور ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے اس لیے یہ بات کہہ رہا ہوں اور میں نے یہ کب کہا کہ ہم سرے سے ملا ہی نہیں کریں گے۔ میں نے روز ملنے سے منع کیا ہے ' ملنے سے تو نہیں۔ ہم ہفتے میں دو دفعہ ضرور ملا کریں گے۔"

"تین دفعہ۔" اس کے نرم لب و لہجے میں کی بات کے اختتام پر وہ بے ساختہ بولی۔ وہ اس بار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"یعنی تمہیں میری بات ماننی تو نہیں ہے ' یہ طے ہے۔ اگر میں تین دفعہ کہتا تو تم چار دفعہ کہتیں۔" وہ جواباً کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"اور تمہارے مما ' پاپا جو آنے والے ہیں؟" آنے والے دنوں میں ملنے اور نہ ملنے کے ذکر پر اسے یکدم ہی اس بات کا بھی خیال آیا تو وہ فوراً" ہی سنجیدہ ہوتے پوچھنے لگی۔

"وہ جب آئیں گے ' میں تمہیں بتا دوں گا۔ پاپا نے شاید سیٹ بھی کنفرم کرالی ہے ' مگر مجھے بتا نہیں رہے عادت ہے ان کی مجھے سسپنس میں رکھنے کی ' لگتا ہے بالکل آخری لمحے میں بتائیں گے۔ خیر ابھی ان کے آنے کی ڈیٹ مجھے بھی نہیں پتا ' لہٰذا فی الحال تو تم سنجیدگی سے اپنی پڑھائی کرو۔" اس نے بھی اسے سنجیدگی ہی سے جواب دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس کے ایگزیمز تقریباً" ختم ہو چکے تھے ' ان دنوں اس کے ڈیزائن پروجیکٹ کے وائیوا چل رہے تھے اور عباد کے ظالمانہ حکم کے مطابق ان کا ملنا اس دوران بہت کم رہا تھا۔ فون پہ بات بھی ان دنوں گھنٹوں کے حساب سے نہیں بلکہ صرف ایک یا دو منٹ پر مشتمل ہوتی تھی۔ عباد کے مما ' پاپا ابھی تک امریکہ نہیں آئے تھے۔

اپنے ایگزیمز کے دوران اسے مسلسل اس بات کا دھیان رہا تھا کہ وہ کب آئیں گے؟ ماما جانی ان دنوں شکاگو گئی ہوئی تھیں۔ اس کے بہنوئی کی طبیعت کچھ خراب تھی اور وہ ہاسپٹلائزڈ تھے۔ ماما جانی نے جیسے ہی ان کی بیماری کا سنا وہ بے قرار ہو گئیں۔ اگرچہ کہ ان کے اس عمل سے کسی اور کو تو کیا اس کی بہن کو بھی کچھ خاص فرق پڑنے والا نہیں تھا۔ اس کے دونوں بھائی اور بہن سب کے سب مکمل امریکن تھے۔

اس گھر اور اسی ماحول میں پرورش پانے کے باوجود جب انہوں نے اپنی زندگیاں اپنے طور پر اپنے انداز میں گزارنی شروع کیں تو زندگی گزارنے کے لیے وہی سب نے Materialiste سوچ اور نظریات ' وہی مشینی سا انداز اختیار کر لیا ' جو اس معاشرے کا خاصا تھا۔ وہ تینوں ہنیہ اور ماما جانی سے محبت بے شک کرتے ہوں گے مگر اس محبت کے اظہار کے لیے ان کے پاس نہ وقت تھا نہ فرصت۔ ہنیہ سول انجینئر تھی ' ایک کامیاب پروفیشنل تھی اور خالد اپنے والدین کے حوالے سے جن کا پاکستان سے تعلق تھا مگر تھا وہ بھی ان ہی لوگوں کی طرح پیدائشی امریکن شہری ' وہ بھی ایک انجینئر ہی تھا۔

ان لوگوں کے گھر جا کر کم از کم اسے تو کبھی یہ نہیں لگتا کہ وہ اپنی بہن کے گھر آئی ہے۔ بہن اتنی مصروف تھی کہ اس کے پاس اپنے میاں اور بچوں کے لیے فرصت نہیں تھی تو کسی اور کے لیے کیا ہوتی۔ یہی حال اس کے دونوں بھائیوں کے گھروں کا بھی تھا۔ وہی جذبات سے عاری ماحول۔ گھر کے افراد باہم ایک دوسرے سے لاتعلق ' اس کے بھائی ' بھابھیاں اور بھتیجا ' بھتیجی ہر کوئی اپنی اپنی انفرادی زندگی گزار رہا تھا۔ کسی کو کسی کی پروا نہیں تھی۔ ایک بے نیازی ' ایک لاتعلقی سی میاں ' بیوی ' ماں ' باپ اور بچوں کے بیچ۔ میاں کے پاس بیوی کے دل کی بات سننے کا وقت نہیں تھا اور بیوی کی پروفیشنل مصروفیات ' اسے میاں کے دل میں جھانکنے کی مہلت نہ دیتی تھیں۔

ہنیہ ' جنید اور معاذ وہ تینوں اپنے اس ماحول میں بہت خوش تھے۔ جہاں میاں بیوی اور بچوں کا آپس میں اتنا سرسری تعلق تھا ' وہاں بہن اور دادی کے لیے فرصت اور وقت نکالنا ناممکن ہی تھا۔ اپنے والدین کے انتقال کے بعد سے گزشتہ کئی برسوں سے اب اس کا اپنے بہن بھائیوں سے خاص خاص موقعوں اور تہواروں ہی پر ملنا جلنا رہ گیا تھا۔ وہ لوگ عید پر یہاں آجاتے ' عید کا دن ان کے ساتھ گزارتے یا ہنیہ اور ماما جانی کی برتھ ڈیز پر ان تینوں کی جانب سے فون کالز اور تحفے موصول ہو جاتے۔ بھائیوں سے لاڈ اٹھوانا ' ضدیں پوری کروانا ' بھابھیوں سے دوستی ' بہن سے رازدارانہ سرگوشیاں ' ایسا کچھ نہیں تھا ' اس کے اور اس کے بہن بھائیوں کے بیچ۔ بلکہ اگر کبھی وہ اپنی ایسی کسی حسرت کا اظہار کرتی تو اس سے بارہ سال بڑے جنید جو ہارورڈ یونیورسٹی میں پڑھا رہے تھے ' اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ اسے ماما جانی کی خالص پاکستانی تربیت اور پرورش کا جیتا جاگتا شاہکار قرار دیتے تھے ' احمقانہ قسم کی جذباتیت سے بھرپور۔

وہ اس کا چاہے جتنا بھی مذاق اڑا لیتے اسے ماما جانی کے زیر سایہ پرورش پانے پر فخر تھا۔ ان ہی سے تو اس نے اس خود غرضی سے بھرے معاشرے میں رشتے ناتوں کو اہمیت دینا سیکھا تھا۔ اسے اپنے بہن بھائیوں کی بھاگتی دوڑتی مشینی اور بے تحاشا مصروف زندگیوں اور زندگی گزارنے کے مادہ پرستانہ انداز سے شدید ڈپریشن ہوتا تھا۔

خدا جانے ماما جانی کا ہنیہ کے ہاں کتنے دن قیام رہنا تھا۔ جب تک وہ خالد کی صحت کی طرف سے مطمئن نہ ہو جاتیں ' ان کے واپس آنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ وہ ماما جانی کے اتنے دنوں کے لیے چلے جانے پر کبیدہ خاطر اس لیے بھی تھی کہ کل اس کی برتھ ڈے تھی اور ماما جانی کے بغیر برتھ ڈے کا کیا مزا تھا۔ ایک طرف ماما جانی کی غیر موجودگی اسے ناخوش کر رہی تھی تو دوسری جانب عباد کی سنگ دلی غصہ دلا رہی تھی۔ وہ اس سے کیے وعدے کی لاج نبھاتے اسے فون بھی نہیں کرتی تھی اور ملنے پر اصرار بھی نہیں کرتی تھی۔ وہ خود ہی دن میں ایک آدھ بار اسے فون کر لیا کرتا تھا۔ جبکہ ملنے کے لیے دو ' تین دن چھوڑ کر یا تو اس کے گھر جاتا یا اگر وہ کیمپس گئی ہوتی تو وہاں آکر مل لیتا۔

اسے اپنے ایگزیمز کالے پانی کی سزا لگ رہے تھے۔ وہ ایگزیمز جو اسے عباد عزیر سے ملنے سے روکنے کا سبب بن رہے تھے ' اسے ان سے شدید نفرت ہو رہی تھی۔ اسے کسی کسی دن جب وہ بہت ہی یاد آرہا ہوتا تو خود پہ غصہ آنے لگتا آخر اسے اتنی مشکل پڑھائی میں پڑنے کی ضرورت کیا تھی وہ دل پہ جبر کر کے جیسے تیسے اس روٹین کو جھیل رہی تھی مگر آج تو حد ہی ہو گئی تھی۔ آج اسے عباد سے بات کیے پورے سات دن ہو گئے تھے۔ پہلے دن اس کا فون نہیں آیا اس نے صبر کیا ' خود بھی فون نہیں کیا۔ اگلے روز پھر یہی ہوا ' اس سے اگلے روز پھر یہی اور یوں آج ساتواں دن تھا۔ اسے عباد سے ملے اور بات کیے بغیر۔ وہ اب اس سے ملے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ چاہے عباد کتنا بھی ناراض ہو۔ اب اس کی تسلی فون پہ بات کرنے سے بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اسے ہر صورت اس سے ملنا تھا۔

وہ عباد کے اپارٹمنٹ جا رہی تھی۔ وہ ان دنوں اس کے ایگزیمز کے اچھے ہو جانے کے لیے جتنا فکرمند تھا ' ایسے میں اسے پکی امید تھی کہ اسے اپنے سامنے دیکھتے ہی وہ ناراضی اور برہمی کا اظہار کرتا کسی سخت گیر استاد کی طرح اس کے پڑھائی سے لاپروائی برتنے پر خفا ہو گا اور پھر اسے ایک طویل لیکچر دے گا۔ اس لیکچر سے بچنے کے لیے اس نے زبردستی ڈھونڈ ڈھانڈ کر اپنے اگلے ORAI ایگزیم سے متعلق کچھ سوالات نکالے تھے ' جنہیں وہ اس سے پوچھنے والی تھی۔ وہ اتنا بھولا معصوم تو نہ تھا کہ اس کی چالاکی کو سمجھ نہ پاتا خیر اس کی بھولی بھالی صورت پر اسے ترس آہی جاتا تھا۔

شام کے سات بج رہے تھے اور عباد کی روزانہ کی مصروفیات کی جس طرح لمحہ لمحہ کی اسے خبر رہتی تھی ' ایسے میں وہ جانتی تھی آج اس وقت وہ اسے لازمی طور پر گھر پہ ہی ملے گا۔ اس لیے فون پر اپنے آنے کی اطلاع دیے بغیر وہ یوں ہی آن دھمکی۔ اس کے بیل دینے پر عباد نے دروازہ کھولا۔ وہ اسے غیر متوقع اور بغیر اطلاع کے سامنے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

"تم؟"

"ہاں میں۔" اس نے بصد اطمینان کہا اور اندر قدم رکھ دیا۔ اس کے کسی لیکچر کے شروع ہونے سے قبل وہ اکڑ

کر بولی۔ ”لیکچر دینے کی ضرورت نہیں ہے، تم سے ملنے نہیں آئی ہوں۔ اسٹیل اسٹرکچرز میں کچھ چیزیں تم سے پوچھنی ہیں، صرف اس کی وجہ سے آئی ہوں ورنہ تم سے ملنے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔“

”تو تم کیوں آگئیں مجھے کہہ دیتیں، میں آجاتا۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔

”میں آجاتا۔ بول ایسے رہے ہو جیسے میری بہت پروا ہے۔ اتنے دنوں سے ماما جانی شکاگو گئی ہوئی ہیں، فون کرکے ایک بار بھی میری خیریت تک تو پوچھی نہیں ہے۔“ وہ چمک کر بولی۔

”ماما جانی شکاگو گئی ہیں؟ کیوں، خیریت؟ تم نے مجھے بتایا نہیں۔“ اس بار اس کے سنجیدہ چہرے پر کچھ فکر مندی پھیلی تھی۔

”تم سے بات ہو تو بتاؤں نا۔ آج میری آپ سے سات دن بعد بات ہو رہی ہے عباد عذیر! خالد بھائی کی طبیعت کچھ خراب ہے، اسی لیے وہاں گئی ہیں ماما جانی۔“ اس کا بات کرنے کا انداز بالکل لڑاکا عورتوں والا تھا۔

”تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا۔“ وہ کچھ سنجیدگی اور کچھ فکر مندی سے بولا۔ وہ اسے دیکھ کر ایک بار بھی مسکرایا نہیں تھا۔ وہ حد درجہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ وہ بہت تھکا تھکا اور بجھا ہوا سا بھی لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے نیچے پڑے حلقے یہ بتا رہے تھے کہ شاید گزشتہ چند راتوں سے وہ سویا ہی نہیں ہے۔ اس نے عباد کو بغور دیکھا۔

”لگتا ہے تم مجھے دیکھ کر خوش نہیں ہوئے ہو۔ آخر بات کیا ہے؟ اندر کون ہے؟“ اس نے قصداً غیر سنجیدگی سے کہا۔ وہ اسے ہنسانا چاہتی تھی۔ اگر پڑھائی کا پریشر اور تھکن ہو تو اسے اپنی اوٹ پٹانگ باتوں سے دور کردے۔

”تو میرا شک صحیح نکلا نا۔ میرے ایگزیمز کو بہانہ بنا کر مجھ سے ملنے اور فون کرنے سے اس لیے منع کیا جا رہا ہے۔ کہاں ہے وہ؟“

”وہ کون؟“ وہ پتا نہیں ذہنی طور پر کہاں تھا اس نے پوری طرح اس کی بات بھی شاید نہیں سنی تھی۔

”وہی تمہاری نئی گرل فرینڈ۔“ اس نے لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کر کہا۔

”توبہ ہے تم سے ہنیہ! سجاد! جا کر دیکھ لو اچھی طرح پورا اپارٹمنٹ۔ کرلو اپنی تسلی۔“

”ہاں تو میں دیکھنے جا رہی ہوں۔“ وہ اس کی باتوں پر مسکرا تو رہا تھا مگر یہ مسکراہٹ عباد عذیر کی مسکراہٹ نہ تھی۔ نہ آنکھوں میں چمک، نہ چہرے پر خوشی، اسے تو مسکراتے وقت نمایاں ہوتا اس کا ڈمپل بھی سوگوار سا لگ رہا تھا۔ بات کیا تھی؟ آخر کیا ہوا تھا؟ وہ پورے دل سے قہقہے لگا کر ہنسنے والا شخص، یہ سنجیدگی اور رنجیدگی تو اس کے مزاج کا حصہ ہی نہ تھی ابتدائی چند لمحوں کی کنفیوژن کے بعد اب وہ یہ بات یقین سے کہہ سکتی کہ بات جو بھی ہے وہ پڑھائی کا پریشر یا تھکن ہرگز نہیں، وہ کسی بات پر پریشان ہے، کوئی چیز اسے ڈسٹرب کیے ہوئے ہے، وہ کسی بات پر بہت ملول اور اداس ہے۔ اسے عباد کی زندگی کی چمک سے بھرپور آنکھوں میں بے تحاشا اداسی نظر آرہی تھی۔ ہنیہ اسے بغور دیکھ رہی ہے، وہ اس کی اداسی کو محسوس کر رہی ہے۔ اسے جیسے یک دم ہی اس بات کا احساس ہو گیا تھا۔

اس نے فوراً اپنے چہرے پر موجود مصنوعی مسکراہٹ کو مزید گہرا کر دیا تھا۔ وہ اسے ساتھ لے کر خود اپنا پورا اپارٹمنٹ چیک کروا رہا تھا، ہر کمرے کا دروازہ خود کھول کھول کر جبکہ وہ اسے دیکھتے اس کے ساتھ بس یونہی خاموشی سے چلے جا رہی تھی۔ بالکونی، کچن، باتھ روم وہ اسے خود ہر جگہ دکھاتا جا رہا تھا۔

”دیکھ لو شکی لڑکی! میرے اپارٹمنٹ میں کوئی نہیں ہے۔“ وہ ملامتی انداز میں بولا۔ وہ اس کی توجہ خود پر نہیں چاہ رہا تھا، وہ اسے اپنی آنکھوں کو پڑھتا دیکھ رہا تھا اور ایسا چاہتا نہیں تھا کہ اسی لیے اس کی توجہ خود پر سے ہر حال میں ہٹا دینا چاہتا تھا، وہ اس سب کو محسوس کر سکتی تھی، محسوس کر رہی تھی۔

”ہو گئی تسلی؟ دیکھ لو یہاں کوئی نہیں ہے۔ توبہ ہے ہنی! تم کتنی شکی لڑکی ہو۔“

”عالی! کیا ہوا ہے؟“ اس نے عباد کی بات کا جواب دیے بغیر پوچھا۔ اب وہ سنجیدہ اور عباد غیر سنجیدہ تھا۔

”کسے کیا ہوا ہے؟“ وہ اسے ساتھ لے کر اپنے لیونگ روم میں آگیا تھا۔

”تمہیں۔“ وہ اس کے اشارے کرنے پر صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

”لو جی چھٹی ہوئی۔ پہلے کسی لڑکی کی موجودگی کا وہم ہو رہا تھا، اب مجھے کچھ ہو گیا ہے۔ ہنیہ سجاد! تمہارے زرخیز دماغ میں اس کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے۔ چار دن تم سے ملوں گا نہیں، تو میری محبت ہی مشکوک ہو جائے گی۔“ وہ

اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

”جھوٹ مت بولو۔ کچھ ہوا ہے، کوئی بات ہے جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو۔ ذرا چہرہ دیکھو اپنا اتنا کمزور اور بجھا ہوا لگ رہا ہے تین چار دنوں سے سوئے ہی نہیں ہو، اتنے گہرے حلقے پڑے ہیں آنکھوں کے نیچے۔“

”میں تمہاری جدائی میں کمزور ہو گیا ہوں ہنیہ ڈیئر۔ اور چلو اس سے تمہیں یہ تسلی تو ہو گئی ہو گی کہ تم سے ملے بغیر میں کتنا اداس ہوں۔“ اس نے مسکرا کر بولتے ہوئے سینٹر ٹیبل پر رکھی اس کی کتابیں اٹھا کر دیکھنی شروع کر دیں۔

”اب یہ ادھر ادھر کی باتیں چھوڑو اور جو پوچھنے آئی ہو وہ پوچھو۔ پھر مجھے بھی اپنا کافی کام کرنا ہے۔“

وہ خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھتی رہی۔ کچھ ہوا تھا جو وہ اس سے چھپا رہا تھا، کچھ تھا جو وہ اسے چھپا لینا چاہتا تھا۔ اسے یک لخت ہی احساس ہوا کہ اس کچھ کو چھپائے رکھنے ہی کے لیے وہ اس سے پچھلے سات دنوں میں نہ تو ملا تھا اور نہ ہی کوئی فون کیا تھا۔

”کیا پیو گی تم؟ اسٹرابیری شیک بنا کر لے آؤں؟“

وہ کتنا بھی اس وقت خود کو لاپروا و بے نیاز ظاہر کرتا، جس قدر بھی غیر متعلقہ باتیں کر لیتا، وہ اس کی باتوں میں آ نہیں سکتی تھی۔ وہ اس مصنوعی ہنسی اور لاپروائی وغیرہ سنجیدگی سے دھوکا کھا جانے والوں میں سے نہ تھی۔ عباد عذیر اس کے سینے میں دل بن کر دھڑکتا تھا، وہ اسے نہ سمجھتی، اس کی آنکھوں کو نہ پڑھتی تو آخر کسے سمجھتی؟ کسے پڑھتی؟

”عالی! مجھے بتاؤ پلیز کیا ہوا ہے؟“ وہ اپنے صوفے پر اٹھ کر اس کے برابر آکر بیٹھ گئی۔ اس نے عباد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

”کیا ہوا ہے؟ کچھ بھی تو نہیں لگتا ہے میری سات دنوں کی جدائی نے تم پر گہرا اثر ڈالا ہے، تمہیں میں ہٹا کٹا تندرست بندہ بیمار اور کمزور بھی لگ رہا ہوں اور کیا کیا کچھ نظر آنے لگا ہے؟ اچھا یار! اب ہم روزانہ ملیں گے، اپنی جدائی میں تمہاری یہ حالت تو مجھ سے واقعی نہیں دیکھی جا رہی۔“

”اور مجھے لگتا تھا ہمارا رشتہ اتنا مضبوط تو ہے ہی کہ ہم ایک دوسرے سے کبھی بھی اپنی کوئی بات چھپائیں گے نہیں۔ مگر شاید میں غلط تھی۔“ اس کی آواز یک دم ہی بھرا گئی تھی۔

”تم مجھے نہیں بتانا چاہتے کوئی بات نہیں، مگر کچھ نہیں ہوا کا، جھوٹ بول کر میری محبت کی انسلٹ مت کرو۔ میں تمہارا چہرہ دیکھ کر یہ جان سکتی ہوں عباد عذیر! کہ کچھ ہوا ہے جو تمہیں بہت پریشان کر رہا ہے۔“ ناراضی اور شکوہ ہی نہیں اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی بھی شامل تھی۔ وہ عباد کے چہرے پر سے نظریں ہٹا کر دوسری جانب دیکھنے لگی تھی۔ اس نے اس کا ہاتھ بھی چھوڑ دیا تھا۔

”ہنی۔“ اس کے آواز دینے پر اس نے نظریں گھما کر اسے دیکھا۔ وہ سنجیدگی اور دکھ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کسی تذبذب میں مبتلا لگ رہا تھا۔

”ہمارا رشتہ جتنا تم سمجھتی ہو اس سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔ تمہیں مجھ پر، میری ذات پر ہر طرح کا حق حاصل ہے مگر پلیز! ابھی مجھ سے کچھ پوچھنے کے لیے اصرار مت کرو۔ میں تمہیں تمہارے ایگزیمز کے دوران پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ تم سکون سے اپنے ڈیزائن پروجیکٹ سے فارغ ہو لو ہم اس بات کو پھر ڈسکس کرلیں گے۔“

وہ نرمی اور محبت سے اسے سمجھا رہا تھا۔ وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا، مگر وہ اسے بات بتانا بھی نہیں چاہتا تھا۔

”کوئی بات ہے اور مجھ سے ہی متعلق ہے، ہے نا عالی؟“ وہ جواباً خاموش رہا۔ ”میں پریشان نہیں ہوں گی۔ تم ہمارے رشتے کو توڑنا چاہتے ہو؟ اپنی نئی گرل فرینڈ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟“ وہ اتنا بجھا ہوا، اتنا اداس، اتنا دل گرفتہ ذرا بھی تو اچھا نہیں لگ رہا تھا، اس نے اسے ہنسانا چاہا تھا اور وہ جواباً قہقہہ لگا کر ہنس بھی پڑا تھا۔

”یہ میری نئی گرل فرینڈ تمہارے اعصاب پر کب سے سوار ہو گئی؟“

”جب سے تم نے مجھ سے ملنا اور مجھے فون کرنا چھوڑا ہے۔ میں اتنی کمزور نہیں ہوں عالی! مجھ میں ہر بات سننے کا حوصلہ ہے۔“

غیر سنجیدگی سے بولتے بولتے اس نے یک لخت ہی سنجیدگی سے اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔ عباد نے اپنے ہاتھ کے اوپر رکھے اس کے ہاتھ کو دیکھا، پھر اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا دوسرا ہاتھ محبت سے رکھتے ہوئے آہستگی سے بولا۔

”میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں ہنیہ! میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر میں یہ بات پاپا کو سمجھا نہیں پا رہا

ہوں۔"

انجانے وسوسوں اور خدشات کے تحت تیز تیز دھڑکتا اس کا دل ایک پل کے لیے بالکل ساکت ہو گیا تھا۔ اس پر جیسے کوئی بجلی آگری تھی، اس کے خوابوں کے حسین محل کو کوئی جیسے مسمار کرنے لگا تھا۔ اس کے بدترین خدشات یکدم ہی حقیقت بن کر اس کے سامنے آکھڑے ہوئے تھے۔ عباد کی خود سے والہانہ اور شدید محبت دیکھتی تو کبھی کبھی خود ہی ڈر جایا کرتی تھی۔ وہ اتنا اچھا انسان، وہ اسے اتنا ٹوٹ کر اتنا والہانہ اور بے حساب چاہتا تھا، اس میں اچھائیاں ہی اچھائیاں تھیں، اس کی محبت میں سچائیاں ہی سچائیاں تھیں، عباد کی محبت اتنی سچی اتنی والہانہ تھی، سب کچھ اتنا اچھا، اتنا مکمل اور اتنا بھرپور تھا کہ کبھی کبھی اسے کسی ان ہونی کے ہونے کا ڈر لگنے لگتا تھا۔ زندگی اتنی مکمل نہیں ہوتی، زندگی اتنی پرفیکٹ اور اتنی خوشیوں بھری نہیں ہوتی اور عباد اس کے خدشات کی تصدیق کر رہا تھا، اس کا ڈر ٹھیک تھا۔ اس کے ذہم درست تھے۔

زندگی ہنیہ سجاد کے لیے بھی مکمل اور پرفیکٹ نہ تھی۔ لیکن وہ عباد کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ زندگی کی دی ہر خوشی سے خوشی خوشی دستبردار ہونے کو تیار ہے مگر عباد عذیر سے نہیں۔ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتی، وہ اس کے بغیر نہیں جی سکتی۔ "زندگی مجھ سے میرا سب کچھ لے لو مگر مجھ سے اس شخص کو مت لینا۔ یہ ساتھ ہو گا تو زندگی ہو گی ورنہ تو میرے پاس کچھ ہو گا ہی نہیں۔" وہ سانس روکے عباد کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں دبائے اب بالکل خاموش تھا۔

"عالی!" ابھی لمحہ بھر پہلے اس نے عباد سے کہا تھا وہ کمزور نہیں ہے اور اس وقت وہ خود کو بہت کمزور محسوس کر رہی تھی۔ عباد عذیر کے بغیر زندگی؟ نہیں۔ کبھی نہیں۔ وہ چند دن اس سے ملے بغیر، اس سے فون پر بات کیے بغیر نہیں رہ سکتی تو اس کے بغیر زندگی کس طرح گزار سکتی ہے۔ یہ خدشات، یہ اندیشے، یہ ڈر کیوں اچانک ہی کہیں سے داخل ہو گئے تھے ان کی خوب صورت دنیا میں، ان کی محبت بھری حسین زندگی میں۔

"تمہارے مما پاپا نے مجھے ریجیکٹ کر دیا عالی! میں امریکن ہوں اس لیے؟ میں ان کے مشرقی اور پاکستانی لڑکی کے تصور پر پوری نہیں اتری؟" اس نے رندھی آواز میں جیسے اپنے رد ہونے کی وجہ جاننا چاہی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر رہی تھیں، وہ انہیں بہنے سے روک رہی تھی۔

"نہیں ہنی! ایسا نہیں مما، پاپا بہت براڈ مائنڈڈ ہیں۔ تم امریکن ہو یا تم شلوار قمیص اور دوپٹہ نہیں پہنتیں، اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بات یہ نہیں ہے اور انہوں نے تمہیں ریجیکٹ کیا بھی نہیں ہے۔"

"لیکن انہوں نے مجھے قبول بھی تو نہیں کیا ہے۔ ہے نا عالی؟" اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔ وہ روتی نہیں تھی۔ وہ بڑی باہمت اور بہادر لڑکی تھی۔ مگر اس وقت وہ خود کو اتنا بے بس اور بے اختیار محسوس کر رہی تھی کہ اس کا اختیار صرف اپنے آنسوؤں پر ہی رہ گیا تھا۔

"تمہیں کسی نے قبول کرنے سے انکار نہیں کیا ہے پاگل لڑکی! تم سے تو مما، پاپا ملے ہی نہیں ہیں۔ تم سے ایک بار مل لیں تو میرا دعوا ہے تم ان دونوں کو پہلی نظر میں پسند آجاؤ گی۔ تمہیں نہ انہوں نے ناپسند کیا ہے نہ ریجیکٹ کیا ہے۔ وہ تمہیں جانتے ہی نہیں؟ تم سے ملے ہی نہیں تو؟" عباد نے اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کو گرنے نہیں دیا تھا، وہ ابھی اس کی پلکوں سے گرے نہیں تھے اور اس نے انہیں اپنی پوروں پر چن لیا تھا۔

"لیکن انہوں نے مجھ سے ملنے سے انکار کر دیا ہے، ہے نا عالی؟ انہوں نے مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے تب ہی تو وہ امریکہ ابھی تک نہیں آئے؟"

"وہ امریکہ آرہے تھے۔ وہ دبئی ہوتے ہوئے امریکہ آ رہے تھے۔ دبئی میں میرے تایا رہتے ہیں انہیں ان سے ملتے ہوئے میرے پاس امریکہ آنا تھا۔ وہ سات دن پہلے یہاں پر پہنچ بھی چکے ہوتے، مگر۔"

"مگر کیا عالی؟ خدا کے لیے جو بات بھی ہے مجھے بتا دو۔"

"پاپا مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں ہنی! وہ اور مما امریکہ آنے کے بجائے واپس پاکستان چلے گئے ہیں؟" وہ اس پر سے نظریں ہٹا کر آہستگی سے بولا۔

"اور تم کہہ رہے ہو، انہوں نے مجھے ریجیکٹ نہیں کیا۔ ریجیکٹ کرنا اور ہوتا ہے عالی؟ وہ ایک آزاد معاشرے میں پلی لڑکی کو قبول نہیں کرنا چاہتے۔" اس نے آنسو پیتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"میں تمہیں کیسے سمجھاؤں ہنی! کہ ایسا نہیں۔ پاپا نے ہنیہ سجاد کو ریجیکٹ نہیں کیا، انہوں نے اس ان جانی لڑکی کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے جس سے ان کا بیٹا محبت

کا اقرار اس وقت کر رہا ہے جب وہ اس کی کہیں اور منگنی کر چکے ہیں۔" عباد نے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام لیا تھا۔

"منگنی؟" اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ کچھ پل کے لیے اس کا دل شاید دھڑکنا ہی بھول گیا تھا۔ وہ بالکل ساکت عباد کو دیکھ رہی تھی۔

چند لمحے یونہی خاموشی سے گزر گئے تھے، عباد سر تھامے فرش کو دیکھ رہا تھا اور رو رہا تھا۔

"آج آٹھواں دن ہے ہنی! اس ساری بات کو۔ منڈے کی رات کو جب ہماری بات ہوئی اس کے کچھ ہی دیر بعد پاپا کی دبئی سے کال آگئی تھی۔ پاپا بہت خوش اور ایکسائٹڈ لگ رہے تھے۔ میرے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی انہوں نے خوشی خوشی مجھے یہ اطلاع دی کہ ابھی کچھ ہی دیر پہلے انہوں نے میرے تایا کی بیٹی انوشہ کو رنگ پہنا کر میری اس کے ساتھ باقاعدہ انگیجمنٹ کر دی ہے اور شادی کا پروگرام میری پاکستان واپسی پر طے کریں گے۔ پہلے تو میں اس ساری بات کو مذاق سمجھا، وہ مجھ سے پوچھے بغیر، مجھے بتائے بغیر میری کہیں منگنی کیسے کر سکتے ہیں۔ مگر وہ مذاق نہیں کر رہے تھے، وہ بڑی خوشی خوشی مجھے میری منگنی کی اطلاع دے رہے تھے۔ وہ مجھے بتا رہے تھے کہ انوشہ انہیں اپنی بھتیجی کی حیثیت سے تو ہمیشہ سے پسند تھی ہی، مما بھی اسے بہت پسند کرتی ہیں اور پھر میری بھی اس سے بچپن سے ہمیشہ بہت اچھی دوستی رہی ہے، وہ انجینئرنگ نہیں کر رہی تو کیا ہوا میڈیسن تو پڑھ رہی ہے، یعنی ایک پروفیشنل ڈگری تو لے ہی رہی ہے۔ دبئی آنے پر جب انہیں میرے تایا انکل طارق سے انوشہ کے لیے آنے والے چند رشتوں کا پتا چلا جن پر میرے تایا اور تائی سنجیدگی سے غور بھی کر رہے تھے تو یکدم ہی انہوں نے فیصلہ کیا کہ اپنی اتنی اچھی، اتنی پیاری بھتیجی وہ کسی اور کے گھر میں جاتے نہیں دیکھ سکتے، اسے تو وہ اپنے گھر لائیں گے، اپنی بہو بنا کر۔ انہوں نے انکل طارق کے سامنے یہ رشتہ رکھا، انکل طارق نے وہ رشتہ اسی وقت قبول کر لیا اور پاپا نے اس رشتے کو پکا کرنے کے لیے فوراً ہی انوشہ کو انگوٹھی بھی پہنا دی۔

یعنی سب کچھ ایک ہی دن کے اندر اندر ہو گیا۔ رشتہ دیا گیا، اسے فوراً قبول بھی کر لیا گیا اور فوراً ہی انوشہ کو رنگ بھی پہنا دی گئی۔ پاپا اسے رنگ پہنانے کے فوراً بعد مجھے فون کر رہے تھے۔ میں یہ بات سن کر سکتے میں رہ گیا تھا ہنی! میں انہیں تمہارے بارے میں اس طرح نہیں بتانا چاہتا تھا میں تو یہ چاہتا تھا کہ تمہیں ان سے پہلے یونہی ملواؤں کچھ بھی بتائے بغیر اور جب تم انہیں اچھی لگ جاؤ تو پھر انہیں یہ بتاؤں کہ یہ جو لڑکی آپ کو بہت اچھی لگی ہے نا پاپا! میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے تو اتنے مہینوں میں فون پر ان سے تمہارا ذکر تک اس لیے نہیں کیا تھا کہ میں ان پر تمہارا پہلا تاثر ہی بہت اچھا قائم کروانا چاہتا تھا۔ میں سوچتا تھا کہیں ملنے سے پہلے وہ عام تاثر کے مطابق تمہیں کوئی آزاد خیال امریکن لڑکی نہ سمجھیں۔ ان کے خوابوں اور خواہشوں کو فراموش کر کے میں نے اپنے لیے ایک آزاد خیال معاشرے کی کوئی آزاد خیال لڑکی پسند کر لی ہے میں ان پر تمہارا یہ امپریشن ہرگز نہیں دینا چاہتا تھا۔

میں تو ان کے امریکہ آنے کا اتنی شدت سے انتظار ہی اس لیے کر رہا تھا۔ مجھے پتا تھا پاکستان بیٹھ کر فون پر ایک ان دیکھی، ان جانی امریکن لڑکی کا ذکر مما، پاپا کے دل کو زیادہ اچھا نہیں لگے گا۔ مگر سب کچھ میری خواہش کے مطابق نہیں ہوا۔ مجھے انہیں ایک غلط ماحول، غلط جگہ اور غلط وقت پر تمہارے بارے میں بتانا پڑ گیا۔

جب مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ مذاق نہیں کر رہے تب بے ساختہ میں نے ان سے کہا۔

"لیکن پاپا! میں یہاں ایک لڑکی کو پسند کرتا ہوں۔ وہ لڑکی بہت اچھی ہے پاپا! میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں۔ تو وہ غصے میں آگئے، مجھ پہ ناراض ہونے لگے۔ میں نے رشتے ناتوں کو مذاق سمجھ لیا ہے، جب انہوں نے اور مما نے میرے لاسٹ ٹائم پاکستان جانے پر مجھ سے پوچھا تھا کہ مجھے کوئی لڑکی پسند ہے تو اپنی پسند انہیں بتاؤں تب میں نے انہیں کچھ نہ بتایا اور اب جب یہ دیکھ کر کہ میری کوئی اور پسند نہیں انہوں نے میرا رشتہ طے کر دیا ہے تو میں انہیں ان کے بھائی، بھابھی اور بھتیجی کے آگے ذلیل کروانا چاہتا ہوں۔ میں نے انہیں یہ بات بہت سمجھانا چاہی ہنی! کہ جب میں پاکستان گیا تھا اور وہ لوگ مجھ سے میری پسند بار بار پوچھ رہے تھے تب تم میری زندگی میں آئی ہی نہیں تھیں۔ پاپا میرے بہت یقین دلانے پر بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ میں جب سے امریکہ آیا ہوں تب ہی سے تمہیں جانتا ہوں۔ تب ہی سے تم سے میری دوستی ہے اور میں نے ان سے جان بوجھ کر اس بات کو اب تک چھپا کر رکھا ہوا تھا۔

وہ مجھے اتنا غلط سمجھ رہے تھے ہنی! میں انہیں اپنی صفائی

دے ہی نہیں پا رہا تھا میں انہیں کچھ سمجھا ہی نہیں پا رہا تھا۔ پاپا مجھ سے ایک دم ہی اتنے ناراض ہو گئے تھے۔ کچھ بھی پوچھے بغیر سخت غصے میں فون بند کر دیا تھا۔ میری فون کالز بھی ریسیو نہیں کر رہے۔ کاش ان گزرے مہینوں میں میں نے مما اور پاپا کو تمہارے بارے میں بتا دیا ہوتا ہنی!"

اور وہ عباد عذیر اپنے والدین سے کتنی محبت کرتا تھا۔ محبت کی انتہا ہی تھی جو وہ ایک ایسے معاملے میں جہاں ساری غلطی سراسر اس کے پاپا کی تھی' انہیں موردِ الزام ٹھہرانے کے بجائے اپنی غلطیاں تلاش کر رہا تھا۔ اگر وہ بیچ میں نہ ہوتی' اگر فرض کر لیں کہ عباد کی زندگی میں سرے سے کوئی لڑکی ہی نہ ہوتی اور اگر یہ بھی فرض کر لیں کہ عباد نے اپنے لیے لڑکی پسند کرنے کا اختیار کلی طور پر اپنے والدین کو دے رکھا تھا' تب بھی کیا بقول عباد کے اس کے بہت اعلا تعلیم یافتہ' کھلے ذہن کے 'براڈ مائنڈڈ' ماڈرن اور سب سے بڑھ کر اکلوتے بیٹے پر جان چھڑکنے اور اس سے بہت محبت کرنے والے باپ کو یہ بات سوٹ کرتی تھی کہ وہ بیٹے کا رشتہ اسے بتائے بغیر طے کر دیتے؟ ہم تمہارا یہاں رشتہ طے کر رہے ہیں انگوٹھی پہنانے سے قبل یہ اطلاع تک نہیں؟

عباد کے بہت براڈ مائنڈڈ پاپا جو عباد کے کہنے کے مطابق اس پر جان بھی چھڑکتے ہیں' اس کو بے حد و بے حساب چاہتے بھی ہیں کیا رشتہ دینے اور انگوٹھی پہنانے سے پہلے دبئی ہی سے بیٹے کو ایک فون کال نہیں کر سکتے تھے؟ وہ ان کا بیٹا تھا یا ان کی جاگیر' ان کی ملکیت؟ انگوٹھی پہنانے کے بعد اسے اطلاع دی جا رہی ہے' جس کی زندگی کا یہ فیصلہ تھا۔ کیا ماں' باپ ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ اولاد کی زندگی بھی خود جینے لگیں؟

اسے عباد کے پاپا ایک مغرور اور حاکمانہ مزاج کے شخص لگ رہے تھے۔ ایک ڈکٹیٹر کی طرح سخت مزاج اور اپنی منوانے والے۔ پر وہ عباد اپنے پاپا سے کتنی محبت کرتا تھا۔ وہ ان کی غلطی سے صرفِ نظر کرتا' اس سارے معاملے کا الزام خود کو دے رہا تھا کہ اس نے انہیں ہنیہ کے بارے میں پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا۔

"پاپا دبئی سے اگلے ہی روز واپس کراچی چلے گئے۔ پاپا تو مجھ سے بات کر ہی نہیں رہے ہیں' مگر مما سے میری بات ہوئی تھی انہوں نے مجھے یہ بات بتائی تھی۔" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد عباد بولا تھا۔

"عالی! تمہاری مما کیا کہہ رہی ہیں؟"

اس نے لیونگ روم میں بالکل سامنے دیوار پر لگی اس کے والدین کی بڑی سی تصویر کو دیکھا۔ اس کی زندگی کی تمام تر خوشیوں کا دارومدار اور انحصار ان دو لوگوں پر تھا۔ وہ اسے قبول کر لیتے ہیں یا نہیں۔

وہ نہیں چاہتی تھی عباد اس کے لیے اپنے والدین کو چھوڑ دے مگر وہ یہ بھی تو نہیں چاہتی تھی کہ اس کے پاپا اپنی ایک بے جا ضد اور ایک ناجائز اور غلط حکم پر عباد کو اس سے چھین لیں' اپنے ایک سراسر غلط اور حاکمانہ فیصلے پر بیٹے سے اس کی فرماں برداری کا امتحان مانگیں۔

"مما سے کل میری بات ہوئی تھی ہنی! وہ پاپا کی طرح غصے میں تو نہیں پر مجھ سے کچھ خفا ضرور ہیں۔ پاپا کی منتخب کردہ لڑکی سے رشتے سے انکار کر کے میں کسی امریکن لڑکی کا نام لے رہا ہوں' اس پر وہ ناخوش نہیں مجھ سے کچھ ناراض ہیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ دبئی میں جب پاپا نے انکل طارق سے انوشہ کا رشتہ مانگنے کی بات ان سے کی تو انہوں نے پاپا سے کہا تھا کہ وہ پہلے مجھ سے فون پر بات کر لیں' میری مرضی معلوم کر لیں کزن کی حیثیت سے دوستی ہونا الگ بات ہے' پتا نہیں میں انوشہ کو اس دوسری حیثیت میں پسند کروں گا یا نہیں۔ مگر پاپا مما بات ہنسی میں ٹال کر فخریہ لہجے میں بولے۔

"پسند کیوں نہیں کرے گا ہاجرہ! وہ میرا بیٹا ہے اور اپنے پاپا کی پسند کو وہ دل و جان سے قبول کرے گا' اسے پتا ہے پاپا اس کے لیے کبھی کچھ برا نہیں سوچ سکتے۔"

پاپا کے اس فخر اور مان بھرے انداز پر مما چپ ہو گئی تھیں' ورنہ وہ دل سے یہی چاہتی تھیں کہ باقاعدگی سے رشتہ مانگنے سے قبل ایک بار مجھ سے پوچھ لیں۔ مما مجھے سمجھا رہی تھیں ہنی! کہ پاپا کو انوشہ کا رشتہ مانگنے سے قبل مجھ سے پوچھ لینا چاہیے تھا' پر ایسا نہیں ہو سکا۔ اب مجھے ان کے کیے فیصلے کی عزت کرنی چاہیے' مجھے ان کا مان اور فخر نہیں توڑنا چاہیے۔ مجھے ان کے فیصلے کو تسلیم کر کے' اسے مان کر پاپا کا مان بڑھا دینا چاہیے۔"

تصویر میں نظر آتے عذیر فاروق اس سے سات سمندر کی دوری پر ایک دوسرے ملک میں بیٹھے تھے' ورنہ وہ انہیں بلا کر ان کے بیٹے کی بجھی بجھی آنکھیں' اس کا اداس چہرہ اس کا نڈھال وجود ضرور دکھاتی۔ وہ ان آٹھ دنوں میں ایک ناکردہ غلطی پر باپ کی ناراضی کا بوجھ اٹھائے کتنا ٹوٹا پھوٹا اور بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کے پاپا اس سے ناراض ہو گئے ہیں' وہ اس بات سے کتنا زیادہ مضطرب اور پریشان تھا۔ عباد کا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر بیٹھا تھا' وہ اس طرح ہاتھوں میں سر تھامے اس سے آہستہ آواز میں بات کرتا رہا تھا۔ وہ بات ختم کر چکا تھا اور اب بالکل خاموش تھا۔ وہ بھی خاموش تھی۔ وہ اس کی بات ختم ہونے کے بعد بھی بہت دیر تک کچھ نہ بولی تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "میں نے تمہیں بھی پریشان کر دیا نا! میں اسی لیے ابھی تمہیں کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا۔"

وہ آنسو بھری اداس نگاہوں سے چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

"ہنیہ یار! پلیز اتنی اداس مت ہو' اتنی مایوسی خود پر طاری مت کرو دیکھ لینا ان شاء اللہ جلد ہی سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ایک غلط فہمی ہو گئی ہے' ایک مس انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی ہے میرے اور پاپا کے بیچ' مگر یہ سب بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیا ٹھیک ہو جائے گا عالی! تمہارے پاپا تمہاری انگیج منٹ کر چکے ہیں۔" وہ بے بس سے انداز میں قدرے بلند آواز میں بولی۔

"تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے؟ میری محبت پر یقین ہے؟" عباد نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سوال پوچھا۔

"اپنی زندگی سے بھی بڑھ کر۔ اپنے آپ سے بھی بڑھ کر۔" جو جواب اس کے دل سے نکل رہا تھا وہ اسے جھٹلا کر کچھ اور نہیں بول سکتی تھی۔

"بس پھر مجھ پر یقین رکھو میں تم سے وعدہ کر رہا ہوں کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا مما' پاپا اپنے دل کی پوری خوشی کے ساتھ تمہیں قبول کریں گے تم ہر فکر اور ہر اندیشہ دل سے نکال کر بس صرف میرے اس وعدے کا یقین رکھو۔ مجھے کچھ وقت ضرور لگے گا مگر میں پاپا کو منا لوں گا۔ وہ ابھی غصے میں ہیں' مگر وہ میرے پاپا ہیں اور مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

دل میں چھپے ہر ڈر اور ہر خوف کے باوجود اس کی امید دلاتی اور حوصلہ دلاتی یہ باتیں دل کو بہت اچھی لگ رہی تھیں۔

"اچھا تم یہاں بیٹھو۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" عباد اس کے پاس سے اٹھ گیا تھا۔ وہ اب لیونگ روم میں بالکل تنہا تھی۔ اس نے اپنے پیر صوفے پر اوپر رکھ لیے تھے۔ اپنے دونوں ہاتھ پیروں کے گرد مضبوطی سے باندھ لیے تھے اور چہرہ گھٹنوں پر ٹکا لیا تھا۔ رخسار اور ٹھوڑی گھٹنے پر ٹکائے وہ پھر سامنے لگی اس تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ یک ٹک وہ اس ہینڈسم شخص کو دیکھ رہی تھی' جو عباد کے پاپا تھے۔

"پلیز! عالی کو مجھ سے مت چھینیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں' میں کس سے محبت کرتی ہوں یہ آپ کے لیے ہرگز اہم نہیں ہو گا مگر آپ کا بیٹا وہ تو آپ کے لیے اہم ہے نا؟ پلیز اسے محبت کی اس آزمائش میں مت ڈالیں' وہ مجھ میں اور آپ میں سے کسی ایک کو چنے یقین کریں میں اتنی بری نہیں ہوں۔ مجھ سے ملے بغیر مجھے ریجیکٹ مت کریں۔ میرے امریکن ہونے پر مجھ سے نفرت مت کریں۔ میں آپ کے پاکستانی ماحول کو پوری طرح اپنا لوں گی۔ میں شلوار قمیص اور دوپٹہ پہنا کروں گی۔ میں عالی کی خاطر کچھ بھی اپنا سکتی ہوں' میں عالی کی خاطر کچھ بھی چھوڑ سکتی ہوں۔ وہ دوسری جو بھی کوئی ہے چاہے مجھ سے جتنی بھی اچھی ہو پر میری جیسی محبت نہیں کر سکتی عالی سے وہ آپ دونوں سے بہت محبت کرتا ہے مگر وہ مجھ سے تو بھی تو محبت کرتا ہے میں آپ کی محبت کی برابری نہیں کر رہی' آپ اس کے ماں باپ ہیں۔ وہ جتنی محبت مجھ سے کرتا ہے یقیناً' اس سے کہیں زیادہ آپ دونوں سے کرتا ہو گا۔ اس کا امتحان مت لیں۔ پلیز! عالی کو مجھ سے مت جدا کریں۔"

گھٹنوں پر سر رکھے' اس تصویر کو مخاطب کرتی وہ بے آواز رو رہی تھی' اسے روتے روتے نجانے کتنی دیر ہو گئی تھی' وہ کچھ غنودگی جیسی کیفیت میں جانے لگی تھی۔ پھر شاید وہ سو گئی تھی۔ کہیں سے کوئی آواز آ رہی تھی۔ کسمسا کر اس نے گھٹنوں پر رکھے سر کو اٹھانا اور آنکھیں کھولنا چاہیں' اس آواز کو سمجھنا چاہا۔ وہ عالی تھا۔ وہ کچھ گنگنا رہا تھا۔ اس نے گھٹنوں پر سر رکھے رکھے ہی آنکھیں کھول کر دیکھا۔ لیونگ روم کی تمام لائٹس آف تھیں۔ اس کے عین سامنے عباد ہاتھوں میں دو بڑی بڑی کینڈلز پکڑے کھڑا تھا۔ لیونگ روم کے اس اندھیرے میں تمام تر روشنی صرف ان کینڈلز کی تھی جن کی روشنی عباد کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے ڈیئر ہنی! ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

اس نے بے اختیار اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا۔ ٹھیک

بارہ بج رہے تھے۔ وہ شام سات بجے یہاں آئی تو اسے کل آنے والی اپنی سالگرہ بہت اچھی طرح یاد تھی، مگر یہاں آنے پر جو کچھ اسے پتا چلا اس کے بعد وہ اپنی سالگرہ کو یکسر بھول چکی تھی۔

"تھینکس عابی۔۔! میں پتا نہیں کب سو گئی، مجھے پتا ہی نہیں چلا۔" وہ صوفے پر سے فوراً کھڑی ہو گئی۔

"تمہارے سو جانے سے تو میرا مسئلہ آسان ہو گیا ورنہ میں سوچ رہا تھا تمہیں بارہ بجے تک کیسے روکوں۔" وہ جواباً مسکرایا۔

"میرا ارادہ تھا کہ کل صبح صبح جب ابھی تم سو کر اٹھی بھی نہیں ہو گی، اس وقت تمہارے گھر آ کر تمہیں وش کروں گا، سرپرائز دوں گا۔ مگر ابھی تم سے جب یہ پتا چلا کہ ماما جانی شکاگو گئی ہوئی ہیں تو میں نے یہ پروگرام فوراً کینسل کر دیا۔ اب وہ نہیں ہیں تو دروازے پر بیل ہونے پر دروازہ تم آ کر کھولو گی جبکہ مجھے تو تمہیں سونے سے اٹھا کر حیران کرنا تھا، وش کرنا تھا۔ سو میں نے سوچا کل کے بجائے آج رات بارہ بجے ہی وش کر دیتے ہیں۔ میں یہاں سے اٹھ کر گیا تھا نا، تھوڑی دیر بعد آ کر دیکھا تو تم سو رہی تھیں، میں لائٹ بھی آف کر گیا کہ اچھا ہے بارہ بجے تک ایسے ہی سوتی رہو۔" وہ کچھ دیر پہلے کی اداسی اور افسردگی کو مٹائے بھرپور انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"آؤ۔"

"کہاں؟" وہ حیران ہوئی۔

"تم آؤ تو سہی۔" اس نے اسے اپنے ساتھ آنے کے لیے کہا۔ وہ حیران حیران سی اس کے ساتھ چلتی اس کے اپارٹمنٹ کی بالکونی تک آ گئی۔ یہاں ایک بے حد خوب صورت منظر اس کا منتظر تھا۔ اس کی بڑی سی بالکونی میں ہر طرف ڈھیر سارے پھول اور غبارے نظر آ رہے تھے۔ فرش پر جا بجا بچھے پھول اور سرخ اور گولڈن رنگوں کے ہارٹ شیپڈ بلونز۔ بالکونی کے عین وسط میں رکھی چھوٹی سی میز پر بہت ساری کینڈلز جلی ہوئی تھیں اور ان کینڈلز کے درمیان میز کے بالکل سینٹر میں ایک بڑا سا چوکلیٹ کیک رکھا تھا، جس پر سرخ رنگ کی چھوٹی چھوٹی بہت ساری کینڈلز لگی ہوئی تھیں۔ کیک پر رکھی کینڈلز ابھی جلائی نہیں گئی تھیں۔ یہ چودھویں کی رات نہیں تھی مگر آسماں پر جگمگاتا چاند اپنا نور پھر بھی یہاں بکھرا تو رہا تھا۔ اس نے ایک نظر اس ساری سجاوٹ اور اہتمام پر ڈالی

اور پھر ایک نظر عباد پر، جو اس کی حیرت کو انجوائے کرتا مسکرا رہا تھا۔

"اوہ عابی! اتنا سارا کچھ۔ تم نے یہ سارا کچھ ابھی کیا ہے؟" اتنا رو کر بیٹھی تھی مگر ایسا لگا تھا کہ وہ خوشی میں پھر رو پڑے گی۔

"آج تمہاری سالگرہ ہے، دیکھو ہم کو یاد ہے نا!" وہ متبسم سے انداز میں گنگنایا۔

"تم سو رہی تھیں، میں تمہیں اپارٹمنٹ میں بند کر کے باہر سے دروازہ لاک کر کے یہ سب چیزیں لانے چلا گیا تھا۔" وہ اسے اپارٹمنٹ کے اندر لاک کر کے جانے والی بات کہہ کر خود ہی ہنسا۔ یونہی ہنستا ہوا وہ میز کے قریب چلا گیا تھا۔ وہ اب ایک ایک کر کے کیک پر لگی کینڈلز جلا رہا تھا۔

"آؤ ہنی! کیک کاٹو۔" وہ چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔ وہ کیک کی طرف نہیں گئی تھی، وہ اس کے پاس آ کر رک گئی تھی۔

"عابی! ہمیشہ مجھ سے ایسی ہی محبت کرنا۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے نہیں کروں گا؟"

"میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی عابی! پلیز خود کو مجھ سے الگ مت کرنا، مجھ سے دور مت جانا۔" اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔

"میں بھی نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر۔ اور ہم الگ نہیں ہو رہے ہیں ہنی! ہم دور بھی نہیں ہو رہے ہیں۔"

اس نے اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے یقین دلایا، پھر فوراً مسکرا کر کہنے لگا۔

"آج کے لیے اتنی سنجیدہ اور اتنی اداس کر دینے والی باتیں کافی ہیں۔ تمہاری سالگرہ ہے لڑکی آؤ اسے مناؤ۔" وہ اسے ہاتھ پکڑ کر کیک تک لے آیا۔ اس نے کیک کاٹ کر اس کا ایک ٹکڑا عباد کی طرف بڑھایا۔

میں مما، پاپا کو ہمیشہ ان کی برتھ ڈیز اور ویڈنگ اینی ورسریز پر صبح صبح ان کے کمرے میں جا کر وش کرتا ہوں۔ میری ککنگ اسکلز تو تم نے دیکھی ہی ہیں۔ میں اس روز صبح صبح اٹھ کر ان میں سے جس کی بھی سالگرہ ہو اس کی پسند کا خوب اہتمام والا ناشتہ بناتا ہوں، ناشتے کی ٹرے کے ساتھ پھول اور گریٹنگ کارڈ بھی لیتا ہوں اور ناک کرتا ان کے کمرے میں پہنچ جاتا ہوں۔ اب تو مما، پاپا کو بھی کنفرمڈ پتا ہوتا ہے کہ میں جم جم ان کے کمرے میں وش

کرنے آنے والا ہوں، اس لیے اگر وہ سو کر اٹھ بھی چکے ہوتے ہیں تو بھی بستر ہی پر موجود رہتے ہیں۔ مما کہتی ہیں انہیں میرا وش کرنے کا یہ اسٹائل بہت اچھا لگتا ہے اور پاپا مسکراتے ہوئے میرے لائے کارڈ اور پھولوں کو دیکھنے لگتے ہیں۔ میں نے سوچا تھا تمہیں بھی صبح اس طرح وش کروں گا۔ مگر خیر نیکسٹ ایئر سہی۔"

وہ کیک کے ساتھ کچھ اور بھی کھانے پینے کی اشیاء لے کر آیا تھا۔ رات کا کھانا ان دونوں ہی نے نہیں کھایا ہوا تھا لہٰذا اب ایپل پائی، ڈونٹس، سینڈوچز اور کولڈ ڈرنک کے ساتھ کھانے کی کمی پوری کی جا رہی تھی۔ عباد نے شاید لنچ بھی نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس نے پتا نہیں کب سے، کتنے دنوں سے شاید کچھ کھایا ہی نہیں تھا۔ اس نے ایک کیک پیس عباد کی پلیٹ میں مزید ڈال دیا تھا۔

"میں کھا چکا ہنی!"

"یہ بھی کھا لو، پلیز۔" وہ اسے ایسا کمزور کمزور سا اچھا نہیں لگ رہا، کیا کہتی۔

"تمہاری پلیز پلیز میں وزن بڑھا لوں، موٹا ہو جاؤں، یہ چاہتی ہو۔ تاکہ پھر کوئی لڑکی میری طرف دیکھے بھی نا!" وہ ہنس پڑی۔

"شکر تم ہنسیں تو سہی۔ لگتا تھا آج کی تاریخ میں مجھے ہنیہ سجاد کا ہنستا چہرہ دیکھنے ہی کو نہ ملے گا۔" وہ اس کی سالگرہ اتنی خوشی خوشی سلیبریٹ کر رہا تھا، اسے خوش اور ہنستا دیکھنا چاہتا تھا سو وہ دل میں چھپی کوئی پریشانی اور خوف اب اس وقت مزید ڈسکس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اس وقت سب بھلا کر ان لمحات کی خوب صورتی میں کھو جانا چاہتی تھی۔

"میری ہنسی میں تو اتنا خاص کچھ نہیں، خاص تو تمہاری ہنسی ہے۔ سچ عابی! تمہاری ڈمپل والی ہنسی مجھے اتنی اچھی لگتی ہے۔" وہ میز پر رکھی کینڈلز کو بے وجہ اِدھر سے اُدھر رکھتا مسکرایا۔ اس نے سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے ہی ہنیہ کو دیکھا۔

"یہ بات تم مجھے پہلے بھی بتا چکی ہو اور تب سے مجھے اپنے ڈمپل سے بڑی محبت ہو چلی ہے۔"

"مجھے تمہارا ڈمپل بہت اچھا لگتا ہے۔ کسی لڑکے کے چہرے پر ڈمپل اتنا اچھا لگ سکتا ہے تم سے ملنے سے پہلے مجھے پتا نہیں تھا۔"

"بس اتنی تعریف کافی ہے۔ بلاوجہ میں مغرور ہونے لگا ہوں۔" وہ زمین پر موجود غباروں کو اپنے پیروں سے اِدھر اُدھر کرتی کولڈ ڈرنک کے سپ لے رہی تھی۔

"جلدی سے ختم کرو، تمہیں واپس بھی جانا ہے۔" عباد نے اسے رات کے ہونے کا احساس دلایا۔ گھڑی میں وقت دیکھتے اسے بھی فوراً ہی اس بات کا دھیان آ گیا تھا۔ رات کا پونا ایک بج رہا تھا، واقعی دیر ہو گئی تھی۔

"مجھ سے پرامس کرو گھر جا کر اکیلے میں کچھ بھی سوچ کر پریشان نہیں ہو گی، روؤ گی نہیں۔" اسے رخصت کرتے وقت وہ بولا۔

"میں روؤں گی نہیں عابی! لیکن۔۔"

"لیکن کچھ نہیں۔ تم نے کہا ہے تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے تو بس اب اپنی بات پر قائم رہو۔ یہ وقتی مشکل ہے مگر میں اسے ان شاء اللہ ٹھیک کر دوں گا۔" وہ اس کی بات کاٹ کر مستحکم لہجے میں بولا۔

"جلدی سے گھر پہنچو، میں تمہیں فون کروں گا ہم آج ساری رات بات کریں گے۔" وہ واقعی اسے خوش کرنا چاہتا تھا، اسے خوش دیکھنا چاہتا تھا۔

"ساری رات؟ لیکن ساری رات بات کرنے سے تو میری پڑھائی کا حرج ہوتا ہے نا! ساری رات بات کروں گی تو صبح کب اٹھوں گی، دیر سے اٹھوں گی تو پڑھوں گی کب؟" اس نے جیسے جتانے والے انداز میں اسے اس کی باتیں یاد دلائیں۔

"کوئی بات نہیں ہونے دو حرج۔ اب ہم روز بات کریں گے، روز ملیں گے۔"

"میرے خدا! یہ میرے کان کیا سن رہے ہیں؟ پروفیسر عباد عذیر کیا فرما رہے ہیں، کہیں حیرت سے میں بے ہوش نہ ہو جاؤں۔" وہ اسے چھیڑنے کے لیے ان دنوں جب وہ پڑھائی پڑھائی کا زیادہ واویلا کرتا تو پروفیسر عباد عذیر ہی کہا کرتی تھی۔

"میرا مذاق اڑاؤ گی تو تمہاری سالگرہ کے موقع پر دی جانے والی اس آفر کو ابھی کے ابھی کینسل بھی کر دوں گا۔"

"کتنا اتراتے ہو تم عابی! واقعی تمہیں ضرورت سے زیادہ اہمیت دے دے کر میں نے تمہارا دماغ آسمان پر پہنچا دیا ہے۔"

یونہی الٹی سیدھی بے سر پا باتیں کرتی وہ اس سے رخصت ہوئی تھی۔ اپنے گھر آ کر وہ ابھی اپنے کمرے تک پہنچی نہ تھی کہ اس کی کال آ گئی تھی۔ اسے گھر پہنچنے میں کتنا

وقت لگے گا اس کا منٹوں سیکنڈوں کے حساب سے ایسا صحیح اندازہ لگا کر اس نے فون کیا تھا کہ وہ حیرت زدہ ہوتی ہنس پڑی۔

"ابھی مجھے کپڑے چینج کر کے دانت تو برش کر لینے دو۔"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے تم چاہو تو اپنے سارے کام کرتے ہوئے باتیں کرتی رہو، نہیں تو میں اتنی دیر انتظار کر لیتا ہوں۔"

وہ لائن ڈس کنیکٹ کر کے دوبارہ کال کرنے کی بات نہیں کر رہا تھا بلکہ انتظار کر لینے کا کہہ رہا تھا۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ اس وقت وہ اسے تھوڑی سی دیر کے لیے بھی اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا اور اگر اس وقت وہ اسے کال نہ کر رہا ہوتا تو وہ کیا کر رہی ہوتی؟ وہ گھر آتے ہی بغیر لباس تبدیل کیے اپنے بستر پر اوندھی لیٹ کر رو رہی ہوتی۔

وہ نہ اس وقت اسے رونے کا موقع دینا چاہتا تھا نہ تنہا رہنے کا۔ پھر یہی ہوا تھا وہ اپنے یہ چند کام کرنے کے دوران اس سے باتیں کرتی رہی تھی اور کچھ منٹوں بعد بستر پر لیٹی تو بھی اس سے باتیں کر رہی تھی۔

"تم نے اس دن بھی اپنی بالکونی میرے لیے ایسے ہی سجائی تھی؟" اس نے عباد سے اس دن کا ذکر کیا جب وہ اسے پہلی بار اپنے اپارٹمنٹ لے کر گیا تھا۔

"ہاں، تب ذرا اس سے بھی زیادہ اچھی سجائی تھی۔ آج تو سب کچھ ایمرجنسی میں ارینج کرنا پڑا ہے۔"

جو اہم بات تھی، جو اہم ترین اور سنگین مسئلہ ان دونوں کی زندگیوں کو لاحق ہو گیا تھا اس ایک بات کے علاوہ وہ دونوں دنیا زمانے کے ہر موضوع پر بات کر رہے تھے۔ رات کی اس تنہائی میں وہ اپنے گھر آ کر بہت رو رہی ہوتی مگر وہ اسے رونے دے نہیں رہا تھا۔ وہ اسے رونے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا وہ اسے تنہا رہنے ہی نہیں دے رہا تھا۔ باتیں کرتے کرتے صبح ہونے لگی تھی، باتیں کرتے کرتے نیند آنے لگی تھی مگر وہ بات ختم کرنے اور خدا حافظ کہنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے یا چھ بجنے والے تھے، کس وقت باتیں کرتے کرتے اس کی آنکھ لگی تھی، کارڈلیس اس کے ہاتھ سے گرا تھا اسے ذرا یاد نہیں تھا۔

اگلا پورا دن وہ گھر پر رہی تھی۔ بظاہر کمرے میں کتابیں بکھرائے پڑھتی ہوئی مگر حقیقت میں ایک بھی لفظ نہ پڑھتی صرف اور صرف ایک ہی بات سوچتی ہوئی۔ صرف ایک دن پہلے اس کی زندگی میں سب کچھ کتنا ٹھیک تھا، وہ کتنی خوش تھی اور آج وسوسے ہی وسوسے تھے، خوف ہی خوف تھے۔ شام ساڑھے چھ بجے جب وہ اپنے کمرے میں رائٹنگ ٹیبل پر سر رکھ کر خالی الذہنی کی سی کیفیت میں بیٹھی تھی تب دروازے پر بیل ہوئی تھی۔ اس کا اس بیل کو اگنور کرنے کا پروگرام تھا، وہ اس وقت کسی سے ملنے کے موڈ میں نہیں تھی، مگر دوسری بیل کے ساتھ ہی اس کے سیل پر عباد کی کال بھی آ گئی تھی۔

"دروازہ کھولو۔" اس نے کمرے سے نکل کر باہر آ کر اس کے لیے دروازہ کھولا۔ وہ ہنستا مسکراتا خوب ہشاش بشاش اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اندر آ کر اس نے اوور کوٹ کے ساتھ ساتھ اپنا سوئٹر بھی اتار دیا۔ اس نے بلیک پینٹ کے ساتھ وہی بلیو شرٹ پہن رکھی تھی۔ جو ہنیہ نے اسے گفٹ کی تھی۔ سوئٹر اتارنے کا مقصد بھی شاید اسے وہ شرٹ دکھانا ہی تھا۔ وہ رات والے ہی لباس اور حلیے میں تھی۔ ان ہی کپڑوں میں سوئی، ان ہی میں اٹھی، اس نے تمام دن نہ خود کو آئینے میں دیکھا تھا نہ بالوں کو برش کرنے کی زحمت ہی کی تھی۔ بالوں کو یونہی لپیٹ کر کیچر لگایا ہوا تھا اور مختلف جگہوں سے بالوں کی الجھی لٹیں نکل رہی تھیں۔

"یہ حلیہ کیا بنایا ہوا ہے تم نے؟ اگر میرے بجائے اس وقت ماما جانی ہوتیں، وہ اچانک واپس آ گئی ہوتیں تو سوچو تمہیں اس طرح دیکھ کر کتنی پریشان ہو جاتیں؟" وہ ناراضی سے بولا۔

"کچھ کھایا پیا ہے یا صبح سے بھوکی ہو؟" وہ صبح اٹھنے کے بعد سے ایک بار بھی اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی، کچھ کھانا تو در کنار اس نے ایک گلاس پانی تک نہ پیا تھا۔

"مجھے اس طرح کی امیدیں تھیں تم سے اس لیے لائبریری سے سیدھا یہاں آ گیا ہوں۔" اس نے اسے دیکھتے مایوسی سے سر ہلایا۔

"بھوکا پیاسا رہنے سے کیا مسئلے حل ہو جاتے ہیں؟" وہ اس کے کچن کی طرف جانے لگا تھا۔

"تم کہاں جا رہے ہو عالی؟"

"میں آپ کے لیے کچھ کھانے کے لیے لانے جا رہا ہوں، جتنے میں کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں آپ براہِ

www.UrduPhoto.com

مہربانی اپنا حلیہ سدھاریے۔" وہ خفگی سے بولتا کچن میں آ گیا تھا۔

"تم رہنے دو عالی! فریزر میں ہو گا کچھ نہ کچھ، میں مائیکرو ویو میں گرم کر لیتی ہوں۔"

"تم سے جو میں کہہ رہا ہوں تم وہ کرو۔ کھانے کی فکر میں کر لوں گا۔"

اس کے حتمی انداز پر وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ وہ گرم پانی سے نہائی، کافی دیر تک پانی اپنے جسم میں بہاتی رہی، اس نے اپنے پاس موجود چند شلوار قمیص کے جوڑوں میں سے ایک نکال کر پہن لیا۔ وہ واپس کچن میں آئی تو وہاں خوشبوئیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اپنی نئی شرٹ کو کسی داغ دھبے کے لگنے سے محفوظ رکھنے کے لیے عباد نے ماما جانی کا کچن میں ٹنگا ایپرن پہنا ہوا تھا۔

"آجاؤ بس پانچ چھ منٹ اور لگیں گے۔ ایسا کرو تم ٹیبل پر برتن لگا لو تب تک یہ آملیٹ تیار ہو چکا ہو گا۔"

وہ نان اسٹک پین کو کسی شیف کی طرح برنر سے اوپر اٹھا کر زور زور سے گھماتے ہوئے بولا۔ اس نے میکسیکن آملیٹ اور سلاد بنائی تھی، اس کے ساتھ کھانے کے لیے فرنچ بریڈ بھاگ کر جا کر ان کے اپارٹمنٹ کے نزدیک ترین اسٹور سے دو، تین منٹ میں خرید لایا تھا۔

"کچھ اور بناتا تو وقت لگتا۔ میں نے سوچا یہ آملیٹ مجھ سے اچھا بن بھی جاتا ہے اور اس میں وقت بھی کم لگے گا۔"

وہ ڈائننگ روم کے بجائے وہ کچن ہی میں موجود لکڑی کی چار کرسیوں والی میز پر بیٹھے کھا رہے تھے۔ اسے دن بھر میں ایک بار بھی کھانا کی خواہش نہ ہوئی تھی، بھوک نہیں لگی تھی لیکن اس وقت عباد کے ساتھ بیٹھ کر وہ بڑی رغبت سے کھا رہی تھی۔

وہ دن بھر کا تھکا ہارا صرف اس کی خاطر یہاں آیا تھا وہ کھانے کے دوران مختلف موضوعات پر اس سے باتیں کر رہا تھا، ہلکی پھلکی خوشگوار باتیں۔ وہ اسے مسلسل اور بغور دیکھ رہی تھی۔ اس کی ٹینشن دور کرنے اور اسے خوشی دینے کے لیے چہرے پر سجائی اس کی یہ مسکراہٹ کتنی سچی تھی، وہ جانتی تھی۔

"تم نے لنچ کیا تھا عالی!" وہ یہ بات پورے یقین سے کہہ سکتی تھی کہ کل رات کے بعد سے اس نے کچھ نہیں کھایا۔

"کھانا... ہاں وہ..."

"مجھ سے جھوٹ مت بولو عالی! مجھے پتا ہے تم نے کل سے کچھ نہیں کھایا۔" وہ اس کی بات کاٹ کر افسردگی سے بولی۔

"تمہیں میری فکر ہے، مجھے خوش کرنے کے لیے جھوٹی ہنسی ہنس رہے ہو، خود کو خوش اور مطمئن ظاہر کر رہے ہو۔ عالی پلیز! مجھے خود سے الگ مت کرو۔ مجھ سے وہ کہو جو تمہارے دل میں ہے، جو تمہیں اندر ہی اندر تکلیف دے رہا ہے۔ مجھے بہلانے، مطمئن کرنے کے لیے یہ مصنوعی ہنسی مت ہنسو عالی!"

اس کے لفظوں میں گہرائی تھی، سچائی تھی، محبت کی شدتیں تھیں۔ عباد کے مسکراتے چہرے پر یک دم ہی اداسی بکھر گئی تھی۔

"تم مجھ سے الگ نہیں ہو ہنیہ! ہمارا رشتہ تو بہت خاص ہے، بہت گہرا ہے یوں لگتا ہے جیسے میں تمہیں جانتا تب سے ہوں، جب ابھی یہ کائنات تخلیق کی جا رہی تھی۔" وہ اس کی طرف دیکھتا آہستگی اور نرمی سے بول رہا تھا۔

"پاپا مجھ سے زندگی میں پہلی بار اس طرح ناراض ہو گئے ہیں ہنیہ! میری سمجھ میں نہیں آ رہا انہیں کیسے مناؤں؟ یہ کیسے بتاؤں کہ میں بدلا نہیں، میں ان کا وہی عالی ہوں۔"

وہ اپنی مما، پاپا سے اپنی جان سے بڑھ کر پیار کرتا تھا اور اپنے پاپا کی ناراضی نے اس کی ساری توانائیاں سلب کر لی تھیں، وہ باپ کی ناراضی پر کسی چھوٹے سے بچے کی طرح سہم گیا تھا، ڈر گیا تھا باپ کی ناراضی نے اس کے چہرے پر سے ساری رونق اور تازگی مٹا کر وہاں افسردگی ہی افسردگی بچھا دی تھی۔

"مجھ سے غلطی ہو گئی ہنیہ! مجھے مما، پاپا کو تمہارے بارے میں پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا۔ میرا ارادہ مما، پاپا کا دل دکھانے کا تو نہیں تھا، وہ میری کوئی کال ریسیو نہیں کر رہے، میری ای میلز، میرے ٹیکسٹ میسجز کسی کا جواب نہیں دے رہے۔ پاپا کے دل کو دکھا کر میں سکون سے نہیں رہ سکتا۔"

وہ کل عباد کی اس طرح کی باتوں پر چپ رہی تھی، مگر آج اس کا احساس جرم وہ بھی بغیر کسی جرم، کسی غلطی، کسی خطا کے وہ دیکھ نہیں پا رہی تھی۔ وہ صاف دل کی، اصولوں کی، صحیح اور غلط میں فرق کی واضح بات کرنے والی لڑکی تھی۔

اس نے عباد کے چہرے پر بکھرے پچھتاووں، ملال اور افسردگی کو دیکھا پھر آہستگی سے بولی۔

"عالی! ایک بات کہوں۔ تمہارے پاپا کو تمہارے انکل سے تمہاری کزن کا رشتہ تمہارے لیے مانگنے سے پہلے at least تمہیں انفارم تو کر دینا چاہیے تھا۔ اگر میں بیچ میں نہ ہوتی، اگر تم کسی بھی لڑکی کو پسند نہ کرتے ہم نے تب بھی اتنا تو تمہارا حق تھا کہ تمہارا رشتہ کہیں طے کرنے سے قبل پوچھا نہ سہی کم از کم تمہیں انفارم کر دیا جائے۔ وہ تم سے تمہاری مرضی معلوم کر سکتے تھے عالی! اور انہیں ایسا کرنا چاہیے تھا۔ تم جس بات کو لے کر خود کو اتنا قصوروار سمجھ رہے ہو اس میں تمہاری غلطی کہاں ہے؟ تم صرف اتنا ہی تو چاہتے تھے کہ تم اچھے انداز میں مجھے ان سے متعارف کرواؤ تاکہ میرا اچھا امپریشن قائم ہو ان پر۔ غلطی چھوٹے ہی نہیں بڑے بھی کر سکتے ہیں۔ وہ اگر آج اپنے بھائی اور ان کی فیملی کے سامنے اپنی پوزیشن اکورڈ محسوس کر رہے ہیں تو اس کی وجہ تم نہیں بلکہ ان کی اپنی غلطی ہے۔"

"ہم جس سے بہت محبت کرتے ہیں تا ہنی! اس پر اپنا حق بھی سمجھتے ہیں۔ تم جو کہہ رہی ہو شاید وہ صحیح ہو مگر پاپا کی مجھ سے بے تحاشا محبت کے تناظر سے اس معاملے کو دیکھو تو وہ بالکل درست نظر آئیں گے۔ سادہ سی بات ہے ہنی! وہ مجھ سے اپنے اکلوتے بیٹے سے شدید محبت کرتے ہیں، وہ اس پر اپنا حق بھی سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے اس حق کو پورے حق کے ساتھ استعمال بھی کرنا چاہتے ہیں۔" وہ اپنے پاپا کی غلطی کا دفاع کر رہا تھا۔ محبت کیسی ہوتی ہے۔ جس سے محبت کرتے ہیں اس کے لیے نہ خود کچھ برا سوچیں گے نہ کسی دوسرے کو سوچنے دیں گے۔ اسے اس باپ پر رشک آیا جس کا اتنا چاہنے والا بیٹا تھا۔ اسے اس باپ پر افسوس ہوا جو اپنے اتنے محبت کرنے اور چاہنے والے بیٹے سے یوں اتنی آسانی سے بدگمان ہو گیا تھا۔

"عالی! اگر میں تمہاری زندگی میں نہ ہوتی اور پھر تمہارے پاپا یونہی ایک فون کال کے ذریعے تمہیں تمہاری منگنی کی اطلاع دیئے رہے ہوتے تو کیا تم اس کو قبول کر لیتے؟" اس کی محبت اور حق والی بات پر وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"ہاں، بالکل۔" عباد نے ایک سیکنڈ کی ہچکچاہٹ کے بغیر فوراً جواب دیا۔

"پاپا کا فیصلہ میرے لیے غلط کیسے ہو سکتا ہے۔ میں اپنے لیے اتنا اچھا نہیں سوچ سکتا جتنا وہ سوچ سکتے ہیں میں خود اپنے آپ سے اتنی محبت نہیں کر سکتا جتنی وہ مجھ سے کرتے ہیں۔" وہ بالکل خاموش ہو گئی تھی۔

"چلو ہنیہ کہیں باہر چلتے ہیں۔" وہ بولتا ہوا میز پر سے اٹھ گیا۔ وہ بلیو کلر کی شرٹ پہنے ہوا تھا جو اسے پسند تھی جبکہ عباد کو فان کلر کی پسند تھی لیکن وہ سوچ میں ڈوب گئی۔

وہ اسے لے کر ایسٹ ریور کے نزدیک ایک پارک میں آ گیا تھا۔ وہ دونوں پارک میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ وہ بالکل خاموش تھی۔ وہ گھر سے نکلنے کے بعد سے بالکل خاموش تھی۔ عباد ہی وقتاً فوقتاً مختلف موضوعات پر کچھ نہ کچھ بول رہا تھا۔ ابھی رات کے آٹھ بجے تھے اور نیویارک شہر کی روایتی رونقیں ہرگز ماند نہ پڑی تھیں۔ مگر چونکہ اندھیرا پھیل رہا تھا نیویارک اور سردی بھی کافی زیادہ تھی، اس لیے پارک سے لوگ آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔

"کیا ہوا ہنیہ! تم اتنی چپ کیوں ہو گئیں؟" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔

"عالی! مجھے معاف کر دو۔ میں کل شام سے تمہارے پاپا کے لیے اتنا کچھ نگیٹیو سوچتی رہی ہوں۔ میں سوچ رہی تھی وہ یہ کس طرح کی محبت تم سے کرتے ہیں کہ تم پر اپنا تسلط جمانا چاہتے ہیں، لیکن میں کس منہ سے انہیں یہ سب کہہ سکتی ہوں، جبکہ میں خود تم سے ایسی ہی محبت کرتی ہوں۔ تمہیں فان کلر کی شرٹ پسند ہے، یہ میرے لیے اہم نہیں، میرے لیے اہم یہ ہے کہ مجھے تمہارے لیے بلیو شرٹ زیادہ اچھی لگ رہی ہے۔ محبت میں ہزار اچھائیاں ہوں، پر محبت کا یہ انداز اچھا نہیں عالی! ملکیت جتانے والا، تسلط قائم کرنے والا، اپنی منوانے والا اور تم ہم دونوں سے شرمندہ ہو۔ تم اپنے پاپا سے شرمندہ ہو کر ان کا ایک ناجائز حکم نہ مان کر ان کی نافرمانی کے مرتکب ہو رہے ہو، اور مجھ سے اس لیے شرمندہ ہو کہ میرا وجود اپنے والدین سے تسلیم نہیں کروا پا رہے عالی! اتنے اچھے مت بنو۔ ہم لوگوں کو جو تم سے محبت کے دعویدار ہیں ہماری غلطیاں بتایا کرو، ہمیں خوش کرنے اور خوش رکھنے کی کوشش میں خود کو دکھ مت دو، اپنا کوئی نقصان نہ کرو۔"

اس پل اس کا دل عباد عذیر کے لیے بہت دکھ رہا تھا آخر کیوں تھا وہ اتنا اچھا۔

"بے فکر رہو میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو رہی، نہ پاپا کی جانب سے نہ تمہاری جانب سے۔ بلکہ میں تو خود کو اس دنیا کا خوش قسمت ترین آدمی سمجھتا ہوں، جس سے اتنے سارے لوگ اتنی زیادہ محبت کرتے ہیں۔" وہ اس کی حساسیت اور اپنے لیے اس کی محبت پر مسکرایا۔ وہ آنکھوں میں نرمی اور گداز لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم یہ بات اب کہہ رہی ہو میں نے تو تمہیں بہت پہلے بتا دیا تھا کہ تم پاپا سے ملو تو وہ تمہیں اور تم انہیں ملاقات کے ابتدائی چند سیکنڈز ہی میں پسند کرنے لگو گے۔ تم دونوں عام لوگوں سے مختلف اور بہت منفرد ہو۔ مستقل مزاج ہو، تم میں اور پاپا میں بہت کچھ ایک جیسا ہے۔ جیسے تم بے تکلف اور بے جھجک بات کرتی ہو، ایسے ہی پاپا بھی ہیں۔ مما کی بات الگ ہے انہیں دنیا کی ہر لڑکی فوراً ہی پیاری اور اچھی لگ جاتی ہے۔ مگر پاپا کو متاثر کرنا آسان نہیں۔ مگر تمہیں پہلی ہی ملاقات میں وہ بہت پسند کرنے لگیں گے۔

پراعتماد اور ذہین لڑکیاں انہیں اچھی لگتی ہیں جنہوں نے اپنی اسلامی اور مشرقی قدروں کو بھی تھاما ہوا ہے۔ تب ہی تو میں تمہیں ان سے پہلے ملوانے اور بعد میں تمہارے متعلق کچھ بتانے پر اتنا سنجیدہ تھا۔ ابھی اگر تم ان سے کہیں ملو اور انہیں یہ نہ پتا ہو کہ تم ہی وہ لڑکی ہو جس سے میں محبت کرتا ہوں تو وہ اندر ہی اندر یہ سوچیں گے کہ کاش ان کا نالائق بیٹا اگر کسی لڑکی کو پسند کر ہی رہا تھا تو وہ لڑکی ہنیہ سجاد ہوتی۔"

وہ عباد کی بات پر بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔

"you must be jocking"۔

"پرامس! بالکل سچ کہہ رہا ہوں اور تم جو ابھی انہیں تھوڑا سخت مزاج اور غصے والا سمجھ رہی ہو جب ان سے ملو گی تو پہلی ہی ملاقات میں ان کی عاشق ہو جاؤ گی۔ ان کے مینرز، اپئی کینس، بات کرنے کا سلیقہ سب ایسا ہوتا ہے جس پر تم لڑکیاں دل و جان سے فدا ہوتی ہو۔"

عباد ہنستے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔ وہ بھی ہنستے ہوئے ہی اس کی بات سن رہی تھی۔

"جب میں انہیں اور وہ مجھے اتنے پسند آ سکتے ہیں عالی! پھر سب کچھ اتنا غلط کیوں ہو رہا ہے؟" مسکراتے مسکراتے یک لخت وہ سنجیدہ ہو گئی تھی، اپنے چہرے کی اداسی عباد سے چھپانے کی خاطر اس نے اپنا چہرہ دوبارہ سامنے کر لیا تھا۔ وہ سامنے دور تک نظر آتے درختوں کی طرف بالکل سیدھ میں دیکھ رہی تھی۔

"یہ سارا غلط جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا ہنی! پلیز میرا یقین رکھو۔ اپنی محبت پر بھروسہ رکھو۔"

عباد نے ایک پل کے لیے اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ وہ اسے سب ٹھیک ہو جانے، سب اچھا اور من چاہا ہو جانے کی نوید دے رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ماما جانی شکاگو سے واپس آ گئی تھیں۔ اس کا ارادہ نہیں تھا انہیں کچھ بھی بتا کر پریشان کرنے کا۔ لیکن اسے یہ خدشہ تھا کہ اس کے نہ بتانے کے باوجود کہیں وہ اس کے چہرے سے پریشانی کے کوئی آثار نہ بھانپ جائیں۔ مگر ماما جانی کی شکاگو سے آتے ہی طبیعت ایسی خراب ہوئی تھی کہ انہیں اس کے چہرے کو پڑھنے کی مہلت نہ مل سکی تھی۔ یہاں آتے ہی جو انہوں نے بستر سنبھالا تھا، ہنیہ اس سے بوکھلا گئی تھی۔ وہ بہت کم بیمار ہوتی تھیں اور ان کی کبھی کبھار کی بیماری اس طرح ہنیہ کے ہاتھ پاؤں پھلا دیا کرتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تم عباد کے چاچا کی فرم میں جاب کر رہی ہو، تمہیں پتا تھی یہ بات؟" فیاض احمد نے حیرت سے باہر نکلتے ہوئے اس سے استفسار کیا۔

"جی ماموں! مجھے پتا تھی۔ میں نے آپ لوگوں کو شروع میں اس لیے نہیں بتایا تھا کہ اس وقت مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا کہ میں ان کے پاس جاب حاصل کر بھی پاؤں گی کہ نہیں۔ جاب مل جانے کے بعد مجھے آپ لوگوں کو بتا دینا چاہیے تھا مگر نہ بتا سکی، سوری۔" وہ آہستگی سے بولتی جیسے اپنی ایک غلطی کا اعتراف کر رہی تھی۔

"میں الجھن میں تھی، ہر پل یہی سوچتی رہتی تھی کہ عالی کے پاپا جو مجھے اپنے ہاں جاب کرنے والی انجینئر کے طور پر اتنا پسند کرتے ہیں، جس روز میری سچائی جان جائیں گے کیا اس روز بھی مجھے اتنا ہی پسند کریں گے؟ میں آج بھی یہی سوچ رہی ہوں ماموں! جس روز میری سچائی کھلے گی، میں کہاں کھڑی ہوں گی؟ کیا تب بھی عذیر فاروق اپنی بیگم کے ساتھ آ کر مجھے میرے گھر پر کوئی تحفہ دے کر جائیں گے یا نفرت سے مجھے رد کر دیں گے؟" اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

"میں وہ لڑکی ہوں جس سے عذیر فاروق شدید نفرت

کرتے ہیں۔ میں وہ لڑکی ہوں جس کی وجہ سے وہ عالی سے خفا ہیں۔ آپ کو پتا ہے ماموں! وہ عالی کا نام تک اپنی زبان پر لانا پسند نہیں کرتے۔ میں نے آج تک کبھی ان کے لبوں سے ان کے بیٹے کا نام نہیں سنا' اس کا ذکر اس کی کوئی بات نہیں سنی۔ ایسے جیسے وہ اسے تو کیا اس کے نام تک کو ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی سے باہر نکال چکے ہیں۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ آنکھوں میں امنڈتے آنسوؤں کو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ ڈنر میں شرکت کے لیے عذیر فاروق کے گھر پہنچی تو وہ وہاں آنے والی پہلی مہمان تھی۔ شام ساڑھے سات بجے ڈنر کا ٹائم ہوا بھی نہیں ہوتا' سو ابھی کوئی بھی مہمان نہیں آیا تھا۔ اس گھر میں آنے کی ایسی ایکسائٹمنٹ تھی اسے کہ وہ ساڑھے سات بجے سے زیادہ خود کو روک ہی نہیں سکی تھی۔ اسے امریکہ سے پاکستان آئے پانچ مہینے ہو گئے تھے اور ان پانچ مہینوں میں آج وہ پہلی مرتبہ بطور ایک مہمان اس گھر میں قدم رکھ رہی تھی کہ جس میں رہنے اور بسنے کے اس نے عباد کے ساتھ مل کر بے شمار خواب دیکھے تھے۔

شام ساڑھے سات بجے ابھی اتنی جلدی وہ کسی مہمان کی آمد کی توقع نہیں کر رہی تھیں' اس کے باوجود ہاجرہ نے بڑے تپاک اور گرم جوشی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ یہ عذیر فاروق کا اپنی فرم کے تمام افراد کے لیے سالانہ ڈنر تھا' جس میں وہ سب کو کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں مدعو کرنے کی بجائے اپنے گھر بلانا زیادہ پسند کیا کرتے تھے۔ فرم کے تمام افراد کو بھی ان کے گھر آنا بہت پسند آیا کرتا تھا۔ سب ہاجرہ عذیر کی میزبانی اور ان کے گھر کے کھانوں کی سارا سال تعریفیں کرتے تھے۔

پارٹی کا انتظام ان کے خوب صورت لان میں کیا گیا تھا۔ ابھی ان کے ملازمین وہاں باقی رہ گئی۔ تیاریاں مکمل کرنے میں مصروف تھے' اس لیے اس وقت سے بہت پہلے چلی آئی مہمان کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا تھا۔ ہاجرہ ان سے آکر ملیں تو سب سے پہلے تو اسے اپنا دیا ہوا سوٹ پہنا دیکھ کر بے حد خوش ہوئیں۔ خوب کھلتے ہوئے پرپل اور گرین رنگوں کے امتزاج والا یہ ڈریس اسٹائلش بھی تھا اور جیسے کپڑے وہ پہنا کرتی تھی' اس کے مقابلے میں بہت شوخ اور سجا بنا بھی تھا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔" اسے گلے لگا کر خوش آمدید کہنے کے بعد انہوں نے بغور اس کی تیاری دیکھی۔

"سادگی میں بھی اسٹائلش لگتی ہو' مگر آج زیادہ اچھی لگ رہی ہو۔"

"آپ کو اچھی لگنے ہی کے لیے تو اتنا تیار ہو کر آئی ہوں۔" وہ مسکرا کر صوفے پر ان کے برابر میں بیٹھ گئی تھی۔

"میں جلدی آگئی' اصل میں....."

"بہت اچھا کیا ہنیہ! مجھے تمہارا جلدی آنا' ہمیں اپنا سمجھنا بہت اچھا لگا ہے۔" وہ اس کی وضاحت سننے سے پہلے ہی پیار اور اپنائیت سے بولیں۔ وہ ان کی محبت بھرے انداز پر مسکرائی۔

"سر کہاں ہیں؟" کتنا مشکل لگتا تھا انہیں سر کہنا۔ وہ انہیں عباد کی طرح پاپا کہنا چاہتی تھی اور یہ نہیں تو کم از کم انکل تو ہر حالت میں کہنا چاہتی تھی مگر مجبوری ایسی تھی کہ وہ سر کے سوا کسی اور من چاہے انداز میں فی الحال انہیں مخاطب کر نہیں سکتی تھی۔

"تیار ہو رہے ہیں۔" انہوں نے اس کے سوال کا جواب دیا۔

"آپ تیار نہیں ہوں گی؟"

"میں تمہیں تیار نہیں لگ رہی؟" انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔ بہت سوگوار اور بجھی ہوئی مسکراہٹ۔ وہ مسکرائی تھیں تو صرف ان کے لبوں تک ہی مسکراہٹ ہوتی تھی' اس کا کوئی رنگ ان کی آنکھوں سے ظاہر نہ ہوتا تھا۔

"پوری طرح تیار نہیں لگ رہیں۔ مطلب ڈریس تو بہت پیارا ہے مگر آپ نے میک اَپ تو کیا ہلکی سی لپ اسٹک تک نہیں لگائی اور جیولری بھی بس وہی پہنی ہوئی ہے' جو روزانہ پہنے رہتی ہیں۔"

"بس بیٹا! اب یہ سجنے سنورنے اور تیار ہونے کی تو تم لوگوں کی عمر ہے۔"

انہوں نے اپنی تیاری سے متعلق ذکر کو مزید طویل نہ دیتے بات ختم کر دی۔ وہ جانتی تھی کہ ہاجرہ عذیر ابھی پورے پچاس سال کی بھی نہیں ہوئی ہیں۔ عباد اپنی ینگ' اریسٹو اور بہت خوب صورت مما کا کتنے فخریہ انداز میں ذکر کرتا تھا۔ اس نے عباد کے پاس' اس کے اپارٹمنٹ میں ان کی اتنی تصویریں دیکھ رکھی تھیں' ان کی ویڈیو دیکھ رکھی تھی اور ان سب میں اس نے انہیں ہمیشہ خوب تیار دیکھا تھا۔ اپنی عمر کی مناسبت سے میک اَپ اور جیولری ہر چیز کا وہ اہتمام کرتی تھیں' دھیان رکھتی تھیں۔

اس وقت اس کے سامنے بیٹھی ہاجرہ عذیر ان تصویروں والی ہاجرہ عذیر سے بہت مختلف خاتون تھیں۔ سادگی میں بھی ان کی خوب صورتی نمایاں تھی۔ وہ تھیں ہی واقعی بہت خوب صورت' عباد کی طرح ان کے بھی بائیں گال پر ڈمپل پڑتا تھا۔ عباد نے یہ ڈمپل اپنی مما سے لیا تھا۔ مگر ان کی ساری خوب صورتی ایک حزن' ایک سوگواری میں لپٹی محسوس ہوتی تھی۔

کچھ دیر مزید گفتگو کے بعد جب یہ اندازہ ہوا کہ باہر تمام تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں تو ہاجرہ اسے باہر لے جانے لگیں۔

"چلو کھلی ہوا میں چل کے بیٹھتے ہیں۔ باقی مہمان بھی آنے والے ہوں گے۔" وہ ان کے ساتھ ڈرائنگ روم سے باہر نکلی تو ان کے لاؤنج پر نظر پڑی۔ اس کی ایک دیوار پر ایک بہت بڑی سی تصویر لگی تھی۔ بہت فاصلے سے بھی اسے وہ تصویر صاف نظر آرہی تھی۔ تصویر کے پاس رکتا دیکھ کے ہاجرہ آہستگی سے بولیں۔

"میرے بیٹے کی تصویر ہے۔" وہ ان سے یہ کہہ نہ سکی کہ وہ اس بات کو بہت اچھی طرح جانتی ہے۔ اس نے ان کے لبوں سے ان کے بیٹے کا تذکرہ پہلی مرتبہ سنا تھا' اس نے گردن گھما کر انہیں دیکھا۔ وہ یکدم ہی مزید کمزور' مزید بجھی ہوئی نظر آنے لگی تھیں۔ اپنی آنکھوں میں چھلک آئی نمی کو اس سے چھپانے کی خاطر وہ اسے اپنے ساتھ آنے کا کہتی اس سے پہلے ہی باہر نکل گئیں۔ اس نے آنسو چھپا کر تیزی سے لان میں جاتی ہاجرہ کو دیکھا' پھر مڑ کر دوبارہ اس تصویر کو دیکھا۔

"آہاہ۔ تو مس ہنیہ سجاد تشریف لا چکی ہیں۔" عذیر فاروق سیڑھیاں اتر کر اس طرف آرہے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب آگئے تھے۔

"السلام علیکم سر!" تصویر سے نظریں ہٹا کر اس نے انہیں سلام کیا۔ وہ اسے اس تصویر کو بغور دیکھتا دیکھ چکے تھے مگر انہوں نے ہاجرہ کی طرح اسے اس تصویر سے متعارف کروانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

"اتنے ناراض ہیں آپ عالی سے؟ اس کا نام بھی نہیں لینا چاہتے' اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہتے؟ عالی سے اس طرح ناراض مت ہوں پاپا!" اس نے خاموشی سے انہیں اس تصویر کو نظر انداز کرتے دیکھا۔

"یہاں اکیلی کیوں کھڑی ہیں؟"

"سر! میں آنٹی کے ساتھ لان میں جا رہی تھی۔"

"چلیں تو لان ہی میں چلتے ہیں۔" اس نے ان کے ساتھ باہر جانے کے لیے دم بڑھا دیے۔

"بائی دا وے! آج آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔"

"تھینک یو سر! سر یہ وہی سوٹ ہے۔"

"ہاں میں نے پہچان لیا ہے۔ ہاجرہ نے اسے لیا جبکہ میں یہ والا لوں یا وہ والا لوں کی کنفیوژن میں تھا کہ مجھے اس کا رنگ اور ڈیزائن یاد ہو گیا۔" وہ جواباً مسکرا کر بولے۔

"میری بیگم کی آپ فیورٹ بن چکی ہیں مس ہنیہ!"

"سر! میں آپ کی فیورٹ نہیں ہوں؟"

"کیوں ایک بندے سے دل مطمئن نہیں ہو رہا؟ ہم دونوں کی فیورٹ بننا چاہتی ہیں؟"

انہوں نے ہنستے ہوئے اس سے پوچھا۔ اس نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ ان کے ساتھ لان میں آگئی تھی۔ وہاں ہاجرہ نہیں تھیں۔ وہ دور دور تک کہیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ وہ ان کے پیچھے جانا چاہتی تھی۔ وہ کہاں تھیں' وہ گھر کے کس کمرے' کس جگہ پر تھیں' وہ انہیں تلاش کرتی ان کے پاس جانا چاہتی تھی۔ وہ رو رہی تھیں' وہ جانتی تھی۔ وہ اس تصویر کو دیکھ کر دن میں کتنی بار رویا کرتی تھیں؟ مگر وہ ہنیہ سجاد اس گھر میں صرف ایک مہمان تھی' ایک مہمان جو آج پہلی مرتبہ اس گھر میں آئی تھی۔ وہ بے تکلفی سے ان کے گھر کے اندر کس طرح جا سکتی' گھوم پھر سکتی تھی؟ حالانکہ اندر جا کر اگر وہ تھوڑا سا بھی ڈھونڈتی تو ہاجرہ اور عذیر فاروق کے بیڈ روم تک با آسانی خود پہنچ سکتی تھی۔ عباد کے اس بہت خوب صورت گھر کی اس نے کئی مرتبہ ویڈیو دیکھ رکھی تھی۔

وہ اس گھر کے چپے چپے اور کونے کونے سے واقف تھی۔

"اور سنائیں آج چھٹی کے دن کی کیا مصروفیات رہیں؟"

"کچھ خاص نہیں سر! بس اپنے ہفتے بھر کے جمع ہوئے کام نمٹاتی رہی۔" وہ ان کے ساتھ ایک میز کے گرد رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئی تھی۔

"ویسے امریکہ میں آپ کے ویل وشرز کی پیشن گوئی تو

غلط ثابت ہو گئی۔ پانچ مہینے تو میرا خیال ہے ہو رہے ہیں' آپ کو ہمارے ہاں جاب کرتے۔ یعنی پاکستان سے مایوس ہو کر لوٹنے کا پروگرام کم از کم چھ مہینے کے اندر اندر تو ہرگز نہیں بن گیا۔" وہ اس کی انٹرویو کے دن بتائی بات کا حوالہ دے رہے تھے۔

"اور سر! بنے گا بھی نہیں۔ یہاں نیویارک جیسی سہولتیں اور آسانیاں نہیں' کچھ مشکلات ہیں تو کیا ہوا۔ کم سے کم یہاں میں تنہا تو نہیں۔"

کچھ مہمان آنے شروع ہو گئے تھے' عذیر فاروق اس سے معذرت کرتے مہمانوں کا استقبال کرنے اٹھ گئے۔

"میں یہاں سے ناکام اور مایوس واپس لوٹنے نہیں بلکہ دلوں کو جیتنے آئی ہوں۔ میں یہاں ہارنے نہیں آئی پاپا! میں جیتنے آئی ہوں' آپ کی محبت' مما کی محبت' مصمم ارادے کے ساتھ' پورے یقین کے ساتھ محبت کا ہاتھ تھامے محبت ہی پر بھروسہ کیے۔ کام مشکل ہے پر ناممکن تو نہیں۔"

وہ زیر لب جیسے خود سے بول رہی تھی۔ اس کی نگاہیں دور مہمانوں کا استقبال کرتے عذیر فاروق پر تھیں۔ وہ مسکرا کر بلگرامی صاحب اور فرم کے چند دیگر سینئر انجینئرز کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ وہ ایسے ہی ایک اپنی ہی عمر کے صاحب سے اسے متعارف کروا رہے تھے۔

"مس ہنیہ سجاد سے ملیے۔ کولمبیا یونیورسٹی کی گریجویٹ ہیں اور ماشاء اللہ بہت ہی competent انجینئر ہیں۔" اعجاز نثار جو خود بھی ایک انجینئر تھے اور ایک انجینئرنگ فرم چلا رہے تھے ان سے عذیر فاروق نے اس کا تعریفی تعارف کروایا۔ نفرت بلکہ شدید نفرت تو وہ اس لڑکی سے کیا کرتے تھے جو ان کے اور ان کے بیٹے کے بیچ آکر کھڑی ہوئی تھی۔ کیسی عجیب سی بات تھی یہ جاننے کے باوجود کہ عذیر فاروق اس سے اس کا اصل حیثیت میں شدید نفرت کرتے ہیں وہ پھر بھی ان سے محبت کرتی تھی۔ وہ عذیر فاروق سے محبت کرتی تھی وہ عباد کے پاپا سے محبت کرتی تھی۔ وہ ہاجرہ عذیر سے محبت کرتی تھی' وہ عباد کی مما سے محبت کرتی تھی۔ عذیر فاروق کے لیے ناپسندیدگی والے جذبات تو اپنے دل سے اس نے اسی روز نکال دیے تھے جب یہ جانا تھا کہ صرف عالی کے پاپا ہی نہیں وہ خود بھی تو حق جتاتی اور تسلط جماتی محبت کرتی ہے عالی سے اور پھر آہستہ آہستہ اسے یہ احساس ہونا شروع ہوا تھا کہ وہ عالی کے مما' پاپا سے محبت کرنے لگی ہے۔ وہ عباد کی زندگی کے وہ دو لوگ تھے جن کے بغیر عباد کے پاس زندگی کا کوئی تصور نہ تھا' وہ اپنے ماں' باپ کو عشق اور جنون کی آخری حد تک چاہتا تھا۔ سادہ سی بات تھی ناں جس سے محبت ہو اس سے وابستہ تو ہر چیز محبوب ہو جاتی ہے۔ اس روز River East کے قریب اس پارک میں جب عالی کے پاپا کے لیے اس نے اپنے دل سے منفی سوچیں نکال دیں۔ اس کے بعد تو پھر وہ عباد سے بات کرتے وقت اس کے والدین کا ذکر کرنے پر تمہارے پاپا' تمہاری مما کے بجائے مما اور پاپا کہہ کر ان کا ذکر کرنے لگی تھی۔

ڈنر بہت اچھا رہا تھا۔ اس کے تمام کولیگز' تمام سینئرز' فرم سے متعلقہ ہر فرد نے اس میں شرکت کی تھی۔ مہمانوں کی آمد کے ان ابتدائی لمحات ہی میں ہاجرہ خیر مقدمی مسکراہٹ لیے مہمانوں کا استقبال کرنے باہر آگئی تھیں۔ ہمیشہ کی طرح ان کی سوگواری میں لپٹی مسکراہٹ۔ ڈنر سے فارغ ہوتے اسے ساڑھے گیارہ بج گئے تھے۔ وہ پارٹی بیچ میں سے چھوڑ کر جا بھی نہیں سکتی تھی' مگر اندر ہی اندر اس کی بے چینی حد سے سوا تھی۔ یہاں آنے کی بات دوسری تھی' یہاں تو وہ اپنی خوشی اور اپنی مرضی سے آئی تھی ورنہ اب وہ رات میں ہونے والی تقریبات سے اس لیے گھبرایا کرتی تھی کہ وہاں گیارہ کیا بارہ اور ایک' ڈیڑھ تک بج جایا کرتا تھا۔ جبکہ وہ گیارہ بجے کے بعد ہر قیمت پر اپنے گھر اور اپنے بیڈ روم میں موجود ہونا چاہتی تھی۔ شمسہ اور فیاض احمد اسے اپنے ساتھ تقریبات میں چلنے کے لیے کہتے تو وہ اکثر و بیشتر معذرت کر لیا کرتی تھی۔ یہاں حالات اتنے امن و امان والے اور پرسکون نہیں کہ خواتین رات میں تنہا ڈرائیو کر کے کہیں جا آسکیں۔ یہ اسے اندازہ ہو گیا تھا اسی لیے وہ خود ڈرائیو کر کے آنے کے بجائے فیاض احمد کے ڈرائیور کے ساتھ پارٹی میں آئی تھی۔ وہ گھر واپس پہنچی تو یہ دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا کہ فیاض اور شمسہ سونے کے لیے اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ ورنہ اسے ابھی کچھ دیر ان کے ساتھ مروتاً گفتگو کرنا پڑتی۔ وہ دو' دو زینے ایک ساتھ پھلانگتی تیزی سے اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

فاروق ایسوسی ایٹس کا ہیڈ آفس کراچی میں تھا مگر اس کے برانچ آفس لاہور' اسلام آباد اور کوئٹہ میں بھی قائم تھے۔

چونکہ پاکستان کے مختلف شہروں کے علاوہ فرم کو مڈل ایسٹ کے مختلف ممالک میں بھی کئی projects اکثر و بیشتر ملا کرتے تھے اس لیے پانچ سال قبل فرم کا ایک برانچ آفس دبئی میں بھی قائم کر دیا گیا تھا۔ ان دنوں دبئی کی ایک بڑی کمپنی وہاں اپنی نئی آفس بلڈنگ جو ۷۵ سے ۸۰ منزلہ تھی تعمیر کروانا چاہتی تھی۔ اس بلڈنگ کی ڈیزائننگ میں فاروق ایسوسی ایٹس نے دلچسپی ظاہر کی تھی۔ پاکستان کی چند دوسری بڑی فرمز کے علاوہ سنگاپور' جاپان اور کوریا کی چند فرمز بھی اس پروجیکٹ کے حصول میں کوشاں تھیں۔ سخت مقابلہ تھا اور یہ پروجیکٹ جس بھی فرم کو مل جاتا وہ خوش قسمت ٹھہرتی کہ کمپنی واقعی بہت بڑی تھی۔ اس کمپنی کے ساتھ فاروق ایسوسی ایٹس کی دبئی میں کئی میٹنگز ہو چکی تھیں جن میں شرکت کے لیے کراچی سے بلگرامی صاحب اور نجمہ یاسمین بھی دوبار دبئی جا چکے تھے۔ اب فائنلی اس کمپنی کے چند سینئر عہدیدار کراچی ان کے آفس آرہے تھے۔ یہ اس کمپنی کے ساتھ ان کی نتیجہ خیز میٹنگ تھی' جس میں وہ ان کے ڈیزائنز کو پسند کر لیتے یا ناپسند۔ اس کمپنی کو جو Presentation دی جانی تھی اس کی تیاری کے لیے دو آرکیٹیکٹس اور دو انجینئرز کا انتخاب کیا گیا تھا۔

پروجیکٹ کی اہمیت کے سبب بلگرامی صاحب سینئر انجینئرز اور آرکیٹیکٹس کا انتخاب کرنا چاہتے تھے۔ کسی جونیئر انجینئر یا آرکیٹیکٹ کا اس پریزنٹیشن میں شامل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور ہنیہ سجاد جو ابھی فرم کی سب سے نئی انجینئر تھی اس کی شمولیت کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ مگر اس نے عذیر فاروق سے درخواست کی تھی کہ وہ اسے اس بڑی کمپنی کی ٹاپ مینجمنٹ کے سامنے پریزنٹیشن دینے کا ایک موقع دے دیں' وہ انہیں ہرگز لیٹ ڈاؤن نہیں کرے گی۔

بلڈنگ کے جو ممکنہ ڈیزائنز فاروق ایسوسی ایٹس نے تیار کیے تھے ان کی ڈیزائننگ میں فرم کے کئی سینئر آرکیٹیکٹس اور انجینئرز شامل رہے تھے مگر اب ان ڈیزائنز پر مشتمل پریزنٹیشن وہ چار لوگ تیار کر رہے تھے جنہیں بلگرامی صاحب نے اس مقصد کے لیے منتخب کیا تھا۔

ہنیہ سجاد ان کا انتخاب قطعاً نہ تھی' وہ عذیر فاروق کے اس فیصلے سے مطمئن نہ تھے۔ گو اس کا کام وہ کئی بار دیکھ چکے تھے۔ پھر بھی انہیں لگ رہا تھا کہ وہ اپنی ناتجربہ کاری کے سبب پریزنٹیشن دیے جانے کے موقع پر کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور کرے گی۔

اپنے منتخب کردہ باقی تینوں آرکیٹیکٹس اور انجینئر سے وہ مطمئن تھے خطرہ انہیں ہنیہ سجاد سے تھا۔ اسی لیے انہوں نے پریزنٹیشن میں سب سے آخری باری اس کی رکھی تھی۔ ابتدا سب کچھ ہوتی ہے' اگر پریزنٹیشن کے آغاز میں اس کمپنی کے سینئر عہدیداران ان کے ڈیزائن پروپوزلز سے مطمئن ہو گئے تو پھر آخر میں رہ گئی کوئی کمی یا غلطی کسی کو نظر نہیں آئے گی۔ ہنیہ بھرپور تیاری کے ساتھ آئی تھی۔ بلگرامی صاحب کو اس کے متعلق کیا کیا خدشات ہیں' وہ جانتی تھی۔ پہلے ایک ایک کر کے دونوں آرکیٹیکٹس نے بلڈنگ کے آرکیٹیکچر کے حوالے سے مختلف ڈیزائن اور آپشنز اس کمپنی کے عہدیداران کو پیش کیے' پھر اس کے علاوہ جو دوسرے انجینئرز کی باری آئی اور پھر سب سے آخر میں اس کی۔

وہ کانفرنس ٹیبل سے اٹھ کر سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اس نے ٹیبل کے گرد بیٹھے بہت سے چہروں میں سے کسی کی طرف بھی نہیں دیکھا اس نے صرف عذیر فاروق کی طرف دیکھا۔ حوصلہ بڑھانے والے انداز میں وہ اس کی طرف دیکھ کر ہلکا سا مسکرائے۔ اس نے ان کے چہرے پر سے نظریں ہٹا کر ان چہروں کی طرف دیکھنا شروع کر دیا جنہیں وہ یہ پریزنٹیشن دے رہی تھی۔ اس کی محنت ہر ایک کو نظر آرہی تھی اور اس کا پراعتماد انداز ہر ایک کو متاثر کر رہا تھا۔ اسے کوئی نہ بھی بتاتا وہ تب بھی جانتی تھی کہ وہ اپنے سے پہلے گئے تینوں سینئرز سے زیادہ پراعتماد ثابت ہوئی تھی۔ اس کی پریزنٹیشن کے دوران اس کمپنی کے عہدیداران نے اس سے جو چند سوالات کیے اس نے ان کے جواب بھی اپنے پیش روؤں سے زیادہ اعتماد اور ذہانت کے ساتھ دیے تھے۔ بلگرامی صاحب سمیت فاروق ایسوسی ایٹس کے دوسرے لوگوں نے بھی آج بالآخر اس کے اعتماد اور مہارت کو تسلیم کر لیا مگر اس سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا' وہ خوش اس بات پر تھی کہ بلگرامی صاحب جو آج پہلی مرتبہ اس سے متاثر نظر آرہے تھے ان کی طرف عذیر فاروق نے ان نگاہوں سے دیکھا تھا جو یہ کہہ رہی تھیں۔

"دیکھا میں نے کہا تھا نا۔ اس لڑکی کو ناتجربہ کار کہہ کر انڈر اسٹیمیٹ مت کرو۔" عذیر فاروق کی یہ فخریہ نگاہیں

اسے خوشی سے سرشار کر گئی تھیں۔

اس نتیجہ خیز ثابت ہونے والی میٹنگ کا نتیجہ فاروق ایسوسی ایٹس کے لیے بڑا شاندار نکلا تھا۔ ان کے تینوں ڈیزائنز میں سے ایک ڈیزائن کو پسند کر لیا گیا تھا گویا یہ پروجیکٹ فاروق ایسوسی ایٹس کو مل گیا تھا۔

بڑا پروجیکٹ تھا' بڑی کامیابی تھی۔ سب خوش تھے' ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔ اگر کسی چہرے پر اسے خوشی نظر نہیں آ رہی تھی تو وہ عذیر فاروق کا چہرہ تھا۔ وہ بظاہر مسکرا رہے تھے' سب سے مبارک باد وصول کر رہے تھے' آفس میں سب کے لیے آج اپنی طرف سے لنچ کا اعلان کر رہے تھے مگر ان کا چہرہ بھی خوشی سے عاری تھا۔ ایک پروجیکٹ جس کے حصول کے لیے انہوں نے اس قدر محنت اور کوششیں کی تھیں' کئی کئی گھنٹے فرم کے مختلف انجینئرز اور آرکیٹیکٹس کے ساتھ طویل میٹنگز کی تھیں جب وہ پروجیکٹ انہیں مل گیا تب خوشی کا کوئی تاثر ان کے چہرے پر نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ اکثر دیکھتی تھی کہ ان کی بے تحاشا محنت' کوششوں اور ان تھک کام کے بعد ان کا کوئی بڑا پروجیکٹ کامیابی سے تکمیل کو پہنچتا یا بڑی محنت اور جستجو کے بعد کوئی بڑا پروجیکٹ ان کی فرم کو ملتا' وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ دور کھڑے اس کامیابی کو دیکھتے نظر آتے۔ ان کے چہرے پر یہ تاثر ہوتا جیسے کامیابی و ناکامی' عروج و زوال۔ انہیں کسی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

☆ ☆ ☆

میڈیکل کالج کی سائٹ سے سائٹ انجینئر کی شکایات موصول ہو رہی تھیں' بلڈنگ میٹریل کی کوالٹی کے متعلق' چونکہ ایسی چیزوں پر عذیر فاروق بالکل کمپرومائز نہیں کرتے تھے اس لیے سائٹ پر فوراً جا رہے تھے۔ انہوں نے لنچ ٹائم سے قبل ہی اس سے سائٹ پر چلنے کے لیے کہہ دیا تھا۔ آفس میں ان کے کچھ اہم کلائنٹس آ گئے تھے یوں انہیں آفس سے نکلتے نکلتے ہی ساڑھے چار بج چکے تھے۔

وہ سائٹ پر پہنچے تو وہاں کام زور و شور سے جاری تھا۔ سیمنٹ' بجری' بلاکس' سریا وہاں ہر طرف' دھول مٹی سے اٹا منظر تھا جو کنسٹرکشن سائٹس پر ہوا کرتا ہے۔ اونچی نیچی ناہموار سی جگہ تھی جس پر چڑھ کر وہ وہاں بکھرے سامان کی کوالٹی کو جانچنا چاہتے تھے اور انہوں نے اس کے سپرد یہ کام کیا تھا کہ وہ نئے تعمیر شدہ ان حصوں کا تفصیلی معائنہ کرے جہاں پلاسٹر ابھی چند روز ہوئے مکمل ہوا تھا۔ اگر کہیں کوئی cracks develop ہوتے اسے نظر آ رہے ہیں تو انہیں بتائے۔ وہ ان سے کچھ فاصلے پر یہ کام کر رہی تھی اور وہ اپنے ہاتھ میں اٹھا اٹھا اپنی تجربہ کار اور ماہر نگاہوں سے اپنے سامنے موجود بلڈنگ material کا جائزہ لے رہے تھے۔

اچانک پتا نہیں کیا ہوا تھا' ان کی مٹھی میں بھرا سیمنٹ ان کے ہاتھ سے نیچے گرا تھا' وہ پورے کے پورے یوں ڈگمگائے تھے جیسے انہیں زور کا چکر آیا ہو۔ وہ زیادہ دور نہیں تھی' اس کی نگاہ فوراً ان پر نگاہ فوراً پڑی تھی۔ اسے یوں لگا تھا وہ چکرا کر زمین پر گرنے والے ہیں۔ اس کے ہاتھ میں موجود ڈرائنگز' پوائنٹر ——— یکلخت چھوٹے تھے۔

"پاپا!" اس کے لبوں سے چیخ نکلی تھی۔ وہ بھاگتی ہوئی ان کے قریب آئی۔

"عالی!" خود کو لڑکھڑا کر گرنے سے بچاتے ان کے لبوں سے غیر اختیاری طور پر یہ نام نکلا تھا' جیسے خود کو گرنے سے بچانے کے لیے اپنے گرد اپنے جوان بیٹے کے بازو تلاش کر رہے ہوں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے شانوں کے پاس ان کے بازوؤں کو مضبوطی سے تھام کر انہیں گرنے سے فوراً بچا لیا تھا۔ وہ اندھا دھند بھاگتی ان کی طرف آئی تھی' اس نے انہیں لڑکھڑا کر گرنے سے بچا لیا تھا۔ اگر وہ ایک لمحے کی بھی دیر کرتی تو وہ زمین پر پڑے ہوتے۔ وہ ابھی بھی اس کے بازوؤں کے سہارے سے کھڑے تھے۔ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں' مگر انہیں دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے انہیں ابھی بھی چکر آ رہے ہیں۔

"آپ ٹھیک تو ہیں ناں پاپا؟" وہ ہارٹ پیشنٹ تھے اور ان کی ایسی حالت نے آناً فاناً اس کے اوسان خطا کر دیے تھے۔

انہوں نے سر ہلا کر اسے اپنے ٹھیک ہونے کا یقین دلایا' مگر ان سے کچھ بولا نہ جا سکا۔ وہ بس صرف تیز تیز سانس لے رہے تھے۔ اس نے زور سے آواز دے کر سائٹ انجینئر جو کسی اور طرف متوجہ تھا اس سے پانی لانے کو کہا اور خود انہیں اسی طرح پکڑے پکڑے قریب ہی عارضی طور پر قائم سائٹ انجینئر کے آفس میں لے آئی۔ اس نے انہیں وہاں ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ سائٹ انجینئر ان کے لیے

منرل واٹر کی بوتل لے آیا تھا۔ انہوں نے پانی کے چند گھونٹ لیے۔

"آپ کی کیسی طبیعت ہے سر؟ آپ اسپتال چلیں گے؟"

وہ ان کے سامنے کھڑی شدید تشویش اور پریشانی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ ہلکے ہلکے لرز رہے تھے۔ ان کی طبیعت خراب ہوتی دیکھ کر اس کی اپنی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے اپنے باپ کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ بس یونہی چکر سا آ گیا تھا۔ یہ بی پی بھی تو کنٹرول میں نہیں رہتا۔" وہ مسکرا کر اسے تسلی دینے لگے۔ ان کی حالت اب بہتر معلوم ہو رہی تھی مگر وہ ان کے لیے از حد فکر مند تھی۔

"سر! آپ اسپتال چلیں۔"

"میں ٹھیک ہوں مس بنیہ! گھر جا کر ریسٹ کروں گا تو طبیعت خود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔"

وہ کرسی سے کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ پھر انہیں تھام لینا چاہتی تھی' اسے ڈر لگا تھا کہیں وہ پھر نہ گر پڑیں۔ وہ چلتے ہوئے آفس سے باہر نکل آئے تھے۔ وہ اسپتال جانے' ڈاکٹر کو دکھانے پر آمادہ نہیں تھے تو وہ زبردستی انہیں مجبور نہیں کر سکتی تھی مگر وہ انہیں ایسی کنڈیشن میں گاڑی ڈرائیو بھی نہیں کرنے دینا چاہتی تھی۔

"سر! آپ کو گھر میں چھوڑوں گی۔ آپ کے لیے اس وقت ڈرائیو کرنا ٹھیک نہیں۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہا اور ان کا جواب سنے بغیر اپنی گاڑی کی طرف آ گئی۔ وہ ان کی گاڑی میں سائٹ پہ آئی تو کل صبح آفس آنے میں مشکل ہوتی اس لیے وہ اپنی اور عذیر فاروق اپنی گاڑی میں الگ الگ یہاں آئے تھے۔ وہ ان کے لیے اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر کھڑی تھی۔

اس کی توقع کے برخلاف وہ کوئی بھی انکاری اور اختلافی لفظ بولے بغیر اس کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ شاید ٹھیک ہوں کہنے کے باوجود انہیں بھی یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اس وقت وہ گاڑی ڈرائیو نہیں کر پائیں گے۔

وہ گاڑی ڈرائیو کرتے مسلسل انہیں بھی دیکھ رہی تھی۔ وہ بالکل خاموش تھے انہوں نے سیٹ کی پشت سے سر لگا کر آنکھیں بند کی ہوئی تھیں مگر ان کی حالت اب بہتر لگ رہی تھی۔ اس نے صرف انہیں ان کے گھر تک ڈراپ نہیں کیا تھا بلکہ وہ ان کے ساتھ اندر بھی آ گئی تھی۔ اگرچہ کہ وہ ہنستے مسکراتے اندر داخل ہوئے تھے مگر لاؤنج میں بیٹھی ہاجرہ انہیں دیکھتے ہی تشویش اور فکر مندی سے فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ جیسے ان کا چہرہ دیکھ کر اور بنیہ کو ان کے ساتھ دیکھ کر کسی خطرے کو محسوس کر گئی ہوں۔

"کیا ہوا؟ کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" وہ فوراً ان کے قریب آئیں۔ وہ انہیں مسکرا کر مطمئن کرنے کی کوشش کرتے فوراً صوفے پر بیٹھ گئے تھے شاید زیادہ دیر ان سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔

"سر کی طبیعت خراب ہو گئی تھی سائٹ پر۔" اس نے انہیں بتایا۔ وہ یکدم ہی یوں پریشان ہوئیں کہ اسے سمجھ میں نہ آیا وہ بیمار پڑے عذیر فاروق کو دیکھے یا ہاتھ پاؤں چھوڑتی ہاجرہ کو۔

"یونہی ذرا سا چکر آ گیا تھا ہاجرہ! خدانخواستہ ہارٹ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ پریشان مت ہوں' میں ٹھیک ہوں۔"

"کوئی ٹھیک نہیں ہے طبیعت۔ اپنی صحت سے لاپروائی برتتے ہیں۔ خود کو کاموں میں اتنا زیادہ تھکا لیتے ہیں۔ میں ڈاکٹر زمان کو فون کر رہی ہوں۔ اگر وہ آ سکتے ہوں گے تو یہاں آ جائیں گے ورنہ ہم لوگ چلتے ہیں ان کے پاس۔"

تشویش سے بولتے وہ فون کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"اف ٹیلی فون انڈکس تو ہمارے کمرے میں ہے۔"

فون کے پاس ٹیلی فون انڈکس موجود نہ دیکھ کر وہ غصے اور جھنجلاہٹ سے بولیں۔

"آنٹی آپ بیٹھیں۔ میں کسی ملازم سے کہہ کر منگوا دیتی ہوں۔"

وہ فوراً ہی لاؤنج میں نکل آئی۔ اسے اپنے قریب کوئی ملازم نظر نہ آیا تو بجائے ملازم کی تلاش میں نظریں دوڑانے کے وہ passage سے جو سیڑھیاں فرسٹ فلور پر جا رہی تھیں' ان پر چڑھ کر اوپر آ گئی۔ لان کے بالکل وسط سے 90 کا زاویہ بناتا کمرہ عباد کا اور عباد کے بالکل برابر والا کمرہ ان کا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آئی۔ ان کے بیڈ روم میں موجود فون کے ساتھ ہی ٹیلی فون انڈکس موجود تھا۔ وہ اسے اٹھا کر فوراً ہی واپس لاؤنج کی طرف آ گئی۔

"اپنی صحت سے لاپروائی مت برتا کریں۔"

اس کے کانوں میں ہاجرہ کی روتی ہوئی آواز آئی۔ وہ رو

رہی تھیں۔ اس نے اندر قدم نہیں رکھا' اس نے انڈکس میں سے خود ہی ڈاکٹر زمان سکندر کا نمبر تلاش کرکے انہیں فون کردیا۔ ان سے بات کرنے پر اسے پتا چلا کہ وہ ہارٹ اسپیشلسٹ بھی تھے' عذیر فاروق کے معالج بھی تھے' ان کے پڑوسی اور دیرینہ دوست بھی تھے۔ اس وقت وہ عموماً گھر پر مل جایا کرتے تھے۔

اسی لیے ہاجرہ نے انہیں فون کرنا چاہا تھا کہ اگر وہ گھر پر ہی ہوں گے تو انہیں دیکھنے یہاں آجائیں گے۔ ان کا مکان ان کی اسٹریٹ کا آخری مکان تھا۔ ڈاکٹر زمان کو فون کرکے چند منٹوں بعد وہ اندر آئی تب تک ہاجرہ خود کو سنبھال چکی تھیں۔

"میں نے فون کردیا ہے ڈاکٹر زمان کو۔ وہ بس آنے والے ہیں۔"

وہ ان دونوں کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ ڈاکٹر زمان کچھ ہی دیر میں آگئے تھے۔ جتنی دیر انہوں نے عذیر فاروق کا تفصیلی معائنہ کیا وہ وہیں موجود رہی۔

ڈاکٹر زمان کے عذیر فاروق سے سوال و جواب کے دوران اسے یہ پتا چلا تھا کہ دل کے عارضے کے ساتھ وہ مستقل بے خوابی کے بھی مریض تھے۔ انہیں نیند آتی ہی نہیں تھی۔ اسے ان تمام کاموں کی تکمیل کی وجہ اب سمجھ میں آگئی جن کے لیے اسے لگا کرتا تھا کہ انہوں نے رات بھر جاگ کر انہیں مکمل کیا ہوگا۔ ڈاکٹر زمان نے ان کے دل کی صحت کی طرف سے اطمینان کا اظہار کیا تو ہاجرہ پُرسکون ہوئیں۔ مستقل بے خوابی کے سبب' خود کو بے تحاشا تھکا لینے کے سبب آج ان کی طبیعت خراب ہوئی تھی۔

ڈاکٹر زمان انہیں سمجھا رہے تھے کہ اگر انہیں دوا لینے کے باوجود بھی نیند نہیں آتی وہ تب بھی بجائے رات رات بھر دفتری کاموں میں خود کو تھکا لینے کے لیٹ کر آرام کیا کریں۔ ڈاکٹر زمان نے انہیں ریسٹ کا مشورہ دیا۔ ان کی ادویات میں معمولی ردوبدل کیا اور پھر وہاں سے روانہ ہو گئے تھے۔ ہاجرہ اب عذیر فاروق پر خفا ہو رہی تھیں۔

"جب طبیعت پوری طرح ٹھیک نہیں تھی تو سائٹ پر جانے کی ضرورت کیا تھی؟ آفس میں اتنا سارا اسٹاف' اتنے ڈھیر سارے انجینئرز کس مرض کی دوا ہیں؟ کسی سینئر ہی کا جانا ضروری تھا تو بلگرامی صاحب سمیت سینئرز کی بھی کوئی کمی نہیں۔ ان میں سے کوئی بھی سائٹ پر چلا جاتا۔"

"میں یہ لیکچر تو بعد میں بھی سن سکتا ہوں' پہلے مہمان کی تو خیر خبر لیجیے۔ بے چاری مس ہنیہ کو آپ نے پانی تک کو نہیں پوچھا۔ کیا تاثر لیں گی وہ آپ کی میزبانی کا؟"

انہوں نے مسکرا کر بولتے ہوئے بیگم کی توجہ خود پر سے ہٹا کر ہنیہ پر مبذول کروائی۔ وہ چپ چاپ ان دونوں کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس بات پر وہ فوراً ہی بولی۔

"نہیں پلیز' کسی تکلف۔۔۔"

"ارے دیکھیں ذرا میرا دماغ۔ میں ہنیہ کو بالکل بھول ہی گئی۔ لیکن صرف پانی کیوں؟ میں اسے کھانے پر روک رہی ہوں۔" وہ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے بولیں۔

"ماموں' ممانی کو فون کرکے بتادو کہ یہاں ہو' کبھی وہ بے چارے پریشان ہوں۔ میں کھانا لگواتی ہوں۔ آٹھ تو بج رہے ہیں' کھانے کا ٹائم تو ہو ہی گیا ہے۔"

وہ اسے مزید کچھ بولنے کا موقع دیے بغیر صوفے پر سے اٹھ گئیں۔ اب لاؤنج میں صرف وہ اور عذیر فاروق تھے۔ ہاجرہ کے چلے جانے کے بعد اب وہ اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھے اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ وہ ان کی نظروں سے کچھ کنفیوز سی ہوئی۔ انہیں لڑکھڑا کر گرتا دیکھ کر بے دھیانی اور بے اختیاری میں وہ انہیں "پاپا" پکار بیٹھی تھی۔ انہوں نے پہلی بار اگر اس کے چیخ کر پاپا پکارنے کو توجہ سے نہیں سنا تھا تو دوسری بار جب وہ ان کے بالکل نزدیک انہیں اپنے ہاتھوں سے تھام کر کھڑی تھی تب تو اس کا خود کو پاپا کہہ کر مخاطب کرنا انہوں نے ضرور سن لیا تھا۔ اس بارے میں کوئی بات نہ کرنے کے بجائے وہ اپنے ایسا کہنے کے حوالے سے کوئی نہ کوئی وضاحت جو انہیں مطمئن بھی کرسکے دے دینا چاہتی تھی۔ جیسے غیر اختیاری طور پر اس کے لبوں سے ان کے لیے "پاپا" نکلا تھا ایسے ہی خود کو گرنے سے سنبھالتے ان کے لبوں سے "عالی" نکلا تھا۔ وہ جس کا وہ نام نہیں لیتے' وہ جس کا وہ ذکر نہیں کرتے' آج جب لڑکھڑا کر گرنے لگے تو اپنے اس بیٹے کو پکارا تھا۔

"عالی! پاپا تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ تمہاری بات غلط نہیں۔ وہ واقعی تمہیں بے حد و حساب چاہتے ہیں۔ وہ تم سے ناراض ہیں' مگر اتنے نہیں کہ تم سے محبت کرنا چھوڑ دیں۔ تم ان کے دل میں سمائے ہوئے ہو' تم ان کی رگوں میں لہو بن کر دوڑ رہے ہو۔ وہ تمہارا کوئی ذکر نہیں کرتے' تمہاری کوئی بات نہیں کرتے مگر آج ان کا صرف ایک عالی کہنا ہی ایسا تھا کہ میں اب تک ان کی اس پکار کے حصار

میں ہوں۔ وہ بے اختیاری میں تمہیں کس طرح پکار رہے تھے عالی! ان کی تم سے ساری ناراضی بہت جلد دور ہو جائے گی عالی! آج مجھے اس بات پر پہلے سے بھی زیادہ یقین ہوگیا ہے۔"

اس نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا' وہ اس کو بغور دیکھ رہے تھے۔

"سر! آج سائٹ پر بے دھیانی میں' میں نے آپ کو پاپا کہہ دیا تھا۔ آپ کو میرا ایسا کہنا بے تکلفی لگی ہو' برا لگا ہو تو آئم سوری۔"

"ویسے تو ایک اتنی پیاری لڑکی آپ کو پاپا کہے تو دل تو لازمی دکھتا ہے' لیکن خیر میں نے آپ کے کہنے کا برا نہیں مانا۔" وہ اس کے سنجیدہ اور محتاط سے وضاحتی انداز کے جواب میں ہنس کر بولے۔ وہ بھی ان کی بات پر ہنس پڑی تھی۔

"سر! آپ ابھی بھی دلکش شخصیت کے مالک ہیں۔ میری عمر کی لڑکیاں ابھی بھی آپ کو admire کرتی ہیں۔"

"شکریہ' بہت شکریہ۔ ویسے آپ کا ایسا کہنا اگر بے تکلفی تھی بھی تو بھی مجھے ہرگز برا نہیں لگا۔" شوخ سے انداز میں شکریہ کہنے کے بعد انہوں نے اس سے سنجیدگی سے کہا۔

"پتا نہیں سر! آپ کو میرا ایسا کہنا کیسا لگے مگر آپ کو اور آنٹی کو دیکھ کر مجھے ہر بار میرے پیرنٹس یاد آتے ہیں۔ شاید لاشعوری طور پر میں آپ میں اپنے پاپا کو دیکھنے لگی ہوں۔" وہ سنجیدگی سے آہستہ آواز میں بول رہی تھی۔

"اور ہمیں تم ہماری بیٹی کی طرح لگتی ہو۔ ہم بھی تم میں اپنی بیٹی کو دیکھتے ہیں۔" ہاجرہ اچانک لاؤنج میں داخل ہوئی تھیں۔ انہوں نے ہنیہ کی بات سن لی تھی اور عذیر فاروق کے کچھ بولنے سے قبل خود اس کی بات کا بہت پیار سے جواب دیا تھا۔

ہاجرہ اس کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔ عذیر فاروق جو گھر آنے کے بعد سے یہیں بیٹھے تھے اب اٹھ کر فریش ہونے اور لباس تبدیل کرنے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

"ہنیہ! تمہارا بہت شکریہ۔" اس نے عذیر فاروق کو گاڑی ڈرائیو نہیں کرنے دی' انہیں ان کے گھر خود پہنچانے آگئی' ہاجرہ اس بات پر خلوص اور محبت سے اس کا شکریہ ادا کررہی تھیں۔

"مجھے اپنی بیٹی بھی کہتی ہیں اور میرا شکریہ بھی ادا کررہی ہیں؟" اس نے انہیں مزید اظہار تشکر سے روک دیا تھا۔ "اب سر کو تین چار دن مکمل ریسٹ کروائیں' انہیں آفس مت آنے دیجیے گا۔"

"تم فکر مت کرو۔ میں اب انہیں پورے ایک ہفتے آفس کا نام بھی نہیں لینے دوں گی۔" انہوں نے دوٹوک انداز میں اپنا ارادہ اس پر ظاہر کیا۔

کھانا لگ چکا تھا۔ عذیر فاروق لباس تبدیل کرکے آگئے تو وہ لوگ ڈائننگ روم میں آگئے۔

"آؤ ہنیہ! بیٹھو۔" ہاجرہ نے اس کے لیے ایک کرسی کھینچی۔ ایک پلیٹ' کانٹا اور چمچ اس کے لیے رکھنے کے بعد انہوں نے عذیر فاروق کے سامنے ایک پلیٹ رکھی' وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ ہاجرہ ان کی دائیں طرف والی کرسی کے ساتھ کھڑی تھیں' انہیں اس کرسی پر بیٹھنا تھا مگر بجائے اپنے سامنے پلیٹ رکھنے کے انہوں نے عذیر فاروق کے لیے پلیٹ رکھنے کے بعد ان کے برابر والی بائیں طرف رکھی کرسی کے سامنے پلیٹ' چمچ اور کانٹا رکھا۔ ہنیہ سے باتیں کرتے کرتے بالکل بے دھیانی میں' جیسے لاشعوری طور پر ہمیشہ کا انجام دیا کوئی کام انہوں نے پھر کردیا ہو۔ وہ انہیں بغور دیکھ رہی تھی۔

وہ ہنیہ کے لیے پلیٹ رکھ چکی تھیں' عذیر فاروق کے لیے رکھ چکی تھیں' اپنے لیے رکھی جانے والی پلیٹ ان کے ہاتھ میں تھی پھر میز پر یہ چوتھی جگہ' یہ چوتھی پلیٹ کس کی تھی؟ یہ عباد کی کرسی تھی' یہ اپنے گھر کی کھانے کی میز پر عباد کے بیٹھنے کی مخصوص جگہ تھی۔ اس نے اس کے گھر کی وڈیو میں اسی کرسی پر عباد کو بیٹھے' اپنی مما کے ہاتھ سے کھانا کھاتے دیکھا تھا۔ وہ پراٹھے کے ساتھ کسی سالن کے نوالے بنا بنا کر بڑے پیار سے اسے کھلا رہی تھیں۔ بے خیالی میں پلیٹ رکھتے وقت تو نہیں مگر رکھنے کے فوراً بعد ہی جیسے انہیں سامنے رکھی وہ اضافی پلیٹ نظر آگئی تھی۔

ان کے چہرے پر سے تمام رنگ ایک پل میں رخصت ہو گئے تھے' ان کے لبوں پر ہنیہ کے لیے جو ایک خوش اخلاق میزبان والی مسکراہٹ سجی تھی وہ ایک آن میں بجھ گئی اور آنکھوں میں ایک گہرا دکھ ہلکورے لینے لگا تھا۔ ہنیہ ابھی میز کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی' وہ ابھی اپنے لیے کھینچی گئی کرسی پر نہیں بیٹھی تھی' اس نے اپنے لیے کھینچی

گئی اس کرسی پر بیٹھنے کا ارادہ لمحے بھر میں بدل کر اس چوتھی کرسی پر ــــ عباد کی کرسی پر بیٹھنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

عذیر فاروق بظاہر خاموش مگر درحقیقت بیوی کے چہرے پر پھیلے درد اور غم کو پوری طرح دیکھ رہے تھے۔ وہ ہنستی مسکراتی مسلسل بولتی ایسے جیسے میز پر ایک اضافی پلیٹ چمچ اور کانٹے کے رکھے جانے کو اس نے محسوس ہی نہیں کیا ہے اسے کچھ پتا ہی نہیں چلا ہے' وہ عذیر فاروق کی بائیں جانب والی کرسی پر' عباد کی کرسی پر آکر بیٹھ گئی تھی۔

"آپ کے گھر کے کھانے تو بہت زبردست ہوتے ہیں۔ سر کبھی لنچ ساتھ کرنے کو کہتے ہیں تو میں تو تکلفاً" بھی انکار نہیں کرتی۔" وہ اس تکلیف دہ سکوت کو توڑتی مسکرا کر بولی۔

"ویسے تکلف میں تو میں نے ابھی بھی انکار نہیں کیا۔ آپ نے اخلاقاً" ایک بار رکنے کو کہا اور میں واقعی کھانے پر رک بھی گئی۔" وہ پیالہ اٹھا کر پلیٹ میں سالن نکالنے لگی۔

"تکلف کروگی تو مجھ سے ڈانٹ نہیں کھاؤگی؟ جب بیٹی بنی ہو تو پھر تکلف کا ذکر کہاں سے آگیا۔"

ہاجرہ نے خود کو جلد ہی اس کیفیت سے باہر نکال لیا تھا۔ وہ اب ایک بار پھر مسکرا رہی تھیں۔ عذیر فاروق خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔ ہاجرہ اور ہنیہ آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ بیٹھے بیٹھے اس نے ان کے ساتھ آنے والے کسی دن ساتھ شاپنگ کا پروگرام بنا لیا تھا۔

اس سے یہ سن کر کہ اسے اپنے لیے موسم کے کچھ کپڑے بنانے ہیں مگر اس کو کراچی کی مارکیٹوں اور قیمتوں کا اتنا اندازہ نہیں ہے اور ممانی بازار جانے سے گھبراتی ہیں۔ ہاجرہ نے فوراً" اپنی خدمات آفر کردی تھیں اور وہ انکار کیوں کرتی' اس نے تو یہ ذکر قصداً" کیا ہی صرف اس لیے تھا۔ وہ ہر وقت ان دونوں کے قریب رہنا چاہتی تھی۔ کسی بھی بہانے سے' کسی بھی وجہ سے۔

کھانے کے فوراً" بعد وہ جانے کے لیے اٹھ گئی تھی۔

ہاجرہ نے اسے مزید روکا بھی نہیں تھا۔ نو بجنے والے تھے اور اسے اکیلے ڈرائیو کرکے اپنے گھر جانا تھا۔ وہ اس کے لیے فکرمند بھی ہو رہی تھیں۔

"تم ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ۔ رات ہو رہی ہے۔ اکیلی جاؤگی تو مجھے فکر رہے گی۔"

"ابھی تو نو بھی پورے نہیں بجے۔ آپ فکر مت کریں میں سوا نو تک اپنے گھر پر ہوں گی اور گھر میں قدم رکھنے سے پہلے آپ کو کال کرکے اپنی خیریت بتا دوں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے انہیں اطمینان دلا رہی تھی۔

"اچھا سر! اللہ حافظ۔ اپنا خیال رکھیے گا۔"

وہ اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ان کے اور اس کے بیچ تکلف کی ابھی ایک دیوار قائم تھی۔ ہاجرہ سے وہ جس طرح بے تکلف سب کہہ سکتی تھی' ان سے کہتے ایک جھجک آڑے آتی تھی۔ باوجود پر اعتماد ہونے کے۔ وہ اسے رخصت کرنے گیٹ تک آنا چاہ رہے تھے مگر اس نے انہیں صوفے پر سے بھی اٹھنے سے روک دیا تھا۔ ہاجرہ البتہ اسے چھوڑنے گیٹ تک آئی تھیں۔

"سر کے ساتھ ساتھ اپنا بھی خیال رکھیے گا۔" اس نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر انہیں بڑی محبت اور عقیدت سے چوما۔

وہ ان سے ملاقات ہونے پر اب اکثر اگر وہاں صرف وہ دونوں ہوتیں اور تیسرا کوئی وہاں موجود نہ ہوتا تو اسی طرح ان کے ہاتھوں کو محبت اور احترام سے چوم کر انہیں خدا حافظ کہا کرتی تھی۔ اس کے ایسا کرنے میں اتنی سچائی' اتنی بے ساختگی اور اتنی محبت ہوتی تھی کہ ہاجرہ مبہوت سی کئی لمحے اسے دیکھتی ہی رہتی تھیں۔ اور وہ انہیں کیا بتاتی کہ اس کے دل میں جو محبت ان کے اور عذیر فاروق کے لیے ہے اور اس محبت کا جیسا وہ والہانہ اظہار کرنا چاہتی ہے ابھی تک کرنے سے قاصر ہے۔ ابھی ایک حدِ فاصل' ایک لکیر ہے اس کے اور ان دونوں کے بیچ۔ وہ ہر فاصلے کو عبور کرتی اور ہر لکیر کو مٹا کر ان دونوں کے اتنا نزدیک ہو جانا چاہتی تھی کہ جیسی محبت وہ ان دونوں سے کرتی ہے' اس کا پوری طرح اظہار کرسکے بغیر کسی ڈر' خوف یا الجھن کے۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز اس نے ہاجرہ کو فون کرکے عذیر فاروق کی خیریت پوچھی تھی۔

"سر کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں۔ بس اس وقت کچھ موڈ آف کر رکھا ہے' میں نے ان کے آفس جانے کے ساتھ ساتھ موبائل کے استعمال پر بھی دو' چار روز کی پابندی عائد کردی ہے۔ میں ان کی کالز خود ریسیو کر رہی ہوں' جو واقعی ضروری ہوتی ہے

وہاں بات کرا دیتی ہوں ورنہ نہیں۔ فی الحال ٹی وی پر کوئی کرکٹ میچ دیکھ رہے ہیں' میں سیب کاٹ کر دے رہی ہوں' وہ کھا رہے ہیں۔ بات کراؤں تمہاری ان سے؟" اسے ہنس کر جواب دیتے انہوں نے پوچھا۔

"نہیں بس آپ سے خیریت پتا چل گئی کافی ہے ــــ کل سنڈے ہے نا' میں کل آپ کے گھر آؤں گی۔"

"بالکل آؤ۔ موسٹ ویلکم۔ تم آؤگی تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔"

☆ ☆ ☆

اور وہ اگلے روز صبح گیارہ بجے ان کے گھر پہنچ بھی گئی تھی۔ چوکیدار نے اس کے لیے گیٹ وا کردیا۔ پورچ میں گاڑی روکنے کے بعد وہ گھر کے رہائشی حصے کی طرف بڑھی تو اسے اپنے گرد ہر طرف خاموشی ہی خاموشی پھیلی محسوس ہوئی۔ وہ پرسوں جب یہاں آئی تھی تب بھی اور آج بھی' اسے اس گھر میں ہر طرف خاموشی اور سناٹا پھیلا نظر آیا۔

بے جان چیزیں بھلا کسی کی کمی محسوس کیا کرتی ہیں؟ مگر اسے تو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ گھر اپنے ایک مکین کی بغیر بہت اداس' بہت سوگوار تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ گھر بانہیں پھیلائے کسی کی آمد کا منتظر تھا۔ اس گھر کے کونے کونے اور چپے چپے پر عباد کی خوشبو بسی تھی۔ اس گھر میں کئی ملازمین تھے' مگر پھر بھی یہاں خاموشی اور سناٹا ہی پھیلا لگ رہا تھا۔ پرسوں بھی اور آج بھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ گھر اور اس کے مکین اس سناٹے کو توڑنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ ایک ملازمہ اسے لاؤنج میں بٹھا کر اندر ہاجرہ کو اس کی آمد کی خبر دینے چلی گئی تھی۔ ہاجرہ اس کی توقع کے عین مطابق اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

"کل تم نے آنے کا کہا تھا۔ میں نے تب ہی سے تمہارا انتظار شروع کردیا تھا۔ میں سمجھ رہی تھی سنڈے ہے تم صبح دیر سے اٹھتی ہوگی' پھر اپنے سب کاموں سے فارغ ہوتے ہوتے کہیں شام ہوتے آؤگی۔ مگر صبح صبح آکر تو تم نے مجھے حیران بھی کردیا ہے اور خوش بھی۔"

وہ خوشگوار سے انداز میں مسکرا دی تھی۔ "سر کہاں ہیں؟"

"کمرے میں ہیں۔ صبح نماز کے بعد میرے کہنے سے دوبارہ لیٹ گئے تھے۔ آنکھ لگ گئی ہے ان کی۔ میں چاہ بھی یہی رہی تھی کہ کچھ دیر سو جائیں۔" انہوں نے اس کے استفسار کا جواب دیا۔

"کیا لوگی؟ بلکہ پہلے یہ بتاؤ کہ ناشتہ کرکے آئی ہو یا نہیں؟" اس نے بغیر تکلف کے سچ بتا دیا تھا۔

"کیا کھاؤگی؟ کیا بنواؤں؟"

"پراٹھا۔ لیکن آپ کے ہاتھ کا۔" ان کی آنکھوں میں ایک پل کے لیے بہت ساری روشنی اور جگمگاہٹ پیدا ہوگئی۔ وہ کسی اور کے لیے بھی اسی طرح اس کی فرمائش کے تحت اپنے ہاتھوں سے پراٹھے بناتی رہی تھیں۔

وہ اسے اپنے ساتھ کچن میں لے آئی تھیں۔ انہیں کچن میں آتا دیکھ کر ان کا کک فوراً" مؤدب ہو کر ان کی طرف آیا تھا مگر انہوں نے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ اس وقت خود کچھ بنانا چاہتی ہیں۔ وہ کوکنگ رینج کے سامنے ان کے پاس ہی کھڑی تھی۔ وہ دونوں باتیں کر رہی تھیں۔

"عابی کو بھی میرے ہاتھ کے پراٹھے ــــ" پراٹھے کا پیڑا بناتے بے دھیانی میں بولتے وہ یکلخت خاموش ہوگئیں۔ ان کی آنکھوں میں تیرتی نمی کو اس نے دیکھ لیا تھا مگر قصداً" اس بات پر توجہ نہ دیتے وہ ان سے باتیں کرتی رہی۔

"ماموں' ممانی ایک شادی اٹینڈ کرنے ٹھٹھہ گئے ہیں۔ کل گئے تھے شاید آج شام تک ان کی واپسی ہوگی۔ میں نے سوچا چھٹی کا دن گھر پر اکیلے بور ہوکر گزارنے سے بہتر ہے' صبح صبح آپ لوگوں کے پاس پہنچ جاؤں۔"

وہ ان سے باتیں بھی کرتی جا رہی تھی اور ساتھ ان کے چہرے کو بھی بغور دیکھتی جا رہی تھی۔ وہ ان کے چہرے پر بکھری اس سوگواری اور رنج کی جگہ وہاں مسکراہٹ دیکھنا چاہتی تھی۔

"خوشبو تو بہت اچھی آرہی ہے۔" انہوں نے پراٹھے کو گھی ڈال کر تلنا شروع کیا تو وہ پراٹھا پکنے کی خوشبو کو انجوائے کرتے ہوئے بولی۔

"اس کا مطلب ہے میرا اندازہ ٹھیک تھا۔ میں سوچتی تھی جو خاتون اپنے کک سے اتنے اچھے کھانے بنواتی ہیں' وہ خود کتنا اچھا پکاتی ہوں گی۔" وہ اس کی تعریفوں پر ہنس رہی تھیں۔ وہ جس طرح ان کے پاس کھڑی اس پراٹھے کو بڑی خوشی اور ایکسائٹمنٹ کے ساتھ پکتا دیکھ رہی تھی اس سے انہیں مسلسل کسی کا دھیان آرہا تھا۔ انہیں ہنیہ کا اس طرح اپنے پاس کھڑے ہونا اور فرمائش کرکے کچھ بنوانا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ایک دم ہی ایسا لگنے لگا تھا جیسے وہ زندہ ہے۔ اپنے اندر لمحہ بھر کے لیے ہی سہی' زندگی کا احساس

ہونے لگا تھا۔

"صرف ایک پراٹھا؟ میں اکیلے نہیں کھاؤں گی، آپ اپنے لیے بھی پکائیں۔ میں آپ کے ساتھ کھاؤں گی۔" انہوں نے پراٹھا پلیٹ میں نکال کر اس کی طرف بڑھایا تو وہ فوراً بولی۔

"میں میز پر برتن لگاتی ہوں، آپ دوسرا پراٹھا ڈالیں۔" ان کے کک نے چائے تیار کر رکھی تھی، وہ چائے کے برتن کچن میں موجود میز پر لگانے لگی۔

"آپ کے گھر ایپل یا اسٹرابری جیم تو ہوگا نا۔ اصل میں مجھے پراٹھا جیم کے ساتھ کھانے میں مزا آتا ہے۔"

وہ اس کے بے تکلفانہ استفسار پر ہنس پڑی تھیں۔

اپنے لیے پراٹھا تلتے تلتے انہوں نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"لوگوں کو اچار، دہی، بالائی کے ساتھ تو پراٹھا کھاتے دیکھا ہے، یہ جیم کے ساتھ کھانے کا ذکر پہلی بار سن رہی ہوں۔"

"بہت مزے کا لگتا ہے، آپ ٹرائی کر کے دیکھیے گا۔"

وہ اس کے بچکانہ سے انداز پر ہنس رہی تھیں۔ ہنستے ہوئے ہی انہوں نے اسے جیم اور مارملیڈز وغیرہ کہاں رکھے تھے، بتادیا تھا۔

خوشبوئیں اور باتوں کی آوازیں چونکہ کچن سے آرہی تھیں اس لیے عذیر فاروق سیڑھیاں اتر کر نیچے آئے تو سیدھے کچن ہی کی طرف آگئے۔ کچن کے باہر ہی سے انہیں ہاجرہ کے ہنسنے کی آواز آئی۔

صبح اٹھتے ہی ان کی ہنسی، ان کی خوشی کا تاثر دیتی آواز انہیں خود بھی بے طرح خوشی دے گئی۔ وہ یاد کرنے لگے ہاجرہ کی خوشی بھری کھلکھلاتی آواز انہوں نے آخری بار کب سنی تھی، آخری بار انہیں یوں ہنستے ہوئے کب دیکھا تھا، انہیں اس طرح کچن میں خوشی خوشی کام کرتے کب دیکھا تھا۔ وہ کچن کے دروازے پر آکر رک گئے تھے۔ ہاجرہ کی توجہ کوکنگ رینج کی طرف تھی، وہ مسکراتے اور مسلسل بولتے ہوئے کچھ پکارہی تھیں۔

ہنیہ ہاتھ میں جیم کے دو تین جار اٹھائے کچن ٹیبل کی طرف جارہی تھی۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کررہی تھیں، ہنس رہی تھیں۔ وہ بھول گئے تھے اپنے کچن کی اس رونق اور چہل پہل کو اپنی بیوی کے ہاتھوں کے بنے کھانوں کی خوشبوؤں کو۔ لگتا تھا وہ کوئی اور زندگی تھی جب اس کچن سے وہ خوشبوئیں آیا کرتی تھیں۔ صبح آفس جاتے وقت اور شام وہاں سے واپسی پر یہ کچن اپنی مالکن کے ہاتھ کے پکائے کھانوں کی خوشبوؤں سے مہک رہا ہوتا تھا۔

وہ کبھی ہاجرہ کو بہت گم صم اور بہت خاموش دیکھ کر ان سے اپنے لیے کچھ پکانے کی فرمائش کرتے تو وہ ان کے کہنے پر کچن میں آجاتیں، جو انہوں نے فرمائش کی ہوتی اس ڈش کی تیاری پورے اہتمام سے شروع بھی کردیتیں مگر پھر اچانک ہی نجانے انہیں کیا ہوتا، ایسے جیسے اچانک ہی ان کا ہر چیز سے دل اچاٹ ہوگیا ہو، وہ سارا سامان یونہی کچن میں بکھرا چھوڑ کر کچن سے نکل آتیں، اپنے کمرے میں چلی جاتیں۔ آج کتنے طویل عرصے بعد انہوں نے ہاجرہ کو کچن میں یوں مسکراہٹیں بکھیرتے اور کچھ پکاتے دیکھا تھا۔

اپنی بیوی کے لبوں پر ہنسی دیکھ کر، اسے خوش دیکھ کر، اپنے کچن کی رونقوں کو لوٹتا دیکھ کر انہیں پل دو پل کے لیے یہ احساس ہونے لگا کہ ان کی زندگی بالکل نارمل ہے۔ وہ اور ہاجرہ خوشیوں بھری نارمل لائف گزار رہے ہیں۔ وہ اپنے کچن میں زندگی کو دیکھ رہے تھے اور وہ اپنے کچن میں اس زندگی لانے والی کو بھی دیکھ رہے تھے۔ وہ ہنیہ سجاد کو دیکھ رہے تھے۔ کرسی پر بیٹھی وہ ایک بڑے سے چمچ سے بھر بھر کر میز پر رکھی ایک پلیٹ میں ایپل جیم اور اسٹرابری جیم نکال رہی تھی۔ اپنی انگلی پر لگ جانے والا جیم اس نے بچوں کی طرح زبان سے چاٹ لیا تھا۔ وہ اس وقت ایک competent سول انجینئر نہیں، ایک چھوٹی سی بچی لگ رہی تھی، جو پراٹھے کو جیم کے ساتھ کھانے کے لیے ازحد ایکسائیٹڈ تھی۔ جیم کو انگلی سے چاٹتے چاٹتے اس کی ان پر نگاہ پڑی تھی۔ شرمندہ ہوتے اس نے اپنا ہاتھ جلدی سے نیچے کرلیا تھا۔

"السلام علیکم سر!" وہ انہیں دیکھ کر کرسی پر سے کھڑی ہوگئی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" وہ کچن کے اندر آگئے۔ ہاجرہ نے انہیں مسکرا کر کچن میں خوش آمدید کہا تھا۔ انہوں نے ان کی مسکراہٹ کو محبت سے دیکھتے اس کا جواب مسکرا کر ہی دیا تھا۔

"میں اور ہنیہ تو پراٹھے کھارہے ہیں۔ آپ کیا کھائیں گے؟"

"میں نے کیا قصور کیا ہے؟ جب سب پراٹھا کھارہے ہیں تو میں بھی یہی کھاؤں گا۔"

وہ کھانے پینے میں خود اتنی زیادہ احتیاط کرلیا کرتے تھے کہ اس تھوڑی بہت بدپرہیزی سے ہاجرہ نے انہیں روکا نہیں۔ انہوں نے ہلکے کورن آئل میں تل کے ایک لائٹ سا پراٹھا ان کے لیے بنادیا تھا۔ وہ میز پر ہنیہ کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے تو وہ بھی دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

وہ ان کی آمد سے قبل بہت چہک رہی تھی، مگر ان کے آجانے کے بعد اس کی بولتی بند ہوگئی تھی۔ وہ انہیں اچانک سامنے دیکھ کر کچھ نروس سی بھی نظر آرہی تھی۔ وہ ان کے گھر کے اس کچن میں اپنی اتنی بے تکلفانہ موجودگی کے دوران شاید ان کی آمد کی توقع نہیں کررہی تھی اب انہیں ایک دم سامنے پایا تو کچھ ہچکچاہٹ اور جھجک کا شکار نظر آنے لگی۔

انہوں نے اس کی گھبراہٹ اور نروس نیس دور کرنے کے لیے کسی بھی طرح یہ تاثر نہ دیا کہ انہوں نے اس کی اپنے گھر اس بے تکلفانہ آمد کو ناپسند نہیں کیا ہے۔ وہ سنجیدہ چہرے اور مکمل خاموشی کے ساتھ ناشتہ کرتے رہے۔ اس نے پلیٹ میں جتنا سارا جیم بھر بھر کے ڈال رکھا تھا، اسے ان کے سامنے اپنی اس پلیٹ کو صاف کرنا بھی مشکل ہورہا تھا۔

ہاجرہ ویسی ہی خوش اور مگن تھیں۔ وہ ہنیہ سے پوچھ رہی تھیں کہ کیا اس کے لیے ایک پراٹھا اور پکائیں، ابھی تو اس کی پلیٹ میں جیم بچا ہوا ہے۔ اس نے انہیں انکار کر کے چمچ سے جیم کھا کے اپنی پلیٹ بمشکل صاف کی تھی۔ وہ اپنی مسلسل سنجیدگی اور خاموشی سے اس کے لیے اس سچویشن کو آکورڈ بنارہے ہیں، انہیں معلوم تھا مگر وہ پھر بھی کچھ بول نہیں رہے تھے۔ وہ ناشتے کے فوراً بعد وہاں سے اٹھ گئے تھے۔ ہاجرہ سے اپنے لیے ایک کپ اور چائے کی فرمائش کرتے ہوئے وہ اپنی اسٹڈی میں آگئے تھے۔

☆ ☆ ☆

ہاجرہ نے خوب اچھی طرح دم دے کر ان کے لیے تازہ چائے تیار کی تھی۔ وہ چائے کپ میں نکال چکیں تو وہ ان سے بولی۔

"سر کے لیے چائے میں لے جاؤں؟"

"لے جاؤ۔ اسٹڈی میں ہیں وہ۔ لیکن تمہیں اسٹڈی تو ابھی نہیں ہوگی کہاں ہے؟"

"میں پوچھ لوں گی باہر کسی ملازم سے۔" وہ انہیں جواب دے کر کچن سے نکل آئی۔

اسے کسی ملازم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسٹڈی تو نیچے ہی تھی، اسے ڈھونڈنا تو ان کے کمرے کو ڈھونڈ لینے سے زیادہ آسان تھا۔ دستک دے کر وہ چائے کا کپ ایک چھوٹی سی ٹرے میں رکھے اندر داخل ہوئی۔ وہ غالباً کسی ملازم کی آمد کی توقع کررہے تھے اس لیے اسے دیکھ کر ان کے چہرے پر حیرت سی ابھری۔ وہ رائٹنگ ٹیبل پر ایک ڈرائنگ اپنے سامنے رکھے بیٹھے تھے۔ آفس جانے پر پابندی لگی تھی تو انہوں نے آفس کا ضروری کام گھر پر منگوا لیا تھا۔ گویا چند دن بھی وہ مکمل ریسٹ کے موڈ میں نہیں تھے۔

"سر! یہ چائے۔" وہ ان کے قریب آکر رک گئی۔ وہ ابھی یہاں سے جانا نہیں چاہتی تھی، وہ ان سے بات کرنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ مصروف تھے اور وہ ان کے روکے بغیر یہاں رک نہیں سکتی تھی۔ انہوں نے کپ اٹھاتے ہوئے بغور اسے دیکھا۔

"بیٹھیے۔" چاہے انہوں نے رسماً اور اخلاقاً ہی اسے بیٹھنے کی دعوت دی ہو مگر وہ فوراً ہی ان کی کرسی کے سامنے رکھی ایک دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ انہوں نے میز پر پھیلی ڈرائنگ سے توجہ ہٹالی تھی اب وہ براہ راست اسے دیکھ رہے تھے۔

"سر! میں آپ سے ایک بات پوچھوں؟" انہوں نے چائے کا سپ لیتے سنجیدگی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ ان کی سنجیدگی سے خائف سی ہورہی تھی۔

"میں آپ کے گھر اس طرح زیادہ آنے جانے لگی ہوں، آپ کو یہ بات اچھی نہیں لگی نا؟"

"یہ اندازہ آپ نے میری کس بات سے لگایا؟" انہوں نے کپ واپس ساسر پہ رکھا، وہ ہنوز بے حد سنجیدہ تھے۔

"بس ایسے ہی سر! مجھے لگا کہ شاید آپ کو اپنے گھر میرا زیادہ آنا، اس طرح بے تکلف ہونا اچھا نہیں لگا ہے۔ آپ شاید یہ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ میں ایسا کیوں کررہی ہوں۔ اپنے باس کے گھر زیادہ آنا جانا، دوستی بڑھانا، کہیں مجھے اپنی جاب میں کچھ فائدے، کچھ فیورز تو حاصل نہیں کرنے۔ سر! آپ ایسا سوچنے میں حق بجانب ہیں، کوئی بھی ہوگا اپنے ایمپلائی کو ایسا کرتے دیکھ کر یہی سوچے گا۔ لیکن سر! سچ بات وہی ہے جو میں آپ کو پہلے بھی بتاچکی ہوں۔

مجھے آپ اور آنٹی بہت اچھے لگتے ہیں' مجھے آپ دونوں میں اپنے پیرینٹس کا عکس نظر آتا ہے' مجھے آپ لوگوں کے ساتھ وقت گزارنا' آپ لوگوں سے ملنا بہت اچھا لگتا ہے..... میں آپ لوگوں سے ملنا نہیں چھوڑنا چاہتی' لیکن سر! آپ اس بات کو جس حوالے سے ناپسند کر رہے ہیں وہ بھی بالکل درست ہے۔ آپ کی فرم میں جاب کرتے میرا آپ سے فیملی ٹرمز رکھنے کی خواہش رکھنا ہر لحاظ سے غلط ہے۔ اسی لیے سر! میں نے یہ سوچا ہے کہ میں آپ کے ہاں جاب چھوڑ دوں گی۔ میں کہیں اور جاب کرلوں گی پھر تو میرا آپ کے گھر آنا آپ کو ٹھیک لگے گا نا ؟" وہ دھیمی آواز مگر پراعتماد انداز میں ان کی طرف دیکھ کر بات کر رہی تھی۔

"کہاں جاب کریں گی؟" انہوں نے اس کی بات کے اختتام پر سنجیدگی سے پوچھا۔ یعنی وہ یہ چاہتے تھے کہ وہ ان کے ہاں سے جاب چھوڑ دے۔ اس نے تو یونہی کہا تھا اور وہ سنجیدہ تھے۔ اس کا دل اندر ہی اندر ڈوبا۔

"کسی بھی فرم میں سر!" اس نے بجھے دل کے ساتھ جواب دیا۔ اس کے لہجے میں مایوسی شامل تھی۔

"اور آپ اتنی ٹیلنٹڈ تو ہیں ہی کہ کوئی بھی فرم آپ کو فوراً" اور بخوشی hire کرلے گی۔"

وہ سنجیدہ تھے' طنز کر رہے تھے یا اس کا مذاق اڑا رہے تھے' وہ سمجھ نہ پائی۔ "اور آپ کے خیال سے میں اتنا بڑا احمق ہوں کہ ایسا ٹیلنٹ اپنے کسی competitor کے پاس چلا جانے دوں گا؟" وہ اگر اس کا مذاق اڑا رہے تھے تو یہ مذاق اڑائے جانے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ وہ مزید دل گرفتہ ہونے لگی۔

"جس لڑکی کے آجانے سے میرے گھر میں رونق آجاتی ہے' مجھے اس کا اپنے گھر آنا کیوں برا لگے گا؟"

اس نے سر اٹھا کر حیران نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ کھل کر مسکرا رہے تھے۔ اسے اتنی دیر تک اپنی خوفناک سنجیدگی سے ڈرانے کے بعد وہ اب مسکرا رہے تھے۔ گویا اتنی دیر سے وہ اسے جان بوجھ کر ستا رہے تھے' تنگ کر رہے تھے۔

"آپ کو میرا آنا برا نہیں لگا؟" انہوں نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

"برا نہیں' بہت اچھا لگتا ہے۔ ہاں بس میں یہ سوچ کر حیران ہوں کہ اپنے ہم عمروں کے ساتھ وقت گزارنے کے بجائے ہم بڈھے بڑھیا کے ساتھ وقت گزارنے میں آپ کو کیا مزا آتا ہو گا؟"

"آپ بڈھے نہیں ہیں۔ اور 52 سال کی عمر میں کوئی بڈھا ہوتا بھی نہیں ہے۔" اس نے ناراضی سے فوراً" ان کی تصحیح کی' ایسے جیسے ان کا خود کو بڈھا کہنا اسے بالکل اچھا نہ لگا ہو۔

"میری عمر اتنی ٹھیک ٹھیک کہاں سے پتا چلی؟" وہ محظوظ نگاہوں سے اسے دیکھتے مسکرائے۔

"آپ کے پاسپورٹ سے۔ آپ کی ٹیبل پر رکھا تھا ایک دن' میں نے آپ کی برتھ ڈے معلوم کرنے کے لیے اسے دیکھا تھا۔" اس نے باآسانی اعتراف جرم کرلیا تھا۔

"گویا جاسوسی کی صفات بھی ہیں۔" وہ اب قہقہہ لگا کر ہنس رہے تھے۔ "تمہارے آنے سے میرے گھر میں رونق آجاتی ہے ہنیہ! تم یہاں آیا کرو۔ تمہارا جب جی چاہے' جب موڈ ہو آجایا کرو۔"

انہوں نے اسے پہلی بار "تم" کہہ کر مخاطب کیا' اسے مس ہنیہ کی جگہ صرف ہنیہ کہا' وہ خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی' ان کا اس طرح بات کرنا' اس انداز سے مخاطب ہونا اسے بے پناہ اچھا لگ رہا تھا۔

"مجھے تمہارا آنا برا لگے گا یا میں مائنڈ کروں گا یہ سوچنا بھی مت۔ میں اپنی پروفیشنل لائف اور پرسنل لائف کو الگ الگ رکھنا پسند کرتا ہوں۔ آفس میں تم میرے لیے دوسرے تمام انجینئرز کی طرح میری فرم میں جاب کرنے والی ایک جونیئر اسٹرکچرل انجینئر ہی رہو گی' وہاں نہ میں تمہیں کوئی فیور دوں گا' نہ دوسروں سے کچھ زیادہ اہمیت۔ تم میرے گھر آؤ گی تو میں اس بات کو بھول جاؤں گا کہ تم میری فرم میں جاب کر رہی ہو' یہاں تک کہ گھر پر اگر تم کسی آفیشل معاملے پر مجھ سے بات کرنا چاہو گی تو میں بات نہیں کروں گا۔ میرا خیال ہے اب یہ معاملہ حل ہو گیا ہے۔ ہنیہ سجاد میری اور ہاجرہ کی دوست کی حیثیت میں ہمارے گھر بھی آیا کریں گی اور ہنیہ سجاد میری فرم میں بطور انجینئر جاب بھی کریں گی۔ اب ہنیہ سجاد سے دوستانہ اور گھریلو مراسم میں اس قیمت پر تو ہرگز استوار نہیں کروں گا کہ ان جیسا بے مثال ٹیلنٹ اپنے کسی competitor کے حوالے کردوں۔" وہ آنکھوں میں ایک شرارت بھرا تبسم لیے اسے چھیڑ رہے تھے۔

"سر! this is not fair آپ میرے اس انٹرویو کے دن کی بات کو اب معاف کر بھی دیں۔" اس نے احتجاجی انداز میں کہا۔ وہ انہیں سر ہی کہہ کر مخاطب کرپائی۔ اتنے دنوں میں سر کہنے کی اتنی عادت ہو گئی تھی کہ ایک دم سے کچھ اور بولنا اسے مشکل لگ رہا تھا۔

"ویسے یہ آج پتا چلا ہے کہ جیم بریڈ پہ لگا کے نہیں بلکہ پلیٹ میں بھر کے چمچے سے کھایا جاتا ہے۔" وہ اس بار ان کے شرارت بھرے انداز پر خود بھی ہنس پڑی تھی۔

"آپ بھی کھا کے دیکھیں' زیادہ مزے کا لگتا ہے۔"

اتنے ہیوی ناشتے کے بعد لنچ کی کوئی گنجائش نہیں تھی' مگر وہ لنچ ٹائم تک وہاں رکی ضرور تھی۔ وہ آج بے انتہا خوش تھی۔ اس کا وہاں سے واپس جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ آفس سے واپسی میں ان کے گھر آگئی تھی۔ عذیر فاروق ابھی گھر نہیں آئے تھے۔ وہ آفس سے تین ساڑھے تین بجے اٹھ گئے تھے۔ انہیں کسی میٹنگ میں جانا تھا۔ وہاں سے ان کی ابھی واپسی نہیں ہوئی تھی۔ ایک ہفتہ جبراً" کروائے ریسٹ کے بعد وہ دوبارہ آفس جانے لگے تھے۔ وہ اس اتوار کے دن کے بعد آج ان کے گھر آئی تھی۔

دل تو اس کا روز آنے کو چاہتا تھا مگر پچھلے چند دنوں آفس سے واپسی میں دیر اتنی ہو رہی تھی کہ پھر ان کے گھر جانے کے لیے وقت ہی نہیں بچتا تھا۔ ہاجرہ سے اس کی روز' دن میں ایک بار نہیں بلکہ دو' تین بار بات ہو رہی تھی۔ آج بھی اس نے انہیں اپنے آنے کا بتا رکھا تھا اور وہ والہانہ بے تابی سے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی انہوں نے گلے لگا لیا تھا۔

"اتنا ترسا ترسا کر' اتنا کم آتی ہو۔"

"کیوں ابھی اس سنڈے ہی کو تو میں آئی تھی اور اب کل پھر سنڈے ہے' کل پھر آدھمکوں گی۔"

"میرا دل نہیں بھرتا۔ میرا دل چاہتا ہے تم روز آیا کرو۔" مسکراتے ہوئے انہوں نے اس کے بالوں کو اپنے ہاتھوں سے یوں سنوارا جیسے دن بھر کی تھکی ہاری شام گئے گھر لوٹنے والی بیٹی کی تھکن ایک ماں اپنے قرب اور اپنے لمس سے مٹا دینا چاہتی ہے۔

"تھک گئی ہونا ؟ آفس سے سیدھی آرہی ہو۔ جاؤ منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو کے آؤ' میں نے تمہارے لیے کچھ خاص چیز بنائی ہے' وہ لاتی ہوں۔"

وہ اسے اپنے ساتھ سامنے ایک کمرے میں لے آئیں اور اسے وہاں موجود واش روم میں فریش ہونے کے لیے بھیج دیا۔

"سائٹس پر جا جا کر تم نے اپنی اسکن کتنی خراب کرلی ہے' مجھے تو رنگ بھی آج کچھ دبا دبا محسوس ہو رہا ہے۔ سن بلاک نہیں لگاتیں؟ ایک تو مجھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ لڑکیوں کو ان مردانہ فیلڈز میں گھسنے کی ضرورت کیا ہے۔ اپنی ساری خوب صورتی تباہ کرلو۔"

وہ لاؤنج میں اسے اپنے ساتھ لیے بیٹھی تھیں۔ سامنے میز پر وہ ڈھیر سارے لوازمات سجے تھے جو انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کے لیے بنائے تھے۔ خود اپنے ہاتھوں سے انہوں نے اس کے لیے پلیٹ بھری تھی۔ وہ منع کرتی جا رہی تھی اور وہ پلیٹ میں مزید کچھ نہ کچھ ڈالتی جا رہی تھیں۔ اسے کھلانے کی بھی فکر تھی' اس کی اسکن اور کومپلیکشن کی بھی فکر تھی۔ اسے وہ بالکل اپنی ماں لگ رہی تھیں۔

"آج کل کے لڑکوں کی ڈیمانڈز' اللہ معاف کرے۔ کسی ایک چیز سے مطمئن نہیں ہوتے۔ لڑکی بہت خوب صورت بھی ہو' بہت پڑھی ہوئی بھی ہو' بہت اچھی فیملی سے بھی ہو۔ اپنا خیال رکھا کرو۔ اللہ تمہارا نصیب بہت اچھا کرے۔" انہیں اس کے رشتے اور شادی کی فکر لاحق ہوئی تھی۔ اتنا تو اب تک اندازہ ہو ہی گیا تھا کہ وہ پیچھے امریکہ میں اپنا کوئی بوائے فرینڈ چھوڑ کر نہیں آئی' وہ اس ٹائپ کی لڑکی ہی نہیں ہے' تو اب اس کا رشتہ یہیں پاکستان ہی میں طے ہونا چاہیے تھا۔ کسی بہت اچھے لڑکے کے ساتھ۔ وہ ابھی اس کے رشتے اور شادی کے متعلق مزید بھی کچھ کہتیں کہ اس نے فوراً" ہی ان کے ہاتھوں کے بنے دہی بڑوں کی تعریفیں کر کے موضوع تبدیل کردیا۔

"عذیر بھی آج صبح مجھ سے تمہارا پوچھ رہے تھے۔" ہاجرہ سے بولیں۔ وہ دہی بڑوں میں بہت سارا مسالا ڈال کر کھا رہی تھی تو آنکھوں اور ناک سے پانی بہنا تو لازمی تھا۔ ٹشو سے آنکھیں اور ناک رگڑتے اس نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

"سر میرا پوچھ رہے تھے؟"

"مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ کل سنڈے ہے' کیا کل ہنیہ آئے گی؟" ہاجرہ جواباً" مسکرا کر بولیں۔ "میری طرح انہیں بھی تمہارا انتظار رہنے لگا ہے تب ہی تو یہ بات پوچھ

رہے تھے۔ ویسے خود کو لاپروا اور لاتعلق ظاہر کرتے ہیں' مگر مزے کی بات بتاؤں کل آفس سے واپسی میں وہ کیا کیا چیزیں خرید کر لائے ہیں۔ کئی طرح کے جیم' چپس کے یہ بڑے بڑے پیکٹس' یہ کرنکل والے ہیں' یہ سادے ہیں' یہ چیز والے ہیں' مختلف طرح کے امپورٹڈ کوکیز' کئی فلیورز کی آئس کریم اور بھی پتا نہیں کیا کیا۔ اب یہ چیزیں تو نہ میری کھانے کی عمر ہے نہ ان کی۔ لازمی بات ہے یہ سب تمہارے لیے ہی لا کر رکھا گیا ہے۔ مجھ سے بولے کچھ نہیں' کس کے لیے لایا ہوں' کیوں لایا ہوں' بس لاپروائی سے وہ سب تھیلے فرید کو پکڑا دیے تھے کہ جا کر کچن میں رکھ دو۔"

وہ سنڈے کے دن کا انتظار کر رہے تھے' وہ یہ چاہتے تھے کہ جس طرح وہ پچھلے سنڈے کو ان کے گھر آئی تھی اسی طرح کل بھی آئے اور اس کے آنے سے پہلے ہی انہوں نے اس کے لیے اتنی ساری چیزیں گھر میں لا کر رکھ دی تھیں۔ وہ خوش بھی ہو رہی تھی اور حیران بھی۔

البتہ آفس میں وہ اس کے ساتھ بالکل پہلے جیسے ہی تھے۔

ساڑھے سات بجے وہ گھر آئے تھے اور اسے لاؤنج میں بیٹھا دیکھ کر ان کے سنجیدہ چہرے پر یک دم ہی مسکراہٹ ابھری تھی۔ ان کے ہاتھ میں اپنا بریف کیس اور کوٹ تھا جبکہ ان کے پیچھے آتا ان کا ملازم فرید ایک بڑا سا شاپنگ بیگ اٹھائے ہوئے تھا۔

"آج کیا لے آئے؟" ہاجرہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں' بس ایسے ہی۔" لاپروائی سے ادھورا جواب دیتے انہوں نے اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

"آفس میں دل نہیں لگتا؟" انہوں نے مسکرا کر اسے چھیڑا۔

"میں چھٹی کے ٹائم پر آفس سے اٹھی تھی۔ پوچھ لیں آنٹی سے' میں یہاں کب آئی تھی۔"

وہ بدستور مسکراتے ہوئے اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے میز پر بکھرے ڈھیر سارے لوازمات کو دیکھا۔ دس بندوں کا کھانا ایک اکیلی نازک سی لڑکی کو کھلایا جارہا تھا۔

"لڑکی! مجھے تمہارا مستقبل کچھ خوفناک سا نظر آرہا ہے۔ دبلی پتلی نازک سی ہنیہ' سجاد کی جگہ یہ موٹی' خوب صحت مند ہنیہ' سجاد تصور میں آرہی ہیں۔"

"ایک تو وہ ویسے ہی ڈائیٹ کونشس ہے' مزید ایسی باتیں تو اس سے نہ کریں۔ پہلے ہی دیکھیں ذرا سائنس پڑھا جا کر اس نے اپنا کیا حشر کر لیا ہے۔ تھوڑی اپنی کیئر کرے۔ کچھ کھانا پینا ٹھیک کرے تب ہی تو اسکن healthy ہو گی' چہرہ glow کرے گا۔"

"جی جی' یہ مرغن اشیاء کھا کر ان شاءاللہ اسکن اور چہرہ دونوں بہت اچھے ہو جائیں گے۔"

انہوں نے سنجیدگی سے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ اس نے اپنے قریب سے گزرتے فرید کے ہاتھ میں موجود تھیلے پر نظر ڈالی۔ اسے اس میں سے کچھ کھانے پینے ہی کی اشیاء جھانکتی نظر آئیں۔ یقیناً" اس کے لیے کچھ اور چیزیں گھر میں ذخیرہ کرنے کے لیے لائی گئی تھیں۔ وہ لباس تبدیل کرنے اٹھ گئے تھے۔

ہاجرہ اب اس کے لیے انار چھیل رہی تھیں۔ انار کے دانے نکال کر پلیٹ میں ڈالتے وہ اسے پھلوں کی افادیت سمجھا رہی تھیں۔ اس کے موبائل پر کوئی کال آرہی تھی۔ اس نے اپنے بیگ میں سے موبائل نکالا۔ اسکرین پر چمکتے نام کو دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ اس وقت یہ کال کس طرح ریسیو کر سکتی تھی۔ ہاجرہ اس کے بالکل برابر میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس نے ان کی طرف دیکھا' پھر اپنے شور مچاتے سیل فون کی طرف۔ ہاجرہ نے چونک کر اسے دیکھا کہ آخر وہ اپنے لیے آنے والی کال ریسیو کیوں نہیں کر رہی۔ مگر ہاجرہ کو اپنی جانب متوجہ پا کر اس نے ناچار کال ریسیو کی۔ دوسری جانب اس سے کیا کہا جا رہا تھا اسے سننے کی کوشش کرنے کے بجائے اس نے کال ریسیو کرتے ہی پہلے آہستہ آواز میں ہیلو' ہیلو کہنا شروع کیا' پھر قدرے بلند آواز میں۔ ایسے جیسے اسے دوسری جانب سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے۔ اس کے اس طرح مسلسل ہیلو ہیلو کہنے سے دوسری جانب فوراً ہی یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ اس وقت وہ کسی ایسی جگہ اور ایسی سچویشن میں ہے جہاں وہ بات نہیں کر سکتی لہٰذا اس کی اس ہیلو ہیلو کی گردان کے دوران ہی دوسری جانب سے فوراً ہی فون بند کر دیا گیا تھا۔

سکون کا سانس لیتے اس نے بھی فوراً" موبائل بند کیا۔

"کس کا فون تھا؟" ہاجرہ دوبارہ انار کے دانے نکالنے میں مصروف ہو چکی تھیں۔ انہوں نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

"پتا نہیں' کوئی بولا ہی نہیں۔" اس نے ان سے بھی

زیادہ سرسری اور لاپروا انداز میں جواب دیا۔ یہ اور بات کہ اندر سے اس کے دل کی حالت عجیب تھی۔ اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ اپنی اس گھبراہٹ پر اسے خود پر شدید غصہ بھی آرہا تھا۔ ہاجرہ کوئی اس کے موبائل میں جھانک تو نہیں رہی تھیں نہ وہ کان لگا کر دوسری جانب اس سے کی جانے والی بات سن رہی تھیں۔ وہ اس کال کو سکون سے بھی تو ہینڈل کر سکتی تھی۔ کال ریسیو کرتی' سکون سے "سوری رونگ نمبر" کہتی اور فون بند کر دیتی۔ اس کی گھبراہٹ دیکھ کر تو کوئی بھی شک میں مبتلا ہو جاتا۔

وہ شکر ادا کر رہی تھی کہ اس وقت یہاں صرف ہاجرہ تھیں' عذیر فاروق نہیں۔ ان کے سامنے اگر وہ اس طرح گھبرائی ہوتی تو ان کی ذہین نگاہوں سے اس کی یہ کیفیات چھپی نہیں رہ سکتی تھیں۔ ہاجرہ نے تو اس کی گھبراہٹ پر کچھ خاص دھیان دیا بھی نہیں تھا' ان کی توجہ تو اسے انار کھلانے میں لگی تھی۔

"پھر کل آرہی ہو نا؟" انہوں نے اپنی مصروفیت کے دوران اس سے پوچھا۔

"جی ان شاءاللہ۔"

عذیر فاروق نہا کر اور لباس تبدیل کر کے واپس لاؤنج میں آگئے تھے۔ وہ صوفے پر ان دونوں کے سامنے آکر بیٹھ گئے تھے۔ اس نے ان کی طرف توجہ سے دیکھا۔ اس نے آج انہیں پہلی مرتبہ شلوار قمیص میں دیکھا تھا۔ کاٹن کے سفید شلوار قمیص میں وہ اسے بہت ہینڈسم' بہت گریس فل لگ رہے تھے۔ عباد میں ان کی کتنی شباہت تھی۔ اس کا ڈمپل اور بال اگر اپنی مما جیسے تھے تو باقی وہ پورا کا پورا اپنے پاپا جیسا تھا۔ ہائٹ سے لے کر چہرے کا ایک ایک نقش تک' آنکھیں' ناک' پیشانی' وہ پورے کا پورا اپنے پاپا پر تھا۔ جوانی میں وہ بالکل عباد کی طرح لگتے ہوں گے۔

"کیا بہت ہینڈسم لگ رہا ہوں؟" انہوں نے اس کی نگاہوں کی چوری پکڑ لی تھی۔ بجائے گڑبڑا جانے کے اس نے مسکرا کر سر اقرار میں ہلایا تھا۔

"بہت سے بھی زیادہ۔" وہ اس کے بے جھجک جواب کو انجوائے کرتے قہقہہ لگا کر ہنسے۔

"میں کل صبح ہی آجاؤں گی۔ ہم کل کہیں پکنک پہ چلیں؟" اس نے ہاجرہ سے کہا۔

"اچھا تو تعریف اس لیے ہو رہی تھی۔ پکنک کی فرمائش پوری کروانی ہے۔" انہوں نے تاسف سے گردن ہلاتے جیسے اس کے مطلبی پن پر اظہارِ افسوس کیا۔

ہاجرہ پکنک پہ یا کہیں گھومنے پھرنے جانے کے موڈ میں نہ تھیں۔ مگر اس کی خواہش رد بھی نہیں کرنا چاہتیں۔

"آنٹی! پلیز ناں۔ بہت مزا آئے گا' منع مت کریں۔ میں جب سے کراچی آئی ہوں کہیں گھومنے نہیں گئی۔ ہر سنڈے گھر پر ہی گزر جاتا ہے۔" اس کے اصرار پر وہ راضی تو ہو گئیں مگر ساتھ ہی انہوں نے اس سے پوچھا۔

"ہنیہ! تمہارے ماموں ممانی تو مائنڈ نہیں کریں گے نا' تمہارے ہمارے ساتھ کہیں جانے کو؟ میں پہلے بھی تم سے پوچھنا چاہ رہی تھی کہ تمہارے یہاں آنے جانے پر انہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟"

ان کا انداز ایک ماں کا سا تھا۔ کوئی اس کی بیٹی کے متعلق کوئی غلط رائے قائم نہ کرے' کوئی اس کی بیٹی کے بارے میں کچھ برا نہ سوچے۔ وہ یہاں اپنے ماموں' ممانی کے پاس رہ رہی ہے' کسی رشتہ دار کے ساتھ رہنے میں کئی باتوں کا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔

اپنے لیے ان کی فکرمندی' احتیاط اور محبت پر وہ مسکرائی۔

پاکستانی ماحول اور یہاں رائج طور طریقوں کے لحاظ سے ہاجرہ کی تشویش بالکل درست تھی اور اس کے ماموں' ممانی یہ بات یقیناً" سوچتے بھی' اگر وہ عذیر فاروق اور ہاجرہ کے ساتھ اس کے حقیقی تعلق اور رشتے سے آگاہ نہ ہوتے۔

"ماموں' ممانی کو کیوں کوئی اعتراض ہو گا؟ بلکہ اس سے پہلے جب میں ہر سنڈے پورا کا پورا دن گھر پر اکیلے بور ہوتے گزارتی تھی تو ماموں اور ممانی دونوں مجھ سے یہی کہتے تھے کہ "ہنیہ! گھر سے باہر نکلا کرو۔ کچھ دوست بناؤ۔ آفس سے گھر اور گھر سے آفس اس کے علاوہ تمہارے پاس جانے کے لیے کوئی تیسری جگہ نہیں ہے۔ سنڈے کا دن بھی گھر پر اتنے ڈل انداز میں گزار دیتی ہو۔" لیکن میری یہاں کسی سے ابھی تک ایسی دوستی ہی نہیں ہوئی تھی جس کے ساتھ کہیں جانا آنا' گھومنا پھرنا مجھے اچھا لگے۔ ماموں' ممانی کے علاوہ کچھ دور کے رشتے دار اور ہیں کراچی میں۔ مگر ان سے بھی میری ایسی انڈر اسٹینڈنگ اور دوستی نہیں ہو سکی کہ ان سے ملنے میں مزا آئے۔ آج میں نے آفس سے فون کر کے ممانی کو بتایا کہ میں واپسی میں آپ کے ہاں سے ہوتے ہوئے آؤں گی لہٰذا گھر پہنچنے میں

www.paksociety.com

تھوڑی دیر ہو جائے گی تو ممانی فوراً" بولیں۔ "شکر ہے بنیہ! آفس اور گھر کے علاوہ تمہارے جانے کا کوئی تیسرا ٹھکانہ تو ہوا۔"

اس کے تفصیلی جواب نے ہاجرہ کو مطمئن کر دیا تھا۔ وہ اب اس کی خاطر کل پکنک کا پروگرام رکھنے پر پوری طرح آمادہ تھیں۔

"سر سے تو پوچھ لیں، وہ ہمیں پکنک پہ لے کر چلیں گے؟" اس نے پکنک کے پروگرام کو حتمی شکل دیتی ہاجرہ کو یاد دلایا۔

"بالکل لے کے چلیں گے۔" ہاجرہ نے اطمینان سے کہا تھا۔ جیسے کہ جب ان دونوں نے طے کر لیا ہے تو اب عذیر فاروق کے انکار کا تو کوئی گویا جواز ہی نہیں ہے۔ ان دونوں کے ساتھ کہیں باہر جانا اسے ابھی سے سوچ کر اچھا لگ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح نو بجے ہاجرہ اور عذیر فاروق نے اسے اس کے گھر سے پک کیا تھا۔ یہ بات کل ہی طے ہو گئی تھی کہ وہ ان کے گھر نہ آئے۔ وہ لوگ اسے اس کے گھر سے پک کر لیں گے۔ وہ گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھ گئی تھی۔

"لوگوں کو اپنے ہم عمروں کے ساتھ گھومنے پھرنے میں مزا آتا ہے مگر بنیہ سجاد بڈھوں کی کمپنی کو انجوائے کرتی ہیں۔" گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے عذیر فاروق بولے۔ وہ پھر اسے چھیڑ رہے تھے۔

"آپ کو خود کو بڈھا کہلانے کا اتنا شوق ہے تو آپ بڈھے ہوں گے، آنٹی کیوں بڑھیا ہوں۔"

وہ پچھلی نشست پر کافی آگے ہو کر بیٹھی ہوئی تھی، اور اپنے ہاتھ اگلی والی دونوں سیٹس کی پشت پر جما رکھے تھے۔ "کچھ میوزک تو لگائیں۔ لگے تو سہی ہم پکنک پہ جا رہے ہیں۔"

"ہمیں تو 60s اور 70s کا میوزک پسند ہے، سننا ہے؟ یہاں برٹنی اسپیئرز، میڈونا آپ کو سننے کو نہیں مل سکیں گی۔" وہ مسلسل اسے چھیڑنے کے موڈ میں تھے۔ وہ ہنس پڑی۔ انہوں نے بیک ویو مرر میں اس کی ہنسی کو بغور دیکھا۔

"یہ ہنسا کس بات پر جا رہا ہے؟" "دراصل میں آپ کی بات کو انجوائے کر رہی ہوں سر! کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ مجھے بھی ہمیشہ سے پرانی فلمیں اور پرانا میوزک پسند رہا ہے۔"

"پھر تو میری بات ٹھیک ہے۔ بوڑھی روح ہو تب ہی تو ہمارے ساتھ انجوائے کرتی ہو۔" اس طرح کی گفتگو کرتے وہ لوگ بیچ پہنچ گئے تھے۔ ہاجرہ کھانے پینے کا وافر سامان ساتھ لائی تھیں جس سے وہ پوری طرح لطف اندوز ہو رہی تھی جبکہ وہ دونوں محض تھوڑا بہت چکھنے پر اکتفا کیے ہوئے تھے۔ عذیر فاروق ایک جگہ جہاں آ کر بیٹھے تھے، اب وہاں سے ہلنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ وہ ساحل پر صرف ستانے اور آرام کرنے کے موڈ میں تھے، سو وہ اور ہاجرہ ان کے بغیر ہی پانی کی طرف آ گئیں۔ کنارے پر چلتے، آتی جاتی لہروں سے اپنے پیروں کو بھگوتی وہ دونوں دنیا جہاں کے مختلف موضوعات پر باتیں کر رہی تھیں۔

ہاجرہ باتیں کرتے کرتے عذیر فاروق کو بھی دیکھتی جا رہی تھیں جو بظاہر آنکھیں موندے آرام کرتے نظر آ رہے تھے۔ وہ آرام کر رہے تھے یا کسی کی کمی محسوس کر رہے تھے۔

اس نے عالی سے ان بے شمار پکنکس کا احوال سن رکھا تھا جو اس نے اپنے مما اور پاپا کے ساتھ منائی تھیں، اس طرح زبردستی پروگرام بنا کر۔ جیسے وہ زبردستی پروگرام بنا کر ان دونوں کو یہاں لے آئی تھی۔ عذیر فاروق، عباد سے کہتے کہ اگر اس کا کہیں باہر جانے کا اتنا ہی موڈ ہے تو اپنے دوستوں کے ساتھ چلا جائے مگر وہ ضد کر کے انہیں دونوں کے ساتھ پکنک مناتا، اکثر اتوار کا دن وہ یونہی اپنے مما، پاپا کے ساتھ کہیں باہر گزارنا پسند کیا کرتا تھا۔ اگر وہ بیچ پہ آئے ہوتے تو عباد اور عذیر فاروق کے درمیان فٹ بال لازمی کھیلا جاتا۔ دو کھلاڑی اور اکیلی تماشائی ہاجرہ۔

وہ گھر سے فٹ بال تو نہیں مگر اوٹ پٹانگ جو ڈھیر سارا سامان لائی تھی اس میں ایک بڑی سی بال بھی شامل تھی۔

"سر اپنے ڈل بیٹھے اچھے نہیں لگ رہے۔ میں ابھی انہیں ایکٹو کرتی ہوں۔" وہ ہاجرہ سے کہہ کر اپنے سامان کے پاس گئی۔ وہاں سے بال اٹھائی اور "سر! بال پکڑیں" کہہ کر اسے خوب زور سے ان کی طرف اچھالا۔

انہوں نے اس کی آواز پر آنکھیں کھول دی تھیں۔ سیدھے بھی ہو کر بیٹھ گئے تھے، اسے بھی دیکھ لیا تھا مگر جیسے ہی بال ان کے قریب آ کر گری، انہوں نے بجائے بال کی طرف دیکھنے کے اپنے دائیں بائیں اس طرح دیکھا جیسے

کسی کو تلاش کر رہے تھے، جیسے وہ بال بنیہ نے نہیں کسی اور نے اچھالی تھی ان کی طرف۔ ان کی نگاہوں نے دائیں بائیں آگے پیچھے دور دور تک کسی کو تلاشا تھا، مایوس ہو کر وہ نگاہیں اس پر آ کے ٹھہر گئی تھیں۔

انہیں یہ یاد آ چکا تھا کہ جسے وہ ڈھونڈ رہے ہیں وہ یہاں کہیں نہیں ہے۔ اس نے ان کے چہرے پر تھکن اور مایوسی کے آثار دیکھے۔ اسے وہ یکدم ہی بہت بوڑھے اور کمزور لگنے لگے تھے۔

"عالی! پاپا تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ تمہارا ذکر نہیں کرتے، تمہارا نام نہیں لیتے، تمہاری بات نہیں کرتے مگر تمہارے بغیر وہ جی نہیں سکتے۔ یہ ان کی تم سے کتنی انوکھی ناراضی ہے عالی! تم سے خفا بھی ہیں اور تمہیں سب سے زیادہ چاہتے بھی ہیں —— تم سے بدگمان بھی ہیں اور تم ہی سے سب سے زیادہ محبت بھی کرتے ہیں۔"

عذیر فاروق اس کی طرف واپس بال اچھال نہیں سکے تھے، وہ ویسے ہی گم صم سے بیٹھے تھے، ایسے کہ جیسے ان میں بال اٹھا کر اس کی طرف پھینکنے کی طاقت ہی نہیں تھی۔ ہاجرہ دور کھڑی ان کی کیفیات کو دیکھ رہی تھیں، سمجھ رہی تھیں وہ بالکل گم صم اور ساکت کھڑی تھیں، وہ شوہر کے قریب نہیں آ سکی تھیں۔

وہ ماحول کی خوشگواریت کو افسردگی میں تبدیل ہوتا نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ سو وہ عذیر فاروق کے قریب چلی آئی۔

"لگتا ہے سر! آپ کی بات صحیح تھی۔ آپ تو واقعی بڈھے ہو گئے ہیں۔ آپ ایک لڑکی کا چیلنج قبول نہیں کر سکے۔"

اس نے ان کے پاس پڑی بال کی طرف اشارہ کر کے افسوس سے کہا۔ وہ فوراً" اٹھ کھڑے ہوئے تھے مگر اس کا بڑھاپے کا الزام مسترد کر کے اس کا چیلنج قبول کرنے کے لیے نہیں بلکہ دور کھڑی اپنی بیوی کے پاس جانے کے لیے۔ ان کی گم صم اور خاموش سی کیفیت ختم کروانے کے لیے۔

بنیہ کا اس پکنک کا آئیڈیا انہوں نے قبول ہی ہاجرہ کے لیے کیا تھا۔ زندگی میں ایک بار ہاجرہ کے ساتھ زیادتی کر چکے تھے، ان کی محبت اور وفاداری کا ان سے کڑا امتحان لے چکے تھے۔ ماں کے لیے اس کی اولاد زیادہ اہم ہے یا بیوی کے لیے اس کا شوہر۔ بیٹا اور شوہر ایک دوسرے کے مقابل ہوں تو ماں کی ممتا جیتتی ہے یا بیوی کی محبت اور وفاداری؟ وہ ہاجرہ کی آنکھوں سے درد اور کرب مٹا کر ان کے لبوں پر

مسکراہٹ بکھرتی دیکھنا چاہتے تھے اسی لیے فوراً" ہی اٹھ کر ان کے پاس آ گئے تھے۔ وہ ہنستے، مسکراتے بنیہ کی طرف بال اچھال رہے تھے اور بنیہ ان کی طرف۔

ایک دوسرے کی طرف بال اچھالتے وہ دونوں پانی میں آ گئے تھے۔ بنیہ چلا رہی تھی، شور مچا رہی تھی۔ گھڑی گھڑی ان پر "فاؤل ہے اور بے ایمانی ہے" کے الزام لگا رہی تھی۔ اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو خاموشی سے دوپٹے کے پلو سے صاف کرتی ہاجرہ مسکراتے ہوئے ان دونوں کے قریب چلی آئی تھیں۔

سہ پہر کے وقت ان لوگوں کی واپسی ہوئی تھی۔ اسے گھر ڈراپ کر کے وہ دونوں گیٹ ہی سے لوٹ جانا چاہتے تھے مگر وہ بضد ہو کر انہیں اندر بلا لائی تھی۔ اب فیاض اور شمسہ کو چونکہ سب پتا تھا اس لیے اسے پہلی بار کی طرح ان میں سے کسی کے کچھ بول دینے کا خدشہ نہیں تھا۔ جھٹ پٹ وہ چائے بنا کر لے آئی تھی۔

"میرا دل چاہتا ہے بنیہ کا جلدی سے کسی اچھی سی جگہ رشتہ طے ہو جائے۔ اتنی پیاری ہے یہ، اس کا رشتہ کسی بہت اچھی جگہ پر ہونا چاہیے۔ کسی بہت اچھے سے لڑکے کے ساتھ۔" وہ چائے لے کر آئی تو ہاجرہ یہ بات شمسہ اور فیاض سے کہہ رہی تھیں۔ شمسہ ان کی تائید میں کچھ نہ کہہ سکیں، بات ہی ایسی تھی کہ وہ اس پر کیا کہتیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا مگر فیاض موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے سر ہلا کر بولے۔

"ان شاءاللہ ہماری بھی یہی خواہش ہے۔" اس نے جلدی جلدی سب کو چائے سرو کرنی شروع کر دی اور موضوع تبدیل کروانے کے لیے فوراً ہی شمسہ سے بولی۔

"آنٹی مجھ سے پوچھ رہی تھیں تم ہمارے گھر آتی ہو، تمہارے ماموں، ممانی تو اس بات کو مائنڈ نہیں کرتے۔"

"اس میں مائنڈ کرنے کی کیا بات ہے۔ میں تو بہت خوش ہوں اس نے کہیں باہر نکلنا اور آنا جانا تو شروع کیا ورنہ کراچی میں ابھی تک تو اس کی کوئی سوشل لائف ہی نہیں تھی۔ مجھے تو اسے ہر وقت گھر پر دیکھ دیکھ کے ڈپریشن ہوتا تھا کہ بچے کہیں باہر نکلو، کسی سے تو دوستی کرو، یہاں کوئی تو ہو گا تمہارے معیار کے مطابق۔" شمسہ اس کی موضوع تبدیل کروانے کی کوشش کو بھانپتے فوراً ہی بولیں۔

"اور بنیہ سجاد کے معیار کے مطابق نکلے ہم بڈھے، بڑھیا۔" عذیر فاروق مسکرا کر بولے۔

✡ ✡ ✡

اب اس کا آفس میں دل نہیں لگتا تھا۔ جب تک آفس اسے عذیر فاروق اور ہاجرہ سے قریب کرنے کا واحد ذریعہ بنا ہوا تھا تب تک اس کے لیے وہاں بہت چارم' بہت اٹریکشن تھی مگر اب جبکہ وہ بے جھجک اور بے تکلف جب چاہے ان کے گھر جا سکتی تھی' زیادہ بے تکلف ماحول میں ان لوگوں سے مل سکتی تھی تب آفس کے فارمل ماحول میں اس کے لیے کیا دلچسپی باقی بچی تھی۔

وہ فاروق ایسوسی ایٹس میں اپنا کیریئر بنانے نہیں آئی تھی' وہ جس کام کے لیے آئی تھی' جس مقصد سے آئی تھی' اس مقصد میں اسے کامیابی ہو رہی تھی۔ وہ ان کے گھر تک رسائی پا چکی تھی' آفس میں اب پہلے کی طرح دلچسپی لینا اسے مشکل لگ رہا تھا۔ پھر بھی وہ پوری کوشش کر رہی تھی کہ اپنے کام کا معیار وہی رکھے جس سے اول وقت میں اس نے عذیر فاروق کا دل جیتا تھا۔ وہ یہاں سخت محنت کر کے ان کی نگاہوں میں ایک لائق اور قابل انجینئر کا اپنا جو امیج قائم کر چکی تھی اسے قائم رکھنا چاہتی تھی۔ مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتی جو ہر وقت صرف اور صرف اسی گھر میں جانے کو مچلا کرتا تھا۔ وہ گھر جو بابی کا تھا' وہ گھر جو اس کا تھا۔ وہ اس گھر کو اپنا کب کہہ سکے گی؟

اسے اس دن کا انتظار تھا۔ وہ عذیر فاروق کو سر کی جگہ پاپا کب کہہ سکے گی' اسے اس دن کا انتظار تھا۔ وہ ہاجرہ کو آنٹی کی جگہ مما کہنے لگی تھی اور ایسا ایک دم ہی بالکل اچانک ہو گیا تھا۔ سنڈے کے بعد اگلے سنڈے تک اس کا انتظار ان پر شاق گزرا کرتا تھا۔

آفس کی مصروفیات کچھ بڑھی ہوئی تھیں۔ چند پروجیکٹس تھے جن کی وجہ سے ان دنوں چھٹی کے بعد بھی دیر تک رکنا پڑ رہا تھا۔ فون پر بات ہونے سے انہیں بالکل تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

پھر اس روز وہ لنچ ٹائم میں موقع نکال کر آفس سے ان کے گھر اچانک پہنچ گئی تھی۔ لنچ ٹائم میں آئی تھی یعنی بہت ہی تھوڑی سی دیر کے لیے آئی تھی مگر وہ اسے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر اتنی خوش ہوئی تھیں کہ انہیں اس تھوڑی سی دیر پر بھی کوئی شکوہ نہ تھا۔

"تمہاری شکل دیکھنے کو ترس گئی تھی۔" وہ اسے گلے سے لگاتے ہوئے بولی تھیں۔

"مجھے بھی آپ بہت یاد آ رہی تھیں۔" ان کے افسردہ لبوں پر اسے دیکھ کر مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

"تم آتی ہو تو لگتا ہے میں زندہ ہوں۔ ورنہ اپنے گھر کا یہ سناٹا مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ تمہارے آنے سے یہاں رونق آتی ہے' زندگی آتی ہے۔ اتنا کم مت آیا کرو ہنیہ!"

"میں آپ کے گھر ہی نہ رہنا شروع کر دوں؟" ہنس کر پرمزاح انداز میں اس نے پوچھا تھا اور اس ہنستے ہوئے' پرمزاح انداز کے پیچھے اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش ان کے سامنے رکھی تھی۔ اس گھر میں بس جانے کی خواہش۔

"میرے دل کی پوچھو تو میں کہوں ہنیہ! یہاں سے کبھی جاؤ ہی نہیں۔" اس نے ان کے محبتیں اور چاہتیں لٹاتے چہرے کی طرف دیکھا۔

"جب میری سچائی جان جائیں گی تب بھی یہی بات کہیں گی نا؟ یہ جان کر کہ میں ہنیہ سجاد وہی امریکی لڑکی ہوں جسے پاپا کب کا مسترد کر چکے ہیں۔ مجھ سے منہ تو نہیں پھیر لیں گی نا؟" اس کی خاموش نگاہوں نے ان سے سوال کیا مگر وہ اس کا سوال نہ دیکھ پائیں' نہ پڑھ پائیں۔ وہ اسے اچانک اپنے سامنے پا کر اتنی خوش تھیں کہ مزید کچھ اور انہیں سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

"کیا کھاؤ گی جلدی سے بتاؤ؟ دم کا قیمہ بنا ہے' اس کے ساتھ پراٹھا بنا دوں؟" وہ اس کے پاس سے اٹھنے لگیں۔ انہیں ہمیشہ کی طرح اسے خوب اچھی طرح کھلانے پلانے کی فکر پہلے لاحق ہوئی تھی۔

"کچھ بھی نہیں مما! میں آفس سے لنچ ٹائم میں اٹھ کر آئی ہوں' کھانے پینے بیٹھ گئی تو دیر ہو جائے گی۔"

تصور ہی تصور میں وہ ان دونوں کو مما اور پاپا اتنا بولتی رہتی تھی کہ بالکل اچانک اور بے دھیانی میں اس کے منہ سے ان کے لیے آنٹی کی جگہ مما کا لفظ نکل گیا۔ وہ ٹھٹک گئی تھیں' ان کی آنکھوں میں حسرتیں بھی تھیں' افسردگی بھی تھی اور کچھ خوشی بھی تھی۔ جیسے اپنے لیے یہ نام انہوں نے ایک طویل عرصے بعد سنا تھا۔

باقی آئندہ شمارے میں

meem
© Oneurdu.com

فرحت اشتیاق

متاعِ جاں ہے تو

ہدیٰ ایک ذہین اور باصلاحیت لڑکی ہے۔ غیر معمولی [illegible] والدین سے ورثے میں ملا ہے۔ اس کی ساری زندگی امریکہ میں گزری ہے [illegible] بہترین تربیت اور کولمبیا یونیورسٹی سے انجینئرنگ کی ڈگری نے اس کی شخصیت میں [illegible] شادی کے بعد اپنی زندگی میں مشغول ہیں۔ والدین کے انتقال کے بعد وہ امریکہ کی [illegible] پاکستان آتی ہے [illegible] جہاں فرم کے [illegible] [illegible] جہاں چند دنوں میں [illegible] [illegible] باپ کے [illegible] [illegible] [illegible] طبیعت کی خرابی پر [illegible] ہسپتال جاتی ہے [illegible] [illegible] خاص جذبات رکھتی ہے [illegible] [illegible]

URDU PHOTO
meem
Oneurdu.com
meurdu.com

ایک اتفاق سے منیبہ اور مبارک کو ایک دوسرے کے قریب لے آتا ہے۔ دونوں کی محبت میں پتا نہیں کوئی رکاوٹ نہیں تھی [illegible]

[illegible]

(اب آگے پڑھیے)

چوتھی قسط

"ابھی تم نے مجھے کیا کہا منیبہ؟" انہوں نے آہستہ آواز میں اس سے گویا اپنی سماعتوں کی تصدیق چاہی۔

"مما! آپ کو برا لگا؟"

"برا؟ میرے کان ترس گئے تھے یہ نام سننے کو۔ میرے دل سے پوچھو مجھے کیسا لگ رہا ہے۔" [illegible]

[illegible]

اور اس روز منیبہ انہیں مما کہنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

[illegible]

[illegible]

سے انھیں اور وہ اسی تکان چھوڑی حالت میں باہر کو
بیٹھ میں جھگڑے کھانے کی ریز [illegible] آکر بیٹھ گئی تھی۔
شمسہ اور فیاض کے کینیڈا جانے کا ارادہ ہو رہا تھا۔
بات ان کی کزن کے ہاں پہلے بچے کی ولادت ہونے
والا تھی۔ پہلی دو بار کے [illegible] کے بعد شمسہ اور
فرح اس بار بھی کے پاس خود کینیڈا جانا چاہتے تھے۔
بھی ان لوگوں کے جانے میں تقریباً ایک مہینہ تو تھا اور
چار وقت کھانے کے دوران اس بات کا ماجرہ سے ذکر
رتی ممانی کی غیر موجودگی میں اپنے اکیلے رہنے کے
مسئلے پر بات کر رہی تھی۔
"تم نے کیا آپ لوٹ جائیں ممانی! میں گھر
آرام سے رہ لوں گی۔ آخر میں نیویارک میں بھی اکیلی
رہ رہی تھی۔"
"نیویارک اور پاکستان میں بہت فرق ہے بیٹا!
وہاں عورت تنہا رہ سکتی ہے۔ یہاں کسی بھی عمر کی
عورت تنہا نہیں رہ سکتی۔" ماجرہ اس کی بات کے
جواب میں سنجیدگی سے بولیں۔
"ہاں ماموں! ممانی بھی یہی بات کہہ رہے ہیں۔
ممانی کہہ رہی ہیں تم ایک ڈیڑھ مہینے میں تو آجائیں
گے گھر لوٹنے تک [illegible] کے پاس رہو۔ ممانا تو یہاں
رہ سکتا ہے۔ مگر میرا دل نہیں چاہتا اس طرح کسی
کے گھر رہنے کو۔ میری ممانی کی بھی یہی بات ہے اتنا بڑی
بات ہے۔ میں ایک ڈیڑھ مہینہ اس طرح ممانی کے
کسی ممانی یا کسی کے گھر نہیں رہ سکوں گی۔"
"ہاں جب تک [illegible] نہ ہو بے تکلفی نہ ہو اس
طرح کسی کے گھر جا کر رہنا بہت برا لگتا ہے۔" ماجرہ
نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔
"گھر جاتے [illegible] تو رہ سکتے ہیں کیوں نہیں رہ جاتیں
[illegible] انہوں نے یک دم ہی ایک حل ان کے سامنے
رکھا۔
"آپ کے گھر؟" پہلی بار اس نے انھیں دیکھا۔
"ہاں یہاں — کیوں نہیں؟ میں ٹھیک کہہ رہی
ہوں نا؟ تمہارے ماموں ممانی سے میں بات کر لوں
گی۔"

کی اور انھیں یقیناً کوئی اعتراض بھی نہیں [illegible]
تمہیں کوئی اعتراض ہے تو تم بتاؤ [illegible]
فاروق کے جواب کا انتظار کیے بغیر سب کچھ [illegible]
لینے والے انداز میں ان سے پوچھا۔
"مجھے کیوں برا لگے گا میری تو اس سے ان [illegible]
کی پرابلم سولو ہو جائے گی۔ ممانی نے بھی [illegible]
کے گھر تو میں بالکل نہیں رہتا [illegible]
"بس پھر اب باقی کی فکر تم مجھ پر چھوڑ دو۔
ماموں ممانی سے میں بات کر لوں گی۔ میں اس [illegible]
بات کروں گی کہ تم بڑی ممانی کو یہ بات [illegible]
گے کی کہ تم ان کی بہن کے گھر [illegible]
ترجیح دے رہی ہو۔"
[illegible] فاروق اس ساری [illegible]
خاموش [illegible] تھے۔ [illegible]
موجودگی میں [illegible] کے تنہا رہنے کے [illegible]
کے [illegible] سے [illegible] قیام کی دعوت دی ماجرہ
[illegible] نے بالکل نہیں دکھایا۔

☆ ☆ ☆

[illegible] آنے کے بعد بہت [illegible]
ان [illegible] کے ساتھ [illegible]
فیاض کے کینیڈا چلے جانے سے اسے عذیر فاروق کے
گھر قیام کا ایک معقول بہانہ مل رہا تھا۔ مگر ان دونوں
کے کینیڈا جانے کا [illegible]
[illegible]
ان کے گھر رہنا ہے۔ اب اس کے پاس اپنے وہاں
قیام کا ایک معقول جواز اور ٹھوس وجہ موجود تھی۔ ان
نے ماجرہ کے سامنے ماموں ممانی کے کینیڈا جانے کا
ذکر قصداً کیا تھا۔ اسے لگا کہ [illegible] وہ
پہلی فرصت میں اسے اپنے ہاں قیام کی دعوت دیں گی۔
ماجرہ نے اس کے ماموں ممانی سے خود بات کر کے
ان سے اس بات کی اجازت لی تھی کہ [illegible]
ایک ڈیڑھ ماہ کی عدم موجودگی کے دوران [illegible]
یہاں رہ سکے۔ وہ ماجرہ کے اجازت لینے سے [illegible]

[illegible] اپنے بیٹے سے آگاہ کر چکی تھی۔
[illegible] فیاض اور شمسہ اس روز سے جانتے
تھے جب اس نے انھیں بتایا تھا کہ وہ عذیر فاروق اور
[illegible] کے والدین ہیں۔ وہ ہر گزرتے دن کے
ساتھ عذیر فاروق اور ماجرہ عذیر کے نزدیک سے نزدیک
ہوتی جا رہی تھی اور فیاض اور شمسہ جانتے تھے ہر
قدم ان کے گھر تک رسائی ہی ہو گا۔

☆ ☆ ☆

[illegible] اس گھر میں آئی تھی۔ اپنا [illegible] سامان
[illegible] اور [illegible] لیے وہ اس گھر میں داخل ہوئی تو
[illegible] خوشی سے اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے
[illegible]
[illegible] سے اندر داخل ہوتے وقت اس نے اپنے
[illegible] تیز رفتاری سے ایک [illegible] کرکے
[illegible] اس وقت گھر میں داخل ہو رہی
[illegible] اپنے گھر آئی ہوں۔"
فردوس نے اس کا سامان اٹھائے اس سے چند قدم پیچھے
[illegible] تھا۔ وہ [illegible] تو رہائی تھے
[illegible] دروازے کے باہر [illegible]
اور فیاض کی [illegible] کی نقاشت تھی اور
[illegible] آئی [illegible]
ساتھ لیے اندر آئی [illegible]
[illegible] گیسٹ روم تو انہوں نے
[illegible] کے لیے نئے سرے سے ٹھیک کروایا تھا وہاں
[illegible] ضرورت کے لحاظ سے کئی چیزیں رکھوائی تھیں۔
[illegible] گھر کا یہ گیسٹ روم پہلے ہی تھا عذیر فاروق
[illegible] سے کچھ ہٹ کے، گیسٹ روم گھر کا حصہ
تھا اور کچن، لاؤنج، ڈائننگ روم وغیرہ سے قدرے
[illegible] بھی تھا۔ گیسٹ روم کے سامنے کشادہ سا
[illegible] تھا اسے عبور کر کے سامنے ایک طرف لاؤنج کا
[illegible] اور دوسری طرف فرسٹ فلور پر جانے کے لیے

کسی چکر دار زینہ تھا۔
اس گیسٹ روم میں عذیر فاروق کے بیرون ملک
سے آنے والے کاروباری دوست اور رفقا، ٹھہرا کرتے
تھے۔ یہ گیسٹ روم بنا ہی اسی خیال سے اور اسی
ضرورت کو مدنظر رکھ کر گیا تھا۔ وہ پہلی خود کو گیسٹ
تجویز کر رہی نہیں تھی مگر گیسٹ روم تک ہی سہی
مہمان بن کر کچھ عرصہ قیام کرنے کے لیے ہی سہی وہ
اس گھر میں رہنے کے لیے آئی تھی۔ یہی اس کی بہت
بڑی کامیابی تھی۔ فی الحال اس سے زیادہ وہ کچھ اور چاہ
بھی نہیں سکتی تھی۔
عذیر فاروق نے خوش اخلاقی سے چہرے پر
مسکراہٹ سجائے اس کا اسی انداز میں استقبال کیا تھا
جیسے اپنے گھر آنے والے کسی مہمان کا کیا جاتا ہے۔
اسے اپنے ہاں قیام کی دعوت ماجرہ نے دی تھی وہ نہ
اب تک جتا ان دونوں نے لی تھی اور جتنا انھیں جانا
تھا یہ اندازہ کا چکی تھی کہ عذیر فاروق ماجرہ کو کسی بھی
بات سے روکتے نہیں تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے اپنی کسی
زیادتی کے ازالے کے لیے اب وہ عمر بھر آنکھیں بند کر
کے ان کی ہر بات ماننا چاہتے تھے۔
جہاں تک آفس میں اس کے کولیگز کا تعلق تھا تو
اسے اس بات کی مطلق پروا نہ تھی کہ اس کے عذیر
فاروق کے گھر قیام پذیر ہونے پر کون کیا سوچتا ہے۔ اگر
کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ باس کی اور ان کی بیگم کی
منظور نظر اور چہیتی کیوں کر بن گئی ان کے گھر جا چکی ہے تو
سمجھتے رہیں۔ سارے آفس کے لوگوں کے
رد عمل اور چہ میگوئیوں کی کوئی پروا نہ تھی۔ پاکستان
فاروق کی آفس میں اکاؤنٹس ایگزیکٹو اپنا کیرئیر بنانے
نہیں آئی تھی۔ وہ عذیر فاروق اور ماجرہ عذیر کے گھر
ان کے دل اور ان کی زندگی میں اپنی جگہ بنانے آئی
تھی۔ باقی لوگوں سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز وہ صبح سویرے کمرے سے نکل آئی۔
ابھی کچن، لاؤنج اور ڈائننگ روم سب ویران پڑے

تھے۔ صبح کے ساڑھے چھ بجے تھے۔ ابھی ناشتے کی تیاری کا کام بھی شروع نہیں ہوا تھا، اس لیے کوئی ملازم نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ کچن میں آئی۔ اس نے ایک کپ چائے بنائی اور ٹرے میں کپ رکھ کے سیڑھیوں کی طرف آئی۔ اس کا رخ ماجدہ اور نذیر فاروق کے کمرے کی جانب تھا۔ اتنے دنوں سے ماجدہ اور نذیر فاروق سے اس کا اتنا قریبی تعلق تھا تو ان دونوں کے تمام تر معمولات سے بھی وہ آگاہ ہو گئی تھی۔ نذیر فاروق فجر کی نماز کے لیے مسجد گئے ہوئے ہیں۔ وہ فجر کی نماز کے بعد کافی دیر سے گھر واپس آتے ہیں۔ اور ماجدہ اس وقت اپنے کمرے میں عبادات میں مشغول ہیں۔ ان دونوں کے کمرے کی طرف جاتے وہ ٹھٹک کر ایک پل کے لیے عباد کے کمرے کے سامنے رکی۔ اس نے اس کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔

امریکہ میں اس کا اپارٹمنٹ جس کا کرنٹ ایڈریس اچھی طرح جانتی تھی، اس سے زیادہ عباد کی اہمیت اس کمرے کے ساتھ تھی۔ یہ کمرہ [illegible] خاص تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اس کمرے کے اندر جا نہیں سکتی تھی کہ ابھی وہ صرف ایک مہمان تھی۔ اس گھر کی فرد نہیں کہ منہ اٹھا کر جہاں جی چاہے گھس جائے۔ پھر بھی باہر کھڑے کھڑے بھی اسے یوں لگا جیسے وہ کمرہ عباد کے باعث بستا تھا۔ اس کمرے کو عباد کو یاد کر رہا تھا، وہ کمرہ اپنے مکیں کا انتظار کر رہا تھا۔

چند سیکنڈ اس کمرے کے سامنے کھڑے رہنے کے بعد وہ ماجدہ اور نذیر فاروق کے کمرے کی طرف بڑھی۔ دروازہ ناک کر کے وہ اندر آئی تو جائے نماز بچھائے ماجدہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اسے دیکھ کر انہوں نے آنسو صاف نہیں کیے، اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا اور دوبارہ نظریں قرآن پاک پر مرکوز کر دیں۔ رکوع پورا کر کے انہوں نے قرآن پاک چوم کے بند کر دیا۔

"السلام علیکم" اس نے کہا۔ [illegible]

پہلے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کے اس پر دم کیا۔ اس کے بعد "وعلیکم السلام" کہا تھا۔

"میں آپ کے لیے چائے لائی ہوں ممانی۔" اس نے چائے کا کپ ان کی طرف بڑھایا۔

"جیتی رہو۔ لیکن بیٹا! تمہیں صبح صبح اس جھنجھٹ میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟"

انہوں نے اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے لیا اور جائے نماز پر سے کھڑی ہو گئیں۔ [illegible] سے جھٹک کر جائے نماز لپیٹنا چاہتی تھیں مگر اس سے پہلے ہی جھک کر اس نے جائے نماز اٹھا لی اور اسے تہہ کر کے صوفے کے ساتھ رکھی چھوٹی میز پر رکھ دی۔

"میرا دل چاہ رہا تھا میں آپ کو اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر پلاؤں۔" وہ صوفے پر ان کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"ماموں ابھی نماز پڑھ کر نہیں آئے؟"

"نہیں، آنے والے ہوں گے۔" انہوں نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟ [illegible]"

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"کمرے میں کسی چیز کی کمی تو نہیں؟ تمہیں کسی بھی چیز کی اگر وہاں ضرورت محسوس ہو رہی ہے تو بغیر تکلف کے مجھے بتاؤ۔"

"ممانی! آپ فکر مت کریں۔ [illegible] اگر کچھ چاہیے ہوگا تو میں آپ سے کہہ دوں گی۔"

وہ چائے پی چکیں تو ان سے خالی کپ لے کر ٹرے میں رکھ دیا گیا تھا۔

[illegible] ناشتے کی میز پر ہوئی تھی۔ وہ ناشتے کے لیے ڈائننگ روم میں آئی تو ماجدہ اور نذیر فاروق پہلے سے میز پر موجود تھے۔ اس نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے اس کی خیریت دریافت کی۔ وہ بھی شاید میز پر ابھی ابھی آ کے بیٹھے تھے۔ ان کے آگے میز پر آج کا اخبار رکھا تھا [illegible] ان کے برابر [illegible]

انہوں نے کھانا شروع نہیں کیا تھا۔ وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھی۔ نذیر فاروق اخبار کھول چکے تھے۔ اخبار کا پہلا صفحہ انہوں نے اپنے سامنے کیا، ساتھ نظریں ادھر ادھر دوڑا کر اپنا چشمہ تلاش کیا۔ فرید اخبار کے ساتھ ان کا چشمہ رکھنا بھول گیا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ فرید کو آواز دیتے، وہ جلدی سے اٹھی۔

"ابھی لا رہی ہوں۔ [illegible] اسٹڈی میں ہوں گے؟" ان کے [illegible] سے انہوں نے رات لکھنے کا آخری کام اپنی اسٹڈی میں کیا تھا اور گلاسز وہیں ہونے چاہیے تھے۔

وہ اسے منع کرتے کرتے رک گئے۔ وہ ایک منٹ میں ان کے گلاسز لے بھی آئی تھی۔ ماجدہ اس کی آمد سے بہت زیادہ خوش نظر آ رہی تھیں۔ روزانہ ناشتے میں وہ توس اور گلاس دودھ کے علاوہ کچھ بھی نہ لیتی تھیں [illegible] اکثر انہیں ناشتہ ٹھیک سے کرنے اور اپنی خوراک کا خیال رکھنے کی کس قدر تاکید کی ہوئی تھی مگر [illegible] پایا ہی نہیں جاتا تھا تو زبردستی [illegible] دودھ کے ساتھ ابلے انڈے کی سفیدی بھی لے لی تھی، توس بھی لے لیا [illegible]

[illegible] باتیں کرتے کرتے [illegible] اور وہ اس سے اتنی محبت کرنے لگی تھیں کہ اسے انکار نہیں کر سکتی تھیں۔ اس نے [illegible] انہوں نے صرف اس کی سفیدی کھائی، زردی اپنی پلیٹ میں ویسے ہی چھوڑ دی تو زردی ان کی پلیٹ سے اٹھا کر اس نے کھا لی۔ انہوں نے پلیٹ میں [illegible] جو توس رکھا تھا اس نے وہ اٹھا کر [illegible] لگا کر اسے کھا لیا۔

"تم کیا صرف میرا ہی کھانا کھاؤ گی؟" انہوں نے [illegible] سے اسے گھورا، جو ان کے ناشتے کی فکر میں خود تو ٹھیک سے کچھ کھا ہی نہیں رہی تھی۔

"میں کھا رہی ہوں ممانی! آپ فکر مت کریں۔"

اس نے کیتلی میں سے چائے نکال کر انہیں اور نذیر [illegible] کو دی۔ پھر اپنے لیے چائے نکالی اور ماجدہ کا [illegible]

خوش کرنے کے لیے آلیٹ کھانا شروع کیا۔

"میں تمہارے لیے پنج بھجوا دوں گی، آفس میں باہر سے کچھ بھی منگوا کے مت کھانا۔" اس نے انداز میں اب تھوڑا چاہت، مگر پھر ان کے چہرے پر موجود تاثر کو دیکھ کر جب ہوگئی۔ بدولت اپنے ہاتھ کا پکا ہوا کھانے کے خوش ہوتی تھیں اور وہ ان سے یہ بے ضرر سی خوشی چھیننا نہیں چاہتی تھی اگرچہ کہ ان سے اپنے لیے کچھ پکوانا اسے اچھا بھی نہیں لگ رہا تھا۔

"چلیے بتاشا ہے، آج بیٹھ کے کی بدولت ہمیں بھی مسز ساجدہ نذیر کے ہاتھوں کا پکا کھانا نصیب ہو جائے گا۔"

کاہنر دکھاتے ہوئے اندر کرسی پر رکھتے نذیر فاروقی کافی دیر بعد گفتگو میں شریک ہوئے۔ وہ اتنی دیر سے اخبار کی سرخیوں پر نظریں دوڑا رہے تھے۔ ساجدہ کو خدا حافظ کہتے اور دوا لینے کی تاکید کرتے ہوئے وہ ڈرائنگ روم سے باہر نکلے۔ گاڑی کی چابی اور بریف کیس انہوں نے ہاتھوں میں پکڑا ہوا تھا۔ گاڑی سے وہ فرید کو آواز دیتے ہوئے باہر نکلے تھے۔

"فرید! یہ ڈرائنگز اور فائل لے آؤ۔"

وہ پورچ میں نکل چکے تھے اور اپنی گاڑی کا لاک کھول رہے تھے۔ انہیں فرید کے بجائے اپنی پشت پر بیٹی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ فائل اور ڈرائنگز ہاتھوں میں اٹھائے کھڑی تھی۔ ان کے لبوں پر بے اختیار ایک گہری مسکراہٹ ابھری۔

"لڑکی! اتنے یہ دل میں لینے کی دعائیں کہاں سے سیکھی ہیں؟"

"ان سے کہہ نہ پائی کہ آپ کے بیٹے ہے۔ اس نے مجھے ڈرائنگز کو سنبھالنے اور اپنی محبت دوسروں کے دلوں میں پیدا کر لینے کے گر سکھائے ہیں۔ انہوں نے مجھے سکھایا ہے کہ محبت، محبت ہی سے جیتی جاتی ہے۔"

وہ جواب میں صرف مسکرائی۔ وہ گاڑی کا لاک کھول چکے تھے۔ سو اس نے خود پچھلی طرف کا

دروازہ کھول کر اس میں ڈرائنگز [illegible]

دروازہ واپس بند کر کے سیدھی ہوئی تو وہ [illegible] ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔ میں کہہ نہیں سکتی [illegible] کرتی نہیں سکتا تھا ہم سب کے گھر میں [illegible] کی کوئی کمی نہ تھی۔ مگر ان کے خیال اور [illegible] ان کا خیال محبت میں نہیں بلکہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے کیا کرتے تھے۔ محبت اور ذمہ داری میں کتنا فرق ہے۔ وہ ایک تک اپنے سامنے کھڑی اس لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔ وہ انہیں اتنی عزیز کیوں ہو گئی تھی؟ انہیں اتنی پیاری کیوں لگتی تھی کہ اسے دیکھ کر دل میں ہر بار محبت یوں موجزن ہوتی تھی جیسے [illegible] رہے ہوں۔ مگر ان کے دل میں اپنی بیٹی [illegible] خود پیدا کی تھی۔ اس کی [illegible] اس کی پیاری باتیں [illegible] نظر انداز [illegible]

وہ اس سے محبت کرتے تھے اس کی پروا کرتے تھے وہ ہر سنڈے ان کے گھر آیا کرتی تو وہ راستے میں [illegible] سے سنڈے کا انتظار کیا کرتے تھے وہ آتی تو ان کے گھر میں [illegible] آتی تھی، خوشی آتی تھی [illegible] [illegible] مسکراہٹ محبت اور ساجدہ کی [illegible] نہ کرتے تھے۔

وہ اس کے لیے اپنے دل میں اس کی پسند کا سامان [illegible] [illegible]

[illegible] جیسے وہ خود کو محبت کے اظہار سے روک نہیں پاتے تھے۔ وہ اسے ڈرائنگز اور فائل اٹھائے اور پھر انہیں گاڑی میں رکھتا دیکھتے رہے اور جیسے ہی وہ دوبارہ سیدھی ہو کر ان کے سامنے کھڑی ہوئی انہوں نے بے ساختہ اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔

"خوش رہو بیٹا!" اس کی آنکھوں میں ایک دم ہی نمی سی جھلملانے لگی تھی۔

"ارے یہ کیا؟" انہوں نے حیرت سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ اس وقت ان کے اتنے قریب کھڑی تھی کہ اس کی آنکھوں میں جھلملاتے وہ آنسو

[illegible] تک رہ گئے تھے۔

[illegible] انہوں نے نفی میں سر ہلا کر پلکیں زور زور سے جھپکائیں۔

"آپ نے مجھے بیٹا کہا، مجھے بہت اچھا لگا۔"

"چلو آؤ میرے ساتھ ہی چلو۔" انہوں نے زور دے کر اس جذباتی کیفیت سے باہر نکالنے کی کوشش کی۔

"نہیں میں خود آجاؤں گی۔" وہ گاڑی میں بیٹھ گئے جبکہ وہ کھڑی رہی تھی سو وہ گاڑی اسٹارٹ کرنے لگے [illegible] کھڑکی میں ان کی طرف جھکی۔

"کیا میں آپ کو انکل کہہ سکتی ہوں؟ انکل کہہ کے نہیں [illegible] کرتے؟"

انہوں نے ایک لمحہ بھر کی تاخیر کے بغیر نفی میں سر ہلایا۔ [illegible] بچے کے چہرے پر پھیلے ہوئے [illegible] اور دکھ بھرے تاثر [illegible] مسکرا کر کہا تھا۔ وہ جس نے ایک دم اور اتنے [illegible] افسردگی [illegible] ہوئی تھی۔

"ساجدہ کو ماں کہتی ہو اور مجھے انکل؟ لڑکی انصاف کرنا سیکھو۔ ساجدہ ماں ہیں تو میں بابا کیوں نہیں؟"

اس کی آنکھیں [illegible] تبسم انداز میں

[illegible] میں [illegible] طرف [illegible] کے لیے تو وہ [illegible] بات [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"تھینک یو سو مچ بابا! مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے آپ کو بابا کہہ کر۔ کیونکہ مجھے دل سے ہمیشہ یہی لگتا رہا ہے کہ آپ میرے بابا ہیں۔"

"اور مجھے بھی بہت اچھا لگ رہا ہے اپنے لیے یہ نام آپ کے منہ سے سن کے۔ کیونکہ مجھے بھی دل سے یہی لگتا رہا ہے کہ آپ میری بیٹی ہیں اور میری کوئی بیٹی اگر ہوتی تو شاید آپ جیسی ہی ہوتی۔" انہوں نے اس کی آنکھ سے ٹپکنے والا ایک آنسو اپنی انگلی سے صاف کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ایک کلائنٹ کے آجانے اور ہیلکوائس صاحب کے ساتھ اس میٹنگ میں شریک ہونے کے سبب انہیں آفس سے واپسی میں قدرے تاخیر ہو گئی تھی۔ ساجدہ نے آفس کے لیے خود اپنے ہاتھوں سے بنا کر پیج بنا کر ڈرائیور کے ہاتھ بھجوایا تھا۔

اس نے شام پانچ بجے انہیں کال کر کے بتا دیا تھا کہ ایک میٹنگ کی وجہ سے اسے گھر واپسی میں تاخیر ہو جائے گی مگر انہیں اس کی ویسی فکر تھی کہ ابھی جب راستے میں ہی تھے تب ان کی کال آگئی تھی۔

"میں راستے میں ہوں ماما! تھوڑی دیر میں پہنچ جاؤں گی۔" وہ اس کی گھر واپسی کی شدت سے منتظر تھیں۔

پورچ میں گاڑی کھڑی کر کے وہ بوڑھی ہوتی ہوئی اندر داخل ہوئی جیسے دن بھر کا تھکا ہارا کوئی انسان اپنے گھر میں پرسکون اور آسودہ ماحول میں خوشی خوشی قدم رکھتا ہے سامنے کا دروازہ کھولتے ہی وہ باہر ہی سے شور مچاتی اندر آگئی۔

"میں آگئی ماما!" نذیر فاروقی اور ساجدہ دونوں لاؤنج میں ایک دوسرے کے برابر بیٹھے ہوئے تھے مگر بالکل خاموش۔ اس کی آمد سے قبل وہاں مکمل خاموشی تھی۔ اس کے آنے سے پہلے وہاں سناٹا اور ویرانی تھی۔ اسے دیکھ کر ان دونوں کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی تھی۔

اس کی آمد کا جواب ان دونوں کی ساری تھکن، سرگرمی، اداسی اپنے اندر سمیٹ لے۔ اس کا شور مچانا انداز ان کو زندگی کا احساس دلایا تھا سو وہ اسی طرح شور مچاتی ہی ساجدہ کے قریب بیٹھ گئی۔ سلام وہ دور ہی سے ان دونوں کو کر چکی تھی اب ساجدہ کی طرف جھکی ان سے پیار کروا رہی تھی۔

انہوں نے والہانہ انداز میں اس کی پیشانی چومی تھی۔ سو اب اس نے اس کی تھکن اور دن بھر کی مصروفیات کا حال پوچھ رہی تھیں۔ نذیر فاروقی

مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے گھر کا سناٹا ٹوٹ گیا تھا، خاموشی ان کے گھر سے رخصت ہو گئی تھی۔

"بھئی ہم کو تو کام ہے ہم سے کوئی ملنا ہی نہیں چاہتا، ہم کسی کو نظر ہی نہیں آرہے۔" وہ ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"آئم سوری پاپا! آپ کیسے ہیں؟"

"کیسا نظر آرہا ہوں؟"

"ہمیشہ کی طرح بہت ہینڈسم۔" وہ ان دونوں کے سامنے کارپٹ پر رکھے فلور کشن پر بیٹھ گئی۔

"اسنے اپنے فریش ہو کر کھانا بھی کر لیا تھا؟"

"جی آج مزے کا کھانا کون نہیں کھائے گا۔ تھا بھی اتنا سارا میں نے اپنے ساتھ شیریں اور حوریہ کو بھی لنچ کی دعوت دے دی تھی۔ آج میرے ساتھ ان دونوں کے بھی مزے آگئے۔ اتنا مزے کا کھانا تو ہی نہیں رک رہا تھا ہم تینوں کا۔" باجرہ اس کی تعریفوں پر مسکرا دیں۔

"رات کے کھانے میں کیا بنا ہے؟" اس نے اسی طرح پوچھا جیسے گھر کا کوئی فرد گھر آتے ہی "کھانے میں کیا ہے" کا سوال کرتا ہے۔

"تمہاری پسند کی چیزیں بنائی ہیں، فریش ہو تو پھر ہم کھانا لگواتی ہوں۔"

کھانا کھانے کے بعد وہ ان دونوں کے ساتھ لاؤنج میں آکر بیٹھ گئی۔ ٹی وی پر نیوز چینل لگا تھا خبریں بھی دیکھی جا رہی تھیں باتیں بھی ہو رہی تھیں۔ اس نے باجرہ اور عذیر فاروق کے لیے گرین ٹی بنائی تھی۔ وہ دونوں گرین ٹی پی رہے تھے جبکہ وہ خود Mocha کا کپ ہاتھوں میں لیے بیٹھی تھی۔

"تمہارے آنے سے اتنا اچھا لگ رہا ہے، ہم اس سوچ رہی ہوں تمہارے پاپا نے ... واپس آجائیں کے "تم واپس چلی جاؤ گی تو میرا گھر میں دل کیسے لگے گا۔"

"تو میں جاتی ہی نہیں ... " وہ ان کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے ...

رہی ہو۔

وہ دونوں صوفے پر اور وہ ... باجرہ کے پیروں کے قریب۔ اس نے اپنا سر ان کے گھٹنے پر رکھ دیا ... ان کے ہاتھوں میں ... ٹی وی پر نظریں مرکوز کیے ... گی۔ ان کی انگلیوں کا محبت بھرا لمس ... پرسکون ہو کر سو جانے کو جی چاہتا ہے ... خاموشی سے ... قریب کی عذیر فاروق ... چاہتے تھے ...

جلدی ہے۔ وہ سوتے میں ... جس طرح اس نے گھڑی دیکھی اور فوراً کھڑی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر انہیں لگ رہا تھا کہ شاید اس وقت ...

... کوئی ضروری مصروفیت ہے۔ ... کسی کو فون کرنا ہو ... اپنے فرینڈز کے ساتھ چیٹنگ کرنے کا ... ان کے فرینڈز اسی وقت ... تک اپنے کوئی دوست نہیں ... ان کے دوست ہوں گے۔

انہوں ان دونوں کو شب بخیر کہہ کر فوراً اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ روزانہ کی طرح صبح نماز پڑھ کے کافی دیر سے ... سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے ... ہاتھوں میں چائے کی ٹرے لیے ... سامنے ... سیڑھیاں ...

اس سے یہ پوچھنے کے بجائے انہوں نے چائے ...

"میں رہنے دو خواہش نہیں ہے۔" انہوں نے ... ہوئے انکار کر دیا ... وہ ان کے ساتھ چلتے ان ... کی طرف آگئی تھی۔

... ہوئے لگ رہے ہیں۔ لگ رہا ہے کل ... آپ کو نیند نہیں آئی؟"

نیند پوری ہو گئی تھا انہیں نیند کو اپنے قریب کیے وہ پوری پوری رات جاگا کرتے تھے ... اب تو خواب ...

وہ پوری پوری رات اسٹڈی میں کام کرتے ہوئے گزار دیتے ... کئی پروجیکٹ ڈیزائن کرتے ... کاموں میں غرق ہونے کی کوشش کرتے ...

خیر تم بڑی جنریشن کے لوگوں کو راتوں کو جاگنے کی بیماری ہے ... مسکراتے ہوئے انہوں نے اس کے لیے اپنے کمرے کا دروازہ کھول دیا تھا ... آنکھوں سے کل ہی کی طرح آنسو رواں تھے۔

☆ ☆ ☆

رات ان سب کو ... کھانے پر مدعو تھے۔ یہ

meem

ایک ہائیر فرم کے سینئر ایگزیکٹو [illegible]
ساتھ نذیر فاروق کی فرم نے یہاں پروجیکٹس
مشترکہ طور پر کیے تھے۔ وہ اور ان کی بیوی دونوں آئے
ہوئے تھے۔ ہنیہ مہمانوں سے بڑی خوش اخلاقی سے
اور اچھی طرح ملی تھی۔ شہزاد ماجدہ کے ساتھ مل کر میزبانی
کے فرائض اسی طرح انجام دے رہی تھی جیسے گھر
آئے مہمانوں کی خاطر مدارات بیٹیاں ماؤں کے ساتھ
مل کر کرتی ہیں۔

وہ ہائیر ایگزیکٹو آج ہنیہ سے آفس میں مل چکے
تھے۔ وہاں بھی اس کا پروفیشنل انداز دیکھ چکے تھے۔ اب
یہاں اس کا گھریلو اور نسوانی انداز دیکھ رہے تھے۔ نذیر
فاروق نے ہنیہ کا تعارف ان سے یہ کہہ کر کروایا تھا کہ
یہ میری سگی بیٹی تو نہیں ہے مگر مجھے اور میری بیوی کو سگی
بیٹیوں ہی کی طرح پیاری ہے۔ [illegible] سے
مہمانوں کو [illegible] ہنیہ [illegible] بہت
تقریباً [illegible] کی طرف بھی یہ کیسی پارٹی تھی۔

گیارہ بجنے والے تھے۔ ہر طرف ایک منتشر سا تھا۔
سب ہی نظر آ رہی تھی۔ نذیر فاروق اسے بغور
[illegible] کر رہے تھے۔ لیکن [illegible] observe
دیکھ رہے ہیں۔ وہ مجبوراً اخلاقیات نبھانے کو وہاں
رکی ہوئی تھی ورنہ اس کا [illegible] رہا تھا کہ یہاں
سے [illegible]

یہ آج مسلسل آٹھویں رات تھی جب رات
گیارہ بجے وہ بے چین بے قرار ہو رہی تھی۔
گیارہ بجے کے ساتھ اس کی یہ بے چینی جیسے ہی گیارہ
بجنے میں چند سیکنڈ باقی رہ گئے ہوتے انہیں یوں لگتا جیسے
ہنیہ یہاں بیٹھی بیٹھی نکلنے کی ہے۔ جیسے وہ ہنیہ نہ ہو
بلکہ سنڈریلا ہے بارہ کے بجائے اس کے تبدیل
ہونے کا موقع گیارہ بجے مقرر ہے۔ ٹھیک گیارہ بجے کس کی
فون کال اس کے پاس آتی ہوتی تھی یا اسی کو اسے فون
کرنا ہوتا تھا یا کس سے ملنے جانا ہوتا۔ چیٹنگ کرتی
ہوئی تھی یا وہ بھی پھر ساری رات؟ صبح وہ فریش نظر
آتی تھی بلکہ صبح دن بھر بھی تر و تازہ خوش نظر
آ رہی ہوتی تھی مگر صبح اس کی طرف دیکھ رہے وہ یہ

ہے۔ گیارہ بجنے میں ایک سیکنڈ باقی ہوتا تھا کہ ہنیہ [illegible]
بے چینی ان سے چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ [illegible]
"ہنیہ! بیٹا جاؤ تم تھک گئے ہو، اپنے کمرے میں آرام کرو،
ہم تو ابھی کافی دیر گپ شپ کریں گے۔"
ان کے مہمانوں کو ابھی ایک آدھ گھنٹہ مزید [illegible]
تھا۔ انہوں نے ہنیہ کو وہاں سے جانے کی اجازت دی۔ وہ
وہاں مسکرائی جیسے کب سے اس اجازت کی منتظر [illegible]
وہ ان کے مہمانوں سے اجازت چاہنے کے بعد [illegible]
کمرے میں چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ آفس میں بیٹھے فون سے بیٹی کی خیریت پوچھ رہے تھے۔ آج اس کا
دل بالکل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ آج اس کا [illegible]
[illegible] لگ رہا تھا۔ ان پر یہ پرواہ یہ پریشانی چھائی
ہوئی طاری تھی مگر آج یہ پرواہ بھرپور کیفیت پچھلے
دنوں سے زیادہ تھی۔ صبح وہ گھر پر ماجدہ کی خاطر
زبردستی مسکراتی رہی تھی۔ دل نہ چاہنے پر
اس نے ان کی خوشی کی خاطر ناشتہ کیا تھا [illegible]
انہوں نے [illegible] پیار سے اس کے لیے اپنے
ہاتھوں سے پراٹھا بنایا تھا کہ کھانے سے انکار کر کے
[illegible] اپنے [illegible] جس قدر شوق سے
بنانے دیکھ کر انہوں نے آج اس کے لیے اپنے
ہاتھوں سے [illegible] نذیر فاروق [illegible]
سکے تھے۔

"اچھا بیٹے ہم کو تو یہ اصلی گھر والی کا پراٹھا
ہے دیسی گھی کا پراٹھا بھی ہوتا ہے ہمیں معلوم
نہیں تھا۔"

انہوں نے پیار سے کہا پراٹھا کھاتا تھا اور اس
نے اسے کھا بھی لیا تھا۔ مگر اس وقت وہ آفس میں
بے دلی سے بیٹھی تھی۔ یہاں اسے کسی کی خاطر زبردستی
مسکرانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں کے
سامنے کمپیوٹر پر ایک ڈرائنگ کھلی ہوئی تھی پر وہ
اس پر کام نہیں کر رہی تھی۔

"سر آپ کو بلا رہے ہیں۔" شوکت سلطان نے اسے انٹرکام پر اطلاع دی۔ وہ عذیر فاروق کے آفس میں آئی تو وہ اسی وقت اپنے آفس کا دروازہ کھول کے باہر اپنے outer آفس میں شوکت سلطان سے کچھ بات کرنے آئے تھے۔ انہوں نے اسے دیکھا تو مسکرا کر بولے۔

"آؤ ہنیہ! ہماری فیملی کے ایک خاص خیر خواہ آئے ہیں۔ تمہیں ان سے ملوانے بلایا ہے۔ تم اندر جا کر بیٹھو میں بس دو منٹ میں آرہا ہوں۔"

وہ سر ہلاتے ہوئے آفس کی طرف بڑھ گئی۔ وہ پیچھے کمپیوٹر پر کچھ دیکھتے شوکت سلطان کو کچھ سمجھا رہے تھے۔ اس نے ان کے آفس کے اندر قدم رکھا۔ ان کی میز کے سامنے کرسی پر بیٹھے شخص نے دروازہ کھلنے کی آواز پر مڑ کر دیکھا۔

اور ایک پل میں ہنیہ کے قدموں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی۔ وہ دروازے کے ساتھ ہی رکی یوں کھڑی تھی جیسے زمین نے اس کے پیروں کو جکڑ لیا ہو۔

"ہنیہ! تم؟ یہاں؟" وہ بے یقینی اور حیرت میں گھرا اپنی کرسی پر سے کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ اسے یہاں دیکھ کر بالکل ساکت رہ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

یوں لگتا تھا خوشیوں نے ان کے گھر کا راستہ بھلا دیا تھا۔ خوشی کی کوئی خبر کتنے دنوں سے آ ہی نہیں رہی تھی۔ عجلو کے پاپا بدستور اس سے شدید ناراض تھے۔ اس کی کوئی بھی بات سننے پر ہرگز تیار نہ تھے۔ انہیں شکاگو سے آئے کئی دن ہو گئے تھے اور ماجبی ہنوز شدید بیمار تھیں۔ ان کی طبیعت بجائے سنبھلنے کے مسلسل خراب ہوتی جا رہی تھی۔

وہ انہیں یوں بستر پر پڑا دیکھ کر بری طرح گھبرا رہی تھی۔ اس نے ہنیہ، جنید اور معاذ کو ماجبی کی بیماری کی اطلاع دی مگر وہ تینوں اپنی اپنی زندگیوں میں اتنے مصروف تھے کہ سوائے ایک آدھ مرتبہ فون پر ماجبی کی خیریت معلوم کرنے کے ان میں سے کسی نے پلٹ کر کچھ نہ پوچھا تھا جبکہ معاذ تو فون پر خیریت معلوم کرنے کی فرصت بھی نہیں تھی۔

بھائیوں کے رویے پر شاکی ہوتی ماجبی سے ان کی لاتعلقی پر غصے کا اظہار کرنے لگی تو وہ دھیرے سے مسکرا کر اسے سمجھانے لگیں۔

"ان کا قصور نہیں ہے ہنیہ! قصور اس مٹی کا ہے جو ہمارا ہے۔ میں اور تمہارے بابا جی۔ ہم نے اس مٹی کو اپنا وطن بنایا تھا اپنے بچوں کے پیدا ہونے اور پلنے بڑھنے کے لیے اس مٹی کو منتخب کیا تھا۔ پھر اگر آج وہ اس مٹی کی خود غرضی اور بے مروتی کی تقلید کر چکے ہیں تو ہم ان سے یہ توقع کیسے رکھ سکتے ہیں کہ یہاں پیدا ہوتے بڑھتے رہنے کے باوجود وہ اپنے وطن کی مٹی کی تاثیر خود میں رکھیں [illegible] چھوڑ آئے تھے۔"

وہ [illegible] سنبھال کی بیٹی تھیں۔ تھوڑے ہی [illegible] کی کامیابی نے انہیں بہت کمزور کر دیا تھا۔

"ہاں تم ٹھیک سوچ رہی ہو۔ تم بھی تو یہیں پیدا ہوئی ہو مگر تم ایسی نہیں ہو۔ تربیت تو ان تینوں کی بھی میں نے ہی کی تھی۔ سچ ہے ہنیہ! تم میرا انتخاب ہو [illegible] تھا مگر کبھی کبھار مجھے ڈر بھی لگتا تھا۔ جب جب تمہاری زندگی میں [illegible] راضی تھی کہ نجانے تمہارے نصیب میں کیا لکھا ہے۔ میں اللہ سے بہت دعائیں مانگا کرتی تھی کہ اللہ میری [illegible] کی بات [illegible] اور کسی ایسے شخص کے ساتھ جس کے ساتھ تم خوشی خوشی زندگی گزار سکو۔ یہ تو جذبات اور احساسات کو ہر چیز پر مقدم رکھتی ہے اس کے لیے کوئی ایسا حساس اور پیارا سا شخص بھیج دے میرے اللہ۔" اور دیکھو اللہ نے میری دعائیں سن لیں۔ عجلو ہر لحاظ سے تمہارے لیے بہترین ہے۔ مجھے یقین ہے تم اس کے ساتھ بہت خوش رہو گی۔ تمہیں یہ بات پتا ہے! محبت کی اگر کوئی انتہا ہے تو وہ اس انتہا تک تم سے محبت کرتا ہے۔"

[illegible] کیسے ہیں ماجبی؟ بالکل ٹھیک ہے۔" اس جواب [illegible]

"فلو سکوئر میں کب تک رہتے ہیں ہنیہ؟"

"جلدی میرا خیال ہے ایک آدھ مہینے میں [illegible] اپنا میں گے۔"

ماجبی کے لیے ان کی بیماری کی ٹینشن کافی تھی وہ انہیں اپنے حوالے سے مزید کوئی نئی ٹینشن بالکل بھی نہیں دینا چاہتی تھی۔

عجلو تقریباً روز ہی آرہا تھا۔ اپنی تمام Tensions وہ اس گھر کے دروازے کے باہر ہی چھوڑ کر ہمیشہ ہنستا مسکراتا ہوا آتا تھا۔

"کیسی ہیں میری گرل فرینڈ؟" وہ ہنیہ کے ساتھ ہنستا مسکراتا ان کے کمرے میں داخل ہوا۔

[illegible] ہلکی پھلکی باتوں سے انہیں خوش رکھنے پر [illegible]

"جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔ ذرا بتائیں کتنے دن ہو گئے ہم نے مسز یوسف کی چغلیاں بھی نہیں سنیں اور مسز قریشی کو ڈسکس کیے تو نہیں کتنے دن ہو گئے [illegible]

[illegible] ان کی سہیلیوں کے ہم کروائے گا۔ [illegible] اٹھا تھا۔ [illegible] کی چغلیاں اور [illegible] کرتی ہوں۔"

[illegible] دلا رہا تھا کہ [illegible] انہوں نے اپنی [illegible] خراب حال کر [illegible] انہیں جلدی سے ٹھیک ہو کر کسی اچھے سیلون [illegible] کروا کر آنا چاہیے۔ وہ ہنستے ہوئے اس کی باتیں سن رہی تھیں۔

[illegible] ان کے ساتھ بیٹھ کر جب ان کے سونے کا ٹائم ہونے لگا تب وہ ان کے کمرے سے اٹھ گیا تھا۔ وہ ہنیہ کے ساتھ ان کے کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ بالکونی میں آگئے تھے۔ نیویارک کی جھلملاتی عمارتیں اور دور East River [illegible] بھی یہاں سے نظر آرہا تھا۔

وہ ماجبی کی بیماری کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھی اور اس کے پاس عجلو کے سوا ایسا کوئی شخص نہیں تھا جس سے وہ اپنی پریشانی شیئر کر سکتی۔

"تم پریشان مت ہو یار! اب کل ہم جا رہے ہیں ڈاکٹر اسپیشلسٹ کے پاس۔ ان شاء اللہ ماجبی جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔"

ماجبی کے کچھ ٹیسٹ کی رپورٹس دیکھ کر ان کے ڈاکٹر نے انہیں ایک دوسرے اسپیشلسٹ کے پاس جانے کے لیے کہا تھا اور ہنیہ نے ان سے کل کا اپائنٹمنٹ لے رکھا تھا۔ عجلو کافی دیر تک اسے تسلی دیتا رہا تھا۔ اس کی تسلی آمیز باتوں سے اس کے دل کو کچھ حوصلہ ہوا تھا۔

"میں نے ماجبی کو ابھی کچھ نہیں بتایا ہے۔" عجلو کو اس سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ کس بارے میں بات کر رہی ہے۔

"بہت اچھا کیا ہنی! بلاوجہ وہ پریشان ہوں گی۔ اس وقت ان کے لیے کسی بھی طرح کی ٹینشن لینا اچھا نہیں۔"

وہ دور کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتا اس کی بات کے جواب میں بولا۔

"تمہاری اپنے پاپا سے بات ہوئی عجلو؟" جواب اسے پتا تھا مگر پھر بھی اس نے پوچھا تھا۔ اگر اس کی بات ہوئی ہوتی تو کیا اس کا چہرہ اتنا افسردہ نظر آرہا ہوتا؟

عجلو نے نفی میں سر ہلایا۔ "پاپا مجھ سے بات کرنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ میری کوئی کال ریسیو نہیں کر رہے وہ مجھ سے سخت ناراض ہیں۔ مما سے کل رات میری بات ہوئی تھی۔ وہ بھی یہی بات دہرا رہی تھیں کہ پاپا کو مجھ سے منگنی سے پہلے پوچھ لینا چاہیے تھا مگر اب پاپا میری منگنی کر چکے ہیں تو اب مجھے پاپا کے فیصلے کا مان رکھ لینا چاہیے۔ مما کو لگتا ہے کہ اب میرا کچھ کرنا اس فیصلے سے [illegible] صرف پاپا ہی کو نہیں بلکہ انکل طارق اور ان کی پوری فیملی خصوصاً نوشہ کو بہت زیادہ دکھ دینے گا۔ میں نے مما سے پوچھا "مما! وہ اپنی منگنی [illegible]

meem urdu.com

لوٹ جانے پر زیادہ ہرٹ ہوگی یا اگر یہ شادی ہو گئی تو اس سچائی کو جان کر کہ جس سے اس کی شادی ہوئی ہے وہ اس سے نہیں کسی اور سے محبت کرتا ہے؟ اس میں کس چیز کی کمی ہے سوائے زندگی کی ایسے شخص کے ساتھ گزارنا جو اسے سرے سے محبت کرتا ہی نہیں ہے۔ منگنی ٹوٹ جانا اتنا بڑا دکھ نہیں جتنا زندگی بھر کی ناآسودگی اور محبت سے محرومی بڑا دکھ ہے۔"

وہ بولتے بولتے ایک پل کو چپ ہوا پھر اسی لہجے میں گویا ہوا۔

"مجھے لگتا ہے کہ مما میری باتوں سے کافی حد تک قائل ہو گئی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے ایسا کہا نہیں مگر مجھے لگتا ہے وہ میری feelings کو سمجھ رہی ہیں۔ مگر وہ ابھی کشمکش میں ہیں۔ انہیں خدشہ ہے کہ اب اگر اس رشتے کو توڑنے کی بات کی گئی تو ایک طرف تو پاپا کا غصہ اور ناراضی انتہا کو پہنچ جائے گی دوسری طرف انکل طارق کی فیملی کے ساتھ ہمارے تعلقات ختم ہو جائیں گے۔ پاپا اور ان کے بھائی میں تعلقات بگڑ جائیں گے، بدگمانیاں اور رنجشیں پیدا ہو جائیں گی اس سے مما خوفزدہ ہیں۔"

وہ چپ چاپ سوالیہ نگاہوں سے عبلہ کو دیکھ رہی تھی جیسے پوچھ رہی ہو پھر اب کیا کرنے لگے۔

"میں اس معاملے پر براہ راست انوشہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ بہت اچھی پڑھی لکھی اور باشعور لڑکی ہے۔ میں اسے تفصیل سے ساری بات بتاؤں گا کہ یہ منگنی کسی غلط فہمی اور مس انڈر اسٹینڈنگ کی بنا پر ہوئی ہے تو مجھے یقین ہے وہ میری بات سمجھ جائے گی۔ وہ اسے اپنی انسلٹ نہیں سمجھے گی۔

میں اس کے ساتھ ساتھ پاپا کی پوزیشن بھی اس کے سامنے کلیئر کرنے کی کوشش کروں گا۔ مما کو جو خدشات ہیں کہ ہماری فیملیز کے بیچ تعلقات خراب یا ختم ہو جائیں گے تو ان شاء اللہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ مگر میں مما کی اجازت کے بغیر انوشہ سے بات نہیں کر

سکتا۔ کل رات میں نے مما کے سامنے یہ بات کی تو انہوں نے مجھے بات کرنے سے منع کر دیا تھا۔ مجھے بات کرنے سے منع کرنے لگی تھیں۔ انوشہ کسی کا دل میری وجہ سے دکھا ہو تو کہیں جانے ہوئے تو میں نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا اس وقت میرے دل پر پاپا کی ناراضی کے ساتھ ساتھ دل دکھا دینے کا بھی بوجھ ہے۔ جب تک انوشہ کو سچ نہ بتا دوں میری روح پر یہ بوجھ رہے گا۔ ورنہ اگر مما میری بات سمجھ جائیں۔ میں مما پاپا اور رشتہ توڑنے کی ہر شرمندگی سے بچا کر سارا الزام اپنے سر لینے کے لیے تیار ہوں مگر میں کسی ایسے رشتے کا بوجھ اٹھانے کے لیے تیار نہیں [illegible] [illegible]

[illegible]

اور پھر مسکراہٹ دیکھنے اس کی آنکھوں کی چمک [illegible] دونوں تو اس کی آنکھیں ہر پل [illegible] کرتی تھیں۔ ہنستا تھا تو آنکھیں ساتھ مسکراتی تھیں۔ وہ انجان لوگوں کے لیے پریشان ہو جانے والا [illegible]

ساتھ بھی خوشی زندگی گزار سکتا تھا؟ اس سے ہوتے ایک لڑکی کو اس کے ساتھ منسوب کر دیا گیا تھا وہ کیا اور جو ہونا تھا کر مجھ سے پوچھ کر یہ رشتہ جوڑ دیا گیا ہے [illegible]

عبلہ مطمئن تھا ایک ہی بات پر شرمندہ اور بوجھ بات میں اس کا سرے سے کوئی قصور نہیں تھا تب بھی اچھا ہونا بھی بھی انسان کو شرمندگی اور پریشانی ہے۔ وہ اب عبلہ کے بارے لیے کوئی نہیں سوچتی تھی مگر عبلہ کے لیے اس کا دل اب بھی تڑپ کر جاتا تھا۔

"تم انجانے میں بھی کبھی کسی کا دل نہیں دکھاتے، نئی اپنی غلطی فیل مت کرو۔ جب میں یہ بات ہوں تو تمہارے مما اور پاپا بھی ضرور جانتے ہوں گے اور انوشہ بھی تو تمہیں بچپن سے جانتی ہے۔"

اتنی بدگمان تو نہیں ہوگی۔ کوئی تم سے بدگمان نہیں ہو سکتا کیونکہ تم اتنے ہو جتنا اچھا ہونا چاہیے۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ ایک اداسی بھری مسکراہٹ۔

"ہمیشہ میرے بارے میں اسی طرح سوچو گی؟ کبھی مجھ سے بدگمان نہیں ہو گی نا؟"

"ہرگز نہیں، مرتے دم تک نہیں۔" اس کے لہجے میں شدت اور سچائی تھی۔

"جس طرح تم مجھ سے بدگمان نہیں ایسے ہی مما پاپا سے بھی کبھی بدگمان مت ہونا۔ پلیز نبی! مما پاپا سے ناراض اور بدگمان مت ہونا۔ میرے مما پاپا بہت اچھے ہیں نبی۔ میں بھی تمہارے سامنے ان کا بیٹا بن رہا ہے [illegible] تکلف۔" وہ جن تین افراد سے محبت کرتا تھا چاہتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو بھی اسی طرح چاہیں جیسے وہ انہیں چاہتا ہے۔

"مجھے پتا ہے وہ بہت اچھے ہیں؟ آخر کو میرے [illegible] کے مما پاپا ہیں۔" وہ کھلا سا مسکراتے ہوئے بولی۔ [illegible]

[illegible]

وہ اس بار دل سے مسکرایا تھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک سی بھی تھی۔ اس کا چہرہ بھرپور انداز میں جگمگا رہا تھا۔ اسے یوں مسکراتا دیکھ کر وہ خوشی سے سرشار سی ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"تم نے مما پاپا کو مما پاپا کہا نا نبی! تو بہت اچھا لگا۔" وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

"مجھے اس دن کا شدت سے انتظار ہے نبی! جب تم مما اور پاپا ہم سب ایک ساتھ ہمارے گھر میں اپنے گھر میں رہیں گے۔"

"مجھے بھی اس دن کا بہت انتظار ہے نبی اور میں اس دن کا انتظار اپنی تمام عمر بھی اگر کرنا پڑے تو کر سکتی ہوں۔"

وہ اسے پریشان کرتے ہوئے نہیں کر سکتی مگر وہ اپنی جانب سے یقین دہانی تو دلا سکتی تھی کہ وہ اس کے ساتھ ہے اور ہمیشہ اس کے ساتھ ہی ہو گی۔ محبت اور اعتبار چاہے جتنا بھی ہو اسے ظاہر کیا جانا اس کا اظہار کیا جانا تو ہر بار اچھا ہی لگتا ہے۔

چند لمحے وہ دونوں یونہی خاموش رہے تھے۔ پھر کچھ خیال آنے پر عبلہ اس سے اس کی جاب کے متعلق پوچھنے لگا تھا۔ اس نے پچھلے سال جس فرم میں انٹرن شپ کی تھی وہاں سے اگزامز ختم ہونے کے ساتھ ہی جاب کے لیے اپلائی کر دیا تھا۔

انٹرن شپ کے دوران ہی چونکہ اس نے اپنے کام اور محنتی انداز سے وہاں کے سینئر انجینئرز کو کافی متاثر کیا تھا سو اسے وہاں سے جاب کی آفر آ گئی تھی۔ اس کے اگزامز تو ماما جانی کی ڈاکٹر میں موجودگی کے دوران ہی ختم ہو چکے تھے۔

چند روز ہوئے اس کا RSY کا رزلٹ آ چکا تھا مگر وہ اپنے رزلٹ سے پہلے ہی اس انجینئرنگ فرم میں اپنی جاب شروع کر چکی تھی۔ فرم اچھی تھی اور وہ اپنی جاب سے مطمئن بھی تھی مگر ماما جانی کی طبیعت جو ہر گزرتے دن کے ساتھ خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی تھی ایسے میں اس کے لیے اپنی جاب اور کام پر توجہ مرکوز رکھنا خاصا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ آفس میں ہوتی مگر اس کا دل سارا وقت ماما جانی میں لگا رہتا۔

"ماما جانی کی طبیعت کو خدانخواستہ کچھ نہیں ہو رہا تم زیادہ پریشان مت ہو۔" عبلہ اسے رسانیت سے سمجھا رہا تھا۔

"تمہارا اتنا دل تھا یہاں جاب کرنے کا اتنے شوق سے اپلائی کیا تھا تو اب اپنی جاب کو انجوائے کرو۔ ماما جانی بہت جلدی ٹھیک ہو جائیں گی ان شاء اللہ۔ زیادہ ٹینشن مت لو۔ دیکھو نبی! تمہیں تو پارک میں تمہارا مزہ سے گھومتا ہے کبھی تھوڑے سے وقت

میں رہیں رہے جو کچھ کرنا چاہتی ہو کرو [illegible] میں تمہیں شادی کے بعد بھی جاب کرنے سے بھی نہیں روکوں گا' یہ بھی نہیں کہوں گا کہ تم ہماری ہی فرم میں جاب کرو' تمہارا جہاں دل چاہے تم کراچی میں وہاں جاب کرنا۔"

"ارے واہ! میں کہیں اور کیوں جاب کروں گی۔ میں تو جب آفس میں بھی سارا وقت آپ کے سر پر سوار رہا کروں گی۔ کم از کم اس طرح مجھے خبر تو رہے گی کہ کہیں میرے شوہر صاحب آفس میں دوسری لڑکیوں کے ساتھ فلرٹ تو نہیں فرما رہے۔"

آنے والے کل کی یہ منظر کشی یہ سب سوچنا ہونا کتنا اچھا لگتا خوش کن لگ رہا تھا۔ مستقبل کے یہ منظر کتنے خوشگوار کس قدر خوب صورت تھے۔

[illegible] ماما جانی کی [illegible] ٹھیک ہو گئی تھیں۔ ڈاکٹر جن خدشات کا اظہار کر رہے تھے وہ غلط ثابت ہوئے۔ وہ اچھی بھلی بالکل صحت مند اور تندرست ہو گئی تھیں اور محض دو ڈھائی مہینوں ہی میں کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ ان کے اندر کیا بیماری پل رہی ہے نہ انہیں کبھی پتا چلا نہ انہوں نے اور جب بیماری ظاہر ہوئی تو اس شدت کے ساتھ کہ [illegible] ہو کر رہ گئی تھیں۔ [illegible] شدید ہوتے گئے۔

آناً فاناً ہر طرف سے اس طرح مشکلیں آنا شروع ہو گئی تھیں کہ وہ بری طرح ڈر گئی تھی۔ عباد ہر قدم پر اس کے ساتھ تھا۔ وہ ان دنوں پاکستان جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس کی ہزار کوششوں کے باوجود بھی اس کے پاپا فون پر اس سے بات نہیں کر رہے تھے۔ وہ اس کی فون کالز ریسیو ہی نہیں کرتے تھے۔ وہ کسی دوسرے نمبر سے ٹرائی کرتا اور وہ ریسیو کر لیتے تو اس کی آواز سنتے ہی لائن کٹ دیا کرتے تھے اور اس کی ممانا سے انوشہ یا انکل طارق سے بات کرنے کی اجازت نہیں دے رہی تھیں۔ اب اس کے پاس پاکستان جانے اور اپنے پاپا کو [illegible] اور ان کی ناراضی دور کرنے کی کوشش کرنے کے سوا کوئی آپشن نہیں بچا تھا۔ اگرچہ کہ اس کے امتحان بالکل نزدیک تھے' اس کا تھیسس بھی ایسے مرحلے میں تھا کہ اس کا یہاں سے تھوڑے سے دنوں کے لیے بھی چلے جانا اس کی [illegible] عرصے کی ساری محنت کو برباد کر سکتا تھا مگر اس کے پاپا اس سے ناراض تھے اور انہیں خود سے ناراض [illegible] مزید نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ ماما جانی کی بیماری کے اس مشکل ترین مرحلے پر [illegible] کو یہاں تنہا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ [illegible] کے بہن بھائیوں کو اس سے یا ماما جانی سے کوئی غرض [illegible] ان کی پروا نہیں [illegible] تینوں اپنی اپنی زندگیوں میں مگن ہیں۔ چند ایک بار [illegible] پر ماما جانی کی خیریت پوچھنے کے سوا ان میں سے کسی نے انہیں [illegible] بھی تیمارداری کر کے ان کی عیادت کرنے کا [illegible] نہیں کیا تھا۔ ایسے میں وہ ماما جانی اور ان سے بھی [illegible] کے لیے فکرمند تھا۔ اس کا پاکستان جانا ضروری نہ ہوتا تو وہ انہیں کو اس مشکل مرحلے پر تنہا چھوڑ کر کبھی نہ جاتا۔ [illegible] آنے والے اگلے ہفتے میں پاکستان جانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ [illegible] کے اس روز چند [illegible] ہو گئے تھے [illegible] ہوتا تھا۔ ان [illegible] رہا [illegible] جانے کے بعد پھر [illegible] صورت حال [illegible] ماما جانی کے ساتھ [illegible] وقت [illegible] میں [illegible] شام کے بعد ان کے پاس آیا تھا۔ ماما جانی [illegible] کے زیر اثر جلد سو گئی تھیں اور عباد انہیں لے کر ہاسپٹل کے گارڈن میں آیا تھا۔

رات کے بارہ بج رہے تھے۔ گارڈن میں اس وقت سناٹا اور خاموشی تھی۔ وہ دونوں ایک بنچ پر بیٹھے تھے۔ وہ آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھ رہی تھی۔ ابھی محض دو ڈھائی مہینے قبل ان کی زندگیاں کتنی خوشیوں بھری' کتنی پرسکون تھیں اور آج ہر سمت خوف خدشے اندیشے۔

"کیا ہوا' اتنی چپ کیوں ہو گئی؟" عباد نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا' پھر اس کی نگاہوں کے تعاقب میں اسی منظر کو دیکھنے لگا جسے وہ

meurdu.com

بہ مشکل دیکھ رہی تھی۔

"نینا! یوں لگتا ہے جیسے ان لوگوں نے ہمارے گھر کا رستہ دیکھ لیا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے خوشیاں ہمارے گھر سے رخصت ہونے کو ہیں، جیسے کوئی حادثہ ہمارے تعاقب میں ہے۔"

"اوہ، دادی جان! آپ کیوں ایسی مایوسی بھری باتیں کر رہی ہیں۔ ابھی امید کا دامن تھامے رکھیں۔" عنیزہ نے اسے فوراً ٹوکا۔ اس نے اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر عبلا کو دیکھا جس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

"نینی! مجھے ڈر لگتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی ما جانی کو مجھ سے دور لے جا رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی ہے جو تمہیں مجھ سے دور لے جا رہا ہے۔ مجھے آج کل اتنے ڈراؤنے خواب آتے ہیں نینا! میں تنہا ہوتی ہوں، تم میرے ساتھ نہیں ہوتے۔"

آنسو ٹپ ٹپ اس کے رخساروں پر گرنے لگے تھے۔ وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر رونے لگی تھی۔

"خواب میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں تو کیا ہوا۔ حقیقت میں تو تمہارے ساتھ ہوں نا۔ پاگل لڑکی خوابوں پر اتنا یقین ہے اور حقیقت پر ذرا بھروسہ نہیں؟ تم تنہا نہیں ہو۔ میں تمہیں کبھی تنہا ہونے بھی نہیں دوں گا۔"

اس نے عبلا کا سر اپنے شانے پر سے اٹھایا اور آہستگی سے اس کے رخساروں پر پھیلے آنسوؤں کو صاف کرنے لگا۔

"نینی! میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ پلیز مجھے کبھی اکیلا مت چھوڑنا۔ کبھی مجھ سے دور مت ہونا۔" وہ اس کے چپ ہونے کے بعد پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

"میں آج بھی تمہارے ساتھ ہوں، ابھی کل بھی تمہارے ساتھ ہوں گا، میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں گا۔ ہمیں اب یہ رونا دھونا بند کرو، ورنہ تمہیں پتا ہے [illegible]" وہ [illegible] مسکرا کر بولا تو [illegible]

اندر سے وہ بہت بے چین ہوا تھا۔ [illegible] سے دیکھے نہیں جا رہے تھے۔ اس کا بس چلتا تو وہ ان کی آنکھ میں کبھی ایک آنسو نہ آنے دیتا۔ [illegible] یہ رات بہت خوب صورت تھی مگر وہ [illegible] اس رات کی خوب صورتی کو محسوس کرنے سے قاصر تھے۔ اسے یوں بکھر کر روتا دیکھ کر ایک بار پھر اس کے دل میں یہ وہم آیا تھا کہ کیا واقعی اداسیوں نے ان کے گھر کا رستہ دیکھ لیا ہے؟

اس کے بدترین خوف اور اندیشے درست ثابت ہو رہے تھے۔ ما جانی کی بیماری سے [illegible] ڈاکٹرز نے [illegible] کے [illegible] حقیقت بن کر سامنے آگئی [illegible] ان کی زندگی [illegible] ان کا فوری آپریشن کیا جانا انتہائی ضروری تھا۔ ان کی بیماری جس اسٹیج پر تھی اور پھر ان کی جو عمر تھی، ان دونوں Factors نے مل کر آپریشن [illegible] رسک بہت بڑھا دیا تھا۔ کامیابی کے امکانات [illegible] آپریشن ہی اب ان کی زندگی بچانے کی آخری امید تھی۔

اب تک ڈاکٹرز نے [illegible] نہیں کیا تھا مگر جس کے جسم کو وہ روگ لگا تھا، ڈاکٹر کے بتائے بغیر بھی اپنی بیماری کی شدت کو سمجھ گئی تھیں۔ تب ہی تو جب ان سے ڈاکٹر نے [illegible] بھرے انداز میں انہیں ان کی بیماری اور اس سے متعلق [illegible] کے بارے میں بتانا شروع کیا تو وہ چہرے پر پھیلے تاثرات سے ڈاکٹر کو دیکھتی رہیں جیسے کہہ رہی ہوں "میں یہ بات پہلے سے جانتی ہوں۔"

اس آپریشن میں جتنے رسک تھے [illegible] ہینہ آپریشن سے پہلے ہی بے قرار رہی تھی [illegible] نے کمال ہمت اور بہادری کا ثبوت دیتے ہوئے آپریشن [illegible]

کے لیے [illegible] اجازت دے دی تھی۔ [illegible] اگر ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس میں [illegible] تھا اور ما جانی خود کو ذہنی اور جذباتی طور پر اس کے لیے تیار کر چکی تھیں۔ وہ خود کو ہر نتیجے اور ہر صورت حال کے لیے تیار کر چکی تھیں۔ وہ ان دنوں بستر پر لیٹے لیٹے جس طرح اور جتنا ممکن ہو پاتا نماز پڑھتی تھیں۔ اشاروں ہی سے، ان کے اس انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ خود کو مکمل طور پر اللہ کی رضا پر چھوڑ چکی ہیں۔ انہیں زندگی ملتی ہے یا موت، وہ اللہ کے ہر فیصلے کو قبول کر چکی ہیں۔

وہ صبح کا وقت تھا۔ اگلی صبح ان کا آپریشن طے کیا گیا تھا۔ آپریشن سے قبل یہ زندگی اور موت کے بیچ [illegible] لمحے تھے۔ وہ خود تلاوت نہیں کر پا رہی تھیں۔ [illegible] کے لیے آج کل [illegible] سے قرآن پاک سنا کرتی تھیں۔ [illegible] سے سورۂ یاسین سن رہی تھیں۔ دائیں ہاتھ میں انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ عبلا اسی وقت وہاں آیا تھا۔ [illegible] تسبیح ہاتھ میں پکڑے [illegible] ہینہ کو دیکھا پھر [illegible] ان کی آنکھوں سے ان کی [illegible] صرف [illegible] خوف کی طرح حقیقت بن کر سامنے آگئے تھے۔ ما جانی نے ہینہ سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔ انہوں نے اسے آنکھوں کے اشارے سے اپنے قریب آنے کے لیے کہا تھا۔ وہ چلتا ہوا ان کے پاس آگیا تھا۔ ہینہ ان کے بیڈ کے ساتھ کرسی رکھ کر بیٹھی تھی۔ وہ بھی کرسی کے ہتھے پر بیٹھ کر ان کی طرف جھکا تھا۔ وہ خود اتنے [illegible] اور بہت [illegible] رہی تھیں کہ وہ سوائے چہرے پر ایک امید بھری مسکراہٹ سجانے کے ان سے کوئی بات نہ کہہ سکا۔ انہوں نے ہینہ کا ہاتھ چھوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ عبلا کے مضبوط ہاتھ میں ان کے

بوڑھے ہاتھ بری طرح لرز رہے تھے۔ ہینہ نے [illegible] سورۂ یاسین ختم کی تو وہ ایک مرتبہ عبلا سے بولیں۔

"عبلا! اگر میں تم سے ایک بات کہوں؟" عبلا نے مسکرا کر [illegible] سر ہلایا۔

"عبلا! ہینہ سے شادی کر لو۔" عبلا کے ساتھ وہ بھی سناٹے میں رہ گئی تھی۔ ما جانی سے ایسی کسی بات کی [illegible] تمنا [illegible] تھی۔

"ما جانی! آپ..." اس نے انہیں ٹوکنے کے لیے فوراً کہنا چاہا مگر وہ اس وقت اس کی طرف نہیں، عبلا کی طرف متوجہ تھیں۔ وہ آنکھوں میں امید اور آس لیے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"ہینہ سے آج نکاح کر لو عبلا! اس آپریشن کا جو بھی نتیجہ نکلتا ہے، میں نے خود کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔ مجھے اب اپنی کوئی فکر نہیں ہے مگر مجھے ہینہ کی فکر ہے۔ مجھے ایک آخری خوشی دے دو عبلا! [illegible] آج کے بعد تم دونوں سے [illegible] کی زندگی ہمیشہ کے لیے تمہارے ساتھ جڑی ہوئی [illegible] اگر میں مر بھی گئی تو مجھے کوئی غم نہیں۔ ہینہ تنہا نہیں [illegible] زندگی اور موت کے بیچ جس باریک لکیر پر کل میں سفر کرنے نکلوں گی، مجھے اس سفر پر جانے سے پہلے یہ ایک اطمینان دے دو۔"

وہ التجائیہ انداز میں کہہ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے بڑی تیزی سے آنسو گر رہے تھے۔ وہ امید اور [illegible] بھری عبلا کو دیکھ رہی تھیں۔ عبلا ابھی کچھ نہیں بولا تھا مگر اس کے کچھ بولنے سے قبل وہ ما جانی کی بات مکمل ہوتے ہی بے قراری سے بول پڑی تھی۔

"ما جانی! یہ ممکن نہیں۔ آپ کو نہیں پتا..." جو بات ان کی بیماری کے دوران انہیں Tension دینے کے خیال سے اب تک [illegible] نہیں تھی، وہ اب بتانے پر مجبور ہو گئی تھی مگر عبلا نے اس کے بازو کو تھپتھپاتے ہوئے پکڑ کر اسے آگے کچھ بولنے نہیں دیا تھا۔ وہ ہینہ کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ بدستور ما جانی کو دیکھ رہا تھا جو امید و بیم کی کیفیت میں آنسو

meem

بہاتی تھی۔ بادجود اسی کو دیکھ رہی تھیں۔ ملیحہ تو
بنیہ کا ہاتھ پکڑتے نہیں دیکھ پائی تھیں۔ وہ ملیحہ کے
جواب کی منتظر صرف اس کے چہرے کو دیکھ رہی
تھیں۔ بنیہ کے ہاتھ پر ملیحہ کی گرفت بدستور بہت
سخت تھی۔ وہ اسے کچھ بھی بولنے سے شدت سے
روک رہا تھا اس کی سخت گرفت میں یہ تنبیہ تھی کہ
وہ آگے کچھ بھی نہ بولے۔

"ٹھیک ہے ماجبی! مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"
وہ پھر ماجبی سے مختصر لفظوں میں نکاح کے متعلق
بات کرنے کے لیے اٹھا تھا۔ [illegible]
رہا تھا۔ [illegible] کے پیچھے اٹھ کر اس کے پیچھے
کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

[illegible]

اتنے مختصر لفظوں میں [illegible] بنیہ کی دادی تھیں اس کی
کسی بات پر اور کہیں مجھے ایسا لگا [illegible]
سے وہ نفرت سے اپنے گلے سے لگا کر [illegible]
نے ہی یہ کام کیا تو میرے بیٹے کو کرنا چاہیے تھا۔
[illegible]
سے چلا گیا تھا جبکہ وہ اسی اضطراب [illegible]
جلتی تھی۔

[illegible]

meurdu.com

ضرور بہت زیادہ تھک گیا تھا۔

اس نے واقعی چائے کے چند گھونٹ لے کر کپ واپس میز پر رکھ دیا تب اس کی [illegible] ہوئی چائے کو نہار رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں چائے کا کپ تھا اور دوسرے ہاتھ میں اس نے نبیہہ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بج گئی۔ عباد نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ اس نے جس ہاتھ میں نبیہہ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اسی سے ریسیور اٹھایا تھا اور ریسیور اٹھانے کے بعد بھی اس نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ عباد کے پاپا کی کال تھی۔ نبیہہ نے ان کی آواز سن کر بے پناہ خوشی اور سرشاری [illegible]

"پاپا آپ! السلام علیکم پاپا!" کہہ رہا تھا

دوسری جانب انہوں نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا۔ وہ [illegible] چلا رہے تھے۔ شدید غیض و غضب کے عالم میں [illegible] درست۔ [illegible] عباد کے [illegible] کا ایک ایک لفظ بالکل واضح سن سکتی تھی۔

"میں نے تمہیں صرف یہ کہنے کے لیے فون کیا ہے کہ آج کے بعد کبھی بھی اپنی شکل مت دکھانا۔ کبھی میرے سامنے مت آنا۔ جس سے شادی کی ہے اور جس کے ساتھ [illegible]

[illegible] کپ عباد کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا تھا۔ اس میں موجود گرم چائے کچھ نبیہہ کے پاؤں پر گری تھی اور کچھ فرش پر۔

"پاپا! میری بات سنیں پلیز۔ پاپا اس کی [illegible] کی انتہا ہے" نبیہہ نے یکدم ہی اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ [illegible] انداز میں پاپا سے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ [illegible]

[illegible] بات سنیں پلیز۔" [illegible] میں ان سے کہہ رہا تھا۔ اس کا لہجہ بھرایا ہوا اور آنکھیں پرنم تھیں۔

"عباد عزیز! میں آج تم سے اپنا ہر رشتہ ختم کر رہا ہوں۔ مجھے تم جیسے بیٹے کی کوئی ضرورت نہیں [illegible] ہے کوئی ضرورت مجھے تم جیسے بیٹے کی۔"

اس کی بات سنے بغیر انہوں نے [illegible] فیصلہ کن انداز میں بات ختم کر کے ریسیور رکھ دیا تھا۔ ان کے ریسیور پٹخنے کی آواز عباد کے ساتھ ساتھ اس نے بھی سنی تھی۔ وہ [illegible] سے عباد کی طرف دیکھ رہی تھی جو ریسیور کان سے لگائے اسی طرح بیٹھا تھا۔ اس نے دیکھا اس کے ہونٹ ابھی بھی بے آواز ہل رہے تھے۔ [illegible] کوئی آواز نکلے صرف لبوں سے پاپا کی گردان کر رہا تھا۔ [illegible] کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ وہ [illegible] آنسوؤں کو ضبط کر رہا تھا۔

"عباد!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں اسے پکارا [illegible] سے اس کا ہاتھ تھام لیا جو ابھی فون [illegible] بات [illegible] سے چھوٹ گیا تھا۔ عباد نے چونک کر [illegible] چند لمحوں کے [illegible] اپنے [illegible] فراموش کر گیا تھا۔

[illegible] محبت میں [illegible] اس چیز کے لیے مجبور نہ کرتی [illegible] میری [illegible] وجہ سے پاپا تم سے ناراض ہو گئے [illegible] خود کو اس مشکل میں کیوں ڈال لیا [illegible] لاپڑی تھی۔

"اس طرح مت بولو [illegible] کیسی بات کر رہی ہو مجھ سے؟"

[illegible] جس میں [illegible]

mearurdu.com

بولنے، معافی مانگنے اور معذرت کرنے کا غیرت سے بڑا رشتہ نہیں ہے۔ اور پھر بھی اگر تمہیں لگتا ہے کہ سوری کہنا بہت ضروری ہے تو [illegible] میں بہت اس وقت مجھے تم سے سوری کہنا ہے۔ کل کے اس دن ابھی جبکہ [illegible] کو دنیا سے رخصت ہوئے چند ہی گھنٹے ہوئے ہیں، تمہیں ان کی جدائی کے غم کے ساتھ دوسری بھی دل دکھانے والی باتیں سننا پڑی ہیں۔ تمہارا کی باتوں سے بہت ہرٹ ہوئی ہو، میں تم سے شرمندہ ہوں بہت زیادہ!"

باپ کی باتوں نے اس کے دل کو کیسا کچوکا لگایا تھا، اس نے فراموش کیے اس کی دلجوئی کر رہا تھا۔ وہ اسے بالکل نزدیک سے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے دل کو یکدم ہی اندیشوں اور وسوسوں نے گھیر لیا تھا۔ [illegible] یہ اصول ہے جیسا یہ ایک رشتہ تھا اس کے پاس اور الگ رہا تھا جیسے کوئی اسے اس سے دور لیے جا رہا تھا۔ اس کا دل اس خوف سے کانپ رہا تھا کہ کہیں عباد کے پاپا عباد کو اس سے ہمیشہ کے لیے دور نہ کر دیں۔ کہیں وہ عباد کو اس سے چھین نہ لیں۔ وہ اس کے بنا کیسے جی پائے گی؟

"تم نے پاپا کو فون کیا تھا؟" اس نے آہستگی سے [illegible] آواز میں عباد سے پوچھا، وہ جب اسلامک سینٹر جانے کے لیے اٹھا تھا تب وہاں جانے سے پہلے اس نے [illegible] اپنے ممی پاپا کو فون کیا تھا اور وہ اس سے اسی بات کا پوچھ رہی تھی۔

"ہاں جب میں ملائکہ سے نکاح کے لیے حامی بھر کر آیا تھا تو کسی بھی دوسری جگہ جانے سے پہلے میں نے پاپا کو کال کی تھی۔ میرے کئی بار کوشش کرنے پر بھی انہوں نے میری کال ریسیو نہیں کی تھی۔ پھر میں نے ممی کو فون کیا تھا۔ میں نے انہیں ساری بات بتائی تھی۔ میں نے ان سے اجازت مانگی تھی، ان کی رضا مندی چاہی تھی۔ میں پاپا سے بھی اجازت لینا چاہتا ہوں مگر وہ میری کال ریسیو نہیں کر رہے، انہیں یہ بتایا تھا۔" وہ بھی دھیما آہستگی ہی سے بولا تھا۔

"پھر [illegible] کیا بولیں [illegible]؟"

"مجھے یہ نکاح کن حالات میں کرنا پڑا ہے [illegible] ساری بات سننے کے بعد ممی نے مجھے اپنی اجازت اور رضامندی دے دی تھی۔ ہاں! میں ان سے اور پاپا سے بغیر اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کر رہا ہوں اس کے لیے شرمندہ ہوں، وہ اس پر مجھ سے بالکل بھی خفا نہیں [illegible] مجھے یقین دلایا تھا۔"

گویا کم از کم اس کی ماں اس سے ناراض نہیں تھیں، [illegible] اس کی ماں اسے غلط نہیں سمجھ رہی۔ اس نے دل کے لیے عباد کے چہرے پر ایک سکون پھیلتا دیکھا تھا مگر اس نے کہا؟ اس کے دل کا سکون پل بھر میں ہی رخصت ہونے لگا تھا [illegible] عباد سے کہا [illegible] اس کے کانوں میں گونجنے لگے [illegible] سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی [illegible] اب کیا کرے؟ [illegible] "اسے مزید کچھ سوال کرنے کا [illegible]"

"[illegible] بیٹھی رہو گی [illegible] اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم بہت تھک گئی ہو، اب تمہیں کچھ دیر سو جانا چاہیے۔"

رات کے دو بج رہے تھے مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ دو روز کی تھکی ہوئی تھی [illegible] [illegible] اور ذہنی طور پر شاید اسے نیند آ بھی جاتی مگر سونا نہیں چاہتی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا وہ سو کر اٹھے گی تو ملائکہ کے ساتھ ساتھ عباد بھی اس کے پاس نہیں ہوگا۔

URDUPHOTO

"اچھا صرف آنکھیں بند کر کے لیٹ جاؤ، تھوڑا سا آرام کر لو۔ تم بہت زیادہ تھک چکی ہو۔" وہ اسے ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے آیا تھا۔ اس نے اسے ہاتھ پکڑ کر بیڈ پر بٹھایا ہی نہیں بلکہ شانوں سے پکڑ کر اسے بیڈ پر لٹا بھی دیا تھا۔

"تم! [illegible] رک جاؤ۔"

"ڈر کس بات سے؟" وہ بیڈ پر اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

"اگر میں سو گئی تو تم کہیں چلے جاؤ گے۔" وہ اتنی کمزور، اتنی بزدل نہیں تھی مگر ابھی چند گھنٹے

mearurdu.com

[illegible] ملائکہ جیسی والی کھو چکی تھی، وہ رشتوں کے چھن جانے کے خوف کا شکار تھی۔

"میں کہیں نہیں جا رہا، میں یہیں ہوں تمہارے بالکل پاس۔ تم جتنی بھی دیر سوتی رہو، میں تمہارے پاس سے نہیں جاؤں گا۔ شاباش اب آنکھیں بند کرو۔"

وہ اسے اسی طرح پیار سے بہلا رہا تھا جیسے وہ کوئی چھوٹی سی بچی تھی۔ وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ہولے ہولے اس کے بالوں میں انگلیاں چلا رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے اس کا اپنے قریب ہونا محسوس کر رہی تھی۔ اس نے بہت مضبوطی سے عباد کا دوسرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ اسے نیند آنے لگی تھی مگر اس نے عباد کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا کر اس نے اس کی طرف [illegible] تھی۔ وہ اسی طرح اس کے بالوں میں [illegible] رہا تھا۔ وہ سو گئی بھی مگر بہت بے چینی والی نیند۔ [illegible] اس کی آنکھ کھل رہی تھی [illegible] [illegible] آنکھیں کھول کر دیکھتی تو اسے اپنے بالکل نزدیک پاتی۔ اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے چلاتے وہ اس کے پاس ہی لیٹ گیا تھا۔ [illegible] [illegible] ایک بار بھی بند نہیں [illegible]

[illegible] نیند سو رہی [illegible]

[illegible] کیفیت [illegible] [illegible] خوب [illegible] کیا تھا۔ وہ سوتے میں بلکتی [illegible] پکار رہی تھی۔ وہ سوتے میں رو رہی تھی۔

"[illegible]" وہ اس کا چہرہ تھپتھپا کر اسے جگا رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر عباد کو دیکھا، اس کی طرف جھکا تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اسی لمحے سہمی ہوئی سی پوری کی پوری پسینے میں بھیگی ہوئی تھی۔

"ملائکہ! ایک بہت ویران جگہ تھی شاید کوئی جنگل، وہاں بہت اندھیرا تھا، میں وہاں بالکل اکیلی تھی۔ میں تمہیں بہت آوازیں دے رہی تھی مگر [illegible] [illegible]

روتے ہوئے اس نے اس کے سینے پر سر رکھ دیا۔ [illegible] نے اسے اپنے اور نزدیک کر لیا تھا۔ کسی بچے کی طرح اور اسی طرح لپٹا کر اس نے اسے اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا تھا۔ اس کے سر اور اس کی پشت پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرتے وہ اس کے خوف کو دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جبکہ وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر بستر پر تکیہ رکھی روتی رہی تھی۔

"اب مجھے سونے کے لیے مت کہنا، میں سوتی ہوں تو مجھے ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔ میں نہیں سوؤں گی، نہیں!"

"[illegible] مت سوؤ! جیسا تمہیں اچھا لگ رہا ہے ویسا ہی کرو۔" وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے [illegible] ہوئے۔ اس کی کچھ دیر بعد پھر آنکھ لگ گئی تھی۔ مگر کچھ ہی دیر میں اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو [illegible] کے مضبوط بازوؤں کے حصار میں پایا۔ وہ اسی طرح اس کے قریب تھا، وہ اسی طرح جاگا ہوا لیٹا تھا۔ وہ اس [illegible] اتنے پاس تھا، پھر ڈر کس بات کا ہے؟ اس نے [illegible] آنکھیں مضبوطی سے بند کر لی تھیں، وہ سونا چاہتی تھی۔

اس بار اس کی آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔ صبح کے نو بجنے والے تھے۔ کمرے کے پردے بند تھے مگر پھر بھی باہر نکل چکا ہے یہ پتا چل رہا تھا۔ وہ جس طرح سوئی تھی اسی طرح بیدار بھی ہوئی تھی۔ اس کے سینے پر سر رکھے اس کے بازوؤں کے حصار میں۔ اس نے اپنا سر اٹھا کر عباد کو دیکھا، وہ جاگا ہوا تھا۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"اٹھ گئیں تم؟" وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"دیکھ لو میں تمہیں چھوڑ کر کہیں بھی نہیں گیا، یہیں ہوں۔" [illegible] رات کا خوف اب اسے بچکانہ اور احمقانہ لگ رہا تھا۔ وہ کچھ خفت سی محسوس کرتے ہوئے قصداً مسکرائی تھی۔

"اب تم اٹھ کر منہ ہاتھ دھو لو، میں ناشتا بناتا ہوں۔"

اس کے اٹھنے کے ساتھ ہی وہ بھی فوراً بیڈ پر سے اٹھ گیا تھا جیسے بہت دیر سے اس کے اٹھنے ہی کا انتظار کر رہا ہو۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر کچن میں گئی تو وہ جلدی

جلدی جلدی ناشتہ بنا رہی تھی۔ فرائنگ پین میں آملیٹ بن رہا تھا، ٹوسٹر میں سلائس اٹکے ہوئے تھے، دوسرے برنر پر چائے کا پانی رکھا تھا۔ وہ اس کی مدد کرانے کے ارادے سے آگے بڑھی تھی۔

"میں کر لوں گا، تم بیٹھو۔" اس نے اسے کام کرنے سے منع کر دیا تھا، اس نے زبردستی ہاتھ پکڑ کر لا کر کرسی پر بٹھا دیا تھا۔

"عالی! رات کو میں نے اس طرح بچوں جیسا behave کیا۔" کرسی پر بیٹھنے کے بعد اس نے بات شروع کی تھی۔ پھر وہ آملیٹ پلیٹ میں نکالتا اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ گیا تھا۔

"اس کی بھی سوری بولو گی؟" وہ ایک پلیٹ میں آملیٹ اور دوسری میں ٹوسٹ رکھ کر اس کے پاس آ گیا تھا۔ اس نے دونوں پلیٹیں میز پر اس کے سامنے رکھ دی تھیں۔

"یہ سوری کا لفظ تمہارا تکیہ کلام نہیں بنتا جا رہا [illegible]؟"

"نہیں، مجھے کیا ہو گیا ہے عالی! میں اتنی ڈرپوک تو کبھی بھی نہیں تھی۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"تم ابھی بھی ڈرپوک نہیں ہو۔ ابھی ماما جانی کی جدائی کے شاک میں ہو، اس لیے اس طرح فیل کر رہی ہو۔ تھوڑے دنوں بعد سب کچھ نارمل ہو جائے گا۔" وہ دو مگوں میں چائے بھی نکال کر لے آیا تھا۔ وہ اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"اگر تم نہیں ہوتے عالی! میں کیا کرتی۔"

"لیکن میں کہیں نہیں ہوں [illegible] زندگی میں عبدالمنیر نے صرف آج [illegible] ابھی نہیں، ہمیشہ رہنا ہے۔" اس نے اس کی توجہ ناشتے کی جانب مبذول کروائی تھی۔

اس نے پچھلے دو دنوں سے کچھ نہیں کھایا تھا مگر اس وقت اس کے ساتھ بیٹھ کر وہ اس کے بنائے ہوئے آملیٹ کو کھانے لگی تھی۔ وہ بھی اس کی پلیٹ میں سے آملیٹ کھا رہا تھا۔ اس نے اپنے ٹوسٹ پر مکھن لگا کر دیا تو اس نے اس کے ہاتھ سے وہ بھی لے لیا تھا۔

"اب مجھے ایک کام سے جانا ہے [illegible]" چائے کا آخری گھونٹ لینے کے بعد خالی [illegible] رکھتے ہوئے عبدالمنیر نے اس سے پوچھا۔ اس نے [illegible] اثبات میں ہلا دیا۔

"میرے پیچھے تم کیا کرو گی؟"

"میں؟" وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں [illegible] کہ ابھی اپنے لیے کوئی بھی مصروفیت سوچ نہ پائی [illegible] اس کی کیفیت کو دیکھ رہا تھا، سمجھ رہا تھا۔ تب ہی تو اس نے اس کے ہاتھ تھام کر آہستہ آہستہ محبت بھرے لہجے میں اسے سمجھانا شروع کیا تھا کہ ماما جانی کی زندگی کے آخری دو ماہ تین مہینوں کو نکال دو تو اپنی ساری عمر انہوں نے بہت بھرپور اور بہت شاندار گزاری ہے۔ بہت [illegible] بہت خوش باش رہنے [illegible] خوش تھیں۔ انہوں نے اپنے بچوں کی تمام خوشیاں دیکھی تھیں۔ [illegible] ختم کر جانے سے پہلے جو ایک ان کی آخری خواہش [illegible] کی شادی کی، وہ بھی پوری ہو گئی [illegible] کوئی [illegible] والی کو لیے بنا ہی رخصت نہیں ہوئی تھیں۔ اب اگر وہ ان کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہے تو بجائے رونے کے ان کے ایصال ثواب کے لیے کچھ پڑھے، بیٹھ کر ان کی مغفرت کی دعا مانگے۔ [illegible] خوشیوں بھری اور [illegible] زندگی [illegible] اس دنیا میں [illegible] اس جہان میں [illegible] زندگی میں [illegible]

[illegible]

اس نے سر اقرار میں ہلایا تو وہ اس کے فرماں برداری سے سر ہلانے پر مسکراتے ہوئے بولا۔

"پھر اب میرے جانے کے بعد کیا پروگرام ہے۔ رونا ہے یا جو میں نے کہا ہے وہ کرنا ہے؟"

"جو تم نے کہا ہے وہ کروں گی۔"

وہ کرسی پر سے کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ اس کی طرف جھکا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ "مت رونا نینی! پلیز میرے لیے تم روتی ہو تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔"

[illegible] میں اب تنہا تھی، شاید یوں تنہا ہونے پر وہ پھر رو پڑتی مگر اس سے کیا وعدہ اسے رونے نہیں دے رہا تھا۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی، اس لیے کہ عبدالمنیر ایسا چاہتا تھا۔ وضو کر کے قرآن پاک لے کر بیٹھ گئی۔ وہ ماما جانی کے ایصال ثواب کے لیے کچھ پڑھنا چاہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"عبدالمنیر! میں آج تم سے اپنا ہر رشتہ ختم کر رہا ہوں۔ مجھے تم جیسے بیٹے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

پوری رات یہ ایک جملہ اس کے کانوں میں گونجتا رہا تھا۔ وہ پوری رات جسمانی طور پر نینی کے ساتھ رہا تھا مگر ذہنی طور پر وہ بالکل بھی موجود نہیں تھا۔

"مجھے تم جیسے بیٹے کی کوئی ضرورت نہیں۔" پوری رات اس کا ذہن انہی لفظوں پر اٹک کر رہ گیا تھا۔ [illegible] خنجر سے جیسے کوئی اس کے دل کے ٹکڑے کر رہا تھا۔ کیا وہ اتنا برا بیٹا تھا کہ اس کے پاپا اس سے ہر رشتہ توڑ دینے کی بات کر رہے تھے۔ [illegible] چاہ رہا تھا کہ وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رو دے۔ وہ [illegible] صبح جتنی دیر نینی کے ساتھ [illegible] خود کو [illegible]

[illegible] بار بار آنکھیں [illegible] خود کو [illegible] رونے سے [illegible]

[illegible] جب اماں نے اس سے نکاح کی بات کی تھی تو وہ ذہنی طور پر ہرگز بھی ایسی کسی بات کے لیے تیار نہیں تھا، مگر ان کی بوڑھی آنکھوں کی وہ التجا، وہ ان کے کانپتے لبوں کی درخواست، وہ موت سے چند قدموں کی دوری پر کھڑے ان کی شاید آخری خواہش، وہ اس مرتی ہوئی بوڑھی بیمار عورت کو "نہیں" کیسے کہہ پاتا۔ اگر منع کر دیتا تو اور سب کچھ ہو سکتا تھا مگر عبدالمنیر نہیں۔ وہ اپنے ماما پاپا کی اجازت، ان کی موجودگی کے بغیر اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ ہرگز نہیں کرنا چاہتا تھا مگر موت کی طرف لمحہ لمحہ قدم بڑھاتی اس بوڑھی عورت کے پاس وقت تیزی سے ختم ہو رہا تھا۔ اسپتال سے نکل کر نکاح کے کسی بھی انتظام سے قبل اس نے سب سے پہلے اپنے پاپا کو فون کیا تھا، ایک بار نہیں نجانے کتنی بار۔ ایک بار کے بعد انہوں نے اپنا سیل آف کر دیا تھا۔ گھر کے فون پر اس سے بات کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے پھر اپنی ماما کو فون کیا تھا۔ شکر تھا انہوں نے اس کی ساری بات بہت تحمل سے سنی تھی۔ اس نے تفصیل سے انہیں ساری صورت حال بتائی تھی اور انہوں نے بغیر اسے ٹوکے خاموشی سے اس کی پوری بات سنی تھی۔ وہ اس کی بات سننے کے بعد بھی خاموش رہیں۔

"جو میں کر رہا ہوں وہ ٹھیک ہے ماما؟" وہ ان کی خاموشی سے بے چین ہوا تھا۔ وہ ماں تھیں اور اتنی دوری درمیان میں حائل ہونے کے باوجود بھی صرف آواز سے بیٹے کی پریشانی اور اس کا اضطراب جان گئی تھیں۔ [illegible] میں اس سے کہہ رہی تھیں۔

"میں اس لڑکی کو نہیں جانتی، میں اس کی فیملی کو بھی نہیں جانتی، مگر میں اپنے بیٹے کو جانتی ہوں۔ اگر وہ ہمارے بغیر کسی سے نکاح کرنے جا رہا ہے تو یقیناً اس کے پاس ایسا کرنے کی بہت ٹھوس وجوہات ہوں گی۔ مجھے اپنے بیٹے پر یقین ہے کہ وہ کبھی کوئی غلط قدم نہیں اٹھا سکتا۔"

باپ کی بے اعتباری اور بدگمانیوں سے زخم زخم ہوئے اس کے وجود پر جیسے ماں کے ان الفاظ نے مرہم رکھ دیا تھا۔ کوئی تو اس پر بھروسا، اعتبار، یقین رکھتا ہے۔ وہ خود کو کہیں ہواؤں میں اڑتا محسوس کرنے لگا تھا۔ ذہن میں یک دم ہی بہت حوصلہ، بہت ہمت اور بہت جرات پیدا ہو گئی تھی۔

"آپ مجھے اس نکاح کی اجازت دے رہی ہیں ماما؟" اس نے ان سے پوچھا تھا اور انہوں نے جواب میں اسے ہاں کہا تھا۔

"آپ مجھ سے ناراض تو نہیں؟"

"نہیں میری جان! ماما کی جان، ماما تم سے کیسے ناراض

بہ مشکل ہی بتایا۔" انہوں نے بڑے [illegible] محبت سے اسے جواب دیا تھا۔

"جی! مما کی جان۔" انہیں جب بھی اس پر زیادہ پیار آرہا ہوتا تو اسے یونہی مخاطب کرتی تھیں اور عون کو لگتا اسے بچپن سے ہی بہت اچھا لگا کرتا تھا۔

"میں آپ سے بہت پیار کرتا ہوں مما!"

"مجھے پتا ہے بیٹا!"

"میں پاپا سے بھی بہت پیار کرتا ہوں۔" انہیں یہ بات بھی پتا تھی، مگر اس بار وہ جواب میں چپ رہی تھیں۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ یونہی [illegible] عون کی پریشانی کی چغلی کھا رہا تھا۔ اپنی فکر اور پریشانی کا اس سے اظہار کیے بغیر وہ اسے اس بات کا یقین دلا رہی تھیں کہ وہ پاپا کو سمجھانے کا کل کرنے [illegible] کی اس سے ناراضی دور کروانے کی پوری کوشش کریں گی [illegible] اپنی مما سے بات [illegible] بے تحاشا سکون اور اطمینان محسوس کیا تھا۔

انہوں نے "مگر میں اپنے بیٹے کو جانتی ہوں، مجھے یقین ہے وہ کبھی کوئی غلط کام نہیں کر سکتا۔" کہہ کر اس کا مان بڑھایا تھا۔ اسے ان کی اپنی آنکھوں [illegible] کر تھا۔ اپنی مما کی طرف سے اعتبار اور اعتماد پانے کے بعد تو اسے ایک [illegible] سے بات کرنے کے [illegible] پاپا کو e-mail کی تھی۔ ایک بہت طویل e-mail جس میں پوری تفصیل سے اس نے یہ سب لکھا تھا کہ اسے کن حالات کے تحت ان کے بغیر نکاح میں ایسا فیصلہ کرنا پڑ رہا تھا۔

"پاپا! میں آپ کے اور مما کے بغیر اپنی زندگی کا ایسا کوئی فیصلہ کرنے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ آپ کی اجازت، آپ کی رضامندی اور سب سے بڑھ کر اس موقع پر آپ کی موجودگی تو میرے لیے انتہائی زیادہ ضروری تھی، اہم تھی، مگر میں کیا کرتا پاپا؟ ایک مرتی ہوئی بوڑھی عورت مجھ سے ایک التجا کر رہی ہے، میں انہیں منع کیسے کہوں؟ جس کے وہ مجھ سے روتے [illegible] اپنی موجودگی میں [illegible] کر رہی ہیں کہ "بیٹی! اگر [illegible] میرے بیٹے کو کرنا چاہیے۔" "پاپا! میرا یقین کریں میں نے اس مشکل ترین صورت حال میں وہی کیا جو آپ کے بیٹے کو کرنا چاہیے تھا۔ میں [illegible] ہم سب تو یہاں رہیں گے پاپا! مگر کل شاید وہ بوڑھی عورت اس دنیا سے چلی جائے گی۔ اس بوڑھی عورت کے پاس اس دنیا میں شاید یہ چند گھنٹے ہی اور ہیں۔ اگر میں نے ان کی التجا کو رد کر دیا اور وہ دنیا سے نامراد رخصت ہو گئیں تو میں عمر بھر احساس جرم میں مبتلا رہوں گا۔ پاپا، پاپا! پلیز مجھ سے ناراض مت ہوں، میرے [illegible] میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں، میرا یقین کریں، میری محبت کا یقین کریں۔ میں بدلا نہیں ہوں پاپا! میں آپ کا وہی بیٹا ہوں۔

کاش آپ فون پر مجھ سے بات کر لیتے، کاش آپ [illegible] میری بات سن لیتے۔ میں آپ کے پاس لندن آؤں گا پاپا، بہت جلدی۔ آپ مجھ سے جتنے بھی ناراض ہوں گے میں آپ کو منا لوں گا۔ مگر آپ مجھ سے ناراض [illegible] رہیں گے۔ لیکن ہو سکتا ہے یہ ای میل پڑھنے کے بعد آپ ساری صورت حال سمجھ جائیں [illegible] ہوں ہی نہیں۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو پاپا! [illegible] آپ سے بہت [illegible] آپ اور [illegible] بھی [illegible] اسے بہت بہت پیار کرتے ہیں اور وہ اپنے بیٹے سے زیادہ دیر خفا رہ ہی نہیں سکتے۔

آپ کو بے حساب پیار کرنے والا آپ کا [illegible]"

مگر اس کے گمان غلط ثابت ہو گئے تھے۔ پاپا ای میل پڑھنے کے بعد اس سے شدید ترین انداز میں ناراض ہو گئے تھے۔ مما ان کے غصے اور ری ایکشن سے خائف تھیں، پتا نہیں انہوں نے نکاح کی بات مما نے انہیں بتائی تھی یا انہوں نے اس کی ای میل پڑھی تھی۔ وہ پچھلے تین ماہ میں انہیں فون کرتا رہا تھا، ان کی ناراضی ختم کرنے کے لیے انہیں منانے کے لیے۔ مگر اس کی بھیجی میل کا جواب

© Oneurdu.com

سے۔ کبھی کوئی جواب نہ آیا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ کیا پاپا اس کی e-mails پڑھتے بھی ہیں یا پڑھے بغیر محض اس کا نام دیکھ کر انہیں delete کر دیتے ہیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا اس کی یہ آخری e-mail پڑھ کر بھی وہ اس سے اسی طرح ناراض ہو سکتے تھے۔ اس میں تو اس نے اپنا دل نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا تھا۔

وہ اس e-mail کو ٹائپ کرتے ہوئے پاپا کو اپنی محبت کا یقین دلاتے ہوئے "سچ مچ" رویا تھا۔ آیا کس طرح ممکن تھا کہ وہ تعداد اس نے اس طرح روتے ہوئے لکھے تھے، پاپا کے دل کو چھوئے بغیر گزر سکتے تھے؟ اسے لگ رہا تھا کہ شاید وہ پچھلی تمام میلز کی طرح انہوں نے اس کی یہ e-mail بھی نہیں پڑھی تھی۔ شاید انہیں مما ہی نے اس کے نکاح کے بارے میں بتایا تھا۔ اس کے جان سے عزیز پاپا اس سے ناراض تھے۔ وہ اس سے اپنا ہر رشتہ، ہر تعلق ختم کرنے کی بات کر رہے تھے۔ اسے دنیا کی کوئی چیز اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

وہ رات بھر جاگتا رہا تھا۔ وہ ایک پل کے لیے بھی پلکیں جھپکا نہیں سکا تھا۔ وہ بے سمت سڑکوں پر چلتے چلے جا رہا تھا۔

"آج کے بعد کبھی مجھے اپنی شکل مت دکھانا، کبھی میرے سامنے مت آنا۔"

"پاپا! اسے بتایا ہے یوں خفا مت ہوں، پاپا! اس طرح مت بولیں پاپا!"

منہ ہی منہ میں ان لفظوں کی تکرار کرتا وہ نہیں جانے کتنی دور نکل آیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اڑ کر اپنے پاپا کے پاس پہنچ جائے۔ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دے۔ ان کے سینے سے لگ جائے۔ ان سے اپنی ہر غلطی کی معافی مانگ لے۔ مگر کیا وہ اس کی کوئی بات سنیں گے؟ رات پاپا کی باتوں سے ان کے لہجے کی سختی اور غصیلے انداز سے اس نے سمجھ لیا تھا کہ اب وہ اس کے معافی مانگنے، منانے یا مما کے سمجھانے سے بھی نہیں مانیں گے۔ انہیں غصہ کم آتا تھا، وہ اپنے غصے کا اس طرح اظہار جیسے انہوں نے رات کیا تھا، بہت کم کرتے تھے مگر جب انہیں [illegible] کسی بات پر وہ اس طرح رد عمل ظاہر کرتے تو انہیں منانا آسان نہ ہوتا تھا۔ اس سے وہ اس طرح کبھی ناراض ہوئے تھے کہ انہیں سمجھتا تھا۔

اسے اچھی طرح پتا تھا اب اگر وہ کراچی جا کر ان کے پاؤں پکڑ کر بھی ان سے معافی مانگے وہ اسے معاف نہیں کریں گے۔ اس بات کو سوچتے ہوئے انکل طارق کا خیال آیا تھا۔ اسے انوشہ کا خیال آیا تھا۔ اس کے پاپا اس کی کزن وہ اس معاملے میں فریق تھے۔ اگر وہ بجائے کراچی جانے کے پہلے دبئی انکل طارق کے پاس چلا جائے؟

اب اسے انکل طارق اور انوشہ [illegible] بات [illegible] ہی ہوگی کہ اس سے اپنے پاپا کے [illegible] بہت اچھی طرح اسٹینڈ کرتے [illegible] اپنے [illegible] تھے [illegible] پہلے ہے [illegible] کی وہ اس کی [illegible] ضرور [illegible] کے اور ان کا ساتھ بھی دیں گے۔ وہ اس کے پاپا کے بڑے بھائی ہیں۔ بڑے بھائی بھی وہ جن کا پاپا حد سے زیادہ احترام کرتے ہیں۔ پلٹ کر پاپا کو ذات کر ان کی بات سننے سے انکاری ہو سکتے ہیں [illegible] بھائی اور [illegible] کے سامنے [illegible] شرمندگی کے خیال سے پاپا اتنے برہم ہیں جب وہ ان کے بھائی کو اپنے ساتھ لے کر کراچی اپنے [illegible] کے سامنے لے گا تو صورت حال بہت مختلف ہوگی۔ [illegible] کو [illegible] پاپا کو انکل طارق کی بات [illegible]

اگر وہ اس کے ساتھ کراچی پاپا سے پاس چلنے کے لیے تیار ہو گئے تو سارا مسئلہ حل ہو سکتا تھا۔

پاپا اس کی اور مما کی سنتے یا نہیں مگر انکل طارق اور انوشہ کی ضرور سنتے۔ اب بس کی آخری امید انکل طارق اور انوشہ تھے۔ بس وہی دو لوگ تھے جو پاپا کی ناراضی سے بڑھتی ختم کرا سکتے تھے۔ فیصلہ ہو گیا تھا۔ اسے انکل طارق اور انوشہ سے ملنے دبئی جانا تھا اور فوراً جانا تھا۔ اس کے بے سمت قدموں نے ایک سمت کا تعین کر لیا تھا اب وہ سب وے اسٹیشن کی طرف بڑھ رہا

☆ ☆ ☆

اس نے نیویارک سے دبئی جانے کے لیے ٹکٹ خرید لیا تھا۔ اس کا ارادہ وہاں ایک یا دو روز قیام کرنے کا تھا۔ مگر یہ صورت حال پر منحصر تھا۔ انکل طارق اور انوشہ اس ساری بات پر کس رد عمل کا مظاہرہ کریں گے اس پر منحصر تھا۔ ابھی اسے خود معلوم نہیں تھا وہ دبئی میں کتنے روز قیام کرے گا۔ اگر انکل طارق اس کی بات سمجھ گئے انہوں نے بہت ظرف اور بڑے پن کا ثبوت دیتے اسے اور انوشہ دونوں کو معاف بھی کر دیا اور اس کی درخواست پر اس کے ساتھ کراچی چلنے کے لیے تیار ہو گئے تب تو معاملہ بہت جلد حل ہو جاتا تھا۔ لیکن اگر ان کی توقعات، خواہشات اور امیدوں کے مطابق نہ ہوا تب بھی اسے کراچی مما پاپا کے پاس ہر حال میں جانا ہی تھا۔

اسی لیے اس نے دبئی سے کراچی جانے کے لیے بھی ایک ٹکٹ خرید لیا تھا۔ سیٹ ابھی تک کنفرم نہیں ہوئی تھی۔ [illegible] تک کے لیے تو اسے ابھی [illegible] کنفرم [illegible] نے جس ٹریول ایجنٹ [illegible] سے [illegible] ٹکٹ خریدا تھا اس [illegible] دل [illegible] تھا اس کے ہفتے میں تین فلائٹس [illegible] [illegible] جانا تھا۔ [illegible] اسے سیٹ ملتے ملتے [illegible] ہی نہ تھا۔ دوسری دو دن بعد کی اور تیسری ہفتے کے آخری دن اتوار کی رات کو۔ ان تینوں فلائٹس میں اسے سیٹ مل رہی تھی۔ وہ جلد سے جلد دبئی پہنچ جانا چاہتا تھا مگر نجانے کیوں یکدم ہی بنفشہ کی خوبصورت اور معصوم سی بھولی آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔

"فلائٹ ذرا لیٹ ہو جائے تو اچھا ہے، اگر میں سو گئی تو تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔"

بہت دیر کے بعد اچانک ہی اسے بنفشہ یاد آئی تھی۔ وہ اسے گھر اکیلا چھوڑ کر آیا ہوا ہے یہ یاد آیا تو وہ اسے اکیلا چھوڑ کر چلے جانے والا ہے یہ یاد آیا تھا۔ "مجھے آج کل اتنے ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔ طلب! میں اتنا ڈر جاتی ہوں، تم میرے ساتھ نہیں ہوتے۔" اس کے کانوں میں یکبارگی اس کی روتی ہوئی آواز گونجی تھی۔

"طلب! ایک بہت ویران جگہ تھی، شاید کوئی جنگل۔ وہاں بہت اندھیرا تھا۔ میں وہاں بالکل اکیلی تھی۔ میں تمہیں بہت آوازیں دے رہی تھی۔ تم وہاں نہیں تھے طلب۔" وہ اسے یہیں تنہا چھوڑ کر جا رہا تھا نجانے کتنے دنوں کے لیے۔ اسے خود معلوم نہیں تھا وہ کب واپس لوٹ کر آئے گا۔ انکل طارق کو اور پاپا کو منائے بغیر تو وہ واپس نہیں آئے گا۔ وہ کب واپس آئے گا، جانے اس کام میں اسے کتنے دن، کتنے ہفتے یا کتنے مہینے ہی کیوں نہ لگ جائیں۔ جب پاپا کی ناراضی ساتھ لیے وہ نیویارک کی سرزمین پر ہرگز قدم نہیں رکھے گا۔ کل بنفشہ کی ممی بھی اسے چھوڑ گئی تھیں اور آج سے دو دن بعد وہ بھی اسے تنہا چھوڑ جائے؟ نجانے کتنے سارے دنوں کے لیے۔ وہ بھی اس وقت جب وہ جذباتی طور پر اتنی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ خود کو تنہا اور کمزور محسوس کر رہی ہے۔ [illegible] جانے کی شدید ترین خواہش رکھنے کے باوجود وہ خود کو صرف دو دن بعد بنفشہ کو اکیلا چھوڑ جانے کے لیے آمادہ کر پایا۔

وہ بنفشہ اس حالت میں، اتنی جلدی اس طرح اکیلا چھوڑ کر کس طرح جا پائے گا۔ اس کے پیچھے تنہا رو رو کر وہ تو خود کو بیمار کر ڈالے گی۔ ایک ہفتہ بھی کم از کم اتنی مدت کی ضرور کوشش کرے گا کہ ان سات دنوں میں بنفشہ خود کو سنبھال سکے۔ اس کے جانے کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کر سکے۔ شاید بہت سارے دنوں کے لیے اس سے دور جانے والا تھا۔ چاہتا تھا وہ خود کو اس کے جانے کے لیے پوری طرح تیار کر لے۔ اس کے جانے کے بعد تنہا رہنے کے لیے اپنے آپ کو پوری طرح آمادہ کر لے۔ اس نے اتوار کی رات کی سیٹ کنفرم کرا لی تھی۔

وہ گھر واپس آیا تو کیتھی اور مائیک بنفشہ کے پاس

تک بیٹھے تھے۔ وہ کل رات بنیہ کو یہاں لاتے وقت اس کی آنسر نگ مشین پر بھی بنیہ کی اپنے گھر موجودگی کا پیغام معہ اپنے گھر کے ایڈریس اور فون نمبر کے چھوڑ آیا تھا اور بنیہ کی بلڈنگ کے کیئر ٹیکر کے پاس بھی یہ تمام اطلاعات دے آیا تھا۔ سو بنیہ اور مما جانی کے وہ تمام جاننے والے جنہیں ان کی وفات کا آج پتا چلا تھا، عبلا کے اپارٹمنٹ پہنچنے تعزیت کرنے آ رہے تھے۔

لوگوں کی آمد و رفت اور فون پر تعزیت کا یہ سلسلہ تقریباً پورا دن چلتا رہا تھا۔ رات کے وقت کہیں جا کر وہ بنیہ کے ساتھ اکیلے بیٹھ پایا تھا۔ وہ اسے بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس لیے سب کے چلے جانے کے بعد وہ اسے کمرے میں لے آیا تھا۔

⁂

رات وہ جس صدماتی کیفیت میں تھی، جس جذباتی شکست و ریخت کا شکار تھی، ایسے میں اس کا دھیان ہی نہیں گیا تھا اس کمرے کی کسی بھی چیز پر۔ یہ عبلا کا بیڈ روم تھا۔ وہ کل رات بھی اسی کمرے میں سوئی تھی مگر اس نے کمرے کی کسی بھی چیز پر غور نہیں کیا تھا۔ وہ عبلا کے اپارٹمنٹ بہت آتی رہتی تھی مگر اس کے بیڈ روم میں کبھی نہیں آئی تھی۔ پتا نہیں اس نے اپنے کمرے میں یہ تصویریں کب لگائی تھیں۔ کمرے میں داخل ہونے پر اپنی اور عبلا کی مشترکہ تصویر تو اس کی بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھا دیکھ کر اس نے سوچا تھا۔ بیڈ کی دائیں طرف والی میز پر عبلا کے مما پاپا کی مشترکہ تصویر تھی۔ بہت خوب صورت بڑی اچھی سی تصویر، خوب صورت سے فریم میں لگی ہوئی اور بائیں طرف والی میز پر ان دونوں کی تصویر لگی ہوئی تھی۔

شکر ہے اس روز جمی کے گھر پارٹی سے واپس آتے ہوئے انہوں نے اس اسٹور کے اندر ٹھہرے ہو کر وہاں کے ہینڈسم کیشئر سے اپنی مشترکہ تصویر کھنچوائی تھی۔ وہ والی تصویر جس کے بیک گراؤنڈ میں برف باری ہوتی نظر آ رہی تھی۔ پلم کلر کا لانگ کوٹ اور ہیٹ پہنے کھلکھلا کر ہنس رہی تھی اور عبلا بلیک اوور کوٹ اور مفلر کے ساتھ تک سک سے سجا سنورا سا کھڑا تھا۔

وہ تصویر واقعی بہت اچھی آئی تھی۔ اس میں وہ دونوں بہت خوش اور بہت اچھے لگ رہے تھے۔ کرسمس کی پارٹی میں اور پارٹی کے بعد راستے میں کھینچی گئی تصویریں عبلا نے اسے بعد میں دکھائی تھیں مگر اس اسٹور میں جو اس کی اپنی ایک تصویر عبلا نے اتاری تھی وہ اس کے بہت اصرار پر بھی اس نے آج تک نہیں دکھائی تھی۔ نجانے کس خفیہ مقام پر اس نے اسے چھپا رکھا تھا۔ بیڈ کے بالکل سامنے والی دیوار پر اس نے ایک اور مزے داری حرکت کر رکھی تھی۔ اس نے دیوار پر انلارج کروا کر اپنے، مما اور بنیہ کی اور اپنی ایک مشترکہ تصویر لگا رکھی تھی۔ [illegible] خوب صورت سے گولڈن فریم میں [illegible] تصویر [illegible] بنانے کے لیے [illegible] My Family [illegible] سے لکھوا کر لگائی گئی تھی۔ یہ بہت پرانی ہو گی۔ بنیہ اپنی زندگی میں آج تک کبھی عبلا کے والدین سے ملی نہیں تھی۔ وہ اس تصویر کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے بھی [illegible] کر سمجھ پائی کہ یہ ایک تصویر [illegible] دو الگ الگ تصویریں ہیں اور انہیں جدید کمپیوٹر ٹیکنالوجی کی مدد سے ایک بنا دیا گیا ہے۔ عبلا کے والدین کی تصویر کسی کے گھر کی کسی ڈرائنگ روم میں کھینچی گئی تھی [illegible] بلیک ٹو پیس سوٹ میں تھے۔ بلیک اور ریڈ کلرز کے امتزاج والی بھاری ساڑھی میں ان کی مما کے پاپا بلیک تھری پیس سوٹ میں۔ پتا نہیں ان دونوں کے کپڑوں کا رنگ انہوں نے تبدیل کیا تھا یا تصویر اس نے لیتے وقت مما پاپا کی منتخب کی گئی تھی۔ اس میں اس نے اسی رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ بیک گراؤنڈ پورا چین تھا۔ براؤن کلر کا۔ جبکہ اس کی اور عبلا کی جو حقیقی تصویر تھی اس میں اس کے اور عبلا کے پیچھے بیک گراؤنڈ میں پارٹی میں شریک چند افراد نظر آ رہے تھے۔

ان کی [illegible] کمپیوٹر پر [illegible] کمال تھا کہ یہ کسی کمپیوٹر سوفٹ ویئر کا کرشمہ ہے۔ وہ تصویر حقیقتاً ایک ہی تصویر لگ رہی تھی۔ تصویر تو اچھی لگ ہی رہی تھی مگر اس سے بھی زیادہ اچھے لگ رہے تھے اسے My family کے الفاظ جو عبلا نے اسے نہیں بتایا تھا انہیں لکھوایا تھا مگر شاید اس نے یہ تصاویر کرسمس کے بعد دسمبر کے آخری دنوں میں سے یہاں لگا رکھی تھیں۔

عبلا کے بیڈ روم میں اپنی تصویروں کو دیکھ کر اسے یوں لگا جیسے وہ پہلی بار اس کی طلب ہے مگر عمل پر موجود بہت پہلے سے تھی۔ عبلا بیڈ پر بیٹھ چکا تھا۔ اس نے اسے بھی اپنے برابر بٹھا لیا تھا۔ وہ اس وقت کافی پرسکون اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔ وہ کل رات یا آج صبح کی طرح Tense نہیں تھا۔ وہ اس کی طرف بغور دیکھ رہی تھی۔ صبح کہاں گیا تھا، اس نے ابھی تک بنیہ کو نہیں بتایا تھا۔ پوچھنے کی مہلت ہی نہ ملی تھی۔ وہ اس کے چہرے پر [illegible] ڈھونڈ رہی تھی۔

تمہارے چہرے پر پھیلا اطمینان۔ ایسا لگ رہا ہے تم کوئی فیصلہ کر چکے ہو اور اس پر بہت مطمئن ہو۔

"میرا چہرہ کب سے پڑھنا شروع کیا؟" وہ اس کے انداز سے مسکرایا۔

"جب سے [illegible] محبت کرنا شروع کی ہے۔" [illegible] "ہو ہی نہیں سکتا [illegible] بے جب۔ کیونکہ جس [illegible]"

"تب ابھی یہ دنیا ہی بنی نہیں تھی۔" عبلا کا جملہ اس نے مکمل کر دیا تھا۔

"بہت دنوں کے بعد ایسی باتیں کر رہی ہو۔ اس لیے بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

"تمہارا حوصلہ ہے ورنہ اس جملے میں میں کسی ہوش مند آدمی کو اچھی لگ نہیں سکتی۔"

وہ رو رو کر اسے بہت پریشان کر چکی تھی۔ اگر اس وقت وہ کسی بھی وجہ سے پرسکون، مطمئن اور مسکراتا ہوا تھا تو وہ اس اطمینان کو قائم رکھنا چاہتی تھی۔ سو دونوں ہاتھوں [illegible]

اس نے اس طرح ہلکے پھلکے انداز میں اس سے بات کی تھی۔

عبلا اسے اتنے بہت سارے دنوں بعد اس کے اپنے انداز میں بولتا دیکھ کر طمانیت اور سرشاری سے مسکرایا۔ اس نے اسے بغور دیکھا۔ وہ اسے بہت تھکی ہوئی، نڈھال اور کمزور لگ رہی تھی۔ اس نے پرسوں اسپتال میں جو لباس پہنا ہوا تھا وہی لباس اس وقت بھی پہنا ہوا تھا۔ کل اسے اس کے گھر سے لاتے وقت اسے یہ دھیان ہی نہیں رہا تھا کہ بنیہ سے کہہ کر وہ اپنے چند جوڑے ساتھ نکال لے۔ لیکن ذہن میں بھی اسے ایک بار بھی اس بات کا خیال نہیں آیا تھا ورنہ اس کے گھر جا کر اس کے کچھ کپڑے اور ضرورت کا دوسرا سامان لے آتا۔ اسے خود پر افسوس ہوا۔

"مجھے خیال نہیں رہا، میں گھر سے تمہارے کچھ کپڑے لے آتا۔"

"دوسرے کپڑے نہیں تھے اس لیے صبح نہا کر مجھے دوبارہ یہی کپڑے پہننے پڑ گئے۔ اس وقت تو تھکن ہو رہی ہے۔ نہانے کو دل چاہ رہا ہے مگر نہا کر دوبارہ یہ کپڑے پہنتے ہوئے تو الجھن آ رہی ہے۔ ایسا لگ رہا ہے اس وقت تو کوئی مجھے اپنے ساتھ بٹھانا بھی پسند نہیں کرے گا۔"

وہ اس کی بات پر ہنسا تھا۔

"خیر ایسی تو کوئی بات نہیں ہے بنیہ جان۔ آپ ہر لباس میں حسین ہیں اور مجھے آپ کا اپنے پاس بیٹھنا بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

"تمہاری بات الگ ہے۔ تم پاگل ہو۔ میں نارمل لوگوں کی بات کر رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے اچھا ہے۔ تو تم سے محبت کرنے کے لیے پاگل ہونا پڑے گا۔"

وہ مسکراہٹ سے بیڈ پر سے اٹھا اور اپنی وارڈ روب کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے اس میں سے اپنی ایک ٹی شرٹ اور ایک ٹریک سوٹ کا ٹراؤزر نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"فی الحال اس سے کام چلاؤ۔"

"تمہارے کپڑے؟ آہا ب... مجھے۔ کارٹون لگوں گی میں ان میں۔" اس نے معصوم سے انداز میں اسے دیکھا۔
"اچھا یہ بات؟ پہلی بار لڑکیوں کے ... تم بھی تمہارے کارٹون لگو گی۔ جبکہ مجھے تو تم ابھی ابھی بالکل ... کر رہی تھیں ہو تو مجھے بالکل ... تو تم یقیناً اپنے کپڑوں میں بھی بہت اچھی بہت حسین سی ہو گی۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ اس نے جب مبلو کے ہاتھ سے کپڑے لے لیے تھے۔ واقعی اس وقت نہا کر تازہ دم ہونا چاہتی تھی۔ اس کا شیمپو اور اس کا صابن استعمال کرنے کے بعد اس نے اس کے کپڑے پہن لیے۔ اس ڈھیلے ڈھالے اور اپنے سائز سے کہیں بڑے لباس میں وہ خود کو کارٹون ہی لگ رہی تھی۔ بہرحال تولیے میں اپنے بالوں کو لپیٹے اس کی ٹی شرٹ اور بلیک ٹراؤزر پہنے وہ باتھ روم سے نکل آئی تھی۔

وہ بیڈ پر نیم دراز کچھ سوچ رہا تھا، اس کی نگاہیں سامنے دیوار پر لگی تصویر کی طرف تھیں۔ باتھ روم کا دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اسے یکدم ہی اس بات کا پہلی بار دھیان آیا تھا کہ اب وہ صرف اس کا محبوب نہیں، اس کا شوہر بھی ہے۔ وہ اس کے ساتھ مضبوط ترین رشتے میں بندھ چکی ہے۔ ایک پل کے لیے خود غرض ہو کر سوچے تو اب مبلو کے پاپا بھی انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے، ان کے رشتے کو ختم نہیں کروا سکتے۔

مگر اس پل دل میں ابھرا یہ خیال دل کو وہ خوشی، وہ اطمینان اور وہ سکون دے گیا تھا جو اب سے پہلے اس نے کبھی محسوس کیا ہی نہیں تھا۔ اسے اس پل ... پر پیار آیا تھا۔ وہ انہیں ایسا کرنے سے روک رہی تھی۔ لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتیں، اگر وہ مبلو سے اس کے نکاح کی بات نہ کرتیں پھر نجانے کیا ہوتا۔ زندگی جتنی بھی ڈراؤنی کہانیاں سنا رہی تھی، تم نے ... سے بھی پہلی بار ... کے ... یہ مضبوط ... وہ ابھی اس پل یہ سوچ رہا تھا مگر وہ مسکرا ... ضرور رہا تھا۔ وہ آنکھوں میں محبت بھری چمک لیے صرف اور صرف اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ دوسری طرف گھوم کر بیڈ کے دوسرے کنارے پر جانا چاہتی تھی مگر مبلو نے بیڈ پر کچھ دراز کھسکتے اس کے لیے اپنے برابر میں جگہ بنائی تھی۔ وہ فوراً ہی اس کی اپنے لیے بنائی جگہ پر آ گئی تھی۔ اس کا شیمپو استعمال کر کے، اس کے کپڑے پہنے اسے پہلے ہی اس کی خوشبو اپنے وجود میں بسی محسوس ہو رہی تھی اور اس وقت اس کی بانہوں کے حصار میں آئے تو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے دل، دماغ کے سارے وجود یہاں تک کہ اس کی روح تک کو بھی اس کی خوشبو نے اپنے گھیرے میں لے لیا ہے۔ اس وقت صرف ایک خوشبو اس نے گھیر رکھی تھی۔ اس کے سوا کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے وجود کے اندر، اس کے وجود کے باہر، اس کے گرد ہر طرف بس صرف وہی ایک خوشبو ... یوں محسوس ہو رہا تھا کہ دنیا میں ... ہے کن کی محبت ... سوا دنیا میں ... ہے۔ اس کی دنیا اس ایک شخص سے شروع ہو کر اس ایک ... سب سے پہلے مغیث اس سے کیا کہا تھا۔

"ہنی! یہ رات میری زندگی کی سب سے خوب صورت رات ہے۔ میں دعا کرتا ہوں، ہماری زندگی کی ہر رات اتنی ہی حسین ہو۔"

رات ... اسے بھی وہ رات بہت حسین، بہت خوب صورت لگی تھی۔ اپنی محبت کی تکمیل، اپنی محبت کی معراج لگی تھی۔ یوں لگا تھا آج وہ صحیح معنوں میں پوری کی پوری اس کی ہو گئی تھی۔ وہ اس کی بانہوں کے حصار میں لبوں پر مسکراہٹ لیے بہت پرسکون بہت گہری نیند سو گئی تھی۔ مگر صبح اٹھنے پر ... تھا۔

(باقی آئندہ)

meem
© Oneurdu.com

مکمل ناول

فرحت اشتیاق

متاعِ جاں ہے تو

ہنیہ سجاد ایک ذہین اور باصلاحیت لڑکی ہے۔ غیر معمولی اعتماد اسے والدین سے ورثے میں ملا ہے اس کی ساری زندگی امریکہ میں گزری ہے۔ بہترین تربیت اور کولمبیا یونیورسٹی سے ملنے والی انجینئرنگ کی ڈگری نے اس کی شخصیت میں مزید نکھار پیدا کیا ہے۔ اس کے والد وکیل جبکہ والدہ اکنامسٹ تھیں۔ دو بھائی اور ایک بہن شادی کے بعد اپنی اپنی زندگی میں مصروف ہیں۔ والدین کے انتقال کے بعد ہنیہ امریکہ کی ہنگامہ پرور فضا سے گھبرا کر پاکستان آجاتی ہے اور جاب کے سلسلے میں فاروق ایسوسی ایٹس آتی ہے۔ جہاں فرم کے مالک عذیر فاروق اس کے پر اعتماد اور سادہ انداز سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ وہ اسے ٹرائل پر نوکری دے دیتے ہیں۔ جہاں چند ہی دنوں میں وہ متاثر کن کارکردگی دکھاتی ہے۔ پاکستان میں وہ فیاض ماموں، شمسہ مامی کے ساتھ رہتی ہے۔ جاب کے سلسلے میں عذیر فاروق خاص معاونت کرتے ہیں، جس سے اسے ایڈجسٹمنٹ میں آسانی ہوتی ہے۔ ان کی اہلیہ ہاجرہ عذیر سے مل کر ہنیہ بہت متاثر ہوتی ہے۔ وہ عذیر فاروق کی طرح طلسماتی شخصیت کی حامل ہیں۔ ہاجرہ عذیر کی طبیعت کی خرابی پر ہنیہ ذاتی طور پر ان سے ملنے اسپتال جاتی ہے۔ وہ ہنیہ میں ایک ان دیکھی کشش محسوس کرتی ہیں۔ ہنیہ بھی عذیر فاروق اور ہاجرہ عذیر کے لیے خاص جذبات رکھتی ہے۔ اچانک ایک روز وہ دونوں ہنیہ سے ملنے گھر آجاتے ہیں جس پر وہ حواس باختہ ہو جاتی ہے۔ ان کے جانے کے بعد وہ فیاض ماموں اور شمسہ مامی کو بتاتی ہے کہ یہ عباد کے والدین ہیں۔ جس پر وہ دونوں حق دق رہ جاتے ہیں۔

عالی یعنی عباد عذیر سے اس کی ملاقات کولمبیا یونیورسٹی میں اتفاقاً ہوئی جو وہیں سے انجینئرنگ میں ایم ایس کر رہا تھا۔ ہنیہ کا پر اعتماد انداز اسے بھی چونکاتا ہے اور بے ساختہ اس کی جانب کھنچنے لگتا ہے۔ ایک اتفاق ہنیہ اور عباد کو ایک

URDU PHOTO

meem Oneurdu.com

دوسرے کے قریب لے آتا ہے۔ دونوں کی محبت میں بظاہر کوئی رکاوٹ نہیں۔ بنیہ کی دادی ماما جانی سے بھی عباد کی اچھی دوستی ہو جاتی ہے۔ اسے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے کا فن آتا ہے۔ بنیہ اپنے آپ کو اس کی محبت سے روک نہیں پاتی۔ بابا عدیل بنیہ سے مل کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ بنیہ عباد کے والدین کی جانب سے خدشات کا شکار ہے۔

بنیہ اور عباد کی لو اسٹوری میں اچانک موڑ آتا ہے جب عذیر فاروق تایا زاد انوشہ سے اس کی منگنی کر دیتے ہیں۔ یہ جان کر عباد کے قدموں تلے سے زمین نکل جاتی ہے۔ وہ عذیر فاروق اور ہاجرہ کو بنیہ کے بارے میں بتاتا ہے تو وہ اسے بنیہ سے ہر تعلق ختم کرنے کا کہتے ہیں۔ بنیہ کے علم میں جب یہ بات آتی ہے تو وہ گم صم ہو جاتی ہے۔ عباد اسے ایک پل کے لیے تنہا چھوڑنے پر تیار نہیں ہے۔ عباد بنیہ کو یقین دلاتا ہے کہ وہ اپنے والدین کو بنیہ کے لیے منالے گا۔ بنیہ اس معاملے کا ذمہ دار عذیر فاروق کو سمجھتی ہے۔ اسی دوران ماما جانی کی طبیعت شدید خراب ہو جاتی ہے، جس سے بنیہ کے ہاتھ پیر پھول جاتے ہیں۔

مرتے ہوئے ماما جانی، غابی اور بنیہ کا نکاح کروا دیتی ہیں۔ عذیر فاروق، عباد سے سارے تعلق توڑ لیتے ہیں۔ عباد کے لیے ان کی سرد مہری سوہان روح ہے۔ مشکل کی اس گھڑی میں بنیہ کے بہن بھائی اسے اکیلا چھوڑ دیتے ہیں۔ عباد بنیہ کو جذباتی سہارا فراہم کرتا ہے اور اپنی نئی زندگی کا آغاز پر اعتماد انداز میں کرتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

پانچویں قسط

صبح اس کی آنکھ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبوؤں سے کھلی تھی۔ اسے سوتے میں عباد کا اپنے پاس سے اٹھنا، چلے جانا، پھر آنا اور کچھ سرہانے رکھنا سب محسوس ہوا تھا مگر وہ اتنی گہری پرسکون نیند سو رہی تھی کہ اٹھنے کو جی ہی نہیں چاہا تھا۔ وہ اب نیند پوری کر کے دس بجے اٹھی تھی۔ اس کے سرہانے سرخ گلابوں کا ایک بہت خوب صورت گلدستہ رکھا تھا، اپنے قریب مہکتے ان گلابوں کی خوشبو ہی نے اسے اٹھنے پر مجبور کیا تھا۔ اس نے لیٹے لیٹے اس بوکے کو اٹھایا، اس پر لگے چھوٹے سے کارڈ پر I Love you لکھا ہوا تھا۔ وہ اس کارڈ کو پڑھ کر مسکرائی تھی۔ وہ اس کی لکھائی کو محبت سے دیکھ رہی تھی، وہ اس کی محبتوں سے مہکتے ان گلابوں کی خوشبو اپنے اندر اتار رہی تھی۔ مگر عباد کی محبتوں پر سرشار ہوتے، اس کی محبتوں کی پھوار میں بھیگتے اسے یکدم ہی یہ احساس ہوا کہ رات جو ہوا وہ ٹھیک نہیں ہوا۔ وہ ابھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔

وہ اپنے شوہر کی من چاہی ہے مگر اس کے سسر؟ انہوں نے تو ابھی اسے قبول نہیں کیا۔ ان کے اسے اپنی بہو تسلیم کر لینے سے قبل کل کی رات نہیں آنی چاہیے تھی۔

پھر اس حسین رات کی صبح وہ یوں شرمندہ اور پشیمان تو نہ ہو رہی ہوتی۔ رات ایسا کچھ نہ لگا تھا مگر اب اٹھتے کے ساتھ ہی اسے شرمندگی اور ندامت ... اسے اپنے حساب سے لے لیا تھا۔ ایسا لگا تھا جیسے کل رات اس نے عباد کے مما، پاپا سے ان کے بیٹے کو چھین لینے کی کوشش کی تھی۔

زندگی اچانک ہی اتنی مشکل کیوں ہو گئی تھی۔ محبتوں اور خوشیوں کا اختتام بھی دکھوں ہی پر جا کر کیوں ہو رہا تھا؟

"گڈ مارننگ مسز بنیہ عباد۔" وہ ناشتے کی ٹرے ہاتھ میں لیے ہنستا مسکراتا کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وہ ابھی چند سیکنڈ ہوئے نہا کر باہر نکلی تھی، مگر بجائے کمرے سے باہر جانے کے وہ دوبارہ بیڈ پر ہی بیٹھ گئی تھی۔

اس نے سر اٹھا کر افسردگی سے عباد کو دیکھا۔ وہ ہنستا مسکراتا، بہت ہشاش بشاش اور بے تحاشا خوش اس کے سامنے کھڑا تھا۔ خوشی اور سرشاری اس کے ہر ہر انداز سے ظاہر تھی۔

"اصولی طور پر اب آپ کا یہی نام ہونا چاہیے۔" ٹرے بیڈ پر رکھ کر وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اتنی بھرپور مسکراہٹ نجانے وہ کتنے عرصے بعد دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے لیے صبح سے لگا ہوا ہوں، بہت اسپیشل ناشتہ بنایا ہے میں نے تمہارے لیے۔ یہ پین کیک، یہ چیز اور مشروم والا آملیٹ، یہ فروٹ ڈیلائٹ اور یہ رول ویسے یہ رول میں نے نہیں بنائے مگر تمہارے لیے خاص طور پر بہت دور سے جا کر لایا ہوں۔ وہ بھی صبح صبح دراصل اس بیکری کے یہ رول بہت ہی اچھے ہوتے ہیں اور اس کافی کو بھی کوئی عام سی روزانہ جیسی کافی مت سمجھنا۔ میں نے بڑی محنت سے بنائی ہے۔ میں تمہارے جاگنے کا انتظار کر رہا تھا تھوڑی دیر پہلے میں نے آ کر دیکھا تم نہا رہی تھیں۔ میں نے کہا چلو جناب خاتون اٹھ گئی ہیں، جلدی جلدی سب چیزیں ٹرے میں لگا دیں تاکہ ناشتہ آپ کی خدمت میں حاضر کیا جا سکے۔ اب تم بتاؤ کون سی چیز زیادہ مزے کی ہے۔ ویسے کوئی چیز کم مزے کی لگے تو یہ سوچ کر کھا لینا کہ اس میں میری ڈھیر ساری محبت تو شامل ہے۔"

وہ ہنستے ہوئے شوخ لہجے میں بول رہا تھا۔ وہ جواباً پھیکے سے انداز میں بہ دقت مسکرائی۔

"کیا ہوا یہ منہ اس طرح سے لٹکا ہوا کیوں ہے، پھول پسند نہیں آئے یا ناشتہ اچھا نہیں لگا؟"

وہ ابھی بھی کچھ غیر سنجیدہ ہی تھا، اسے ہنسانا چاہ رہا تھا۔ مگر وہ کوشش کے باوجود بھی اس کے موڈ کا ساتھ نہ دے سکی۔

"بنی! کیا ہوا ہے؟" وہ سنجیدہ ہوا تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ جو سوچ رہی تھی، جو محسوس کر رہی تھی، اسے کہنے تک کے لیے اسے لفظ نہیں مل رہے تھے۔

"اس طرح سے اداس کیوں ہو، کیا ہوا ہے؟" وہ سنجیدہ نگاہوں سے اسے بغور دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھوں کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کچھ نہیں ہوا عابی! بس شاید۔" وہ اس سے نگاہیں کتراتی کوئی جھوٹ بول کر اسے مطمئن کرنا چاہ رہی تھی مگر اس نے یک دم ہی اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر اسے اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔ اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھامے وہ سیدھا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"مجھ سے جھوٹ مت بولو، اس لیے کہ تمہارے جھوٹ کا میں یقین نہیں کروں گا۔ سچ بولو کیا ہوا ہے؟"

وہ لبوں کو دانتوں سے کچلتی آنکھوں میں امڈ آنے والے آنسوؤں کو واپس پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرنے لگی۔

"عابی! کل رات۔" وہ بولتے بولتے خاموش ہوئی۔

"ابھی پاپا نے ہمارے رشتے کو قبول نہیں کیا۔ مجھے بہت۔"

وہ آگے جو بھی کہنا چاہتی تھی مگر عباد نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر اسے آگے کچھ بولنے نہیں دیا تھا۔

"یہ ہرگز مت کہنا بنی! کہ تم گلٹی فیل کر رہی ہو۔ کل کی رات میری زندگی کی سب سے حسین رات تھی۔ میں اسے اپنی آخری سانسوں تک یاد رکھوں گا اور میں یہ سننے کے لیے ہرگز تیار نہیں کہ جو رات میرے لیے اتنی خوب صورت اور اتنی یادگار تھی وہ تمہارے لیے ایک پچھتاوا ہے؟ میں تمہاری خوشی اور تمہارے دکھ دونوں کو پہچان سکتا ہوں اور کل رات میں نے تمہیں بہت خوش پایا تھا۔ تم سو گئی تھیں تمہارے چہرے پر مجھے تب بھی مسکراہٹ نظر آ رہی تھی، تم پچھلی راتوں کی طرح بار بار ڈر کر اٹھی بھی نہیں تھیں۔"

"میں خوش تھی عابی لیکن۔" عباد نے پھر اسے

روک دیا تھا۔

"خوش تھیں ہو نہیں؟"

"نہیں خوش ہوں، لیکن۔"

"یہ گھوم پھر کر ہر جملے کا اختتام لیکن پہ کیوں ہو رہا ہے۔ تم خوش ہو یا نہیں، کسی لیکن، اگر اور مگر کے بغیر جواب دو۔" وہ اس بار جھنجلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"میں بہت خوش ہوں عالی۔ لیک۔" زبان دانتوں تلے دبا کر وہ لیکن بولتے بولتے خاموش ہو گئی تھی۔ "وہ بہت دیر کے بعد مسکرایا تھا۔ وہ اس کے کہے بغیر بھی اس کی بات کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔ جو وہ کہنا چاہ رہی تھی اور کہہ نہیں پا رہی تھی، وہ اسے مکمل طور پر سمجھ چکا تھا۔ اس نے ناشتے کی ٹرے ان دونوں کے بیچ میں سے ہٹا کر کچھ دور رکھی تاکہ اس کے اور نزدیک ہو سکے۔

"ہنی! میں تم سے کچھ مانگوں مجھے دو گی؟" اس نے اس کا چہرہ پھر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

"مجھے آج سے لے کر اتوار تک اپنی زندگی کے یہ چھ دن پورے کے پورے دے دو۔ میں اتوار کی رات دبئی جا رہا ہوں ہنی! انکل طارق کے پاس وہ پاپا کو منانے میں میری مدد کریں وہاں جاتے ہیں تو بھی اور نہیں مانتے تو بھی وہاں سے پھر مجھے کراچی چلے جانا ہے۔ مجھے خود نہیں معلوم، میں وہاں کتنے دنوں کے لیے جا رہا ہوں مگر اتنا طے ہے ہنی! میں پاپا کو منائے بغیر وہاں سے واپس ہرگز نہیں آؤں گا۔ تمہیں وہ سارے دن میرے بغیر یہاں اکیلے گزارنے ہوں گے۔ تو اس سے پہلے کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ چھ دن جو ہمارے پاس ہیں ہم ان کے ہر ہر لمحے کو بھرپور انداز میں گزاریں۔ ان چھ دنوں میں ہم دنیا کی ہر ٹینشن بھلا دیں۔ کسی ایسی جگہ چلیں جہاں صرف تم ہو، میں ہوں۔ میں تمہیں اپنی زندگی کے چھ دن پورے کے پورے دے رہا ہوں۔ ان چھ دنوں میں میں تمہارے علاوہ کسی کو نہیں سوچوں گا، کسی کو اپنے قریب دیکھنا نہیں چاہوں گا۔ تم بتاؤ کیا تم مجھے اپنی زندگی کے یہ چھ دن پورے کے پورے دے رہی ہو؟ دیکھو سوچ سمجھ کر وعدہ کرنا۔ وعدہ کر لینے کے بعد اگر ان چھ دنوں میں تم مجھے ایک بار بھی روتی ہوئی نظر آئیں، آج کی صبح کی طرح منہ لٹکا کر اداسی سے بیٹھی نظر آئیں تو میں تم سے سخت ناراض ہو جاؤں گا۔ منظور ہے؟"

وہ چھ دن بعد جا رہا تھا، اس کا دل یکبارگی بہت زور سے دھڑکا تھا، وہ خوف سے کانپ سی گئی تھی۔

"میں تمہاری ہاں یا ناں کا انتظار کر رہا ہوں ہنی عالیہ! کیونکہ ان چھ دنوں کا آغاز آج کی صبح کے ساتھ ہو چکا ہے۔"

وہ اسے چھ دن بعد کیا ہو گا، سوچنے کا موقع نہیں دے رہا تھا، وہ تو فی الحال آج کی اور ابھی کی بات کر رہا تھا۔

"ہاں، ہاں، ہاں۔" اس کے سینے پر سر رکھ کر اس نے ہاں کی گردان کی۔

"صرف چھ دن کیا نہیں، میں نے تمہیں اپنی پوری کی پوری زندگی دے دی ہے۔ اپنی زندگی کی ہر صبح، ہر شام اور ہر رات دے دی ہے۔"

"چلو ہنی! نیویارک سے باہر کہیں چلتے ہیں۔" وہ اسے اپنے مضبوط بازوؤں کے حصار میں لے کر بولا۔

"کہاں؟" اس کے سینے پر سر رکھے رکھے ہی اس نے پوچھا۔

"کسی خاموش اور پُرسکون سی جگہ پر۔ جہاں فطری حسن ہو، ساحل ہو۔ میں ہوں، تم ہو اور ہمیں جاننے والا کوئی بھی شخص وہاں نہ ہو۔"

اس نے عباد کی بات مان لی تھی۔ واقعی حقیقت تو آج کا دن اور یہ لمحات ہیں جن میں وہ جی رہے ہیں۔ کل تو ان دیکھا ہے، ابھی بہت دور اور ان سے چھپا ہے۔

ناشتے کے فوراً بعد وہ دونوں اٹھ گئے تھے۔ گھر سے اپنے کپڑے اور ضرورت کا کچھ سامان ساتھ لے کر عباد اسے اس کے اپارٹمنٹ لے آیا تھا تاکہ وہ وہاں سے اپنے کپڑے لے سکے۔ سوائے ڈاکٹر اینڈریو کے کسی کو بھی بتائے بغیر کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور کب واپس آئیں گے وہ دونوں ایئرپورٹ آ گئے تھے۔

وہ carmel کے خوبصورت ساحلی شہر جا رہے تھے۔ عباد وقت ضائع کیے بغیر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ فوری طور پر انہیں ایک بجے ایئرلائن کی سان فرانسسکو جانے والی فلائٹ میں سیٹیں مل رہی تھیں۔ عباد نے دو ٹکٹیں خرید لیے تھے۔ تقریباً چھ گھنٹے کی فلائٹ کے بعد وہ san francisco پہنچ گئے تھے۔ گھومنے پھرنے کے لیے یہاں پر بھی بہت کچھ تھا مگر چونکہ یہ ان کی منزل نہیں تھی، اس لیے وہاں سے ایک کار رینٹ کر کے اب وہ بائی روڈ carmel جا رہے تھے۔ san francisco سے بائی روڈ carmel جانے کا اپنا ہی حسن تھا۔ راستہ خوب صورت سرسبز و شاداب اور آب و ہوا شاندار۔ جہاز کے سفر سے زیادہ ان دونوں کے لیے یہ سفر خوب صورت اور بھرپور تھا۔ عباد گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا، وہ دونوں میوزک سن رہے تھے، ساتھ بے تحاشا باتیں کرتے، چپس کے پیکٹس اور کوک کے کین خالی کیے جا رہے تھے۔ زندگی کی ہر الجھن، ہر اندیشہ، ہر پریشانی اور ہر خوف وہ نیویارک میں بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔

جگنو ... آنچل
بیت ... ل
کل جو ... کل

عباد نے راستے میں نجانے کتنی بار ... گانا لگایا تھا۔ ... ڈرائیو کے بعد وہ carmel پہنچ گئے تھے۔ san Francisco سے دو گھنٹے کی ڈرائیو پر carmel کیلی فورنیا کے مضافاتی علاقے میں ایک چھوٹا سا بے پناہ خوب صورت ساحلی شہر تھا۔ بڑے شہروں کے ہنگاموں اور شور شرابے سے دور بقول عباد کے ہنی جیسی رومینٹک لڑکی کو لے جانے کے لیے پرفیکٹ جگہ تھی۔ carmel اپنے خوب صورت ساحلوں، اپنی ہسٹری اور اپنے آرکیٹیکچر کی وجہ سے ہمیشہ سے ان سیاحوں کی فیورٹ destination رہا تھا جو سکون اور خاموشی پسند کرتے تھے، اپنے گرد خوب صورت ساحل، صدیوں پرانی تاریخ کے واضح آثار وہاں کے آرکیٹیکچر کی صورت دیکھنا چاہتے تھے۔ یہ جگہ artists کے لیے، رائٹرز کے لیے، میوزیشنز کے لیے بہترین رومینٹک جگہ تھی۔ سو سال سے بھی قبل ابتدائی طور پر ساحل کے ساتھ جو کالونی آباد ہوئی وہ کہلاتی ہی artists colony تھی۔

یہاں آرٹ گیلریز بے شمار تھیں اور بہت خوب صورت تھیں، اور یہاں پروفیشنل اور شوقیہ دونوں طرح کے مصور جا بجا مصوری کرتے دیکھے جا سکتے تھے۔ آرٹ، آرٹسٹ اور آرکیٹیکچر سب کچھ بے مثال تھا مگر carmel کی سب سے بڑی خوب صورتی بلاشبہ اس کے وائٹ (white) sand (Beaches) تھے۔ حدِ نگاہ تک پھیلا سمندر، کاویل اور خوب صورت ساحل جن کی ریت سفید اور بہت نرم و ملائم تھی، دور سے شیشے کی طرح چمکتی ہوئی لگتی تھی۔ یہاں کی ایک اور خوب صورتی ساحل سے کچھ فاصلے پر درختوں کے پیچھے چھپے اونچائی پر بنے cottages تھے۔ جو کئی کئی سو سال قدیم اور بے حد خوب صورت آرکیٹیکچر رکھتے تھے۔ ان میں کچھ cottages ان لوگوں کی ذاتی ملکیت تھے جو شہر کے ہنگاموں سے گھبرا کر یہاں آنا پسند کیا کرتے تھے اور کچھ ان مقامی افراد کی، جو ان کاٹیج کو ٹورسٹ کو کرائے پر دیا کرتے تھے۔

ان کاٹیجز میں ایک کاٹیج ڈاکٹر اینڈریو کا اپنا تھا۔ نیویارک کے ہنگاموں سے دور یہاں وہ پرسکون ماحول کی تلاش میں چھٹیاں گزارنے آیا کرتے تھے۔

سال کے ان دو، تین چکروں کے علاوہ ان کا وہ کاٹیج خالی ہی رہا کرتا تھا۔ ہفتے میں ایک بار ایک مقامی عورت جسے انہوں نے وہاں کی چابی دے رکھی تھی اس کی صفائی کر جاتی تھی۔ عباد ایک بار پروجیکٹ کے سلسلے میں ان کے ساتھ لاس اینجلس آیا تھا اور وہاں اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ اسے اپنے ساتھ carmel لے آئے تھے۔ اور تب اسے فطری حسن میں گھرے، خوبصورت ترین اس چھوٹے سے فرنچ اسٹائل کاٹیج نے اپنا اسیر بنا لیا تھا۔ اونچے اونچے گھنے

meemurdu.com

درختوں کے جھنڈ میں چھپا وہ کاٹیج دوسرے کاٹیج کی طرح ہی سمندر اور ساحل سے بالکل نظر نہیں آتا تھا۔ مگر اونچائی پر ہونے کے سبب کاٹیج کے ہر حصے سے سمندر اور ساحل واضح نظر آتے تھے۔ اس گھر کی تعمیر میں لکڑی کا استعمال زیادہ تھا۔ وہ قدیم فرنچ آرکیٹیکچر کا حسین شاہکار تھا۔ ایسے جیسے کسی اسٹوری بک میں موجود کسی فیری ٹیل ـــــــ میں ذکر ہوا کاٹیج۔

نیچے ایک کمرہ اور کچن تھا۔ کمرے میں آتش دان اور فرنیچر سب قدیم طرز کا تھا اس کمرے کو لیونگ روم کہہ لیں یا ڈرائنگ روم اور اسی کمرے سے اوپر جاتی لکڑی کی گول سیڑھیاں تھیں جو اوپر موجود واحد کمرے پر جا کر ختم ہوتی تھیں۔ اوپر بس وہی ایک کمرہ تھا اور وہی بیڈروم تھا۔

سب سے اچھی بات یہ تھی کہ وہ تمام چھوٹے بڑے cottages ایک دوسرے سے ہٹ کر فاصلے پر تھے۔ carmel کے ہوٹلز بھی کم خوب صورت نہ تھے مگر عباد کسی ہوٹل میں چاہے وہ کتنا ہی Luxurious کیوں نہ ہو' ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا۔ ہوٹل میں اس کی وہ خواہش کہ صرف ہم دونوں ہوں اور کوئی بھی نہیں۔ پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ ینہہ کے ساتھ جس طرح بالکل تنہا یہ چند دن گزارنا چاہتا تھا اس کے لیے یہ cottage آئیڈیل تھی' بے انتہا رومینٹک بھی' یہاں خاموشی اور سکون تھا۔ مکمل پرائیویسی تھی۔ عباد نے carmel آنے کا فیصلہ کیا ہی صرف ڈاکٹر اینڈریو کے اس cottage کی وجہ سے تھا ورنہ جانے کو تو وہ دونوں کہیں اور بھی جا سکتے تھے۔ carmel آنے کا طے کرتے کے ساتھ ہی عباد نے ڈاکٹر اینڈریو کو فون کیا تھا۔ ڈاکٹر اینڈریو نے عباد کو اس کی شادی کی مبارک باد دیتے' بخوشی اسے اپنے کاٹیج کی چابیاں دے دی تھیں کہ وہ جب تک چاہے اس cottage میں قیام کرے۔ وہ راستے بھر ینہہ کو اس cottage کی خوبصورتی کے بارے میں بتاتا رہا تھا۔

"ممکن ہے وہ کاٹیج تمہیں کسی فائیو اسٹار ہوٹل جیسا گلیمرس نہ لگے مگر مجھے وہاں کا سکون اور خاموشی بہت اپیل کرتی ہے۔ ہوٹلز کی بھیڑ بھاڑ' شور شرابا اس میں بھلا کوئی سکون ہے' مزا ہے؟" وہ اب ایک سڑک پر پہنچ گئے تھے جس کے دونوں اطراف قطار در قطار اونچے اونچے درختوں کے جھنڈ اور ایک دوسرے سے تھوڑے فاصلے پر ایک ہی طرح کے ۔۔۔ آرکیٹیکچر والے کاٹیجز موجود تھے۔ دروازہ مضبوط لکڑی ہی کا تھا اور اپنے انتہائی قدیم ہونے کی داستان سنا رہا تھا۔ گاڑی اس cottage کے پیچھے بنے پورچ نما حصے میں کھڑی کر کے وہ دونوں اندر آگئے تھے۔

سمندر کا شور سنائی تو دے رہا تھا پر سمندر کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ اندر آ کر اس ڈرائنگ روم نما چھوٹے سے کمرے کی کھڑکی پہ آ کر کھڑی ہوئی تو پردہ ہٹانے کے ساتھ ہی اس کی خوشی سے بھری چیخ نکلی۔

"مائی گاڈ عبادی! اس سے خوب صورت منظر میں نے اپنی ساری زندگی نہیں دیکھا۔"

پردہ ہٹاتے ہی اسے درختوں کے پیچھے بے کنار وسیع سمندر نظر آیا تھا۔ اس کا نیلگوں پانی دور شام کے دھندلکوں میں ڈوب رہا تھا حسین تر لگ رہا تھا۔ تمام cottages جو اونچائی پر بنائے گئے تھے۔ ان کے پیچھے باہر نکلتے ہی ڈھلوانی راستے پر پتھروں کو تراش کر سیڑھیاں سی بنائی گئی تھیں۔ ان سیڑھیوں سے اتر کر اونچے نیچے سرسبز راستے پر پندرہ منٹ چلتے تو ساحل پہ پہنچ جاتے۔ وہ مبہوت کھڑی کھڑکی سے اس پار سمندر کو دیکھ رہی تھی۔ عباد مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"خوب صورت ہے نا یہ جگہ؟"

"بہت زیادہ' جتنی تم تعریف کر رہے تھے اس سے بھی زیادہ۔"

"چلو ساحل پہ چلتے ہیں۔"

"اس وقت؟" اس نے گردن موڑ کر اپنے پیچھے کھڑے عباد کو دیکھا۔ وہ اس کے شانوں کے گرد بازو پھیلائے کھڑا تھا۔

"رات ہو رہی ہے۔" چھ گھنٹے سے اوپر کی فلائٹ اور تقریباً دو گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد انہیں یہاں پہنچتے رات ہو چکی تھی۔ کیلی فورنیا کا مقامی وقت نیویارک سے تین گھنٹے پیچھے ہے چنانچہ اس وقت جب نیویارک میں رات کے گیارہ بجے ہوں گے تب یہاں آٹھ بج رہے تھے۔

"رات کے وقت ساحل پر جانا منع نہیں ہوتا۔ کچھ دیر واک کریں گے' پھر کہیں پر ڈنر کر کے واپس آئیں گے۔"

اس کھڑکی سے کچھ ہٹ کر جو دروازہ تھا وہ دونوں اس دروازے سے باہر نکل آئے تھے۔ یہ cottage کا پچھلا دروازہ تھا جو باہر اس ڈھلوانی راستے کی طرف کھلتا تھا۔ وہ دونوں پتھروں کی خوب صورت تراش خراش کر کے بنائی گئی سیڑھیوں سے اتر کر نیچے آ گئے تھے۔ اونچے نیچے ناہموار گھاس بھرے راستے سے ہوتے وہ ساحل کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ساحل تک پہنچ کر انہوں نے اپنے جوتے اور سینڈل اتار کر ایک طرف رکھ دیے تھے اور ننگے پاؤں ساحل کی نرم' چکنی اور گیلی مٹی کا مزا لینے لگے تھے۔ یہاں نیویارک جیسی سردی نہیں تھی۔ ایک ہلکے سوئٹر سے کام چلایا جا سکتا تھا۔ عباد نے اس کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ساحل پر چہل قدمی کرنا چاہتا تھا۔ دور سے سمندر جتنا حسین لگ رہا تھا۔ قریب سے اس سے بھی زیادہ خوب صورت لگ رہا تھا۔ رات کا دھندلکا' سمندر کا تلاطم' آتی جاتی لہروں کا شور' ساحل کی ٹھنڈی ہوائیں۔ یہ ٹورسٹ ایریا تھا مگر اس وقت چونکہ اندھیرا پھیل چکا تھا اس لیے ساحل پر ان کے علاوہ چند ہی افراد نظر آ رہے تھے۔ اسی وجہ سے وہاں خاموشی اور سکون بہت زیادہ تھا۔

"سردی تو نہیں لگ رہی؟" کچھ دیر چلنے کے بعد عباد نے اس سے پوچھا تھا۔ اس کا اشارہ اس کے پیروں کی طرف تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

ایسے ساحل کی نرم نرم گیلی ریت پہ چلنا اس پل بے انتہا اچھا لگ رہا تھا۔ وہ دونوں بہت دیر تک ساحل پر اسی طرح چہل قدمی کرتے رہے تھے۔ وہاں سے عباد اسے ڈنر کرانے ایک ریسٹورنٹ لے آیا تھا۔ ساحل سے ہٹ کے وہ سڑکوں پر آئے تو وہاں خوب رونق اور گہما گہمی تھی۔ ریسٹورنٹس' ہوٹلز اور آس پاس کی جگمگاتی دکانوں پر ٹورسٹس اور مقامی افراد کافی تعداد میں نظر آ رہے تھے۔ وہ بڑا خوب صورت سا ریسٹورنٹ تھا جہاں عباد اسے کینڈل لائٹ ڈنر کرانے لایا تھا۔ ان کا آرڈر کردہ کھانا انہیں سرو کر دیا گیا تب عباد نے اپنے سامنے رکھی خالی پلیٹ دور ہٹا کر اس کی پلیٹ میں اس کے ساتھ کھانا کھانا شروع کر دیا تھا۔ وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کے بجائے اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت تحفہ
خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا
تیسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے
مضبوط جلد
خوبصورت سرورق
آفسٹ چھپائی
قیمت -/750 روپے
ڈاک خرچ -/50 روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی

دوسری میزوں پر بیٹھے افراد بغور عباد کو اور اسے دیکھنے لگے تھے۔ کچھ دلچسپی سے دیکھ رہے تھے، کچھ مسکرا کر۔ عباد سب کی نگاہوں سے بے نیاز سکون اور اطمینان سے کھانا کھانے میں مصروف تھا، وہ کٹلری کا استعمال کم اور اپنے ہاتھوں کا استعمال زیادہ کر رہا تھا، اس نے بیک ہوئے آلو کا ایک قتلہ اس کی طرف بڑھایا تھا، وہ پہلے ہی شرمندہ ہو رہی تھی اس حرکت پر مزید شرمندہ ہوئی۔

"عالی! سب لوگ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔"

"ہاں دیکھ رہے ہوں گے کہ ایک نیولی میرڈ کپل ہے جو ہنی مون پہ آیا ہوا ہے اور جس میں بڑی محبت ہے۔"

اس نے تو اس کے ہاتھ سے وہ بیک کیا ہوا آلو کھانے کے لیے منہ کھولا نہیں تھا لہٰذا اس نے آلو کا وہ ٹکڑا اپنے منہ میں ڈال لیا تھا۔

"ہنی مون؟" اس نے اچنبھے سے عباد کو دیکھا۔

"اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟ شادی کے فوراً بعد میاں بیوی ساتھ کہیں گھومنے پھرنے جاتے ہیں اسی کو ہنی مون کہا جاتا ہے۔ ہنی مون کے سر پر کوئی خاص قسم کے سینگ نہیں اگے ہوتے۔"

"واہ واہ! بڑے سستے میں جان چھڑا رہے ہیں آپ عباد عذیر! نیویارک سے carmel تک آ گئے اور ہنی مون ہو گیا؟" اس نے لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ ہلائے

"پھر آپ ہنی مون کیسے تسلیم کریں گی؟" وہ اس کی طرف دیکھ کر متبسم لہجے میں بولا۔

"جب تم مجھے وینس لے کر جاؤ گے۔ پانیوں میں گھرا خوابوں جیسا شہر، وہاں کی gondola rade اف کس قدر رومانٹک ہے venice جانے کا خیال ہی۔"

"چلو تو ہم دوسرا ہنی مون venice میں منالیں گے۔ جب تم پاکستان آجاؤ گی، مما پاپا سے مل لو گی اور پاپا ہماری شادی کی خوشی میں ایک شاندار سا ولیمہ بھی کر چکے ہوں گے اس کے بعد [illegible] اور [illegible] ہنی مون کے لیے ہم اٹلی چلے جائیں گے۔"

وہ اتنے آرام اور اطمینان سے بولا جیسے یہ سب بس چٹکی بجاتے ہو جاتا تھا۔ یہ کب، کیسے اور کس طرح ہو پائے گا، اس نے عباد سے کوئی سوال نہیں پوچھا۔ اس سے وعدہ کر کے آئی تھی کہ یہاں ان چند دنوں کے دوران وہ دونوں کوئی فکر اور پریشانی میں مبتلا کرتی باتیں نہیں کریں گے۔

وہ عباد کی بات کے جواب میں یوں مسکرائی تھی جیسے اسے یقین تھا کہ یہ سب کچھ بہت جلدی اسی طرح ہو بھی جائے گا جیسا وہ کہہ رہا تھا۔

کھانے کے بعد سڑکوں پر رونق اور جگمگاہٹیں دیکھتے وہ دونوں پیدل چلتے ڈاکٹر اینڈریو کے پرسکون سے cottage میں واپس آ گئے تھے۔ [illegible] سیدھے اس بیڈروم میں آ گئے تھے اور آنے کے ساتھ اپنا سارا سامان یونہی چھوڑ کر وہ دونوں ساحل پر چلے گئے تھے۔ سوٹ کیسز میں سے نکال کر کپڑے الماری میں رکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ عباد اب بیگز میں سے کپڑے نکال کر الماری میں رکھ رہا تھا وہ اپنے اور اس دونوں کے کپڑے الماری میں رکھ رہا تھا۔ وہ اس کی مدد کرانے کے لیے اس کے پاس آئی تو اس نے اسے فوراً منع کر دیا۔

"رہنے دو، تم تھک گئی ہو، میں رکھ دوں گا۔"

[illegible] کھانا کھانے [illegible] رہا تھا کہ ساحل پر واک شاید کچھ زیادہ ہو گئی ہے لہٰذا اسی حوالے سے وہ اس کے تھک جانے کا ذکر کر رہا تھا۔ یہ ٹھیک تھا کہ انہوں نے ساحل پر کئی گھنٹے واک کی تھی مگر وہ ایسی نازک اندام بھی نہ تھی۔ وہ ہنستے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی جو اپنے ساتھ ساتھ اس کے کپڑے بھی الماری میں رکھ رہا تھا۔

"تم بلاوجہ میرے نخرے اٹھا اٹھا کر مجھے کیا بنانا چاہتے ہو عباد عذیر؟"

"جو تم چاہو بن جاؤ اور اب یہاں کھڑے ہو کر باتیں کرنے کے بجائے کپڑے بدل لو لیٹ جاؤ۔"

سوٹ کیس اٹھا کر وہ الماری کے پاس ہی تو کھڑی تھی سو اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے فوراً ہی الماری میں سے ابھی ابھی رکھے گئے کپڑوں میں سے عباد کی ایک ٹی شرٹ اور ایک ٹراؤزر اس نے کھینچ کر نکال لیا۔ گھر سے اپنے کپڑے لیتے وقت اس نے جینز، کرتے، ٹراؤزر شرٹس، سوئٹرز وغیرہ سب کچھ رکھا تھا مگر اپنا کوئی سلیپنگ ڈریس، کوئی نائٹی کچھ نہیں رکھی تھی۔ کل رات عباد کے کپڑے پہن کر سونا اسے اتنا اچھا اتنا پیارا لگا تھا کہ تب ہی دل میں طے کر لیا تھا سوتے وقت تو وہ اسی کے ڈھیلے ڈھالے، اپنے سے ڈبل سائز والے کپڑے ہی پہن کر گئی۔

عباد نے اپنے کپڑے نکالنے پر اسے مسکرا کر دیکھا ضرور مگر کہا کچھ نہیں۔ وہ ساحل پر گھنٹوں کی واک کی تھکن اتارنے نہانے کے لیے گھس گئی تھی۔ کل رات اس کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر کو پہننا مشکل تھی جبکہ آج مسکراتے ہوئے، دل میں بہت ساری خوشی محسوس کرتے ہوئے اس نے وہ کپڑے پہنے تھے۔ اس کے کپڑے پہن کر سونا اسے بہت اچھوتی، بہت سچی سی خوشی دیتا تھا، جیسے خود کو اس کے اور بھی زیادہ نزدیک محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ باہر آئی تو وہ اپنے اور اس کے کپڑے الماری میں رکھ کر فارغ ہو چکا تھا اور اب لیٹنے کی تیاری کر رہا تھا۔

"کھڑکی ابھی مت بند کرنا عالی! کچھ دیر میں کر [illegible]"

اس نے سمندر کے رخ پر کھلنے والی کھڑکی کو پھر کھول دیا کچھ پل وہیں کھڑے ہو کر اس نے اپنے قریب سمندر کو دیکھنا اور محسوس کرنا چاہا۔ اس وقت اردگرد گہری خاموشی اور تاریکی تھی۔ اس گہری خاموشی اور سکوت کو توڑتا سمندر کا شور اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ بیڈ پر اوندھا لیٹا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ واپس پلٹی تو وہ اپنا چہرہ ہاتھوں پر ٹکائے شعر گنگنا رہا تھا۔

اب یاد میں تیرا ساتھ نہیں، کب ہاتھ میں تیرا ہاتھ نہیں
صد شکر کہ اپنی راتوں میں اب ہجر کی کوئی رات نہیں

وہ بے چاری جس کا اردو شعر و ادب سے دور دور کا بھی واسطہ نہ تھا اور اردو اشعار جس کے سر کے کئی فٹ اوپر سے گزر جایا کرتے تھے، اس شعر کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نہیں آیا ناں سمجھ میں؟" وہ اس کی شکل دیکھ کر ہنسا تھا۔

"کچھ کچھ سمجھ میں آیا ہے۔ ہجر کس کو کہتے ہیں؟"

وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"ہائے ہائے فیض صاحب! آپ کے اشعار کی یہ بے قدری۔ شکر ہے تمہاری شادی کسی ادبی ذوق رکھنے والے بندے سے نہیں ہوئی۔ وہ بے چارہ تمہارے حسن کی شان میں یا تم سے محبت کے اظہار میں خوب لمبی لمبی غزلیں سناتا اور تم آخر میں اسی طرح معصومیت سے کسی لفظ کا مطلب پوچھ کر اس کے سارے رومینٹک موڈ پر اوس گرا دیا کرتیں۔ سچ ہے، بندہ کسی جاہل سے شادی نہ کرے۔"

خود کو جاہل کہلائے جانے پر اس نے بیڈ پر رکھے دو، تین کشن اور تکیے اس کے اوپر پھینکے تھے جنہیں بصد اطمینان اس نے کیچ کر لیا تھا۔

"ارے ارے میں انجینئر منیہ عباد کو جاہل کہنے کی گستاخی کیسے کر سکتا ہوں۔ اچھا ادھر تو آؤ، میں تمہیں ہجر کے معنی بتاتا ہوں۔"

وہ مصنوعی ناراضی سے منہ پھلائے اس کے پاس آ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

صبح سویرے وہ اس کے پاس سے اٹھ کر گیا اسے پتا چل گیا تھا۔ کافی دیر بعد وہ واپس آیا۔ اور اس کے سرہانے اس نے پھول لا کر رکھے اسے تب بھی پتا چل گیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"گڈ مارننگ۔" وہ پھول رکھنے کے لیے اس کی طرف جھک کر کھڑا تھا۔ منیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اسے جاگتا دیکھ کر اس کا منہ بن گیا تھا۔

"ایک تو تم اس طرح اٹھ کر سارا مزا ختم کر دیتی ہو۔ میرا دل چاہتا ہے تم سو کر اٹھو اور پھر ان پھولوں کو دیکھو

meemurdu.com

"مگر کتنی بھی خاموشی سے آؤں تمہیں پتا چل جاتا ہے۔ کل بھی تم اٹھ گئی تھیں ناں؟"
"ہاں۔" وہ مسکرائی تھی۔
"تمہاری نیند بہت چوکس ہے یا صرف میرے آنے ہی کا اس طرح پتا چل جاتا ہے۔"
"صرف تمہارے آنے کا پتا چلتا ہے' تم سے محبت بہت زیادہ ہے ناں۔" اس نے جواب تو شرارتی لہجے میں دیا تھا مگر تھا تو یہ سچ ہی ناں۔ وہ کتنی بھی گہری نیند سو رہی ہوتی وہ اس کے پاس سے اٹھتا یا اس کے پاس آتا اسے فوراً پتا چل جاتا تھا۔ اس کی اپنے قریب موجودگی کا تعلق شاید اس کے دل کے کسی ایسے خاص گوشے سے تھا جو بڑا حساس اور برق رفتار تھا' وہ اسے عباد کی اپنے قریب موجودگی کی فوراً "خبر دے دیا کرتا تھا۔ اس نے اپنے قریب رکھے ان پھولوں کو دیکھا' پھر گھڑی کو جو پونے سات بجا رہی تھی اور پھر اس کو۔ پتا نہیں اتنی صبح صبح وہ یہ پھول کہاں سے خرید کر لایا تھا۔ آج سرخ گلاب نہیں تھے کچھ اور پھول تھے مگر تھے بہت خوب صورت۔ اس نے انہیں گلدستے کی شکل تو دلوائی تھی مگر انہیں کسی پلاسٹک میں نہیں بند ہوا تھا۔ وہ ان پھولوں کو ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگی تھی۔
"ادھر ہو' تھوڑی سی جگہ مجھے بھی دو۔" مسکرا کر پھولوں کو دیکھتے اس نے تھوڑا سا سرک کر اس کے لیے جگہ بنا دی تھی۔ وہ اسی کے تکیے پر سر رکھ کر اس کے پاس لیٹ گیا تھا۔
"تم پھول کیوں لاتے ہو عباد؟" پھولوں کو اپنے سینے پر رکھتے ہوئے اس نے اس کی طرف دیکھا۔
"اس لیے کہ میرے نصیب میں اللہ نے جو لڑکی لکھی ہے وہ ذرا رومینٹک ٹائپ کی ہے۔ اسے میں قیمتی سے قیمتی جیولری تحفے میں دوں وہ اس سے اس طرح خوش نہیں ہوگی جس طرح ان پھولوں سے ہوتی ہے۔"
وہ ہنس کر بولا۔ تو وہ ہنستے وقت نمایاں ہوتے اس کے ڈمپل کو دیکھنے لگی۔ اس نے بے ساختہ اس کے ڈمپل پر اپنی انگلی رکھی۔

"مجھے کیا لگتا رہا ہے عباد! میں جنت میں ہوں۔ ایسی جگہ جہاں کوئی غم نہ ہو' کوئی فکر نہ ہو۔ صرف خوشی ہی خوشی ہو وہ جگہ تو صرف جنت ہی ہوتی ہے ناں؟"
عباد نے اپنے ڈمپل پر رکھی اس کی انگلی پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے انگلی وہاں سے اٹھا لینے سے روکا تھا۔ منہ کی یہ بے ساختہ ادا اسے بہت پیاری لگی تھی۔ اپنے features میں اس نے اس ڈمپل کو کبھی پسند نہیں کیا تھا ڈمپل تو صرف لڑکیوں کے چہرے پر اچھا لگتا ہے مگر وہ جب بھی اس کے ڈمپل کو اس طرح دیکھ رہی ہوتی اسے بے اختیار اپنے چہرے کے تمام نقوش میں سب سے پیارا وہ ڈمپل ہی لگنے لگتا تھا۔ اسے انگلی ہٹانے سے روکنے کے بعد اس نے اپنا ہاتھ واپس ہٹا لیا تھا۔
"تم چاہو تو اسے ایک مصنوعی اور دنیاوی جنت کہہ لو کیونکہ اصلی جنت تو اس سے بہت بڑھ کر ہوگی' وہاں یہاں سے بھی زیادہ خوشیاں ہوں گی۔ وہاں صبح تمہارے لیے پھول ڈھونڈنے مجھے سڑکوں کی خاک تو نہیں چھاننی پڑے گی بس اپنے عالیشان محل کے باغات میں نکلا اور وہاں سے جو پھول اچھے لگے دل کو تمہارے لیے لے آیا۔" اس نے سنجیدگی سے اسے فرق سمجھایا۔ اس کی آنکھیں بھرپور انداز میں مسکرا رہی تھیں۔
"یعنی آپ نے جنت کا کوئی خوب صورت تصور بنا رکھا ہے عباد عذیر۔ وہاں پر بھی میرے ہی لیے پھول لایا کریں گے؟ دنیا میں نیک اعمال کرو' سیدھے راستے پر چلتے زندگی گزارو اور اتنی مشقت کے بعد جنت میں ملے پھر وہی منہ' سجاد چہ چہ۔ زیادہ نہ سہی جنت میں اپنے لیے کم از کم انجلینا جولی' ماریا شراپوا یا ایشوریا رائے جیسی کسی حسینہ کا ساتھ مانگو۔ میں اتنی متقی بن کر زندگی گزاروں کہ جنت کی حقدار قرار پا سکوں تو بریڈپٹ' ڈیوڈ بیکہم۔ یا راجر فیڈرر جیسے کسی ہینڈسم بندے کی امید تو ضرور رکھوں گی۔ نیکیوں کا صلہ بندے کو کچھ ایسا تو ملے جو دنیا میں ناقابل رسائی لگتا رہا ہو۔" وہ ہنستے ہوئے مزے سے بولی۔

"پھر میں آپ پر افسوس ہی کر سکتا ہوں منہ عباد! آپ کی محبت ابھی میری محبت جتنی شدید اور سچی نہیں ہوئی ہے کیونکہ مجھے تو اس دنیا میں بھی اور اس دنیا میں بھی' اس زندگی میں بھی اور اس زندگی میں بھی صرف منہ عباد چاہیے اور کوئی بھی نہیں۔"
بولتے بولتے وہ یکدم ہی بالکل سنجیدہ ہوگیا تھا۔
"مجھے ہر دنیا اور ہر زندگی میں صرف تمہارا ساتھ چاہیے۔ اگر واقعی میرا نامہ اعمال مجھے جنت میں لے جائے گا تو میں تو اس وقت تک وہاں قدم نہیں رکھوں گا جب تک تم وہاں نہیں ہوگی۔" شدت جذب سے بولتے اس نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔
"جنت خوشی کی جگہ ہے ناں' وہاں ہماری ہر خوشی ہر خواہش پوری ہوگی تو میں تو اللہ سے کہوں گا' یہ لڑکی جس کے اعمال چاہے جنت میں جانے والے نہیں ہیں مگر چونکہ میں اس کے بغیر خوش نہیں رہ سکتا اس لیے اسے میرے طفیل میرے لیے جنت میں جانے کی اجازت دے دیجئے۔"
اس نے سر اٹھا کر اسے گھور کر دیکھا۔ پل بھر کے لیے در آئی سنجیدگی اس کے لہجے سے رخصت ہو چکی تھی' وہ شرارت سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"عباد عذیر تم انتہائی برے آدمی ہو۔"
کچھ اور ہاتھ نہیں آسکا تھا تو اس نے وہ پھول ہی اس کے اوپر پھینکے تھے۔

☆ ☆ ☆

ناشتے کے بعد وہ دونوں پھر ساحل پر آگئے تھے۔ ناشتہ عباد نے بنایا تھا۔ تمام سہولیات کے ساتھ cottage میں کچن تو موجود تھا ہی' ناشتے کا سارا سامان عباد جا کر خرید لایا تھا اور پھر خود بنا کر اسے ناشتہ کرایا تھا۔ ہر چند کہ اس نے ناشتہ بنانا چاہا تھا کہ ہمیشہ وہی اسے پکا کر کھلاتا ہے' کبھی وہ بھی تو اسے کچھ بنا کر کھلائے مگر اس کے بہت کہنے پر بھی عباد نے اسے ناشتہ نہیں بنانے دیا تھا۔
"بہت زندگی پڑی ہے تم سے خدمت لینے کے

لیے بے فکر رہو' اتنا اچھا نہیں ہوں' یہ ہنی مون پیریڈ ختم ہو گا تو تم سے اپنی خوب خدمتیں کرواؤں گا۔ ابھی چند دن تم عیش کر لو۔"

"جب وہ وقت آئے گا تب تک تم میرے غیر ضروری ناز نخرے اٹھا اٹھا کر مجھے اتنا بگاڑ چکے ہو گے کہ پھر میں کسی کام کے قابل نہیں رہوں گی۔ خیر سے ابھی سے اتنی بری بری عادتیں پڑنا شروع ہو گئی ہیں۔ تھوڑے کچھ دنوں بعد میں تمہیں بیٹھے بیٹھے آرڈر نہ دینے لگوں۔ "عابی! میرے لیے ایک کپ کافی تو بنا لاؤ۔" وہ خوف سے جھرجھری لے کر کانپی۔

"ہائے اللہ عابی! اگر ایسا ہوا تو کیا ہو گا۔ مما تو پہلی ہی ملاقات میں مجھے فوراً "بدتمیز" قرار دے کر reject کر دیں گی۔ سب تمہارا قصور ہے تم مجھے اچھی بھلی نیک بچی کو بگاڑنے پر تلے ہوئے ہو۔"

وہ اس کے مستقبل کے منظر نامے پر ہنستا اس کے لیے ناشتہ بناتا رہا تھا۔

ناشتے کے بعد وہ دونوں بس اتنی دیر cottage میں رکے تھے جتنی دیر انہیں تیار ہونے میں لگی تھی۔ اب اس وقت وہ دونوں کل ہی کی طرح ہاتھ تھامے ساحل پر چہل قدمی کر رہے تھے۔ دن کی روشنی میں ساحل کی چکنی سفید ریت واقعی شیشے ہی کی مانند چمک رہی تھی۔ کل رات کے برخلاف اس وقت ساحل پر بہت گہما گہمی تھی۔ زیادہ تعداد ٹورسٹ کی ہی تھی جو ساحل اور سمندر پر اپنی من پسند سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ بچے کھیل رہے تھے' کچھ لوگ تیراکی کر رہے تھے' کچھ چھتری تان کر کرسی پر نیم دراز بیچ پر کوئی کتاب پڑھ رہے تھے' کچھ سن باتھ لیتے اپنی جلد کو براؤن کرنے پر کمربستہ تھے۔ ابھی سورج نکلا ہوا تھا' اس لیے سردی نہیں تھی' ہاں جیسے جیسے دن ڈھلتا ٹھنڈ ہو جاتی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے انتہائی مختصر سوئمنگ کاسٹیوم میں ملبوس حسین لڑکیوں سے نظریں ہٹائے اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ وہ اسے چھیڑے بغیر کیسے رہ سکتی تھی۔

"تم پچھتا رہے ہو گے اس وقت مجھے اپنے ساتھ یہاں لا کر۔ دل میں سوچ رکھے ہو گے کتنی ... تم یہاں اکیلے ہوتے۔"

"ہاں سوچ تو یہی رہا ہوں۔" اس نے ہنس کر اس کی تائید کی۔

"اگر کہو تو میں گھر چلی جاتی ہوں' تم کچھ دیر یہاں اکیلے انجوائے کر لو۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"نہیں' یہ زحمت مت کرو۔ جب بھی میں کسی ایسے انجوائے منٹ کے موڈ میں ہوا کروں گا تو تمہیں ساتھ لایا ہی نہیں کروں گا۔ تم بیویاں تو ویسے بھی بڑی معصوم ہوتی ہو' میٹنگ ہے' آفیشل کام ہے' ہزار جھوٹ ہیں جن کا فوراً یقین بھی کر لیا جاتا ہے۔"

"تم میرے ساتھ جھوٹ بولا کرو گے؟"

"ہمیشہ نہیں' کبھی کبھی مصلحتاً' ایسی ہی کسی ایکسٹرا انجوائے منٹ کے لیے۔" وہ ... سے بولا۔

"تم میرے علاوہ کسی اور کو دیکھ کر تو دکھاؤ۔"

وہ زور سے چلائی تھی۔ کچھ نوعمر نوجوان لڑکے تھے 16' 17 سال کے' جو وہاں فٹ بال کھیل رہے تھے۔ ان کی فٹ بال ان کے قریب آ کر گری تو حسب عادت وہ بجائے بال انہیں اچھال کر واپس کرنے کے بال کو پیروں سے کک مارتا ان کے ساتھ کھیلنے لگا۔ شروع میں ان لڑکوں نے اپنے کھیل میں زبردستی مداخلت کرتے اس شخص کو ناپسندیدگی سے دیکھا' مگر جب وہ ان سے بھی زیادہ ... اور بال ان میں سے کسی کو بھی اپنے پاس سے چھیننے ہی نہ دی تو خود بخود ہی مقابلے پر آمادہ ہوتے وہ سب لڑکے اس سے بال چھین لینے کی دھن میں اس کے ساتھ کھیلنے لگے تھے۔ وہ کافی دیر تک ان کے ساتھ کھیلتا رہا تھا۔ وہ کھیل ختم کر کے واپس منیہہ کے پاس آ رہا تھا جو ساحل پر ایک طرف بیٹھی اسے کھیلتا ہوا دیکھ رہی تھی' اور وہ سب لڑکے اس سے مزید کھیلنے کے لیے اصرار کر رہے تھے۔ کھیل ختم کرنے کے بعد اس کا ان سب سے باقاعدہ تعارف ہوا تھا' اور پھر کل یہیں ان کے ساتھ کھیلنے کا وعدہ کر کے وہ واپس اس کے پاس آ رہا تھا۔ کس طرح منتوں

... کی طرح ... جاتی تھی۔ اپنے چہرے پر سے پسینہ پونچھتا وہ اس کے پاس آ گیا تھا۔

"ڈیوڈ بیکہم جتنا اچھا نہیں ہوں مگر اتنا برا بھی نہیں ہوں۔" وہ اس کے صبح گنوائے گئے ناموں کا حوالہ دے رہا تھا۔

"اوہ تو یہ کوشش مجھے امپریس کرنے کے لیے کی جا رہی تھی؟" وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

"اب اس کے بعد کیا مجھے متاثر کرنے کے لیے ٹینس بھی کھیل کر دکھاؤ گے تاکہ آئندہ میں راجر فیڈرر کا نام نہ لوں؟"

"ٹینس میں اچھا نہیں ہوں ورنہ شاید کھیل کر دکھا ہی دیتا۔" وہ دوبارہ اس کے ساتھ چلنے لگا تھا۔

"ہائے عابی! یہ راجر فیڈرر واقعی کتنا ہینڈسم لگتا ہے نا' اتنی پیاری سی شکل ہے اس کی۔"

منیہہ! اس نے دانت پیستے ہوئے اسے گھورا تھا اور اس نے ہنستے ہوئے فوراً ہاتھ جوڑ کر "راجر فیڈرر' ڈیوڈ بیکہم' بریڈ پٹ ان سب سے زیادہ ہینڈسم تم ہو۔" کہا پھر زیرلب ... ٹکڑا جوڑا۔

"ان میں سے کسی کے ملنے کا امکان نہیں ہے اس لیے کیا کروں' تمہیں کو ہینڈسم قرار دینا پڑے گا۔" وہ باز نہیں آئی تھی ...

لنچ تک وہ دونوں ساحل پر رہے تھے۔ لنچ کے لیے اس نے عباد کو کوئی ہائی فائی قسم کے ریسٹورنٹ یا ہوٹل ... رہا تھا۔ جس طرح کی حرکتیں وہ کل ڈنر پر سرانجام دے رہا تھا اس کے بعد مناسب یہی تھا کہ وہ کسی عام سے ریسٹورنٹ یا فاسٹ فوڈ آؤٹ لیٹ پر کھانا کھا لیں۔ وہ بیچ پر بنے ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں آ گئے تھے۔ جہاں اندر بیٹھنے کے ساتھ باہر چھتریوں تلے بھی میزیں' کرسیاں موجود تھیں کہ جو کھلے آسمان تلے سمندر کی لہروں کا نظارہ کرتے کھانا کھانا چاہے تو شوق سے تناول فرما لے۔

وہ دونوں بھی باہر ہی چھتری تلے ایک میز پر بیٹھے تھے۔ حسب سابق عباد اس کی پلیٹ میں کھانا کھا رہا تھا' چھری' چمچ کانٹے سے زیادہ اپنے ہاتھ کا بے تکلفانہ استعمال کر رہا تھا' اپنے ہاتھوں سے نوالے اس کے منہ میں ڈال رہا تھا مگر کم از کم یہ اتنی فارمل جگہ نہ تھی اور یہاں ایسا کرنا آکورڈ نہیں لگ رہا تھا۔

کھانے کے بعد وہ دونوں carmel کی شاپس اور اسٹورز explore کرنے نکلے تھے۔ چونکہ یہ جگہ سارا سال ٹورسٹس سے بھری رہتی تھی چنانچہ یہاں کے اسٹورز' بوتیکس' دکانیں سب بڑی شاندار اور نفیس تھیں کہ سیاح اپنی ساری جیب خالی کر کے ہی carmel سے واپس لوٹیں۔ اس نے کیتھی اور مائیک کو تحفے میں دینے کے لیے چند souvenirs خریدے تھے۔ عباد نے اپنے مما' پاپا کے لیے کئی تحفے خریدے تھے۔ اس نے اپنے پاپا کے لیے ایک سوئٹر' شرٹ اور کچھ ٹائیاں خریدی تھیں اور اپنی مما جنہیں وہ کہتا تھا سجنے سنورنے کا بہت شوق ہے ان کے لیے جیولری' کاسمیٹکس۔ اس نے منیہہ کے اور اپنے لیے ایک جیسی دو ٹی شرٹس خریدی تھیں۔ آسمانی رنگ کی جن کے سامنے I'm crazy about u بہت نمایاں لکھا ہوا تھا۔ دونوں ٹی شرٹس بالکل ایک جیسی تھیں' فرق صرف ان کے sizes میں تھا۔ عباد نے اسے straws والا Beach پر پہننے والا ایک بڑا سا ہیٹ بھی خرید کر دیا تھا۔

انہیں شاپنگ کرتے کرتے شام ڈھلنے لگی تھی۔ شاپنگ کے بعد رات کھانے تک کا وقت انہوں نے وہاں کی ایک آرٹ گیلری میں گزارا تھا۔ پینٹنگز میں انہیں دلچسپی ہو نہ ہو مگر اس آرٹ گیلری کا شاندار آرکیٹیکچر ان دونوں سول انجینئرز کے لیے بے حد دلچسپی کا باعث تھا۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح کا آغاز بھی گزشتہ روز ہی کی طرح ہوا تھا۔ وہ ویسے ہی صبح سویرے اس کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا تھا' ویسے ہی پھول لے کر اس کے پاس آیا تھا اور ویسے ہی اس کے پھول رکھنے کے ساتھ ہی اسے آنکھیں

meem @ oneurdu.com

کھول کر دیکھنے لگی تھی۔

"لڑکی! کبھی تو ایسا ہو کہ میں پھول رکھوں اور تم سوتی رہو۔" وہ اس کے ساتھ اسی کے تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گیا تھا۔

"تم کب اٹھے تھے؟"

"کیوں آج میرے اٹھنے سے تمہاری آنکھ نہیں کھلی تھی؟" وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

"کھلی تھی پر میں نے گھڑی میں وقت نہیں دیکھا تھا۔" اس نے ان پھولوں کو اپنے سینے پر رکھ لیا تھا۔

"آنکھ کھل جاتی ہے تو اٹھ بھی جایا کرو۔ پتا ہے کل بھی اور آج بھی میں نے ساحل پر کھڑے ہو کر سورج طلوع ہونے کا منظر دیکھا ہے۔ اینڈ بلیو می ہنی! اس سے خوب صورت منظر میں نے آج تک اور کوئی نہیں دیکھا۔"

"طلوع ہوتا ہوا نہیں دیکھا تو چلو غروب ہوتا ہوا دیکھ لیں گے۔" وہ تکیے سے سر ہٹا کر اس کے بازو پر سر رکھ کر لیٹ گئی تھی۔

"نہیں غروب ہوتا ہوا نہیں۔ غروب ہوتا ہوا سورج مجھے اچھا نہیں لگتا۔ بلاوجہ ہی دل اداس سا ہو جاتا ہے اس وقت۔"

"اچھا تو ہم کل طلوع ہوتا ہوا سورج ساتھ دیکھ لیں گے۔" وہ ان پھولوں کی خوشبو سونگھتے ہوئے بولی۔

"عالی! تم اتنی صبح صبح یہ پھول کہاں سے لاتے ہو؟"

وہ اس کے سوال پر شرارتی سے انداز میں مسکرایا، جواباً بولا کچھ نہیں۔

"اتنی صبح صبح تو کوئی فلاور شاپ بھی نہیں کھلی ہوئی ہو گی۔" اس کی شرارتی مسکراہٹ کو دیکھتے وہ بول رہی تھی تب اچانک ہی اس کے لبوں سے چیخ نما انداز میں نکلا۔

"مائی گاڈ عالی! تم یہ پھول کہیں سے چرا کر لاتے ہو؟"

"اپنے معزز اور محترم شوہر کے متعلق اتنے برے گمان؟ خرید کر نہیں لاؤں گا تو کیا صرف چرا کر ہی لا سکتا ہوں؟ جن کے یہ پھول ہیں کیا ان کی اجازت سے توڑ کر نہیں لا سکتا؟"

اس کی حیرت کو انجوائے کرتا وہ اسے ہنستے ہوئے بتا رہا تھا کہ یہاں ان کے کاٹیج کے ساتھ ساتھ چلتے سب سے آخری کاٹیج ہے، وہاں ایک امریکی کپل رہتا ہے، جو سال کا بیشتر حصہ یہیں گزرتا ہے۔ کل عباد سویرے اس کے لیے پھولوں کی تلاش میں نکلا تو اس cottage کے اندر اور باہر ہوئی گارڈننگ نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ اتفاق کی بات کہ اسی وقت اس کی ملاقات اس کاٹیج کے مالک سے ہو گئی جو ساحل کی طرف جاگنگ کے لیے جا رہا تھا۔ آگے کی کہانی عباد کے بتانے سے قبل ہی اسے معلوم تھی۔ حسب عادت عباد کی فوراً ہی اس امریکن سے دوستی ہو گئی ہو گی اور عین ممکن ہے کہ اس امریکی بندے نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے کاٹیج میں لگے پھول [illegible] کر اور ان کا گلدستہ بنا کر عباد کو دیے ہوں۔

"میں نے اسے یہ بتایا کہ یہ پھول مجھے اپنی نئی نویلی دلہن کو دینے ہیں تو اس نے بخوشی مجھے یہ اجازت دی کہ میں روز صبح بلکہ جس وقت بھی میرا دل چاہے اس کے کاٹیج سے آ کر پھول توڑ سکتا ہوں۔"

"تمہاری اتنی جلدی سب سے اتنی اچھی دوستی کیسے ہو جاتی ہے عالی؟" اس نے ہنستے ہوئے لاپروائی سے شانے اچکائے تھے، جیسے وہ خود اس کی وجہ نہیں جانتا تھا۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ دونوں [illegible] پورا دن گھومنے پھرنے کے ارادے سے باہر نکلے تو ان دونوں نے وہ ایک سی ٹی شرٹس، بلیو کلر کی جینز کے ساتھ پہن رکھی تھیں۔ آج کل یہاں دن کے وقت موسم ایسا رہتا تھا کہ کبھی سوئٹر کی ضرورت ہوتی، کبھی بالکل نہ ہوتی لہٰذا انہوں نے سوئٹر پہنا نہیں تھا البتہ ساتھ ضرور لیا تھا۔ وہ اب عموماً جینز، ٹی شرٹس، پینٹ شرٹ یا لانگ اسکرٹس نہیں پہنتی تھی جب سے عباد نے اسے وہ سبز سوٹ تحفے میں دیا تھا اور اسے یہ بتایا تھا کہ وہ اسے پاکستانی لباس میں زیادہ اچھی لگتی ہے تب سے وہ اسی طرح کے ملبوسات زیادہ پہنا کرتی تھی۔

یا پینٹس پہنتی بھی تو کرتوں کے ساتھ۔ پاکستانی اور انڈین لڑکیوں میں مقبول عام کرتے ہوئے اونچے کرتے جن کے ساتھ وہ ہم رنگ اسکارف لے لیا کرتی تھی۔ مگر اب عباد نے وہ ٹی شرٹس خریدی تھیں اور وہ چاہتا تھا کہ وہ دونوں اسے ایک ساتھ پہن کر باہر جائیں تو اس نے کرتے کی جگہ وہ ٹی شرٹ پہن لی تھی، ہاں گلے میں ریڈ اور بلیو پھولوں والا پرنٹڈ اسکارف ڈالنا نہیں بھولی تھی۔

اس نے اپنے بال عباد کی خواہش پر کھلے رکھے ہوئے تھے اور سر پر straw ہیٹ پہن لیا تھا۔ وہ منگل کے روز یہاں آئے تھے، آج جمعرات تھی۔

عباد کے ساتھ ساحل پر چہل قدمی کرتے وہ بلاوجہ دنوں کو گننے لگی۔ جمعہ، ہفتہ، اتوار، سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ مگر چونکہ ہلکی ہلکی ٹھنڈ تو اس وقت بھی تھی اس لیے دھوپ بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ ساحل پر آج بھی سیاحوں کا رش تھا۔ وہ غول کی صورت اڑتے آبی پرندوں ——— کو دیکھ رہی تھی۔

ہفتہ، اتوار تین دن۔ عباد اس کا ہاتھ تھامے اسے بتا رہا تھا کہ آس پاس موجود لوگ ان کے ایک سے لباس کو پسند کر رہے ہیں، انہیں شاندار کپل قرار دیتے دل ہی دل میں admire کر رہے ہیں، ان کی [illegible] پر لکھا I'm crazy about [illegible] بھی ان کی توجہ کھینچ رہا ہے۔ وہ اس کی باتیں بے دھیانی سے سنتی دنوں کے بعد گھنٹوں کو گننے لگی تھی۔ عباد چلتے چلتے رک گیا، اس نے بغور اسے دیکھا۔

"تم میری بات نہیں سن رہیں، کہیں اور پہنچی ہوئی ہو اس وقت۔"

"نہیں عالی! میں سن رہی ہوں۔"

"اچھا بتاؤ میں کیا کہہ رہا تھا؟" وہ گھنٹوں اور دنوں کی گنتی بھلا کر مسکرائی۔

"8th گریڈ میں میرے maths کے ٹیچر کو اگر یہ شک ہوتا کہ ہم ان کی بات توجہ سے نہیں سن رہے تو بالکل اسی طرح بولا کرتے تھے۔"

"بات مت بدلو۔ بتاؤ مجھے میں کیا کہہ رہا تھا۔ پتا تو چلے تم میری بات کتنی توجہ سے سن رہی تھیں۔" وہ ناراضی سے اسے گھورنے لگا۔

"تم مجھ سے یہ کہہ رہے تھے کہ تم مجھ سے بہت محبت کرتے ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"خیر! کہہ تو میں اس وقت کچھ اور رہا تھا مگر بہرحال یہ بات بھی سچ ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔

"تمہیں پتا ہے منہا عباد میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں؟"

"کتنی؟"

"تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں اتنی۔ کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے میں چیخ چیخ کر ساری دنیا کے سامنے کہوں کہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔"

"تو کہو نا، تمہیں روکا کس نے ہے۔"

وہ دونوں ایک جگہ کھڑے تھے۔ کنارے پر آئی لہریں ان کے قدموں سے ٹکرا کر لوٹ رہی تھیں۔

"تمہیں لگ رہا ہے میں نہیں کہہ سکتا؟" وہ اس کے مذاق اڑاتے انداز پر قدرے خفگی سے بولا۔ وہ اس کے برابر سے ہٹ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا، اس سے ایک قدم کے فاصلے پر اور پھر قبل اس کے کہ وہ اس کا ارادہ جان پاتی وہ اپنی پوری قوت سے، بہت زور سے چلایا۔

"ہنی!" ساحل پر موجود لوگوں کے ہجوم نے اس پکار کو سنا تھا، کئی لوگوں نے گھوم کر ان دونوں کو دیکھا تھا جبکہ کئی ابھی گردنیں اِدھر اُدھر گھما کر اس پکار کا مرکز تلاش کر رہے تھے۔

"I love you" اس کے لفظوں کی بازگشت ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ اس نے پھر انہیں چار لفظوں کو اسی طرح چلا کر دہرایا۔

"Honey! I love you"

مانا کہ وہ امریکہ میں تھے، وہاں اس Beach پر اس وقت جیسے جیسے نظارے دیکھنے کو مل رہے تھے ان کے آگے عباد کی یہ حرکت تو انتہائی بے ضرر اور معصومانہ سی تھی پھر بھی وہ بری طرح جھینپ گئی تھی، اس کا چہرہ

meem
Oneurdu.com

حقیقتاً سرخ ہو رہا تھا۔

"عالی! بس کرو۔" شرم سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ اس نے اسے مزید تکرار سے روکا۔

وہ اپنے گرد و پیش تمام لوگوں کی توجہ خود پر اور عباد پر محسوس کر رہی تھی۔ ساحل پر ان کے آس پاس موجود تمام ہی افراد بغور انتہائی دلچسپی سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

ان کے پیچھے بیٹھی ایک فیملی جس میں ہر عمر کے مرد خواتین اور بچے شامل تھے' ان میں سے سب سے عمر رسیدہ خاتون کو غالباً "عباد کی جی داری اور بہادری نے بے تحاشا متاثر کیا تھا۔ انہوں نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر باقاعدہ تالیاں بجا کر عباد کو شاباش دی تھی' ان کی دیکھا دیکھی ان کی فیملی کے باقی افراد نے بھی تالیاں بجا کر عباد کو شاباشی کیا تھا۔

وہ اپنی تعریف پر خوشی سے پھولا نہ سما رہا تھا جبکہ وہ اسے وہاں سے کھینچ کر چلنے کے لیے گھسیٹ رہی تھی۔ بڑی مشکلوں سے وہ اسے وہاں سے لا پائی تھی۔ وہ اس کی خفت زدہ شکل دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

"فضول لگ رہے ہو اس طرح ہنستے ہوئے اپنی بچکانہ حرکت پر خوش ایسے ہو رہے ہو جیسے کوئی کارنامہ کیا ہے۔" وہ اس کے ہنسنے پر جھنجلا کر بولی۔

"کارنامہ تو ہے سویٹ ہارٹ! ہم لوگ ... دکھا دو اتنے سارے لوگوں کے بیچ یہ بات۔"

"مجھے کیا پڑی ہے ایسی احمقانہ حرکت کرنے کی۔"

وہ اس کی شکل دیکھتا ہنس رہا تھا۔

"تمہیں لگ رہا تھا میں نہیں بول سکوں گا ہے ناں؟"

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"جو بندہ کچھ عرصے پہلے تک publiclly میرا ہاتھ پکڑ لینے تک سے جھجکتا تھا' اس سے میں ایسی بولڈنیس کی امید رکھ بھی کیسے سکتی تھی۔"

وہ چاہتے ہوئے بھی عباد سے وجہ نہ پوچھ پائی مگر آج کل وہ لوگوں کے بیچ ہجوم کے درمیان اس کی کمر کے گرد ہاتھ پھیلا لیتا' اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کے اسے اپنے بالکل نزدیک کر لیتا' ایسے جیسے وہ دونوں ... درمیان نہیں بلکہ تنہا ہیں' وہ اسے اپنے اتنے نزدیک رکھ کر چلتا' بیٹھتا' امریکہ میں چاہے یہ کوئی ... تعجب کی بات نہ تھی مگر عباد کی شخصیت کے ... محبت کا اتنا واضح اور کھلا اظہار بہت زیادہ مختلف ...

اس کی محبت میں آج کل جو ... شدتیں تھیں اور وہ ان شدتوں کو اکیلے میں بھی ... لوگوں کے سامنے بھی ہر طرح ظاہر کرنا چاہتا تھا ... نہیں کیوں؟ وہ وہی عباد تھا مگر پھر بھی کچھ مختلف ... رہا تھا ان دنوں' نجانے کیوں رات ریسٹورنٹ میں ... کھانے کے بعد کافی پیتے ہوئے وہ اس کے بالوں ... قدرتی کرلز کی تعریف کرتا اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا تھا۔ اس کے اوپر سے سلکی بال جو نیچے قدرتی طور پر کرل سے ہو جاتے تھے ان کرلز کو باتیں کرتے اپنی انگلیوں کے گرد لپیٹنے لگا تھا۔

وہ اتنے لوگوں کے بیچ اس کی اس حرکت پر بلش ہو رہی تھی۔ مگر وہ اتنا مطمئن تھا جیسے ریسٹورنٹ میں ... دونوں کے علاوہ کوئی موجود ہی نہیں ہے۔

"دنوں کی گنتی ابھی سے مت شروع کرو۔ ابھی ہمارے پاس ... پورا دن اور پوری رات ..."

رات جب وہ اس کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر جسے اب اپنا مستقل سلیپنگ ڈریس بنا چکی تھی پہن کر اس کے برابر آ کر لیٹی تب اس کے بالوں میں چہرہ چھپا ... اس سے آہستگی سے بولا۔ وہ ایک پل کے لیے بالکل چپ رہ گئی تھی۔ پورا دن غیر سنجیدگی سے گزار کے اب وہ اس کے بالوں پہ چہرہ رکھے اسے یہ بتا رہا تھا کہ وہ ... بھر سے اس کی سوچ سے آگاہ تھا' وہ دل میں دنوں اور گھنٹوں کو گن رہی تھی اور وہ اس گنتی کو اس کی آنکھوں سے پڑھ رہا تھا۔

☆☆☆

پوری رات وہ دونوں جاگتے تھے۔ بیچ بیچ میں کئی بار یہ بات ہوئی تھی کہ بہت دیر ہو گئی ہے اب سو جا...

چاہیے مگر سونے کا دل دونوں میں سے کسی کا بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ یوں صبح ہوتے کہیں وہ دونوں سوئے تھے۔

اتنی دیر سے سونے کا نتیجہ لازمی یہی نکلنا تھا کہ پھر دن چڑھے تک وہ دونوں سوتے رہے تھے۔ سو کر اٹھے تو معزز لوگوں کے ناشتے کا وقت ختم ہو چکا تھا لوگ اب اپنے لنچ کی تیاریوں میں مصروف تھے سو فیصلہ یہاں بھی یہی ہوا تھا کہ لنچ ہی کر لیا جائے۔

وہ لنچ کی تیاری کے لیے کچن میں جا رہا تھا' ننھہ بھی اس کے ساتھ کچن میں جانا چاہتی تھی۔ "تم لیٹی رہو۔"

"لیکن میں تمہاری ہیلپ کرانا چاہتی ہوں۔"

"لیکن میں تمہاری ہیلپ لینا نہیں چاہتا۔" وہ اس کے لہجے کی نقل اتارتا ہوا بولا۔

"عباد عزیز! یہ جو لاڈ پیار میں تم مجھے بگاڑ کر میرا ستیاناس کر رہے ہو' اس پر بعد میں سر پکڑ کر پچھتاؤ گے۔ مگر تب تک میں اتنی بگڑ چکی ہوں گی کہ سدھرنے کے کوئی امکان نہیں رہ گئے ہوں گے۔" اس نے اسے وارننگ دی تھی۔

"کوئی بات نہیں' میرے لیے ننھہ عباد بگڑی ہوئی بھی چلے گی۔" وہ اسے واپس لیٹنے پر مجبور کر کے خود کچن میں چلا گیا تھا۔

گھنٹے بعد وہ کھانا ٹرے میں لگا کر کمرے ہی میں لے آیا تھا۔ وہ اس کے حکم کے مطابق بستر پر کمبل میں گھسی لیٹی تھی۔ انتہائی سستی اور کاہلی کے ساتھ۔

"پاستا بنا لیا میں نے' میں نے کہا یہ جھٹ پٹ بن جائے گا' تم vegetarian کی وجہ سے صرف سبزیاں چیز اور مشروم ہی ڈالے ہیں اس میں' اور کچھ نہیں۔" وہ ٹرے لے کر بیڈ پر اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

"اٹھو اب' پاستا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

"لیکن میرا تو اٹھنے کا دل نہیں چاہ رہا۔ اتنی تھکن ہو رہی ہے عالی! مجھے کھانا تم کھلاؤ ناں؟"

وہ ناک چڑھا کر بہت نخرے سے بولی۔ ایسے جیسے وہ اس کی بات کا چھپا مفہوم اور طنز سمجھا ہی نہ ہو' اس نے فورک میں بہت سارا پاستا بھر کر نوالہ اس کے منہ کی طرف بڑھایا۔ اس نے لمنہ کھول کر پاستا منہ میں لیا اور کے بعد نوالے کو چبانا شروع کیا۔

"اف عالی۔" اس نے پھر بہت تھکی ہوئی اور ... شکل بنائی تھی۔

"مجھے تو نوالہ چباتے ہوئے بھی اتنی تھکن ہو رہی ہے۔"

"اڑا لو میرا مذاق۔ ایسا محبت کرنے والا ڈھونڈو گی تو پوری دنیا میں میرے علاوہ کوئی نہیں ملے گا۔"

"محبت کرنے والا یا محبت میں سوا ستیاناس کرنے والا۔ اللہ میرے حال پر رحم کرے' مما پاپا کے سامنے پہنچنے سے پہلے میں کم از کم وہ نکمی' نکاری اور نخریلی ہر نہ بنوں' جو سر توڑ کوششیں کر کے تم مجھے بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

وہ ہنستے ہوئے اس کے منہ میں دوسرا نوالہ ڈالنے لگا تھا۔ اس نے صرف طنز کرنے کے لیے لیٹے لیٹے اس کے ہاتھ سے کھانے کی فرمائش کی تھی جبکہ اس کے بعد اس نے حقیقتاً اسے اپنے ہاتھ سے ہی کھانا کھلایا تھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ ضرور گئی تھی مگر اسے پاستا کھلا وہ رہا تھا۔ ایک نوالہ اس کے منہ میں ڈالتا' پھر ایک اپنے منہ میں۔ یوں وہ پاستا کھایا گیا تھا۔ نمکین کے بعد بطور سویٹ ڈش وہ ایک بڑے سے پیالے میں چاکلیٹ آئسکریم کے کئی اسکوپس بھر کر لے آیا تھا۔ چاکلیٹ آئس کریم کو مزید مزیدار بنانے کے لیے وہ اس پر ایک پوری کٹ کیٹ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں توڑ کے ڈال لایا تھا۔

جیسے اس نے کھانا اسے اپنے ہاتھ سے کھلایا تھا ایسے ہی وہ اسے آئس کریم بھی اپنے ہاتھ سے کھلا رہا تھا۔ ایک چمچہ اسے کھلاتا' پھر ایک خود کھاتا۔ وہ اس کے ہاتھ سے آئس کریم کھاتے ہوئے مسکرا رہی تھی' اس کی محبت کے یہ مظاہرے لوگوں میں اگر شرمندہ کر دیا کرتے تھے تو اکیلے میں بے تحاشا اچھے لگا کرتے تھے۔

شام ہونے تک وہ دونوں یونہی سستی سے بیڈ پر لیٹے رہے تھے۔ آج صبح سے شام تک کا سارا وقت ان دونوں نے گھر ہی گزار دیا تھا پھر عباد ہی نے کہیں باہر جانے کے لیے کہا تھا۔

آج باہر نکل کر ساحل پر چہل قدمی کے بجائے وہ وہاں دوسری جگہوں پر نکل آئے تھے۔ ایک مقامی اوپن ایئر تھیٹر میں شیکسپیئر کا رومینٹک کامیڈی ڈرامہ اے مڈ سمر نائٹس ڈریم آن دنوں پیش کیا جا رہا تھا۔ عباد نے شو کے دو ٹکٹس خرید لیے۔ ڈرامہ دیکھ کر باہر نکلے تو رات ہو گئی تھی۔ کھانے کا وقت ہو چلا تھا۔ ڈنر کھا کے وہ دونوں ساحل پر آئے تھے' جہاں اب اکا دکا ہی لوگ نظر آ رہے تھے۔ اپنے جوتے اتار کر ساحل پر ٹہلتے وہ دونوں کافی دور آ گئے تھے۔

"سمندر بھی ہے' چاندنی رات بھی ہے' آسمان پر ستارے بھی چمک رہے ہیں' تم جیسی رومینٹک کے لیے تو یہ ایک پرفیکٹ رومینٹک نائٹ ہو گی۔"

وہ اسے اس کی بہت پہلے کی بات کا حوالہ دے رہا تھا۔ کیمپس کی سیڑھیوں پر بیٹھے اس نے عباد کو یہی بتایا تھا کہ اسے چاندنی راتیں' سمندر کے کنارے واک کرنا اور آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھنا پسند ہے۔

یقینی طور پر ایک پرفیکٹ رومینٹک سیٹنگ ہوئی تھی اس کی ساری تمام چیزیں اس وقت یکجا تھیں اور اپنے حسن سے اسے مبہوت کر رہی تھیں۔ پورے چاند کی یہ رات ... دور تک رات کی خاموشی بھی تھی مگر چاندنی رات بھی سو اندھیرا ... نہیں تھا۔

"ہاں ساحل پر یہ چاندنی رات بہت رومینٹک لگ رہی ہے۔ لیکن اگر تم ساتھ ہو تو میرے لیے تیز دھوپ اور طوفانی بارش بھی رومینٹک ہی ہے۔" وہ اس کی بات سن کر مسکرایا تھا۔

"آہ اچانک!" اس کے پیر کے انگوٹھے میں کوئی چیز چبھی تھی۔

"کیا ہوا؟" عباد نے تشویش سے اسے دیکھا۔

"شاید پیر میں کچھ چبھ گیا۔" وہ اپنا پیر اوپر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ ایک چھوٹا سا نوکیلا پتھر تھا' جس کا ایک نوکیلا کونا اس کے انگوٹھے میں چبھا تھا۔ اس کے انگوٹھے سے خون نکلتا دیکھ کر عباد گھبرا گیا تھا۔

"ہمیں اس وقت ننگے پیر نہیں چلنا چاہیے تھا۔ تم یہاں بیٹھو۔" وہ گھبرائے ہوئے انداز میں اس کے انگوٹھے سے نکلتے خون کو دیکھ رہا تھا' اس نے اسے ہاتھ پکڑ کر نیچے بٹھایا اور خود اپنی جیب سے فوراً رومال نکال کر اس کے زخم پر مضبوطی سے باندھنے لگا۔

"تم گھر تک چل لو گی؟" اسے اس قدر پریشان ہوتا دیکھ کر وہ اپنی تکلیف بھول کر اسے تسلی دینے لگی۔

"عالی! میں ٹھیک ہوں۔ معمولی سی چوٹ ہے' ٹھیک ہو جائے گی۔ چلو گھر چلتے ہیں۔"

"تم چلو گی کیسے؟"

"اب خدا کے لیے یہ مت کہنا کہ تم مجھے فلمی ہیروز کی طرح اٹھا کر گھر تک لے کر جاؤ گے۔ میں چل لوں گی' ایسی کوئی خطرناک چوٹ نہیں ہے۔"

مگر وہ اسے یوں سنبھالتے گھر تک لایا تھا جیسے نجانے وہ کتنی زخمی ہو گئی ہے۔ گھر آ کر روئی سے زخم صاف کرنے کے بعد اس نے خود بڑی احتیاط سے اس کے انگوٹھے پر بینڈیج کی تھی۔

"تم اتنے پریشان کیوں ہو جاتے ہو عالی! تمہارے خوف سے تو بندہ ڈر کے مارے کبھی بیمار بھی نہ پڑے۔"

وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر لیٹی بول رہی تھی۔

"ہاں تو مت پڑنا ناں کبھی بیمار۔" وہ آہستگی سے بولا تھا۔

"ننھی! مما' پاپا اور تم' بس تم تین ہی تو لوگ ہو میری زندگی میں۔ تم میں سے کسی کو بھی کوئی تکلیف پہنچے میں نہیں دیکھ سکتا۔ میری خواہش ہے' میری دعا ہے کہ مما' پاپا اور تم ہمیشہ خوش رہو' تم لوگوں کو کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اتنی چھوٹی سی میری فیملی ہے' میں اللہ سے دعا کرتا ہوں میری فیملی کے یہ تینوں افراد ہمیشہ ہمیشہ بہت خوش رہیں۔"

وہ اپنے دل کی تمام تر شدتوں کے ساتھ بولا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اپنے لیے یہ دنیاوی جنت جہاں دکھ' غم' فکر

meem
Oneurdu.com

اندیشے کچھ نہ تھے انہوں نے تلاش کی تھی' اس میں
ان کے قیام کی یہ آخری رات تھی۔ کل اتوار کا دن تھا اور کل صبح انہیں یہاں سے روانہ ہو جانا تھا۔ ہفتے کی اس رات کو ان دونوں نے جاگ کر گزارا تھا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی سونا نہیں چاہتا تھا۔ کل کی رات عباد کی جہاز میں گزرنا تھی اور پتا نہیں پھر کتنی راتوں بعد وہ رات آنی تھی جب وہ دونوں ساتھ ہوتے۔ انہیں کتنی طویل جدائی پیش آنے والی تھی۔
وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ جدائیوں کے ان دنوں کے مختصر سے مختصر ترین ہونے کی دعا کر رہی تھی مگر ان دعاؤں کے ساتھ وہ ہجر کی ان راتوں اور ان دنوں سے گھبرا بھی رہی تھی' ڈر بھی رہی تھی۔ وہ عباد کے بغیر ان تمام دنوں اور راتوں میں کیسے رہ پائے گی؟ وہ ابھی اپنی جنت ہی میں تھی مگر اب وہ آنے والے کل کو سوچتی مضطرب اور بے قرار تھی۔
عباد کے سینے پر سر رکھ کر لیٹی' اس کی اپنے قریب موجودگی کو پوری طرح محسوس کرتی وہ یہ سوچ رہی تھی کہ ایسی ہی رات اب ان کی زندگی میں کتنے دنوں بعد آئے گی۔ وہ ہو' عباد ہو اور ایسی ہی چاندنی رات ہو۔ بالکونی کی کھلے دروازے سے وہ چاند کو' چاند کے ہالے کو' اس کے نور کو اپنا اور عباد کا حصار کیے محسوس کر رہی تھی۔ عباد نے اسے وارفتگی سے اپنی بانہوں کے حلقے میں لیے رکھا تھا۔ وہ اس کی خاموشی اور اداسی کو سمجھ رہا تھا مگر کچھ کہہ نہیں رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح اس نے ویسے ہی اس کے سرہانے پھول لا کر رکھے تھے جیسے گزشتہ تمام دنوں میں لا کر رکھتا رہا تھا۔ وہ اس کے اپنے قریب آنے سے جاگ چکی تھی مگر قصداً آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔ وہ کہتا تھا ناں' وہ جاگ کر اس کے پھول رکھنے کا رومینس کم کر دیتی ہے۔
"جاگی ہوئی ہو تو آنکھیں بھی کھول لو۔"
اس کی طرف جھک کر اس نے اس کی دونوں آنکھوں کو چوما۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا' وہ اس کی طرف جھکے ہوئے مسکرا رہا تھا۔
"غلط کہہ رہا تھا میں کہ تمہارے جاگ جانے سے میرے پھول رکھنے کا رومینس کم ہو جاتا ہے۔ تم جاگ جاتی ہو تب تو زیادہ رومینٹک لگتا ہے کہ یہ لڑکی آہٹوں کو سوتے میں بھی پہچان جاتی ہے۔"
وہ اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گیا تھا' روز کی طرح اس کے تکیے پر سر رکھ کر اس کے ساتھ لیٹا نہیں تھا۔
"سورج طلوع ہونے والا ہے' چلو ساحل پر چلتے ہیں۔ ایک ساتھ سورج طلوع ہوتا ہوا دیکھیں گے۔ ناشتہ بھی وہیں کریں گے۔"
وہ اس کے بکھرے بالوں کو سنوارتے ہوئے بولا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"تم منہ ہاتھ دھو کر نیچے آ جاؤ۔" وہ ... ہوئے پیچھے چلا گیا تھا۔
وہ منہ ہاتھ دھو کر نیچے آئی تو ان کے ناشتے کا سامان اور ایک چادر لے کر کھڑا وہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ناشتے میں سب بازار کی چیزیں تھیں جو کل اس وقت اس نے لا کر کچن اور فریج میں رکھ دی تھیں۔ گھر پر اس نے صرف انڈے ابالے تھے اور چائے بنائی تھی۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا' ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا' ساحل پر اتنے منہ اندھیرے ان دونوں کے سوا اور کوئی بھی نہیں تھا۔
چادر بچھا کر اس پر ناشتے کا سارا سامان سجا کر وہ دونوں سمندر کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئے۔ وہ اکثر اس سے کہتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ چلے۔ ساحل پر طلوع ہوتے ہوئے سورج کو دیکھے مگر آج سے پہلے صبح بستر چھوڑنے کے خیال سے ہی اس پر سستی اور کاہلی طاری ہونے لگتی' آج وہ پہلی بار اس کے ساتھ یوں بیٹھی سمندر کے دوسرے کونے سے اوپر اٹھتے سورج کو دیکھ رہی تھی اور اسے لگ رہا تھا اتنا حسین منظر اس نے اپنی اب تک کی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ وہ دن کے جس وقت بھی سمندر پر آتے انہیں کسی وقت کم اور کسی وقت زیادہ رش ملتا تھا' اس وقت یہاں پر ان دونوں کے سوا اور کوئی بھی نہیں

تھا۔
ناشتہ جلدی سے کر کے وہ اٹھ کر سمندر کے قریب آ گئے۔ وہ سمندر کے ٹھنڈے یخ پانی سے اپنے پیروں کو بھگو رہی تھی۔ آتی جاتی لہروں کا اپنے قدموں سے آ کر ٹکرانا اسے اچھا لگ رہا تھا۔ اسے ایک سیپی کیا ملی' اس نے لہروں میں اپنے پیروں کو بھگوتے وہاں سیپیاں ڈھونڈنا شروع کر دیں۔ عباد بھی اٹھ کر اس کے پاس آ گیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ سیپیاں ڈھونڈوانے لگا تھا۔
یہ کل رات ہی طے ہو چکا تھا کہ انہیں یہاں سے صبح سویرے نکل جانا ہے مگر اب ساتھ سیپیاں ڈھونڈتے جیسے وہ دونوں اپنی واپسی بھول چکے تھے۔ عباد کافی دیر تک جا کے اس سے زیادہ سیپیاں جمع کر چکا تھا' دونوں ہاتھوں میں بہت پیاری پیاری سی سیپیاں جمع کیے اس کے پاس آ گیا۔ ہنیہ کے پاس جو تھیلی تھی اس میں وہ سیپیاں ڈالنے کے بعد وہ اس سے آہستگی سے بولا۔
"چلیں؟" جانا تو تھا' یہ جنت تو چند روزہ تھی' ہمیشہ کے لیے تو نہیں ملی تھی۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ اس نے عباد کے ساتھ مل کر ناشتے کا سارا سامان سمیٹا' عباد نے ریت پر سے چادر اٹھا کر تہہ کر لی' تب وہ دونوں واپس کاٹیج کی طرف جانے لگے۔
"تم نہا کر تیار ہو جاؤ' میں اتنی دیر میں دونوں کا سامان سمیٹ لیتا ہوں۔" ساحل پیچھے رہ گیا تھا' وہ اب درختوں کے جھنڈ میں سے گزر رہے تھے۔
"عالی! ہم یہاں پھر کب آئیں گے؟"
"جب تم کہو گی۔" وہ مسکراتے ہوئے رومانیت سے بولا۔
"عالی! مجھے یہاں پر پھر لے کر آنا' بہت سارے دنوں کے لیے۔ میں ڈینس کی فرمائش واپس لے رہی ہوں۔ مجھے تمہارے ساتھ دوبارہ بھی یہیں پر آنا ہے۔"
"لگتا ہے مجھے سستے میں جان چھڑانے کے طعنے دیتے دیتے یہ جگہ کچھ زیادہ ہی پسند آ گئی ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔
"ہاں بہت زیادہ۔ یہاں میں نے اپنی اب تک کی زندگی کے سب سے بہترین اور یادگار دن گزارے ہیں۔"
"صرف تم نے نہیں' میں نے بھی۔ زندگی کی الجھنوں' حالات کی سختیوں اور آنے والے کل کے اندیشوں سے جو یہ کچھ دن' کچھ پل ہم نے چرائے ہیں ناں یہ بہت انمول ہیں' بہت خاص اور بہت یادگار۔ ہم دونوں ان دنوں کو عمر بھر یاد رکھیں گے۔ کبھی بہت بڑھاپے میں ہم دونوں ان دنوں کو یاد کر کے مسکرایا کریں گے۔" وہ چلتے چلتے یکلخت ہی ایک درخت کے سامنے رک گیا تھا۔ وہ پتا نہیں اس درخت کو اتنے غور سے کیوں دیکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"عدیل تم؟" وہ عدیل سفیان کو اپنے سامنے پا کر بری طرح پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے مڑ کر اپنے پیچھے بند دروازے کی طرف دیکھا' پھر اپنے سامنے حیرت زدہ کھڑے عدیل کو دیکھا۔ عذیر فاروق کسی بھی لمحہ اپنے آفس میں واپس آنے والے تھے۔ صورت حال کو اپنے موافق رکھنے کے لیے اسے فوری طور پر کچھ کرنا تھا۔ اس کے ذہن نے بہت تیز رفتاری سے کام کیا' وہ تقریباً" بھاگنے والے انداز میں عدیل کے قریب آئی۔ عدیل جو اسے عباد کے پاپا کے آفس میں دیکھ کر بالکل ہکا بکا اور ساکت رہ گیا تھا۔
"ہنیہ تم؟ یہاں؟ انکل کے پاس؟"
اس نے اسے بات مکمل نہ کرنے دی۔
"عدیل! پلیز ابھی کچھ مت پوچھو۔ میں تمہیں بعد میں ساری بات بتا دوں گی۔ ابھی پلیز' پلیز تم عالی کے پاپا کے سامنے یہ ہرگز مت ظاہر کرنا کہ تم مجھے جانتے ہو۔ ایسے شو کرنا جیسے تم مجھ سے آج پہلی بار مل رہے ہو۔ وجہ میں تمہیں بعد میں بتا دوں گی۔ پلیز عدیل! میں تمہیں بھی نہیں جانتی' میں عالی کو بھی نہیں جانتی' میں آج تم سے زندگی میں پہلی بار مل رہی ہوں۔"
وہ التجائیہ انداز میں ایک سیکنڈ کا توقف کیے بغیر تیز

meem
©oneurdu.com

تیز بول رہی تھی۔ وہ سخت گھبرائی ہوئی تھی۔

عدیل اور ان کی فیملی کے عباد کی فیملی کے ساتھ بہت اچھے گھریلو مراسم ہیں، یہ وہ جانتی تھی مگر یہ اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ عدیل سفیان اس طرح اسے کبھی عذیر فاروق کے آفس یا ان کے گھر پر بھی ٹکرا سکتا ہے۔ ابھی حیرت میں گھرا عدیل اس کی بات کے جواب میں کچھ پوچھ بھی نہ پایا تھا کہ آفس کا دروازہ کھلا۔ ان دونوں نے گردن گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔

عذیر فاروق دروازے میں کھڑے تھے۔ کیا انہوں نے اس کی بات سن لی تھی یا جب وہ بات مکمل کر چکی تھی تب دروازے پر آئے تھے؟ وہ ان کے چہرے کو بغور دیکھتی دھک دھک کرتے دل کے ساتھ بیٹھ جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ کیا انہوں نے اس کی عدیل سے کہی جانے والی بات سن لی تھی یا نہیں؟

☆ ☆ ☆

عباد نے اس بہت مضبوط اور تناور درخت پر بہت بڑا بڑا ان دونوں کا نام کھود کر لکھا تھا۔ ساتھ آج کی تاریخ اور دن بھی لکھا تھا۔ وہ خاموشی سے اسے ایسا کرتے دیکھتی رہی تھی۔

"یہاں کوئی اور ہمیں یاد رکھے یا نہ رکھے مگر Carmel میں یہ درخت اب ہم دونوں کو ہمیشہ یاد رکھے گا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

وہ دونوں کاٹیج واپس آگئے تھے۔ جتنی دیر میں وہ نہا کر تیار ہوئی عباد نے سارا سامان سمیٹ کر گاڑی میں رکھ دیا۔ اس گھر کا ایک ایک گوشہ ان چند دنوں میں اسے بے حد عزیز ہو گیا تھا، وہ وہاں کے ہر ہر کونے کو حسرتوں سے دیکھتی عباد کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ اس نے کاٹیج کے پچھلی طرف کے دروازے پر آ کر آخری مرتبہ سمندر کو دیکھا۔ اس سمندر، اس ساحل، اس کاٹیج اور اس ساحلی شہر کے ساتھ کتنی ساری انمول یادیں سمیٹ کر وہ یہاں سے جا رہی تھی۔

"ہم یہاں پھر آئیں گے ہنی!" اس کے شانے کے گرد ہاتھ پھیلائے عباد اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہوا تھا۔ یہ چھ دن تو عباد کے سنگ اس نے جیسے جنت میں گزارے تھے۔ مگر اب انہیں اپنی اس جنت سے نکلنا تھا۔ حقیقت کی دنیا میں لوٹنا تھا۔ آج رات نیند اس سے دور جانے والا تھا۔ پتا نہیں اسے اپنے منانے میں کتنے دن لگنا تھے اور پتا نہیں عباد کے ان کے رشتے کو کبھی ماننا بھی تھا کہ نہیں؟

کل ساری رات عباد کے ساتھ اس کی بانہوں کے حصار میں جاگ کر گزارتے وہ ہر لمحہ یہی سوچتی رہی تھی۔

وہ دونوں ہی چپ تھے۔ گاڑی ڈرائیو کرتا عباد کیا سوچ رہا ہے وہ نہیں جانتی تھی۔ یونہی خاموش، اپنی اپنی سوچوں میں غلطاں carmel سے سان فرانسسکو اور سان فرانسسکو سے بذریعہ جہاز وہ دونوں نیویارک لوٹ آئے تھے۔ پیر کے روز انہی جہاز کی سیٹ بک کرا کے آنے کے بعد وہ جانے کی کوئی تیاری کیے بغیر منگل کی صبح ان کے ساتھ ماسوائے ڈاکٹر اینڈریو کے کسی کو بھی کچھ بتائے بغیر اپنا اتا پتا دیے بغیر پہلے غائب ہو گیا تھا۔ لہٰذا اسے اپنی روانگی کی تیاری بھی کرنا تھی اور چند دیگر اہم کام بھی کرنے تھے۔

لفتھ میں ان کی عبداللہ سے ملاقات ہوئی۔ عباد کو دیکھتے ہی ان کی خوشی والہانہ تھی۔

عباد نے انہیں اپنی اور ہنیہ کی شادی کا بتایا اور ساتھ یہ کہ وہ دونوں کیلی فورنیا اپنے ہنی مون کے لیے گئے ہوئے تھے اور اس وقت وہیں سے لوٹے ہیں تب بے پناہ گرم جوشی اور مسرت کا اظہار کرتے عبداللہ نے ان دونوں کو شادی کی مبارک باد دی۔

"تم بہت خوش قسمت ہو، یہ لڑکا بہت پیارا ہے۔" عبداللہ ہنیہ سے بولے۔

"میں بہت خوش قسمت ہوں، یہ لڑکی بہت پیاری ہے۔" عباد کے بے ساختہ جواب پر عبداللہ قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔ ہر تشویش فکر اور اداسی کے باوجود وہ بھی عباد کی بے ساختگی پر مسکرائی تھی۔

اپنے اپارٹمنٹ میں آنے کے ساتھ ہی عباد سب

سے پہلے اپنے لیے ان تمام دنوں میں آئے ٹیلی فونک پیغامات سننے لگا جن کے جواب دیے جانے ضروری تھے وہاں کالز کرنے لگا۔ جیف' نک' ہیروشی سمیت اپنے کچھ اور قریبی دوستوں' ڈاکٹر اینڈریو اور چند ایک اور اساتذہ کو وہ خود رابطہ کر کے انہیں اپنے پاکستان جانے کی اطلاع دے رہا تھا۔ تمام ضروری فون کالز سے فارغ ہونے کے بعد وہ جانے کی تیاری کرنے لگا تھا۔

وہ نیویارک شام میں پہنچے تھے' اس کی رات میں فلائٹ بھی۔ وقت کم تھا زیادہ سامان کی پیکنگ کا اس کے پاس وقت نہ تھا۔ اس لیے وہ صرف اپنا خاص اور ضروری سامان پیک کر رہا تھا۔

وہ پیکنگ میں اس کی مدد کروا رہی تھی اگرچہ کہ اس نے اسے "تم بیٹھو ہنی! میں کرلوں گا" کہہ کر منع کیا تھا مگر وہ اس کے ساتھ لگی اس کا سارا سامان سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی۔ وہ الماری سے جو جو چیزیں نکال رہا تھا' وہ انہیں سلیقے سے سوٹ کیس میں رکھتی جا رہی تھی۔

عباد اس وقت بھی بالکل خاموش تھا۔ بے انتہا سنجیدہ اور بالکل خاموش۔

"ہنی! یہ چیک کل تم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرا لینا۔"

الماری کے ایک خانے سے اپنے چیک بک نکال کر اس پر تیز رفتاری سے قلم چلانے کے بعد اس نے اس میں سے ایک چیک کاٹ کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔ اس نے اس چیک کی طرف دیکھا' اس نے عباد عذیر کی طرف دیکھا۔ یہاں اس کے بینک اکاؤنٹ میں کتنا پیسہ تھا وہ اسے باتوں باتوں میں کئی بار بتا چکا تھا اور اس وقت وہ اس چیک پر اپنے نام کے ساتھ درج شدہ رقم کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے اکاؤنٹ میں موجود تقریباً سارے کا سارا پیسہ اس کے اکاؤنٹ میں منتقل کروا رہا تھا۔

"تمہیں جب بھی پیسوں کی ضرورت ہو ہنی! ان ہی پیسوں کو استعمال کرنا۔"

اس نے یہ کہنے کے لیے لب کھولنا چاہے کہ اسے پیسوں کی ضرورت نہیں' اس کے پیچھے یہاں اسے پیسوں کا ہرگز کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ مگر وہ اس کے کہنے سے قبل ہی اس کی بات کا مطلب سمجھ کر [illegible] سے بولا۔

"مجھے پتا ہے تمہیں پیسوں کی ضرورت نہیں [illegible] ہنی! پلیز تم میرے پیچھے اپنے پاپا کے نہیں' میرے پیسوں کو استعمال کرنا۔ یہ میرے پاپا کے نہیں میرے اپنے کمائے ہوئے پیسے ہیں اور تم انہیں استعمال کرو گی تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔ مجھے اگر کراچی میں زیادہ دن لگے تو میں تمہیں وہاں سے اور پیسے بھجوا دوں گا۔ تمہارا پینٹ ہاؤس بے شک میرے اپارٹمنٹ سے زیادہ لگژری اور شاندار ہے مگر پھر بھی میرے پیچھے تم یہیں رہنا۔"

وہ رسانیت سے کہہ رہا تھا۔

"تمہیں یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں عالی! ہم [illegible] تب بھی میں یہیں رہتی۔ ہماری شادی [illegible] ہے عالی! اور شادی کے بعد لڑکیاں اپنے شوہر کے گھر میں رہتی ہیں۔ جب تم پاپا کو منا کر مجھے اپنے ساتھ کراچی لے جانے کے لیے نیویارک واپس آؤ گے تو میں تمہیں یہیں اسی گھر میں ملوں گی' جا [illegible] کبھی دنوں بعد آؤ۔" عباد نے بغور اسے دیکھا وہ [illegible] اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

"مجھے معاف کردو ہنی! مجھے تمہیں اس طرح چھوڑ کر جانا [illegible] ماما جانی [illegible] ہوئے ابھی صرف [illegible] دن ہوئے ہیں اور [illegible] میں تمہیں یہاں اکیلا چھوڑ کر جا رہا ہوں۔" وہ [illegible] کے لیے بے حد پریشان تھا۔

"جیسے ہی میں نے پاپا کو منا لیا میں ایک دن کی [illegible] تاخیر نہیں کروں گا' میں فوراً" تمہیں لینے آ جاؤں گا۔ تم اتنے دن میرے بغیر رہ لو گی ناں ہنی؟" وہ اسے [illegible] مند اور اداس دیکھ نہیں سکتی تھی' اس لیے [illegible] مسکرائی۔

"کم آن عالی! اس طرح پریشان ہو کر تو تم [illegible] ہمت ہار رہے ہو۔ میری فکر مت کرو' میں یہاں [illegible] ٹھیک رہوں گی۔" وہ خاموشی سے اس کی سمت [illegible]

کر کے آنکھوں کو بہت [illegible] رہا۔

"تم میری فکر مت کرو عالی! میں تمہارے واپس آنے کا انتظار کرتے یہ تمام دن مزے میں گزار لوں گی میں جاب میں مصروف ہو جاؤں گی پھر تو تمہیں میرے اکیلے ہونے کی فکر نہیں ہوگی ناں؟ سارا دن آفس میں اور شام میں دوستوں کے ساتھ گزار لیا کروں گی اور رات میں اتنی دیر سے گھر واپس آؤں گی کہ آتے ہی لیٹ کر سو جانے کے سوا مجھے کسی چیز کا ہوش تک نہیں ہوگا۔"

وہ اس کے پیچھے کیا معمولات اختیار کرنے گی' یہ اسے بتا کر وہ اپنی جانب سے اسے اطمینان دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ماما جانی کی بیماری کے ابتدائی دنوں میں وہ جاب کرتی رہی تھی' مگر پھر جب ان کی حالت زیادہ خراب ہونے لگی' ان کے ٹیسٹس کی رپورٹس مایوس کن آنے لگیں تب اس نے آفس سے چھٹیاں لے لی تھیں۔ اب اس کی چھٹیاں ختم ہو گئی تھیں۔ عباد اس کی جاب دوبارہ جوائن کرنے کی بات سن کر بہت خوش ہوا تھا۔

"ہاں یہ اچھا ہے ہنی! تم بزی ہو جاؤ گی۔"

"جی جناب! میں مصروف ہو جاؤں گی اور میں بہت مزے میں بھی رہوں گی۔ اب خدا کے لیے تم اپنی اس غمگین شکل کو بالکل ٹھیک کر لو۔" [illegible] نے عباد کے شانے پر اپنا سر ٹکا دیا۔

"[illegible] تمہاری [illegible] اتنی کمزور اور بزدل [illegible]۔" وہ آہستگی سے بولی تھی۔

"ہاں مجھے پتا ہے۔ مگر شاید میں کمزور اور بزدل ہوں تمہارے معاملے میں' میں بہت کمزور اور بہت بزدل ہوں ہنی!" عباد نے اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

"ہنی! میرے پیچھے اپنا خیال رکھنا۔ تم خود سے بہت لاپروا رہتی ہو۔" اس کی محبتوں کی شدت اس کی آنکھوں میں آنسو لانے لگی تھی' مگر وہ رونا نہیں چاہتی تھی' وہ خود پر ضبط قائم رکھے ہوئے تھی۔

"مجھے تمہاری نصیحت یاد ہے عباد عذیر! مجھے تمہارے لیے اپنی پروا کرنی ہے' اپنا خیال رکھنا ہے۔" وہ مسکرا کر بولی تھی۔

عباد جواباً" مسکرایا تھا۔ "ہاں میرے لیے اپنی پروا کرنا۔ استری کرتے وقت' کھانا پکاتے وقت ہاتھ مت جلانا۔ وقت پر کھانا کھانا۔ ماما جانی کی طرح روز رات میں کلینزنگ کرنا۔ میں واپس آؤں تو مجھے ہنی عباد ایسی ہی ملنی چاہیے' جیسی آج ہے' بہت خوب صورت اور بے انتہا حسین۔"

وہ اس کے بالوں کی لٹوں کو سنوارتے ہوئے بولا۔ وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

"صرف کلینزنگ نہیں کروں گی' پابندی سے بیوٹی سیلون بھی جایا کروں گی۔ انشاء اللہ مجھے جلد ہی اپنے ساس سسر سے ملنا ہے' ان سے ملنے سے پہلے مجھے خود کو اپنا تو بنانا ہی ہے کہ صرف ان کے بیٹے ہی کو نہیں بلکہ انہیں بھی بہت خوب صورت اور حسین نظر آسکوں۔"

عباد نے اس کی ہنسی کا ساتھ دیا تھا' مگر ہنستے ہنستے وہ یک لخت ہی دوبارہ سنجیدہ ہوا تھا۔

"ہنی! پلیز اپنا خیال رکھنا۔ پریشان مت ہونا۔ مجھ سے وعدہ کرو تم میرے جانے کے بعد روؤ گی نہیں۔ رونے کا دل چاہ رہا ہے تو ابھی میرے سامنے رو لو' جتنا رونا چاہتی ہو رو لو' مگر میرے پیچھے مت رونا۔ پتا ہے تم یہاں روؤ گی ناں تو وہاں میں بہت بے چین رہوں گا۔"

"میں نہیں روؤں گی عالی! رونے کی خدانخواستہ بات کیا ہے؟ تم ممی' پاپا کو منانے پاکستان جا رہے ہو' تمہیں کتنے بھی دن لگیں' مگر بالآخر تو انشاء اللہ سب ٹھیک ہو ہی جائے گا ناں؟ یہ پریشانیاں اور یہ جدائی تو عارضی ہے عالی!"

"بس اسی طرح خود کو مضبوط رکھو ہنی! دیکھو ہو سکتا ہے مجھے وہاں زیادہ دن لگ جائیں اور میں تمہیں وہاں سے بہت زیادہ فون نہ کر سکوں۔ میں تمہیں وہاں سے فون کیا کروں گا ہنی! مگر شاید ہم روزانہ بہت طویل بات نہیں کر پائیں گے۔"

"تمہیں جب سہولت ہو تب فون کیا کرنا۔ میں نہ

پریشان ہو رہی ہوں نہ بدگمان۔ میں خود تمہیں فون نہیں کیا کروں گی۔ پتا نہیں میں تمہیں فون کروں وہاں اس وقت تمہارے ساتھ کون ہو کیا ماحول کیا سچوئیشن ہو کیا گفتگو ہو رہی ہو۔"

طمانیت بھرے انداز میں مسکراتے عباد نے بے ساختہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے چوما تھا۔

"تمہیں پتا ہے ہنی عباد! میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں؟"

"مجھے پتا ہے اور تمہاری محبت ہی میری سب سے بڑی طاقت ہے عالی! تم ساتھ ہو، تمہاری محبت میرے ساتھ ہے تو میں زندگی کی بڑی سے بڑی مشکل کا بھی ہنستے کھیلتے سامنا کر سکتی ہوں۔"

"ہنی! دعا کرنا میں پاپا کو منا لینے میں کامیاب ہو جاؤں۔ ان کی مجھ سے ناراضی دور ہو جائے۔ دعا کرنا انکل طارق اور انوشہ میری بات سمجھ جائیں۔ اگر انکل طارق نے میرا ساتھ دیا، اگر انہوں نے میرے کہنے پر پاپا سے بات کر لی تب تو سمجھو، سارا مسئلہ فوراً ہی حل ہو جائے گا۔"

"میں دعا کروں گی عالی!" اس دعا ہی میں تو اس کی زندگی کی تمام تر خوشیاں پوشیدہ تھیں۔

"ہنی! یہ بھی کرنا کہ جدائیوں کے یہ دن مختصر ہوں، بہت جلد میں اور میری ساری فیملی اکٹھی ہو۔ میں، تم، مما، پاپا ہم چاروں۔ پھر میں اپنی فیملی کی ایک ایسی ہی تصویر کھینچوں گا، وہ تصویر حقیقی ہو گی ہنی! اس میں میں نے کسی ٹیکنالوجی کے استعمال سے تمہیں، مما، پاپا خود کو یکجا نہیں کیا ہو گا بلکہ ہم سب حقیقت میں اس طرح ایک ساتھ کھڑے ہوں گے۔"

اس کے لبوں سے بے ساختہ۔ "ان شاء اللہ" نکلا تھا۔ عباد ابھی بھی اس کے چہرے کو ہاتھوں میں تھام کر بیٹھا تھا۔ "آج کیا ہم صرف باتیں کرتے رہیں گے؟ کچھ کھائیں گے نہیں؟"

عباد کو یک دم ہی وقت کا احساس ہوا تھا۔ شام ڈھل چکی تھی رات ہو رہی تھی۔ اس کے جانے کا وقت نزدیک آ رہا تھا۔ اپنی فلائٹ کے ٹائم سے تین گھنٹے قبل اسے ایئرپورٹ پہنچنا تھا۔ 9/11 کے بعد امریکہ ایئرپورٹس پر جتنی سخت قسم کی سیکیورٹی کے انتظامات کر دیے گئے تھے، ان کے باعث بین الاقوامی فلائٹس کے مسافروں کو کم از کم تین گھنٹے پہلے ایئرپورٹ پہنچنا ہوتا تھا۔ وہ نارمل سے ناشتہ کر کے چلے تھے، پھر اب تک انہوں نے دوران سفر کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ اس کا کچھ کھانے کا ابھی بھی دل نہیں چاہ رہا تھا مگر وہ جانتی تھی عباد اسے اپنے سامنے اپنی موجودگی میں کھانا کھلانا چاہتا ہے اس لیے بنا کچھ کہے وہ خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ کچن میں آ گئی۔ وہ اس کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتی تھی مگر اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے کرسی پر بٹھا دیا تھا۔

"میرے پیچھے خود ہی پکا کر کھا رہی ہو، آج ایک [illegible] اور میرے ہاتھ کا پکا کھانا کھا لو۔"

"تم اتنا مزے کا کھانا بناتے ہو عالی! میں سمجھتی تھی اچھا کھانا پکانا صرف لڑکیوں ہی کا پلس پوائنٹ ہوتا ہے مگر اب احساس ہو رہا ہے کہ مردوں خاص طور پر شوہروں کا اچھا کک ہونا بھی کتنا زبردست ہوتا ہے۔"

عباد نے فرائی کی ہوئی مچھلی کا ایک ٹکڑا کانٹے کی مدد سے اس کے منہ میں ڈالا تھا اور وہ اس نوالے کو چباتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔ جیسے وہ اسے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلا رہا تھا، ایسے ہی وہ بھی اسے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلا رہی تھی۔ ایک ہی پلیٹ میں سے وہ اسے کھلا رہی تھی اور عباد اسے۔

"کل صبح ناشتہ ٹھیک سے اور وقت پر کرنا اور میری مانو تو کل ہی سے اپنا آفس جوائن کر لو۔ آفس کے بعد کیتھی اور مائیک کے ساتھ کہیں باہر گھومنے اور کھانا کھانے کا پروگرام بنا لینا۔"

"کل تو نہیں ہاں پرسوں سے آفس جوائن کر لوں گی۔ اتنے دن ہو گئے گھر گئے۔ کل وہاں جا کر وہاں کی صفائی وغیرہ کروں گی، پھر اپنا سارا سامان یہاں لاؤں گی، کل اس سامان کو پھر یہاں سلیقے سے رکھوں گی، پھر یہاں کی بھی تھوڑی صفائی وغیرہ کروں گی۔ کل کا دن تو اسی مصروفیت میں گزر جائے گا۔"

[illegible] یہ اعلان کر رہی تھی کہ اب عباد کو تیار ہونے کے لیے کھڑا ہو جانا چاہیے، ورنہ وہ ایئرپورٹ پہنچنے کے لیے لیٹ ہو جائے گا۔ ایک دوسرے سے کچھ بھی کہے بنا وہ دونوں ایک ساتھ، ایک ہی وقت میں میز پر سے اٹھے۔ وہ دونوں ایک ساتھ کمرے میں آ گئے تھے۔ عباد نے الماری میں سے اپنے کپڑے نکالے۔ بلیک پینٹ کے ساتھ پہننے کے لیے اس نے وہی بلیو شرٹ نکالی جو ہنی نے اسے گفٹ کی تھی۔ وہ باتھ روم میں آ گیا۔ وہ باتھ روم میں کھڑا شیو بنا رہا تھا اور وہ باتھ روم کے کھلے دروازے سے ٹیک لگائے اسے شیو بناتا دیکھ رہی تھی۔

"پتا ہے عالی! تم بہت ہینڈسم ہو۔"

ریزر ہاتھ میں اٹھاتے وہ ہنسا۔ وہ اسے شیو کرتا دیکھتی رہی۔ اس نے شیو کیا، منہ دھویا، چہرے کو تولیے سے خشک کیا، وہ باتھ روم سے باہر نکلا تب وہ بھی اس کے ساتھ ہی باہر آئی۔ وہ لباس تبدیل کر رہا تھا۔ پتا نہیں اسے کیا ہوا تھا، ایسا اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں کیا تھا، جیسے ہی عباد نے شرٹ پہننے کے لیے ہینگر سے نکالی اس نے وہ شرٹ عباد کے ہاتھ سے لے لی۔ وہ اسے اپنے ہاتھ سے شرٹ پہنانے لگی تھی۔

عباد نے فقط خاموشی سے ایک ایک کر کے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے تھے تاکہ قمیض کی آستینوں میں اس کے ہاتھ جا سکیں۔ وہ اب ایک ایک کر کے اس کی شرٹ کے تمام بٹن لگا رہی تھی۔ تمام بٹن لگ چکے تب اس نے قمیض کا کالر اپنے ہاتھوں سے سیدھا کیا، کف بند کیا۔ عباد اسے خاموشی سے یہ سب کرتے دیکھتا رہا۔

وہ اسے شرٹ پہنا چکی تب عباد نے شرٹ پینٹ کے اندر گھسا کر بیلٹ لگائی۔ وہ پیچھے ہینگر سے اس کا کوٹ اور اوور کوٹ نکال کر لے آئی تھی۔ اب وہ اسے اپنے ہاتھ سے کوٹ پہنا رہی تھی۔

"مجھ سے تو کہہ رہے ہو کہ میں اپنا خیال رکھوں، مگر خود اپنا خیال رکھنا مت بھولنا۔" اس کی آواز بھرانے لگی تو وہ جلدی سے اس کے سامنے سے ہٹی۔ وہ مڑ کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف گئی اور وہاں سے ہیئر برش اٹھا کر اسے پکڑایا۔ "برش بھی تم ہی کر دو۔" وہ اپنے ہاتھوں سے اس کے بالوں کو سنوارنے لگی، وہ اس کے بالکل نزدیک کھڑا اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا۔ اس نے اس کی کلائی پر گھڑی بھی خود باندھی پھر خود ہی اسے اس کے من پسند کولون کی خوشبو سے مہکایا۔ وہ اس کے جوتے اٹھا کر لے آئی تھی۔ عباد نے جوتے اس کے ہاتھ سے لے کر اسے صوفے پر اپنے برابر میں بٹھا لیا تھا، وہ جھک کر جوتے پہن رہا تھا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ جوتے پہن کر سیدھا ہوا اور مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ تیار ہو چکا تھا۔ وہ صوفے سے اٹھ کر اپنا سوٹ کیس اور بیگ اٹھانے لگا۔ وہ اپنا سامان اپارٹمنٹ کے مین دروازے تک پہنچا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر رہی تھیں، وہ عباد کو سامان رکھتا دیکھتی فوراً کمرے سے نکل کر باہر بالکونی میں آ گئی تھی۔

وہ خود کو صبر اور ضبط کی تلقین کر رہی تھی۔ اسے رونا نہیں ہے، اسے عالی کو پریشان نہیں کرنا۔ اپنا سامان دروازے پر رکھ کر وہ ایک منٹ بعد ہی اس کے پاس بالکونی میں چلا آیا تھا۔ وہ ریلنگ پر بازو جمائے کھڑی تھی اس کی آہٹ سن کر مڑی۔

"چلیں؟" اس نے مسکرا کر عباد سے پوچھا۔ وہ کتنی دقتوں سے مسکرائی تھی، یہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔

"ابھی کچھ دیر باقی ہے۔" وہ اس کے پاس آ گیا تھا۔ اسے اپنے ساتھ لگائے اس کے شانوں کے گرد ہاتھ پھیلا کر وہ آسمان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ چاند نے گھٹنا شروع کر دیا تھا مگر ابھی اس کا نور اور چمک ماند پڑنا شروع نہیں ہوئی تھی۔

"مجھے ایئرپورٹ چھوڑ کر واپس آؤ گی تو کیا کرو گی؟" عباد نے آہستگی سے پوچھا۔ اس کی نگاہیں بدستور آسمان پر مرکوز تھیں۔

"اوں۔ میرا خیال ہے لیٹ کر سو جاؤں گی، آج صبح کے اٹھے ہوئے ہیں ہم دونوں۔ میرا خیال ہے مجھے

فوراً ہی نیند آجائے گی۔ لیکن اگر نیند نہیں آئی تو ٹی وی دیکھ لوں گی۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"تو جھوٹ نہیں، سچ۔ روؤ گی؟"

وہ جواباً چپ رہی۔

"ہنی! مجھے یاد کر کے رونا مت۔ نہ آج رات نہ کسی اور رات۔ جب بھی میں بہت یاد آؤں، بس آسمان کی طرف دیکھنا، وہاں جو ستارہ سب سے زیادہ چمک رہا ہو، اسے دیکھنا، جب تم ایسا کرو گی ناں مجھے پتا چل جائے گا۔"

"اچھا، وہ کیسے؟" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اس لیے کہ ہمارا دل کا نہیں روح کا رشتہ ہے۔ ہم بظاہر کتنے بھی دنوں کے لیے ایک دوسرے سے کتنا بھی دور ہو رہے ہیں مگر روح کا رشتہ تو ملنے اور نظر آنے سے بھی زیادہ مضبوط رشتہ ہوتا ہے۔ جس طرح تم سچے دل سے یونہی روح کی گہرائیوں سے مجھے پکارو گی آنکھیں بند کر کے میرا نام لو گی، میں تمہارے پاس ہوں گا۔"

وہ اس کے بازوؤں کے حلقے میں اس کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی۔ وہ دونوں یک ٹک آسمان پر سب سے زیادہ چمکتے اس ستارے کو دیکھ رہے تھے۔ نجانے کتنے منٹ وہ دونوں یونہی کھڑے رہے تھے، عباد کی کلائی پر بندھی گھڑی بتا رہی تھی کہ اس کے گھر سے نکلنے کا وقت ہو چکا ہے۔

"چلیں ہنی؟" اس کے شانے سے سر ہٹا کر وہ سیدھی ہوئی اور سر اثبات میں ہلایا۔ وہ اپارٹمنٹ سے باہر نکلے تو عباد مڑ کر ایک نظر اپنے گھر کو دیکھنے لگا۔ تب وہ اس سے بولی۔

"تمہارے پیچھے میں تمہارے گھر کا اور اپنا دونوں کا خیال رکھوں گی۔ تم جب واپس آؤ گے ہم دونوں تمہیں ایسے ہی ملیں گے۔"

"میرا گھر؟" عباد کا انداز سرزنش کرنے والا تھا۔

"ہاں تمہارا گھر۔ میرا گھر تو کراچی میں ہے وہ گھر جہاں مما، پاپا رہتے ہیں۔ اگر تم سے پاپا کو منایا نہ جا رہا ہو تو مجھے بتا دینا۔ تمہیں یاد ہے تم نے مجھ سے کہا تھا میں اگر پاپا سے تمہارے حوالے کے بغیر جا کر ملوں تو وہ ملاقات میں مجھے پسند کرنے لگیں گے۔ تو اگر تم بے بس ہونے لگے تو میں کراچی آجاؤں گی۔"

عباد نے جواباً مسکراتے ہوئے سر اقرار میں ہلایا تھا۔

وہ دونوں گاڑی میں آکر بیٹھ گئے تھے۔ گاڑی ہنی ڈرائیو کر رہی تھی۔ عباد اس کے برابر والی نشست پر خاموش بیٹھا تھا۔ وہ دونوں ایئرپورٹ پہنچ گئے تھے۔ عباد کو ٹرمینل نمبر چار کے باہر اتار کر وہ گاڑی پارک کرنے چلی گئی تھی۔ عباد سوٹ کیس اور بیگ ٹرالی پر رکھ کر Terminal کے اندر آگیا تھا۔

وہ عباد کو رخصت کرنے آئی تھی، اسے الوداع کہنے آئی تھی اور اسے پورا ایئرپورٹ سوگوار لگ رہا تھا۔ باوجود وہاں بے تحاشا شور، رش اور افراتفری کے۔ عباد نے اس کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے وہ دونوں یونہی خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھنے کے بجائے وہ دونوں اپنے اطراف موجود لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔

"تم جب دبئی پہنچ جاؤ گے میں تمہیں تمہارے سیل پر فون کروں گی۔"

عباد نے اثبات میں سر ہلایا۔ اب اسے ہنی کو خدا حافظ کہہ کر امیگریشن چیک پوائنٹ کی طرف چلے جانا چاہیے تھا۔

"ہنی! عالی!" ان دونوں نے ایک ہی وقت میں ایک دوسرے کو پکارا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"اپنا خیال رکھنا ہنی!" عباد نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے تھے۔ اس نے گردن اقرار میں ہلائی، اس سے کچھ بولا نہیں جا رہا تھا۔ وہ یک ٹک اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ عباد کے ہاتھوں سے اپنا دایاں ہاتھ نکال کر اب وہ آہستہ سے اس کے رخسار پر اس کے ڈمپل پڑنے والی جگہ پر رکھ رہی تھی۔

"عالی! ہنس کر دکھاؤ، مجھے تمہارا ڈمپل دیکھنا ہے۔" اس کی آنکھوں نے دو آنسو باوجود کوشش کے بر

نکلے تھے۔ وہ اس کے کہنے پر مسکرایا تھا۔ وہ اس کے ڈمپل پر انگلی رکھ کر کھڑی تھی۔ عباد نے اس کے آنسو صاف کیے۔

"خدا حافظ ہنی۔"

"خدا حافظ عابی!" عباد نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ اپنا ٹکٹ' پاسپورٹ' بورڈنگ کارڈ اور carry-on بیگ ہاتھ میں لیے وہ اس سے دور جا رہا تھا۔ وہ پہلے سیکیورٹی چیک پوائنٹ کی طرف جا رہا تھا۔ مڑ مڑ کر اسے دیکھتا وہ اس سے دور جا رہا تھا۔ اس کے سامنے ایئرپورٹ کا وہ سیکیورٹی آفیسر کھڑا تھا جو یہاں سے آگے بڑھنے سے پہلے ہر مسافر کا بورڈنگ کارڈ چیک کرتا انہیں آگے سیکیورٹی چیک کے لیے لگی لمبی قطار میں جانے کی اجازت دے رہا تھا۔

نجانے ایک دم ہی اسے کیا ہوا تھا بجائے قدم آگے بڑھانے کے وہ الٹے قدموں واپس مڑا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا واپس اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ جو اسے الوداع کہنے کے لیے ہاتھ اٹھائے کھڑی تھی اسے بھاگ کر اپنی سمت آتا دیکھ رہی تھی۔ وہ اتنی تیز رفتار سے بھاگ رہا تھا کہ اس کی سانس پھول گئی تھی۔ اس کے قریب آتے ہی اس نے کھینچ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

"ہنی! میں تم سے بہت' بہت محبت کرتا ہوں۔"

اس کے سینے سے لگ کر وہ خود پر ضبط قائم نہیں رکھ پائی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ عباد نے اس کا سر اپنے سینے سے اٹھایا' اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھامے اردگرد کی کوئی پروا کیے بغیر وہ اس کی پیشانی چوم رہا تھا' اس کی آنکھوں' اس کی پلکوں' اس کے رخساروں' اس کے لبوں کو چوم رہا تھا۔ وہ اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو چوم رہا تھا۔ ایسا تو اس نے carmel میں بھی نہ کیا تھا۔

یہ نیویارک تھا' یہاں کوئی انہیں مڑ کر یا رک کر نہیں دیکھ رہا تھا مگر عباد کی محبت کا یہ والہانہ اظہار اس کی اپنی شخصیت کے بالکل برخلاف تھا۔ اس نے دیکھا عباد کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

"عابی! جلدی آنا' میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

اس کی بھیگی پلکوں کو چومتے ہوئے عباد نے سر اقرار میں ہلایا۔ کئی منٹ وہ یونہی اسے اپنی بانہوں کے حصار میں لیے کھڑا رہا تھا۔ پھر اس نے سر اوپر اٹھایا' دوبارہ اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھاما۔

"اپنا خیال رکھنا۔ رونا نہیں' میں جلدی آؤں گا۔" وہ اس کے رخساروں پر پھیلے آنسوؤں کو اپنے لبوں سے خشک کر رہا تھا۔

"میں اپنا خیال رکھوں گی عابی! تم میرے لیے پریشان مت ہونا۔" اس کے ہونٹوں کا لمس اپنے بھیگے رخساروں اور لبوں پر محسوس کر کے اس کی آنکھوں سے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے تھے۔

"جلدی آنا عابی! میں تمہارا انتظار کروں گی۔" سر اقرار میں ہلا کر اس کے چہرے پر بہتے آنسوؤں کو وہ لبوں سے خشک کر رہا تھا۔

"عابی! تمہیں دیر ہو رہی ہے۔" خود کو ضبط اور حوصلے کی تلقین کرتے اس نے اسے یاد دلایا۔ اس کے احساس دلانے پر وہ چونک کر سیدھا ہوا۔ اس نے اس کے چہرے کو ہنوز اپنے ہاتھوں میں تھاما ہوا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر عباد کے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر سے ہٹایا۔ وہ ایک قدم پیچھے بھی ہٹ گئی تھی۔ وہ اپنے آنسوؤں پر بھی بند باندھ چکی تھی۔ وہ عباد کے لیے اس روانگی کو مشکل نہیں بنانا چاہتی تھی۔

"خدا حافظ عابی!" وہ ایک قدم اور پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"اپنا خیال رکھنا عابی! میرے لیے پریشان مت ہونا اور یہ بھی یاد رکھنا کہ جیسے تم مجھ سے بہت محبت کرتے ہو ویسے ہی میں بھی تم سے بہت' بہت' بہت محبت کرتی ہوں۔"

ہاتھ ہلاتے ہوئے اس نے دور جاتے عباد عذیر سے بلند آواز میں کہا تھا۔

ان کے بیچ اب بہت سارا فاصلہ تھا' وہ اسے نظر آ رہا تھا مگر وہ کیا کہہ رہا ہے' اتنے شور اور مسلسل مختلف فلائٹس کے Departure اور بورڈنگ کے اعلانات میں وہ اس کے لبوں کی محض جنبش دیکھ رہی

تھی۔ I Love you Honey. وہ یہی کہہ رہا تھا۔ وہ ان لفظوں کی بازگشت میں گھری کھڑی تھی اور وہ اندر جا چکا تھا' وہ آنکھ سے نظر آنا بند ہو چکا تھا۔

☆☆☆

اس کا دل چاہا تھا۔ وہ ایک بار پھر بھاگ کر اس کے پاس جائے' ایک بار پھر اسے اپنے گلے سے لگا لے۔ مگر خود پر ضبط کے پہرے بٹھاتے اس بار وہ واپس مڑا نہیں تھا۔ ہنیہ کو دیکھتے اسے یوں کیوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اسے آخری مرتبہ دیکھ رہا تھا' جیسے آج کے بعد وہ اسے کبھی نظر نہیں آئے گی۔ کیوں پیدا ہو رہا تھا یہ دل دہلاتا مایوس کن احساس اس کے اندر؟

اس سے رخصت ہوتے ان لمحوں میں اس کے دل میں یہ ہراساں کرتا سوال کیوں پیدا ہو رہا ہے کہ اب وہ اسے کب اور کہاں مل پائے گا؟ حالات کس رخ پر جائیں گے' زندگی کا کیا رخ متعین ہو گا؟ اگر پاپا نے اسے معاف کرنے اور اس سے راضی ہونے کی شرط یہ رکھی کہ وہ ہنیہ کو چھوڑ دے' تب وہ کیا کرے گا۔ اگر اسے معاف کرنے کے لیے انہوں نے یہ شرط رکھ دی کہ وہ ہنیہ سے الگ ہو جائے' اگر والدین اور ہنیہ میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کو کہا گیا پھر وہ کیا کرے گا؟ وہ کس کا انتخاب کرے گا؟ وہ محبتوں کی درجہ بندی اور تقسیم سے خائف ہو رہا تھا۔ نہیں' اس کا دل محبت کی اس درجہ بندی کو نہیں مانتا۔ وہ ان تین لوگوں کو اپنی زندگی کا اہم حصہ مانتا ہے۔ تینوں اسے ایک ساتھ چاہئیں' وہ ان سب میں سے کسی سے بھی دست بردار ہونے کو تیار نہیں۔

اسے ماں کی گود میں سر رکھنا تھا' باپ کے گلے لگنا تھا۔ لگتا تھا صدیاں گزر گئیں' اسے اپنے مما' پاپا سے ملے بغیر' انہیں دیکھے بغیر۔ وہ تیز قدموں سے چلتا اس لائن کا حصہ بن گیا۔ وہ جلد از جلد اپنے جہاز تک یوں پہنچ جانا چاہتا تھا جیسے یہ فلائٹ اسے جہاں پہنچائے گی وہاں مما' پاپا اس کے منتظر کھڑے ہوں گے' اس سفر کے اختتام پر وہ مما' پاپا کو اپنے روبرو دیکھے گا۔ کاش ایسا ہی ہوتا' کاش ایسا ہی ہوتا!

وہ جہاز میں کھڑکی کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا اپنے پلین کو ٹیک آف کرتا دیکھ رہا تھا۔ وہ نیویارک سے دور جا رہا تھا' وہ ہنیہ سے دور جا رہا تھا۔ وہ خود سے روٹھے ہر رشتے کو منانے جا رہا تھا۔ مما' پاپا' انکل طارق' انوشہ' آج Carmel سے واپس آ کر اس نے بڑی امید اور آس سے اپنے لیے آئے ٹیلی فونک پیغامات سنے تھے' اس نے اپنی e-mails چیک کی تھیں۔ کیا پاپا کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہو' اب انہوں نے اس کی وہ ای میل پڑھ لی ہو جو اس نے ہنیہ سے نکاح سے قبل انہیں بھیجی تھی۔ اس کی وہ ای میل پڑھ لینے کے بعد پھر وہ اس سے ناراض رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ مگر اس کی آنسرنگ مشین میں ریکارڈ شدہ بے شمار پیغامات میں کوئی پیغام اس کے پاپا کا نہ تھا' اس کے لیے آئی بہت ساری e-mails میں کوئی e-mail اس کے پاپا کی نہ تھی۔ اس کی حسرت' حسرت ہی رہ گئی تھی۔

"یوں لگتا ہے ہنی! تمہارے علاوہ ہر کوئی مجھ سے خفا ہے' مجھے غلط سمجھ رہا ہے۔"

اس نے کوٹ کی جیب سے اپنا والٹ نکالا۔ اس والٹ میں پہلے صرف ماما اور پاپا کی تصویریں رہا کرتی تھیں' اب ان میں ہنیہ کی بھی تصویر تھی۔ کرسمس ایو پر اس اسنوز میں کھینچی ہنیہ کی وہ تصویر جس کے بیک گراؤنڈ میں برف باری اور روشنیاں تھیں۔ خوب اچھی طرح تیار ہوئی' بھرپور میک اپ کیے بے پناہ حسین لگتی ہنیہ' ریڈ کلر کا منک کوٹ' منک ہیٹ' شانوں پر بکھرے بال اور خوب کھلکھلا کر ہنستی ہنیہ۔ اس تصویر میں اس نے ہنیہ کا کلوز اپ لیا تھا۔ فوکس اس کے چہرے پر رکھا تھا۔ اس کے شانوں تک کی وہ تصویر تھی اور اس میں اس کے دلکش میک اپ سے سجے چہرے کا ایک ایک نقش نمایاں تھا۔

ہنیہ کے شدید ترین اصرار پر بھی اس نے اس روز کی کھینچی تمام تصویروں میں سے اسے یہ تصویر نہیں دکھائی تھی۔ باقی تمام تصویریں اس نے اسے دکھائی تھیں اور یہ ایک تصویر اسے دکھائے بغیر تب ہی سے

meenurdu.com

اپنے والٹ میں رکھ لی تھی۔ ہنیہ کی تصویر پر ایک مسکراتی نظر ڈالنے کے بعد وہ والٹ میں بچی مما اور پاپا کی تصویروں کو دیکھنے لگا تھا۔

"عالی! اٹھ جاؤ بیٹا۔" وہ جہاز میں بیٹھے بیٹھے اپنے گھر پہنچ گیا تھا۔ مما اس کے کمرے میں آکر اسے یونیورسٹی جانے کے لیے اٹھا رہی تھیں۔ ان کے ہاتھ بالوں میں ہاتھ پھیرتی اس کی پیشانی چومتی۔

"ناشتے میں کیا کھاؤ گے؟" ناشتے کا نام سنتے ہی اس نے فٹ سے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"اپنی مما کے ہاتھوں کا پکا پراٹھا۔"

ماں کے ہاتھ کے پکے کھانوں کے لیے تو وہ آدھی رات کو بھی سوتے سے اٹھ کر بیٹھ سکتا تھا۔ وہ اس کے کس طرح لاڈ اٹھاتی تھیں۔ اسے اپنے ہاتھوں سے نوالے تک بنا کر کھلاتی تھیں۔ ان کے ہاتھ کا پکا پراٹھا ان ہی کے ہاتھ سے کھانے میں اتنا مزا آتا تھا کہ وہ قصداً" اس وقت بالکل چھوٹے بچوں کی طرح بی ہیو کرنے لگتا تھا۔

"آپ کے ہاتھوں کا ذائقہ بہت یاد آرہا ہے مما! میں آؤں گا تو اپنے ہاتھوں سے پکا کر پراٹھا کھلائیں گی ناں؟"

ماں کی تصویر دیکھتے اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ وہ ماں کو بہت یاد کر رہا تھا۔ وہ اپنے پاپا کو بہت یاد کر رہا تھا۔ اپنی اب تک کی زندگی میں وہ اتنے سارے دنوں کے لیے کبھی بھی ان سے دور نہیں ہوا تھا۔ پاپا اس سے ملے بغیر' اس کے پاس نیویارک آئے بغیر ہی سے واپس لوٹ گئے تھے تب وہ بہت ہرٹ ہوا تھا۔

وہ ان دونوں سے ملنے کے لیے کتنا بے قرار تھا۔ صرف اس لیے نہیں کہ وہ انہیں ہنیہ سے ملوانا چاہتا تھا بلکہ اس لیے کہ اسے ان سے ملے بہت مہینے ہو گئے تھے' انہیں دیکھے بہت سارے دن ہو گئے تھے۔ وہ ان سے ملنے کے لیے شدید بے قرار تھا۔

ہنیہ کے سامنے اس نے اپنے کسی دکھ کا اظہار نہیں کیا تھا گو یہ بھی جانتا تھا کہ وہ سب سمجھتی ہے' وہ جانتی ہے کہ وہ اپنے پاپا کی اس لاسٹ فون کال کے بعد سے ٹوٹ پھوٹ سا گیا ہے' بہت ڈسٹرب اور کم زور سا محسوس کر رہا ہے خود کو۔ "میں نے تم سے صرف یہ کہنے کے لیے فون کیا ہے کہ آج کے بعد کبھی مجھے اپنی شکل مت دکھانا' کبھی میرے سامنے مت آنا۔" وہ ان تمام دنوں میں ہنیہ کے ساتھ جہاں بھی گیا' جو بھی کیا' ایک لمحے کے لیے بھی پاپا کی ناراضی سے بھرپور آواز نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔

"عباد عذیر! میں آج تم سے اپنا ہر رشتہ ختم کر رہا ہوں۔ مجھے تم جیسے بیٹے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"پاپا ایسا مت کہیں۔ پلیز پاپا ایسا مت کہیں۔" ان کی تصویر کو اپنی نگاہوں کے سامنے کیے وہ ان سے بے آواز مخاطب تھا۔ اس کی آنکھوں سے چپ آنسو بہے تھے' جنہیں اس نے بڑی سرعت سے فوراً ہی پونچھ ڈالا تھا۔

"کاش پاپا! میں آپ کو بتا پاؤں کہ میں آپ سے کتنی محبت کرتا ہوں' اپنی زندگی سے بڑھ کر' اپنی جان سے بڑھ کر۔ آپ میرے پاپا ہیں' آپ میرے بہترین دوست ہیں۔ آپ تو مجھے یار کہہ کر دوستوں کی طرح بے تکلفی سے بات کیا کرتے تھے پاپا! پھر آج ہمارے بیچ یہ فاصلے' یہ دوری کیوں پیدا کر رہے ہیں آپ؟ میرے دوست ہیں ناں تو اپنے دوست کو سمجھیں پاپا! ہنیہ سے محبت کا یہ مطلب تو نہیں کہ میرے دل میں آپ کی محبت کم ہو گئی؟ آپ اور مما تو میرے لیے ہر رشتے سے بڑھ کر ہیں' ہنیہ تک سے بڑھ کر۔ آپ کی ذات سب سے بھی زیادہ اہم ہیں۔"

وہ اپنے پاپا کو اچھی طرح جانتا تھا' ایک بار وہ اس کی بات سننے پر آمادہ ہو جائیں تو اس کی بات سمجھ بھی لیں گے۔

وہ ایئر ہوسٹس کو ہر طرح کی اشیائے خورد و نوش کے لیے منع کر چکا تھا۔ اس کا کچھ بھی کھانے پینے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ تو بس اپنے مما پاپا کی تصویروں کو سامنے کیے ان سے باتیں کرنے میں مگن تھا۔ وہ اڑ کر پل کی چوتھائی میں ان کے سامنے پہنچ جانا چاہتا تھا۔

اسے خود اپنے آپ پر یہ سوچ کر حیرت ہو رہی تھی کہ مما پاپا سے ملنے کی اتنی والہانہ بے تابی کے باوجود اس نے یہ گزشتہ 6 دن اتنے سکون سے امریکہ میں کس طرح گزار لیے۔ ماما جانی کے انتقال کے فوراً" بعد وہ ہنیہ کو تنہا چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا تھا' وہ ہنیہ کی خاطر یہ چھ دن مزید امریکہ میں رکا تھا۔ مگر نیویارک میں رکا رہنا اور بات تھی' آخر وہ اسے لے کر carmel کیوں چلا گیا تھا؟ ان دنوں کو اتنی گرم جوشی اور محبت سے بھرپور انداز میں ہنی مون کی طرح کیوں گزار آیا تھا؟ ہنیہ کو تمام tensions اور پریشانیوں سے نکالنے کے لیے؟ اس کی آب و ہوا اور ماحول چند دنوں کے لیے تبدیل کروانے کے لیے؟ ہاں یہ وجوہات بھی تھیں اسے لے کر carmel چلے جانے کی' مگر یہ ثانوی وجوہات تھیں' اصل اور بنیادی وجہ نہیں۔ اصل اور بنیادی وجہ ہنیہ کو اپنے ساتھ کسی ایسی خوب صورت جگہ لے جانے کی چاہ تھی جہاں ان دونوں کے سوا ان کا واقف کوئی بھی نہ ہو' صرف وہ دونوں ہوں اور ان کی ایک دوسرے کے ساتھ والہانہ محبت ہو' ان کے دل کے کسی گوشے سے ابھرتی آواز تھی' وہ ہنیہ سے جیسی اور جتنی محبت کرتا ہے اس کا بھرپور اور مکمل انداز میں اظہار ان چھ دنوں میں کر ڈالے۔ پچھلے چھ سات دنوں میں اس نے [illegible] کیا۔

کیسی ناقابل فہم سی بات [illegible] کام اس نے بظاہر [illegible] غم اور [illegible] مستقبل کے اندیشوں سے نکالنے کے لیے اس کی خاطر کیا تھا اس نے در حقیقت اسے بھی بہت خوشی دی تھی۔ وہ ان چھ دنوں میں بہت خوش رہا تھا' ان دنوں میں کئی بار ایسا ہوا جب خود کو خوش ہوتا محسوس کر کے اس کے اندر احساس ندامت جاگا' کیا وہ ایک خود غرض اور نافرمان بیٹا بن گیا تھا؟ اس کا باپ اس سے خفا ہے اور وہ تفریحات میں مگن ہے؟ مگر اس احساس ندامت کو یکسر مسترد کرتے اس کے دل سے فوراً ہی ہر بار یہ صدا آتی کہ وہ جو کر رہا ہے' بالکل ٹھیک کر رہا ہے۔

اس نے اپنے اور ہنیہ کے رشتے کو مکمل بنانا مما پاپا کی رضامندی لیے بغیر' ان کے رشتے کی اس تکمیل پر ہنیہ شرمندہ ہوئی تھی' پشیمان ہوئی تھی مگر وہ تو ایک پل کے لیے بھی شرمندہ نہ ہوا تھا۔ ✪

ہنیہ اس کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر پہنے نظر آ رہی تھی۔ سوتے وقت اس کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر پہن کر وہ کتنی خوب صورت لگا کرتی تھی۔ اگر پاپا کو یہ پتا چلے کہ پچھلے دنوں اس نے اس لڑکی کے ساتھ اپنی زندگی کے چھ بہترین' یادگار اور انمول دن گزارے ہیں تو وہ کیا سوچیں گے؟ شاید وہ اس سے مزید بدگمان اور خفا ہو جائیں گے' اسے بہت خود غرض' بے حس اور نافرمان بیٹا سمجھیں گے۔ مگر ہنیہ کو اپنی زندگی کے یہ چھ دن پورے کے پورے اور مکمل دے کر اسے ایسا کیوں نہیں لگ رہا کہ اس نے کچھ برا کیا ہے' کچھ غلط اور خود غرضانہ کیا ہے۔ وہ اپنے دل کی بہت سنتا تھا' دل کی بہت مانتا تھا اور اس کا دل ان گزرے دنوں میں اسے ہر پل یہ یقین دلاتا رہا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ سب بالکل ٹھیک ہے۔ اس کا دل مطمئن تھا' وہ اسے بھی اطمینان دلا رہا تھا۔ اگر ہنیہ کے ساتھ ان چھ دنوں میں وہ خوش رہا تو یہ خوشی خود غرضی نہیں' نافرمانی نہیں حق تھی' ان کے رشتے کا حق تھی۔ کون جانے اب وہ دونوں کب اور کہاں ملیں گے' کن حالات میں ملیں گے۔ ان چھ دنوں میں اس کا دل ہر پل اس سے یہ کہتا رہا تھا کہ وہ جتنی محبت ہنیہ سے کرتا ہے اس کا آج اور ابھی کھل کر اور والہانہ اظہار کر ڈالے۔ اپنی محبت کی کسی بھی شدت کو ہنیہ سے چھپا کر آئندہ کے لیے بچا کر نہ رکھے۔

✡ ✡ ✡

عباد کو رخصت کر کے وہ گھر واپس آچکی تھی۔ کچھ گھنٹے قبل یہاں وہ بھی تھا' یہاں ایسی خاموشی اور ویرانی نہ تھی۔

وہ کمرے میں آکر بیٹھ گئی' وہ خود کو بار بار یہ یاد دلا رہی تھی کہ اسے رونا نہیں ہے' اسے خود کو مضبوط بنانا ہے۔ مگر اس کی آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔ بیڈ پر جس طرف وہ لیٹتا تھا' وہ اس طرف' اسی کے تکیے

پر سر رکھ کر لیٹ گئی تھی - سامنے عباد کی لگائی My faimly والی تصویر میں وہ ٹکٹکی باندھے عباد کو دیکھے چلی جا رہی تھی۔ وہ پچھلے سات دنوں میں 24 گھنٹے اس کے ساتھ رہا تھا' دن اور رات کا کوئی پل' کوئی لمحہ اس نے اس کے بغیر نہیں گزارا تھا اور اس وقت اس کمرے کی یہ خاموشی اور یہ سناٹا اسے سہما رہا تھا' خوفزدہ کر رہا تھا۔ اس سناٹے سے گھبرا کر وہ بالکونی میں آ گئی تھی۔

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھری ہوئی تھیں مگر وہ ان آنسوؤں کو بہا کر وعدہ خلافی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"عالی! جلدی آنا' تمہارے بغیر تو ایک رات نہیں کٹ رہی' میں یہ تمام طویل دن کس طرح گزاروں گی؟"

وہ بالکونی میں رکھی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ اب راستے میں ہو گا' وہ نیویارک کی حدود سے باہر نکل چکا ہو گا۔ جس ستارے کو اس پل وہ دیکھ رہی ہے پتا نہیں آسمان کی وسعتوں میں عباد کو وہ ستارہ دکھائی دے رہا ہو گا کہ نہیں؟

☆ ☆ ☆

اس کا سفر جاری تھا۔ جہاز میں اپنے اردگرد بیٹھے مسافروں سے لاتعلق وہ اپنے مما' پاپا کی تصویروں کو نگاہوں کے سامنے کیے بیٹھا تھا۔ اسے نہ کچھ کھانے کی خواہش تھی نہ کچھ پینے کی۔ وہ اپنے گردوپیش سے یکسر بے نیاز تھا۔ وہ اپنی بہت پیاری مما کو دیکھ رہا تھا' وہ اپنے بہت ہینڈسم پاپا کو دیکھ رہا تھا۔

"میں آپ کو منانے آ رہا ہوں پاپا! آپ ضدی ہیں تو میں آپ کا بیٹا آپ سے زیادہ ضدی ہوں۔ آپ مجھ سے ناراض رہنے کی اپنی ضد پر قائم رہیں میں آپ کو منا لینے کی اپنی ضد پر ڈٹا ہوا ہوں۔ میری ضد آپ کی ضد سے زیادہ مضبوط ہے لہٰذا آپ کو تو میں ہر حال میں منا کر ہی رہوں گا۔ آپ نے مجھے معاف نہ کیا' مجھے گلے سے نہ لگایا تو عباد عذیر کی زندگی کس کام کی ہے؟"

باپ کی تصویر کو دیکھتا وہ ان سے سرگوشی کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

انہیں ساری رات نیند نہیں آئی تھی۔ عباد انہیں بے طرح اور بے حساب یاد آ رہا تھا۔ وہ پریشان تو ہیں کے لیے اسی روز سے تھیں جب عذیر فاروق نے فون سے اس کے نکاح کی اطلاع پا کر سخت غصے کی حالت میں اسے فون کیا تھا۔ انہوں نے فون پر عباد کو جو کچھ کہا وہ ہاجرہ نے حرف بہ حرف سنا تھا' اپنی طرف سے انہوں نے بہت اچھے انداز اور اچھے ماحول میں عذیر فاروق کو عباد کے نکاح کی بات بتائی تھی مگر ان کے تمام تر محتاط انداز کے باوجود وہ یہ بات سنتے ہی غصے سے بپھر گئے تھے۔ انہوں نے اسی وقت ان کے سامنے ہی عباد کو فون کر کے اس سے قطع تعلق کا اعلان کیا تھا۔ اپنے اکلوتے لاڈلے بیٹے کی شادی کا ان سے' ایک ماں سے بڑھ کر ارمان اور کس کو ہو سکتا تھا' عباد کا اس طرح کسی انجان لڑکی سے نکاح کر لینا' جسے انہوں نے دیکھا تک نہیں تھا' ان کے دل کو افسردہ کر گیا تھا مگر وہ ان کا بیٹا وہ ان کا عالی جس طرح آن عذیر اس میں گھرا بول رہا تھا۔

وہ اس کا امید بھرا التجائیہ انداز کہ ماں اسے ضرور سمجھ لے گی' ماں اس سے خفا نہ ہو گی' انہیں کسی بھی خفگی و ناراضی کا اظہار کرنے سے روک گیا تھا۔ وہ عالی سے ناراض نہیں' انہوں نے اسے یقین دلایا تھا مگر وہ اس کے پاپا کی ناراضی دور کرنے میں اس کی کوئی مدد نہیں کر پا رہی تھیں۔

عذیر فاروق عباد سے شدید ناراض تھے۔ وہ اس کا نام سننا تک پسند نہیں کر رہے تھے۔ ان گزرے سات دنوں میں انہوں نے کئی بار شوہر سے بات کرنے کی کوشش کی۔ عباد سے ان کی ناراضی ختم کرانے کے جتن کیے' مگر وہ ان کی بات کیا سنتے' قائل کیا ہوتے' وہ عباد کا نام سنتے ہی انہیں آگے بات کرنے سے روک دیتے۔ یہ سات دن انہوں نے بڑی کشمکش اور پریشانی میں گزارے تھے۔ وہ کیا کریں۔ وہ حالات کو کس طرح ٹھیک کریں۔ انہیں نہ عباد کی فکر چین لینے دے رہی

meem@oneurdu.com

تھی نہ شوہر کی۔ وہ اپنے حساس بیٹے کے لیے بہت پریشان تھیں۔ وہ اس سے بات کرنے کے لیے تڑپ رہی تھیں اور دوسری طرف عذیر فاروق تھے' ان کے شوہر' ان کی زندگی کے ساتھی جو عباد پر چیخنے چلانے اور ناراض ہونے کے بعد بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ انہوں نے بولنا' کھانا پینا سب چھوڑ رکھا تھا۔ صبح وہ آفس جاتے' شام میں وہاں سے گھر آکر خاموشی سے اپنے کمرے میں چلے جاتے' نہ ہاجرہ سے کچھ کہتے نہ کچھ پوچھتے۔ ان چھ دنوں میں آفس اور گھر کے سوا وہ کسی تیسری جگہ نہیں گئے تھے۔ ان کا یہ انداز وہ زندگی میں پہلی بار دیکھ رہی تھیں۔ وہ عباد سے بے تحاشا محبت کرتے تھے۔

انہوں نے زندگی بھر اس کی کوئی فرمائش' کوئی خواہش کبھی ٹالی نہیں تھی انہوں نے اسے والہانہ اور بے حساب چاہا تھا اور اب جب اس سے خفا ہوئے تھے تو اتنے شدید کہ لگتا تھا کبھی اس سے راضی ہوں گے ہی نہیں۔ ان دنوں ان کے گھر میں خاموشی اور افسردگی پھیلی ہوئی تھی۔ روز رات کو وہ دونوں ایک ہی کمرے میں ایک ہی بستر پر موجود ہوتے اور آپس میں کوئی بات نہ کرتے۔ مختلف پریشان کن سوچوں میں گھرے کبھی ہاجرہ کی آنکھ لگ جاتی' کبھی سوتے سوتے آنکھ کھل جاتی۔ یہ کیفیت گزشتہ کئی راتوں سے تھی مگر آج کی رات تو بڑی ہی بے کلی اور اضطراب میں گزر رہی تھی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے عالی کا چہرہ تھا' ان کے کانوں میں اس کی مما پکارتی آوازیں تھیں۔ صرف وہی نہیں جاگ رہی تھیں' عذیر فاروق بھی جاگ رہے تھے۔ آنکھیں کھول کر چھت کو تکتے وہ بھی بے چین سے لگ رہے تھے۔

اس کے بغیر یہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا' عالی کے قہقہوں اور آوازوں کے بنا یہ گھر کتنا سونا ہو گیا تھا' مگر جب سے عذیر فاروق اس سے ملنے کے لیے دبئی سے نیویارک جانے کے بجائے انہیں لے کر واپس کراچی آگئے تھے تب سے تو ان کی بے چینی حد سے سوا تھی۔ وہ انہیں حد سے زیادہ یاد آرہا تھا۔ ان کا کسی کام میں کسی چیز میں دل نہ لگتا تھا۔ انہوں نے عذیر فاروق سے کہا تھا مگر یہ گزرے تمام ماہ جو دبئی سے آکر انہوں نے اپنے گھر میں گزارے ان کے لیے کسی عذاب سے کم نہ تھے۔ ان کا دل اپنے عالی کو دیکھنے اسے پیار کرنے کو مچل رہا تھا۔ اس کا خیال کسی بھی پل ان کے ذہن و دل سے محو ہی نہ ہوتا تھا۔ آج کل صبح شام نجانے کب کب کی پرانی باتیں انہیں یاد آئے چلی جاتیں۔ اس وقت بھی آرہی تھیں۔ اپنے پیارے عالی کی باتیں' ماں کا دل ہر پل دہراتا رہتا تھا۔ اس کے ایسے لیول کے بعد جب پہلے پہل عذیر فاروق نے اسے امریکہ پڑھنے کے لیے بھجوانے کی بات کی' وہ کس طرح بالکل چھوٹے بچوں کے سے انداز میں ان کی گود میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔

"مما! مجھے امریکہ نہیں جانا۔ مما! میں آپ کے اور پاپا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

سترہ اٹھارہ سال کی لاابالی اور کھلنڈرے پن والی عمر میں وہ اپنے ہم عمر دوسرے لڑکوں سے کتنا مختلف تھا۔ عذیر فاروق اس کی ان باتوں پر کبھی اس پر ناراض ہوتے' کبھی اس کا مذاق اڑاتے' مگر وہ تو ایسا ہی تھا۔ وہ ان دونوں کی معمولی سی بیماری پر بھی اتنا پریشان ہو جاتا تھا کہ اس کی پریشانی کے خوف سے وہ اس سے اپنی بیماری چھپاتی تھیں۔ وہ امریکہ سے انہیں دن میں کئی کئی بار فون کرتا۔ صرف ان کی آواز سے وہ ان کی طبیعت کی خرابی بھانپ لیتا تھا' وہ لاکھ چھپاتی رہیں' اسے ان کی آواز سے پتا چل جاتا تھا کہ وہ بیمار ہیں' پھر اس کی بوکھلاہٹیں اور پریشانیاں ہوتیں' تشویش ہوتی۔ وہ اسے اس طرح پریشان ہونے اور بوکھلانے پر پیار سے سمجھانے کی کوشش کرتیں تو وہ ایسے جیسے یہ اس کے اختیار سے باہر کی بات ہے بے بسی سے کہتا۔

"میں کیا کروں مما! میں جان کر نہیں کرتا' بس میں آپ کو اور پاپا کو کسی بھی تکلیف میں دیکھ نہیں سکتا۔"

آج کل کے لڑکے کہاں ماں' باپ سے اس طرح اٹیچ ہوتے ہیں' کہاں اتنے زیادہ حساس ہوتے ہیں۔ پچھلی بار پاکستان آیا تھا تو اور خوب صورت لگ رہا تھا۔ امریکہ کی آب و ہوا نے خوب رنگ نکالا تھا۔ وہ انہیں پہلے سے بھی زیادہ ہینڈسم اور پیارا لگا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس پر نظر کی دعائیں پڑھ پڑھ کر پھونکتی رہتی تھیں۔ "اوپر سے بھرپور نوجوان اور اندر سے چھوٹا بچہ ہے۔"

عذیر فاروق ہنستے رہتے تھے' مذاق اڑاتے رہتے تھے اور وہ جتنے دن پاکستان میں رہا' روزانہ ان کے ہاتھوں سے ناشتہ کرتا۔ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے تر اٹھا پکا کر' اپنے ہاتھوں ہی سے نوالے بنا بنا کر کھلایا کرتیں۔

"مما!" وہ بولیں "عالی! مما کی جان۔" ان کی محبت کا یہ والہانہ انداز' یہ پیار اور محبت کی شدتوں میں گندھا ان کا طرز تخاطب اسے کس قدر اچھا لگا کرتا تھا۔ اپنی شادی کے ذکر پر وہ کس طرح فوراً ان سے بولا تھا۔

"مما! ابھی تک آپ کے جیسی کوئی لڑکی ملی نہیں ہے۔ میں ایسی لڑکی سے شادی کروں گا جس میں ہاجرہ عذیر جیسی ہی نرمی اور محبت ہو گی۔ جو ہاجرہ عذیر ہی کی طرح خوب صورت ہو گی اور جو مجھ سے بالکل ویسی ہی محبت کرے گی جیسی ہاجرہ عذیر میرے پاپا سے کرتی ہیں۔"

وہ اس کی ان باتوں پر کتنی دیر تک ہنستی رہی تھیں۔ اس کی ہر بات' ہر ادا ہی دل موہ لینے والی ہوتی۔ یہاں تھا تو ان کی اور عذیر فاروق کی سالگرہ کا دن وہ کس طرح اہتمام سے منایا تھا۔ صبح سویرے اپنے ہاتھوں سے ناشتہ بنا کر پھولوں کا گلدستہ اور کارڈ لیے وہ ان کے کمرے میں چلا آتا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو مما۔" "ہیپی برتھ ڈے ٹو پاپا۔" گنگناتے ہوئے۔ اس کے امریکہ جانے کے بعد اب انہیں سالگرہ کا دن کس قدر پھیکا اور بے رونق لگتا تھا۔ حالانکہ عباد بار بار انہیں فون کر کر کے اور میسج کر کر کے wish کر رہا ہوتا مگر وہ فون کالز اور میسجز اس کی موجودگی کا نعم البدل تو نہیں ہو سکتے تھے۔

"عالی! مما کو تم بہت یاد آرہے ہو۔ کب آؤ گے بیٹا؟ ماں کا دل تمہارے لیے بہت اداس ہے۔" بیٹے کی تصویر کو دیکھتے ان کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

انہیں نیند نہیں آرہی تھی وہ بستر پر بالکل ساکت اور خاموش لیٹے تھے۔ ہاجرہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد انہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ ان کی نگاہیں اپنے چہرے پر محسوس کر رہے تھے مگر وہ ان نگاہوں کو نظرانداز کیے خاموش لیٹے تھے۔ ہاجرہ آج کل ہر پل انہیں التجائیہ نگاہوں سے دیکھتی رہتی تھیں۔ جب سے عباد کے متعلق کوئی بھی ذکر سننے سے انہوں نے انکار کیا تھا' وہ تب سے اس کے متعلق کچھ کہتی تو نہ تھیں مگر ہر پل انہیں التجائیہ نگاہوں سے دیکھتی یہ ضرور کہہ رہی ہوتی تھیں کہ وہ ان کی خاطر عباد کو معاف کر دیں۔ انہوں نے اپنے بڑے بھائی طارق کو دبئی فون کر کے انہیں ساری بات بتا دی تھی۔ اب چھپانے کو رہ کیا گیا تھا' ان کا بیٹا امریکہ میں شادی کر چکا تھا۔ وہ بیٹا جس سے انہیں بہت امیدیں تھیں' اس نے انہیں بہت مایوس کیا تھا۔ ہاجرہ کی ملتجی نگاہوں کو ان تمام دنوں میں نظرانداز کرنے کے باوجود وہ ان سے بہت ڈسٹرب ہوتے تھے۔ وہ اس وقت بھی ڈسٹرب ہو رہے تھے اس لیے یک دم ہی بستر سے اٹھ کر وہ باہر بالکونی میں آگئے تھے۔ ان کے کمرے کے برابر والا کمرہ عباد کا تھا اور ان کے کمرے سے نکلنے والی بالکونی سیدھی اس کے کمرے تک جاتی تھی۔ یعنی وہ بالکونی کے ذریعے بھی بالکونی والا دروازہ استعمال کر کے ایک دوسرے کے کمروں میں جا سکتے تھے۔ وہ اس بند دروازے کو دیکھنے لگے۔

ہاجرہ پابندی سے اس کمرے کی صفائی کرواتی تھیں۔ باہر سے بھی اس کی کھڑکیاں' دروازے سب چمکتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اسی بالکونی' اسی کمرے میں چھوٹا سا کھیلتا وہ بڑا ہوا تھا' برسوں پہلے ان کا ہاتھ تھام کر اس نے اپنی زندگی کا پہلا قدم اٹھایا تھا اور آج وہ اتنا بڑا ہو چکا تھا کہ اپنی زندگی کے تمام فیصلے ان کی مرضی اور منشا کے بغیر خود کر سکتا تھا۔ ان کی نگاہوں میں تو ابھی تک وہ چھوٹا سا پانچ چھ سال کا بچہ بسا تھا جو پاپا پاپا پکارتا اسی بالکونی میں ان کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اسی لان

میں ان سے سائیکل چلانا سیکھ رہا تھا۔ آج اسے ان سے کچھ بھی سیکھنے اور پوچھنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ بڑا ہو گیا تھا' وہ خود مختار ہو گیا تھا۔ ایک تلخ مسکراہٹ لبوں پر لاتے وہ اس کا خیال اپنے ذہن سے جھٹک دینا چاہتے تھے۔ مگر وہ خود بخود ہی نگاہوں کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ برسوں پہلے کا منظر تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا' وہ ہاسپٹل کے بستر پر پٹیوں اور مختلف مشینوں میں جکڑے بری طرح زخمی پڑے تھے' وہ ان کے سرہانے سے ہٹتا نہیں تھا' وہ بچوں کی طرح روتا رہتا تھا۔

"میرے پاپا کب ٹھیک ہوں گے؟" وہ روتے ہوئے ڈاکٹرز سے پوچھتا رہتا تھا۔ اس نے یونیورسٹی جانا چھوڑ دیا تھا' وہ چوبیس گھنٹے ان کے پاس رہتا تھا۔ طبیعت کچھ ٹھیک ہوئی' زخم کچھ بہتر ہوئے تو وہ اسے اکثر ان رونے دھونے والی حرکتوں پر چھیڑتے' اس کا مذاق اڑاتے۔

"عباد عزیر! تم تو مجھ جیسے بہادر آدمی کے بیٹے لگتے ہی نہیں ہو۔"

وہ امریکہ جانے پر بھی ان سے چھپ چھپ کر ماں کی گود میں سر رکھ کر بہت رویا تھا۔ انہوں نے اسے بی ای پاکستان ہی سے کرنے دیا تھا' بلکہ اس کا اتنا رونا دھونا دیکھ کر انہوں نے اسے آگے بھی باہر پڑھنے کے لیے بھیجنے کی اپنی خواہش کو ختم کر ڈالا تھا' وہ نہیں چاہتا تھا تو وہ اس پر زبردستی نہیں کر سکتے تھے۔ مگر B.E کے آخری سال میں اس نے ازخود M.S کرنے کے لیے امریکہ جانے کی بات کر کے انہیں حیران کر دیا تھا۔

"یہ حیرت انگیز تبدیلی کیسی؟ ہمارا ماماز بوائے ممّا کے بغیر وہاں رہ لے گا؟" وہ اسے حسب عادت چھیڑ رہے تھے۔

"اپنے پاپا کے لیے وہاں جا رہا ہوں' تاکہ وہ مجھ پر ہمیشہ فخر کر سکیں' لہٰذا رہ بھی لوں گا۔" وہ ان کے مذاق اڑاتے انداز کے جواب میں سنجیدگی اور بردباری سے بولا تھا۔ وہ ہاجرہ کی التجائیہ نگاہوں سے بچنے کے لیے باہر آئے تھے اور اب رات کے اس پہر خود بھی اسی کی باتیں یاد کر رہے تھے جس کے لیے وہ انہیں التجائیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ رات کے اس پہر انہیں اس کی باتیں اس طرح کیوں یاد آ رہی ہیں وہ سمجھنے میں ناکام تھے۔ وہ تو اسے سوچنا نہیں چاہتے' اس کا ذکر نہیں سننا چاہتے۔ وہ اسے یاد کرنا نہیں چاہتے' اس نے انہیں بہت مایوس کیا ہے' اس نے انہیں ان کے [illegible] جیسے بڑے بھائی کے آگے بری طرح شرمسار کروایا ہے' اس نے ان کا مان' فخر اور ناز جو انہیں اس پر تھا سب خاک میں ملا ڈالا ہے' پھر وہ اسے کیوں سوچ رہے ہیں؟ نہیں' انہیں اسے نہیں سوچنا۔ وہ اپنی زندگی کا فیصلہ کر چکا۔ وہ باپ اور اس انجان لڑکی میں سے اس لڑکی کو چن چکا' اسے باپ پر ترجیح دے چکا۔

وہ چند مہینوں کی شناسا لڑکی اس کے لیے باپ کی (پچیس) سالوں کی محبت پر حاوی ہے' وہ بتا چکا۔ نہیں انہیں عباد عزیر کو نہیں سوچنا۔ "سر! میں اندر آ سکتا ہوں؟" وہ شرارتی مسکان لبوں پر سجائے ان کے آفس کا دروازہ کھولے اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔

وہ ان کے آفس آتا تو شرارتاً" ہمیشہ انہیں 'سر' کہا کرتا' وہ اپنے بی ای کے پہلے سال سے ان کے آفس آنے لگا تھا۔

"آپ کو پتا ہے یہ عزیز فاروق صاحب آفس میں سارا وقت اتنی خوب صورت لڑکیوں کے بیچ رہتے ہیں' ذرا خود کو مین ٹین کر کے رکھیں۔" وہ شرارتی انداز میں ماں کو سمجھاتا۔

آج جب وہ اس سے اتنے شدید ناراض ہیں جب اس نے ان کا اتنا دل دکھایا ہے' انہیں اتنا مایوس کیا ہے' تب کیوں وہ اس طرح یاد آ رہا ہے؟

وہ نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکل رہے ہیں' وہ ان کی جوتیاں ہاتھوں میں لیے کھڑا ہے' وہ جھک کر ان کی جوتیاں ان کے پیروں کے سامنے رکھ رہا ہے۔ جب بھی وہ ساتھ نماز پڑھنے جاتے وہ ایسا ہی کیا کرتا۔ وہ باپ بیٹا مسجد سے باہر نکلے تھے' پتا نہیں پھٹے پرانے کپڑوں میں میلا کچیلا سا کون شخص تھا اور کیا بے کار اور بے مقصد اپنی داستان سنا رہا تھا' وہ اسے نظر انداز کرتے

آگے بڑھ گئے تھے اور عباد مروت اور لحاظ میں اس شخص کی ساری بات سن رہا تھا۔

وہ بیٹے کو سمجھانا چاہتے تھے کہ اس شخص کی جھوٹی غم زدہ داستان کا اختتام پیسے مانگنے پر ہو گا' مگر وہ ان کی آنکھ کا اشارہ سمجھ لینے کے باوجود بھی اپنے فطری لحاظ اور مروت کے ہاتھوں مجبور اس شخص کی بات تحمل سے سن رہا تھا۔ وہ ان کا بیٹا تھا' مگر ان سے بالکل مختلف عادات کا مالک تھا۔ وہ تو جہاں ضرورت ہوتی بد مزاج اور بد دماغ بھی بن سکتے تھے' پُرغرور انداز بھی اختیار کر سکتے تھے' لحاظ اور مروت کو پرے بھی دھکیل سکتے تھے۔

"ہر آدمی آپ کی اخلاقیات کا مستحق نہیں ہوتا۔" وہ اسے سمجھایا کرتے تھے۔

"عباد عزیر! آثار بتا رہے ہیں تم میرے بنے بنائے جمائے کاروبار کو چند ہی سالوں میں بہت برے حالات تک پہنچا دو گے' تمہیں تو ہر کسی پر ترس اس قدر آتا ہے۔"

وہ بالکونی میں چلتے چلتے آہستگی سے دروازہ کھول کر اس کمرے میں آ گئے تھے' یہاں اس کے بچپن اور لڑکپن' نوجوانی سب بکھری پڑی تھیں' اسے کمرے میں تصویریں لگانے کا بہت شوق تھا۔

اس کی ایک تصویر جس میں وہ 8' 9 برس کا تھا' اسے دیکھتے انہیں بے وجہ ہی برسوں پہلے کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ برسوں پہلے کی ایک بات جب وہ یونہی اس کے کمرے میں آئے تھے' اسی طرح بالکونی والے دروازے سے' انہیں بات یاد نہیں تھی' عباد نے کیا شرارت کی تھی' ایسا کیا کیا تھا جس پر انہوں نے اسے بہت ڈانٹا تھا۔ وہ چپ چاپ سر جھکا کر ان کی ڈانٹ سنتا رہا تھا۔ وہ ایسے کام کرتا ہی بہت کم تھا کہ اسے ڈانٹ کھانی پڑے۔ اس لیے نہ وہ اور ہاجرہ اسے ڈانٹنے کے عادی تھے اور نہ وہ ڈانٹ کھانے کا۔ یہی وجہ تھی کہ رات جب وہ سونے کے لیے لیٹ گئے تو انہیں بے چینی سے نیند نہیں آئی۔

وہ اپنی غلطی پر ان سے ڈانٹ کھا کر چپ چاپ اپنے کمرے میں سونے چلا گیا تھا اور اب انہیں اسے ڈانٹنے پر ملال سا ہو رہا تھا۔ اس کی غلطی بھی کیا تھی' کیا ہوا' وہ شرارتی بچہ نہ تھا' ایک آدھ بار کی غلطی تو قابل معافی ہوتی ہے۔ انہیں اسے اتنے سخت لفظوں میں نہیں ڈانٹنا چاہیے تھا۔ وہ بے چین ہو کر اپنے کمرے سے اٹھ گئے تھے۔ "کبھی کبھار ڈانٹ ڈپٹ بھی بچوں کی بھلائی کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ اکلوتا بیٹا ہے' کہیں ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار میں بگڑ ہی نہ جائے۔" بالکونی میں ادھر سے ادھر چکر کاٹتے ان کا ذہن ان سے کہہ رہا تھا۔ مگر باپ کا دل ذہن کی ان نصیحتوں کو خاطر میں نہ لاتا آخر بیٹے کے کمرے میں آ ہی گیا تھا۔ وہ اندر اسی طرح جیسے ابھی آئے تھے بالکونی کے دروازے سے اسی کمرے میں آئے تھے' شاید رات کا ایسا ہی کوئی پہر تھا' یہیں اسی بیڈ پر وہ سو رہا تھا۔

وہ اس کے قریب آ گئے تھے' اس کے قریب آ کر انہوں نے اسے جھک کر دیکھا تو اس کے گالوں پر انہیں آنسوؤں کے نشان نظر آئے' آنسو سوکھ چکے تھے' مگر ان آنسوؤں کے نشان اس کے چہرے پر باقی تھے' وہ روتے روتے سو گیا تھا۔ ان کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا تھا۔ وہ بے اختیار جھکے تھے' انہوں نے اس کے دونوں گالوں کو والہانہ چوما تھا۔

"عالی! آئم سوری بیٹا' پاپا کو تمہیں اس طرح نہیں ڈانٹنا چاہیے تھا۔" وہ گہری نیند سو رہا تھا' وہ اٹھا نہیں تھا' ان کی آنکھیں بیٹے کے آنسوؤں کو دیکھ کر بھیگ سی گئی تھیں' وہ اس کے پاس ہی لیٹ گئے تھے۔ وہ دل میں ارادہ کر رہے تھے کہ اپنی اس ڈانٹ کے ازالے کے لیے وہ اسے کل کہیں گھمانے لے جائیں گے' اسے اس کی پسند کے بہت سارے کھلونے دلائیں گے' وہ ان سے خفا ہو کر روتے ہوئے سویا تھا' وہ اسے کل صبح ہی منا لینے کا ارادہ کر رہے تھے۔ مگر صبح ہونے پر جب ان سے پہلے عالی ان کے پاس آیا۔ وہ اسے منانے اور خوش کرنے کا پروگرام طے کر رہے تھے اور

meem Oneurdu.com

وہ آنکھوں میں آنسو لیے ان سے معافی مانگ رہا تھا۔

"sorry papa! It won't happen again"

وہ نو سال کا بچہ رات اپنے بستر میں گھس کر روتے ہوئے اس لیے نہیں سویا تھا کہ پاپا نے اسے ڈانٹا تھا اور وہ ان سے ناراض تھا بلکہ اس لیے رویا تھا کہ اس نے ایسا کام کیا کیوں جس پر پاپا خفا ہوئے‘ وہ خود سے ناراض ہو کر روتے ہوئے سویا تھا۔

اپنے نو سال کے بیٹے کی اس حساسیت پر ان کے دل کی عجیب حالت ہوئی تھی‘ انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا‘ اسے والہانہ اور بہت پیار کیا تھا۔

ان کے ذہن کے رو بھٹکتی کہاں سے کہاں چلی گئی تھی‘ وہ عباد کے بیڈ پر بیٹھ گئے تھے۔

وہ رات کے اس پہر آخر اس بیٹے کو کیوں سوچ رہے ہیں جسے کل ضرور ان سے محبت تھی مگر آج نہیں‘ جسے کل ضرور ان کی پروا تھی مگر آج نہیں‘ جس کے لیے وہ کل ضرور اہم تھے مگر آج نہیں۔ آج تو اس کے لیے وہ لڑکی اہم ہے۔ اگر اس کے لیے آج ان کی کوئی اہمیت ہوتی تو بجائے انہیں موبائل پر میسجز کرنے اور ای میل بھیجنے کے یہاں آ نہ چکا ہوتا؟ انہیں اپنے نکاح کی اطلاع دیتی ایک ای میل کر کے وہ امریکہ میں اس لڑکی کے ساتھ سکون سے تھا‘ مزے میں تھا۔

انہوں نے اس کی ای میل پڑھنا گزشتہ کئی ماہ سے ترک کر رکھا تھا۔ اس کی ای میلز ہوتیں یا موبائل پر ٹیکسٹ میسجز‘ وہ پڑھے بغیر انہیں ڈیلیٹ کر دیتے۔ اس وقت ان باکس میں عباد کی صرف ایک ہی میل تھی‘ وہ میل جو غالباً اس نے انہیں اپنے نکاح کی اطلاع دینے کے لیے کی تھی۔ اس ای میل کو انہوں نے پڑھا نہیں تھا مگر اس ای میلز کو پچھلی تمام میل کی طرح وہ ڈیلیٹ بھی نہ کر سکے تھے‘ نجانے کیوں؟

☆ ☆ ☆

ایک بہت طویل اور بہت تھکا دینے والے سفر کے بعد بالآخر اس کا جہاز دبئی ایئرپورٹ پر لینڈ کر گیا تھا۔ اس نے پورا سفر اپنے مما پاپا کی تصویروں کو دیکھ کر ان سے باتیں کرتے گزارا تھا۔ وہ اب ان تصویروں کو واپس اپنے والٹ میں رکھ رہا تھا۔ حفاظتی بیلٹ باندھ لینے کے بعد آنکھیں بند کیے بیٹھا وہ جہاز کا زمین سے نزدیک سے نزدیک تر ہونا محسوس کر رہا تھا۔

وہ پاپا کو منا لینے کے اپنے طویل سفر کی پہلی منزل پر پہنچ چکا تھا۔ امیگریشن کے لیے یہاں بھی طویل قطاریں لگی ہوئی تھیں۔

اس کی فلائٹ کے مسافر اور کچھ دوسری فلائٹس جنہوں نے ان کے آگے پیچھے ہی دبئی ایئرپورٹ پر لینڈ کیا تھا ان کے مسافر مختلف قطاروں میں لگے امیگریشن کے لیے سکون سے اپنی اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کی باری آئی تو عرب امیگریشن آفیسر نے دو تین عمومی نوعیت کے سوالات کر کے اس کے پاسپورٹ پر اسٹیمپ لگا دی تھی۔

اسی اثنا میں Luggage Belt پر ان لوگوں کا سامان آنا شروع ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ تو کوئی خاص سامان نہیں تھا مگر اس کے ساتھ سفر کرتی ایک بوڑھی پاکستانی خاتون جو جہاز میں اس سے ایک نشست آگے بیٹھی ہوئی تھیں ان کے ساتھ خاصا وزنی سامان تھا۔ وہ خاصی ضعیف بھی تھیں اور تنہا سفر بھی کر رہی تھیں۔ اپنا سوٹ کیس بیلٹ پر سے اٹھا کر ٹرالی میں رکھتے اس کی ان خاتون پر نظر پڑی۔

وہ اپنا سوٹ کیس بیلٹ پر سے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں‘ مگر وزنی ہونے کے سبب وہ ان سے اٹھایا نہیں جا رہا تھا۔ وہ ان کے قریب آ گیا‘ اس نے ان کا وہ سوٹ کیس اٹھا کر ان کی ٹرالی میں رکھ دیا۔

"شکریہ بیٹا۔" وہ اس کی شکر گزار ہوئی تھیں۔

"آپ کا اور بھی سامان ہے آنٹی؟" اس نے ان سے پوچھا۔

"ہاں بلیک کلر کا ایک سوٹ کیس اور ہے۔" وہ ان کے ساتھ کھڑا رہا۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ وہ اپنا سامان اٹھا چکا ہے اور اب صرف ان کی خاطر وہاں کھڑا ہے۔

ورنہ راستے بھر وہ کتنا لاتعلق سا لگا تھا‘ انہوں نے دیکھا تھا اس نے ایئر ہوسٹس کو بھی اپنے لیے کچھ کھانے پینے کے لیے لانے کو منع کر دیا تھا‘ وہ سارا راستہ گرد و پیش سے لاتعلق اپنے آپ میں مگن رہا تھا۔ مگر وہ شاید صرف لاتعلق نظر آیا تھا‘ تھا نہیں‘ تب ہی تو بغیر کسی نیت اور جان پہچان کے صرف انسانیت کے ناتے ان کے ساتھ کھڑا ان کے سامان کا انتظار کر رہا تھا۔ ان کا دوسرا سوٹ کیس کافی دیر بعد آیا تھا‘ اس نے ان کا دوسرا سوٹ کیس بھی اٹھا کر ان کی ٹرالی میں رکھا۔

"جیتے رہو‘ خوش رہو۔" اس کا شکریہ ادا کرتے انہوں نے اسے دعائیں دیں۔

وہ ان کے شکریے پر شرمندہ سا ہوتا یوں نظر آ رہا تھا جیسے کسی ایسی بات پر اس کا شکریہ ادا کیا جا رہا تھا جو انتہائی معمولی تھی۔ بڑھاپا بھی تھا اور وہ زندگی میں پہلی بار تنہا سفر بھی کر رہی تھیں اس لیے کچھ گھبراہٹ کا شکار تھیں مگر اس انجان لڑکے کی اپنے ساتھ موجودگی سے انہیں بڑی ڈھارس‘ بڑی تقویت مل رہی تھی۔ وہ یہاں اپنی بیٹی سے ملنے آئی تھیں۔ ان کے داماد کو انہیں پک کرنے آنا تھا مگر وہ ابھی تک پہنچے نہیں تھے۔ انہیں گھبراہٹ شروع ہو گئی تھی کہ انجان جگہ پر تنہا وہ بیٹی کے گھر کیسے پہنچیں گی۔

"آپ فکر مت کریں آنٹی! تھوڑی دیر اور دیکھ لیں اگر آپ کو لینے کوئی نہیں آیا تو آپ کو جہاں جانا ہے وہاں میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔" وہ ان کی وجہ سے ان کے ساتھ وہاں رکا ہوا تھا۔ انہوں نے اب اس سے اس کا نام پوچھا تھا۔ وہ انہیں کسی بہت اچھی فیملی کا لگا تھا۔ نئی نسل کے لڑکوں میں یہ شائستگی‘ یہ اخلاقیات باقی ہیں‘ وہ تعجب سے سوچ رہی تھیں۔ کافی انتظار کے بعد ان کے داماد انہیں لینے آ گئے تھے تو وہ اب اس سے رخصت ہو رہی تھیں۔

"آپ مجھے یہ دعا دیں آنٹی! کہ میرے مما‘ پاپا ہمیشہ خوش رہیں‘ مجھ سے راضی رہیں‘ کبھی بھی مجھ سے ناراض نہ ہوں۔"

"اتنے پیارے بیٹے سے بھلا ماں‘ باپ کیوں راضی نہ رہیں گے بیٹا۔"

انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس والدین کی خوش قسمتی پر رشک کر رہی تھیں جن کا وہ اتنا پیارا بیٹا تھا۔

ان بوڑھی خاتون کو ان کے داماد کے ساتھ رخصت کر کے اب وہ ٹیکسی میں بیٹھا انکل طارق کے گھر کی جانب رواں تھا۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ روشنیوں اور بلند و بالا عمارتوں میں گھرے دبئی کی صاف ستھری سڑکوں پر بے توجہی سے نگاہیں دوڑاتے وہ اپنے مما اور پاپا کو سوچ رہا تھا۔ ابھی تو وہ دبئی پہنچا ہے۔ وہ کراچی کب جائے گا‘ وہ کسی چھوٹے سے بچے کی طرح ان دونوں کے سینے سے لگ جانا چاہتا تھا۔ وہ ان دونوں سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ ان دونوں سے بہت پیار کرتا ہے‘ ساری دنیا میں سب سے زیادہ ان دونوں کو چاہتا ہے۔

مما‘ پاپا کا اس وقت اس کے سامنے آ جانا ناممکن تھا‘ مگر اس کا ان سے محبت کا اظہار اور اعادہ تو ناممکن نہ تھا۔ پاپا اس کا میسج پڑھیں نہ پڑھیں پھر بھی وہ انہیں میسج کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس سے قطع تعلق کا اعلان کر چکے تھے‘ وہ اس سے اپنا ہر رشتہ ختم کرنے کا اعلان کر چکے تھے‘ پھر بھی وہ انہیں میسج کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنا موبائل نکالا۔

پہلے وہ مما کو ان کے موبائل پر میسج بھیج رہا تھا۔ سادہ سے چند لفظ تھے جو اس نے ٹائپ کیے تھے۔

" Mama! I Love You "

اور میسج سینڈ کر دیا تھا‘ اب وہ ایسا ہی ایک میسج اپنے پاپا کو سینڈ کر رہا تھا۔

" Papa! I Love You"

ایک ہی سیکنڈ کے اندر مما کا Reply آ گیا تھا۔

"آئی لو یو ٹو بیٹا۔"

مما کا جوابی میسج پڑھتے ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں)

meem
© Oneurdu.com

فرحت اشتیاق

متاعِ جاں ہے تو

بنیہ سجاد ایک ذہین اور باصلاحیت لڑکی ہے۔ غیر معمولی اعتماد اسے والدین سے ورثے میں ملا ہے اس کی ساری زندگی امریکہ میں گزری ہے۔ بہترین تربیت اور کولمبیا یونیورسٹی سے انجینئرنگ کی ڈگری نے اس کی شخصیت میں مزید نکھار پیدا کیا ہے۔ اس کے والد وکیل جبکہ والدہ اکنامسٹ تھیں۔ دو بھائی اور ایک بہن شادی کے بعد اپنی اپنی زندگی میں مصروف ہیں۔ والدین کے انتقال کے بعد بنیہ امریکہ کی ہنگامہ پرور فضا سے گھبرا کر پاکستان آجاتی ہے اور جاب کے سلسلے میں فاروق ایسوسی ایٹس آتی ہے۔ جہاں فرم کے مالک عذیر فاروق اس کے پر اعتماد اور سادہ انداز سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ وہ اسے ٹرائل پر نوکری دے دیتے ہیں۔ جہاں چند ہی دنوں میں وہ متاثر کن کارکردگی دکھاتی ہے۔ پاکستان میں وہ فیاض ماموں، شمسہ مامی کے ساتھ رہتی ہے۔ جاب کے سلسلے میں عذیر فاروق خاص معاونت کرتے ہیں، جس سے ایڈجسٹمنٹ میں آسانی ہوتی ہے۔ ان کی اہلیہ ہاجرہ عذیر سے مل کر بنیہ بہت متاثر ہوتی ہے۔ وہ عذیر فاروق کی طرح طلسماتی شخصیت کی حامل ہیں۔ ہاجرہ عذیر کی طبیعت کی خرابی پر بنیہ ذاتی طور پر ان سے ملنے اسپتال جاتی ہے۔ وہ بنیہ میں ایک ان دیکھی کشش محسوس کرتی ہیں۔ بنیہ بھی عذیر فاروق اور ہاجرہ عذیر کے لیے خاص جذبات رکھتی ہے۔ اچانک ایک روز وہ دونوں بنیہ سے ملنے گھر آجاتے ہیں۔ جس پر وہ حواس باختہ ہو جاتی ہے ان کے جانے کے بعد وہ فیاض ماموں اور شمسہ مامی کو بتاتی ہے کہ یہ عباد کے والدین ہیں۔ جس پر وہ دونوں حق دق رہ جاتے ہیں۔

عالی یعنی عباد عذیر سے اس کی ملاقات کولمبیا یونیورسٹی میں اتفاقاً ہوئی جو وہیں سے انجینئرنگ میں ایم ایس کر رہا تھا۔ بنیہ کا پر اعتماد انداز اسے بھی چونکاتا ہے اور بے ساختہ اس کی جانب کھنچنے لگتا ہے۔ ایک اتفاق بنیہ اور عباد کو ایک

مکمل ناول

URDU PHOTO

دوسرے کے قریب لے آتا ہے۔ دونوں کی محبت میں بظاہر کوئی رکاوٹ نہیں۔ بنیہ کی دادی ماما جانی سے بھی عباد کی دوستی ہو جاتی ہے۔ اسے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانے کا فن آتا ہے۔ بنیہ اپنے آپ کو اس کی محبت سے روک نہیں پاتی۔ عباد کا دوست عدیل' بنیہ سے مل کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا' بنیہ' عباد کے والدین کی جانب سے خدشات کا شکار ہے۔

بنیہ اور عباد کی لو اسٹوری میں اچانک موڑ آتا ہے جب عذیر فاروق' تایا زاد انوشہ سے اس کی منگنی کر دیتے ہیں' یہ جان کر عباد کے قدموں تلے سے زمین نکل جاتی ہے۔ وہ عذیر فاروق اور ہاجرہ کو بنیہ کے بارے میں بتاتا ہے تو وہ اسے ہر تعلق ختم کرنے کا کہتے ہیں۔ بنیہ کے علم میں جب یہ بات آتی ہے تو وہ گم صم ہو جاتی ہے۔ عباد اسے ایک لمحے کے لیے تنہا چھوڑنے پر تیار نہیں ہے۔ عباد بنیہ کو یقین دلاتا ہے کہ وہ اپنے والدین کو بنیہ کے لیے منا لے گا۔ بنیہ تمام معاملات کا ذمہ دار عذیر فاروق کو سمجھتی ہے۔ اسی دوران ماما جانی کی طبیعت شدید خراب ہو جاتی ہے' جس سے بنیہ کے ہاتھ پیر پھول جاتے ہیں۔

مرتے ہوئے ماما جانی' عالی اور بنیہ کا نکاح کروا دیتی ہیں۔ عذیر فاروق' عباد سے سارے تعلق توڑ لیتے ہیں' عباد کے لیے ان کی سرد مہری سوہان روح ہے۔ مشکل کی اس گھڑی میں بنیہ کے بہن بھائی اسے اکیلا چھوڑ دیتے ہیں۔ عباد' بنیہ کو جذباتی سہارا فراہم کرتا ہے اور اپنی نئی زندگی کا آغاز پر اعتماد انداز میں کرتا ہے۔

نئی زندگی کی شروعات وہ carmel میں چھ دن ہنی مون منا کے کرتے ہیں۔ اسے ایک ہفتے بعد نیو یارک سے دبئی اور پھر پاکستان اپنے والد عذیر فاروق کو منانے جانا ہے۔ چھ یادگار دن وہ ایک دوسرے کے ساتھ گزارتے ہیں۔ عباد چاہتا ہے کہ بنیہ ہر غم بھلا کر اسے پاکستان بھیجے' بنیہ اس کا مان رکھتی ہے اور تمام اچھی امیدوں اور دعاؤں کے ساتھ اسے رخصت کرتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے!)

چھٹی اور آخری قسط

بہت خوب صورت' بڑی پیاری مسکراہٹ' وہ اس میسج کو جی بھر کر کئی بار پڑھنا چاہتا تھا' اپنی ماں کے پیار بھرے ان لفظوں کی چاشنی اور مٹھاس اپنے اندر اتارنا چاہتا تھا مگر ابھی وہ صرف دوسری بار ہی ماں کے لکھے ان خوب صورت لفظوں کو دیکھ پایا تھا کہ اس کے موبائل پر کال آنے لگی۔ بنیہ اسے کال کر رہی تھی۔ اس نے کہا تھا ناں وہ اسے اس کے دبئی پہنچنے کے بعد فون کرے گی یہ معلوم کرنے کے لیے کہ وہ خیریت سے پہنچ گیا ہے۔ اس نے بنیہ کی کال ریسیو کی۔ ابھی وہ صرف کال ریسیو کر پایا تھا' ہیلو کہنے کے لیے لب وا کر رہا تھا کہ ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ سامنے سے آتی ایک تیز رفتار گاڑی سے ان کی ٹیکسی ٹکرائی تھی۔ غلطی کس کی تھی' کیا ہوا تھا' اسے کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ وہ بس اپنی ٹیکسی کو گویا سیکنڈ کے اندر کئی قلا بازیاں کھاتے دیکھ رہا تھا' وہ ہوا میں کئی فٹ اوپر اچھلی نجانے کہاں جا کے کہاں ٹکرائی' قلابازیاں کھاتی اب کہیں لڑھکتی چلی جا رہی تھی' ایسے جیسے کہیں نیچے کی طرف' کہیں کسی گہرائی کی طرف لڑھک رہی تھی۔ موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ اس کے کانوں میں بنیہ کی [illegible] ہوئی آواز آ رہی تھی۔ وہ "عالی" "عالی" پکار رہی تھی۔

وہ اوندھے منہ سیٹ سے نیچے گرا ہوا تھا' اس کے ارد گرد [illegible] سارا خون' جس میں وہ نہا رہا تھا اس کے اپنے جسم سے [illegible] رہا تھا۔ یہ خون اس کے جسم کے کس حصے سے بہہ رہا ہے اسے معلوم نہیں تھا' وہ تو بس بے بسی سے خود کو اپنے ہی خون میں نہاتا دیکھ رہا تھا۔

وہ اب صرف اپنے موبائل تک پہنچنا چاہتا تھا۔ بنیہ نے یقیناً اس دھماکے کی آواز سنی تھی' وہ [illegible] "عالی... عالی" کہہ کر پکارتی رہی تھی۔ شاید ابھی بھی پکار رہی تھی مگر اب اسے اس کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ اس کو اٹھا کر بنیہ سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اس نے فون پر اس سے بات نہ کی تو وہ بہت بری طرح پریشان ہو جائے گی۔ وہ اسے فون پر تسلی دینا چاہتا تھا کہ اس کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے مگر وہ بالکل ٹھیک ہے اور اسے اپنے موبائل پر پاپا کا Reply بھی تو پڑھنا ہے۔ کیا پتا انہوں نے اسے Reply کر دیا ہو۔

"عالی! مجھے ڈر لگتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی ہے جو تمہیں مجھ سے دور لے جا رہا ہے۔ مجھے آج کل اتنے ڈراؤنے خواب آتے ہیں عالی۔ میں تنہا ہوتی ہوں' تم میرے ساتھ نہیں ہوتے۔"

اس نے بے اختیار اپنی آنکھیں کھولیں۔ وہ روتی ہوئی اسے اپنے بالکل سامنے نظر آ رہی تھی۔

"ہنی۔" اس کے لبوں سے آواز نہیں نکل سکی تھی مگر اس کے دل نے اسے پکارا تھا۔

"نہیں اللہ! ابھی نہیں' ابھی نہیں۔ ابھی میں تیار نہیں۔ ابھی تو مجھے اس دنیا میں بہت کام ہیں۔ ابھی بہت لوگوں کو میری ضرورت ہے۔ مما' پاپا' ہنی' مجھے پاپا کو منانا ہے۔ وہ مجھ سے خفا ہیں' ابھی نہیں۔"

اس کی وہ پرفیکٹ فیملی' اس کا وہ گھر جہاں مما' پاپا' وہ اور بنیہ موجود تھے' ابھی ہر منظر ادھورا تھا' تکمیل کا منتظر تھا۔ ابھی تو زندگی کو اس کی بہت ضرورت تھی' ابھی تو دنیا میں بہت سے لوگوں کو اس کی بہت ضرورت تھی۔ مما' پاپا اس کے بنا جی نہیں [illegible] بے بسی کے عالم میں اس کے دل سے فریاد نکل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ رہا تھا۔

"عباد عذیر! [illegible] آج تم سے اپنا ہر رشتہ ختم کر رہا ہوں۔ مجھے تم جیسے بیٹے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"پاپا! میری بات سنیں۔" آنکھوں کے آگے چھاتا اندھیرا اب [illegible] اسے کچھ نہیں دے رہا تھا مگر اب اسے اپنا خون نظر نہیں آ رہا تھا' اب اسے اپنا وجود' الٹی پڑی وہ ٹیکسی جس میں وہ اوندھے منہ پڑا تھا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اب اسے کسی بھی طرح کا درد یا تکلیف بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اپنے جسم کو ہلا نہیں سکتا تھا مگر اب اسے ذرا سی بھی تکلیف محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اب اگر وہ کچھ محسوس کر رہا تھا تو وہ وہ اندھیرا تھا جو اس کی آنکھوں کے آگے چھاتا چلا جا رہا تھا اور کسی لمحے کم ہونے لگتا تھا اور کسی لمحے بڑھنے لگتا۔

"اتنے پیارے بیٹے سے بھلا ماں' باپ کیوں راضی نہ رہیں گے۔" اسے یاد آیا ابھی کچھ دیر پہلے کسی نے یہ جملہ اسے کہا تھا۔ وہ برا بیٹا نہیں' وہ نافرمان بیٹا نہیں' وہ پیارا بیٹا ہے۔ ابھی ابھی کسی نے اسے یہ بتایا تھا' یہ یقین دلایا تھا۔ اس کے کانوں میں یقین دلاتی وہ انجان آواز گونج رہی تھی۔

"اتنے پیارے بیٹے سے بھلا ماں' باپ کیوں راضی نہ رہیں گے؟"

"I Love You too Beta"

ماں کے محبت بھرے یہ لفظ اس گہرے اندھیرے میں یکدم ہی روشنی پھیلانے لگے تھے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی ماں کا چہرہ آنے لگا' خوبصورت اور روشن چہرہ' وہ اسے پیار کرنے اس کے پاس آ رہی تھیں۔

"مما!"

"عالی!" بڑے پیار سے انہوں نے اس کا نام لیا تھا۔ ماں یہاں اس وقت اس کے پاس نہیں' وہ کہیں اور ہے' دنیا کے کسی اور گوشے میں' مگر وہ ماں کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا۔ اس نے انہیں اپنا نام لیتے سنا تھا۔ صرف اس کے دل نے نہیں بلکہ اس کے کانوں نے بھی' اس کی سماعتوں نے بھی ان کا "عالی!" پکارنا سنا تھا۔

"عالی!" اس بار کسی اور نے اسے پکارا تھا' اس کی بند ہوتی آنکھوں نے اس آواز کو ایک پل میں پہچان لیا تھا۔

یہ اس کے پاپا کی آواز تھی۔ اس کے پاپا' وہ اپنے عالی کو پیار سے پکار رہے ہیں۔ اس کے لب کھلے' اس بار دل میں نہیں' لبوں کی جنبش سے نہیں' بلکہ زبان سے آواز سے اس نے انہیں پکارا' ان کا نام لیا۔ "پاپا!" اس کے لب ہل رہے تھے' وہ آواز سے بول رہا تھا۔

"پاپا! مجھے معاف کر دیں۔ پاپا! مجھ سے خفا مت ہوں۔ آئی لو یو پاپا!" اس کے لبوں سے مزید کوئی لفظ نکل نہیں پایا تھا۔ عباد عذیر کے لبوں سے یہ آخری الفاظ نکلے تھے۔ اس کے لب باہم پیوست ہو گئے تھے۔ اس کے گرد پھیلتا اندھیرا اب گھٹ نہیں رہا تھا' وہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔

"عالی! میرا بیٹا' مما کی جان!" مما اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی تھیں' وہ اس کا سر اپنی گود میں رکھ رہی تھیں۔

"عباد عذیر! تم تو مجھ جیسے بہادر آدمی کے بیٹے لگتے ہی نہیں ہو۔"

وہ اس کے سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے' اس کے پاپا۔ یہ آخری چہرہ تھا جو اس کی نگاہوں کے سامنے آیا تھا' یہ

آخری آواز تھی جو اس نے سنی تھی۔ اس نے ماں کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں موندلی تھیں کہ اس کی گود میں سر رکھ کر اسے اس کو بہت گہری نیند سوتا تھا۔

"papa! it would not happen again
I'm sorry"

وہ اس کے کمرے میں اس کے بیڈ پر ویسے ہی بیٹھے تھے جیسے کئی لمحے قبل یہاں آکر بیٹھے تھے۔ وہ اسے سوچنا نہیں چاہتے تھے مگر وہ یاد آئے چلا جا رہا تھا۔

"عالی" اچانک ہی انہیں ہاجرہ کی چلاتی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ گھبرا کر فوراً بستر سے اٹھے اور بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں آئے۔ ہاجرہ بستر پر بیٹھی تھیں۔

وہ فوراً ان کے پاس آئے۔

"ہاجرہ! کیا ہوا ہے؟"

"عالی، میرا عالی! میں نے بہت برا خواب دیکھا ہے۔" سر سے لے کر پاؤں تک پسینے میں بھیگی وہ تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ ان کے چہرے کو پیار سے تھپتھپا کر وہ ان کے لیے روم فریج سے پانی نکال لائے۔

"پانی پی لیں۔"

انہوں نے گلاس اپنے سامنے سے دور ہٹا دیا۔ "مجھے اپنے عالی سے ملنا ہے۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آپ اس سے رشتہ توڑ سکتے ہیں، میں نہیں۔ مجھے عالی سے ملنا ہے۔ سن رہے ہیں آپ۔ اسے دیکھے بغیر تو میں مرجاؤں گی۔"

وہ ان کے سینے پر سر رکھ کر بلک بلک کر رو رہی تھیں۔

اتنے دنوں سے کام کی اور ضروری باتوں کے علاوہ ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہو رہی تھی۔ اور اب جب بات ہوئی تو اس کے متعلق۔ وہ ان کی پیٹھ آہستہ آہستہ سہلاتے انہیں سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"آپ نے کوئی برا خواب دیکھا ہے، وہ وہاں بالکل خیریت سے ہوگا۔"

"اسے یہاں بلائیں، میرے پاس۔ میں اپنے بیٹے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی عذیر!" ضدی لہجے میں بولتی وہ زار و قطار رو رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

صبح ہونے پر وہ دونوں خاموش تھے۔ ہاجرہ نے باقی کی رات جائے نماز پر نماز پڑھ کر اور قرآن پاک پڑھ کر گزار دی تھی۔ ہاجرہ کی رات کی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے آفس جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تھے، مگر وہ دونوں بالکل چپ تھے۔ ناشتے کے لیے، دوپہر اور رات کے کھانے کے لیے وہ دونوں میز پر ایک دوسرے کی خاطر بیٹھے ضرور تھے پر دونوں میں سے کسی نے بھی کچھ کھایا نہیں تھا۔ دل بے وجہ اتنا اداس اتنا مضطرب تھا کہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دل کو کیا بے سکونی سی کیسی لاحق ہے۔

پورا دن یونہی گزر چکا تھا، رات ہو چکی تھی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ وہ دونوں اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھے تھے۔ ہاجرہ کے موبائل پر کوئی میسج آیا تھا۔ انہوں نے خود سائیڈ ٹیبل سے اٹھا کر ہاجرہ کو ان کا موبائل دیا تھا۔ پتا نہیں کس کا میسج تھا، وہ بے ساختہ بہت بھرپور انداز میں مسکرائی تھیں۔ محبت، ممانیت اور سرشاری بھری مسکراہٹ۔ ہاجرہ کی مسکراہٹ کو دیکھ رہے تھے کہ اسی پل ان کا فون بھی بجا تھا۔

"Papa! I Love You" وہ گم صم کئی پل ان لفظوں کو دیکھتے رہے۔ ہاجرہ ان کے پاس سے اٹھیں، پتا نہیں وہ کہاں جا رہی تھیں۔ وہ ان سے... لفظ ان کے موبائل پر چمکتے، جگمگاتے ان کے سامنے جلے جا رہے تھے۔

"Papa! I Love You" یک ٹک کسی بات کی طرف توجہ دیے بغیر وہ ان لفظوں کو دیکھے جا رہے تھے۔

"عالی" ہاجرہ کے لبوں سے نکلنے والی... انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ہاجرہ قالین پر گر پڑی تھیں۔ وہ بوکھلا کر فوراً ان کے پاس آئے۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ انہوں نے انہیں سہارا دے کر اٹھایا اور احتیاط سے واپس بیڈ تک لائے۔

"کیا ہوا؟" انہوں نے انہیں بیڈ پر بٹھا دیا تھا اور تشویش سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"پتا نہیں، ایک دم چکر سا آیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے ایسا لگا جیسے عالی نے مجھے آواز دی ہے، مما کہہ کر۔ آپ نے سنی عالی کی آواز؟ آپ کو عالی کی آواز آئی؟"

وہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھتے رہے، ان کی بات کی تردید میں کچھ کہہ نہ سکے۔ وہ جانتے نہ تھے کہ اس ماں نے آواز سنی، وہ سچی تھی۔ جس لمحے وہ ماں "عالی" پکارتی لڑکھڑا کر قالین پر گری تھی، وہی وہ لمحہ تھا جب عباد عذیر نے ماں کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں موندی تھیں۔ وہ بے بسی سے ہاجرہ کو دیکھ رہے تھے۔

"آپ کو وہ بہت یاد آ رہا ہے نا؟ ہم اسے ابھی فون کر لیتے ہیں۔ آپ اس سے بات کر لیں۔"

وہ اس ماں کی ممتا کا مزید امتحان نہیں لے سکتے تھے۔ ان کے بالوں کو پیار سے سنوارتے وہ ان سے کہہ رہے تھے۔

"ہاں پلیز میری اس سے بات کرا دیں۔"

وہ اپنے موبائل سے عباد کا موبائل نمبر ملانے لگے۔ مگر کال ریسیو نہیں ہو رہی تھی۔ انہوں نے تین چار بار ٹرائی کیا۔ وہ اب نیویارک میں اس کے اپارٹمنٹ کا نمبر ملا رہے تھے۔ وہاں بھی بیل جا رہی تھی، کوئی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ نجانے کتنی بار وہ ٹرائی کر چکے تھے، ان کے برابر بیٹھی ہاجرہ آس اور امید سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ کافی دیر ہو گئی تھی انہیں ٹرائی کرتے، ان کے برابر رکھے ٹیلی فون کی بیل بجنی شروع ہو گئی تھی۔ انہوں نے کال ریسیو کی۔

"یہ عباد عذیر کا گھر ہے؟" کسی آدمی نے عربی لب و لہجے والی انگریزی میں ان سے دریافت کیا تھا۔

"جی۔ میرا بیٹا ہے۔" ان کا دل یک دم بہت تیزی سے دھڑکنا شروع ہو گیا تھا۔

"آپ ان کے...؟"

"بیٹا ہے میرا۔" ہاجرہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے ہاجرہ کی آنکھوں میں خوف و ہراس پھیلتا دیکھا۔

"سوری سر! ہمارے پاس آپ کے لیے ایک بری خبر ہے۔ یہاں دبئی میں شیخ زید روڈ کے نزدیک ایک ایکسیڈنٹ ہوا ہے، اس میں عباد عذیر کا انتقال ہو گیا ہے۔"

قیامت پتا نہیں کب آئے گی اور کیسا ہوگا مگر عذیر علی اور ہاجرہ عذیر کی زندگیوں میں تو روز قیامت آ چکا تھا۔ زمین، آسمان، دنیا، زندگی سب اس لمحے ختم ہو چکے تھے۔ ان سفاک اور بے رحم لفظوں کو انہوں نے سنا ضرور تھا، پر سمجھ نہ سکے تھے۔ ان کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ ریسیور ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ ہنوز بالکونی میں بیٹھی تھی۔ چونکہ پچھلی دو راتوں سے وہ اور عباد بالکل نہیں سوئے تھے۔ اس لیے کرسی پر بیٹھے بیٹھے اسے اونگھ آنے لگی تھی۔ اس ستارے پر نگاہیں جمائے جمائے اس کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ وہ سو گئی تھی۔ شاید دس پندرہ منٹ ہی کے لیے اس کی آنکھ لگی ہوگی کہ گھبرا کر فوراً ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا دل بری طرح گھبرا رہا تھا۔ عجیب سی وحشت اور بے سکونی نے اسے سوتے سے اٹھا دیا تھا۔

اسی وقت اندر فون کی گھنٹی بجی تھی۔ اپنے ماتھے پر آئے پسینے کو پونچھتی وہ دوڑتی ہوئی اندر روم آئی اور فون اٹھایا۔ دوسری طرف کیتھی تھی۔ اس کی آواز سن کر اسے بڑی ڈھارس ہوئی تھی۔ اس وقت جیسی وحشت اور بے سکونی وہ محسوس کر رہی تھی، جس طرح اس کا دل گھبرا رہا تھا، ایسے میں دوست کی صرف آواز سن لینا بھی بڑی ڈھارس دے رہا تھا۔ دوسری طرف کیتھی اس سے لڑ رہی تھی کہ وہ اتنے دنوں سے کسی کو بھی کچھ بتائے اور کہے سنے بغیر آخر غائب کہاں ہوئی تھی۔ کیتھی اور پاٹریک سمیت اس کے تمام قریبی دوست اس کی عباد سے ہنگامی حالات میں ہوئی شادی سے واقف تھے۔

"مجھے پتا ہے یہ کسی کے گھر فون کرنے کا کوئی معقول وقت نہیں مگر میں اتنی زیادہ پریشان ہو گئی تھی کہ روز پابندی سے صبح، شام، رات مختلف وقتوں میں یہاں بھی فون کرتی ہوں، تمہارے گھر بھی فون کرتی ہوں۔ تمہارے سیل پر بھی فون کرتی ہوں۔ بندہ کہیں جا رہا ہے تو کسی کو بتا کر تو جائے۔" اس کے یہ بتانے پر کہ وہ اور عباد کیلی فورنیا گئے ہوئے تھے کیتھی نے جواباً تیز لہجے میں کہا۔

"عالی کیسا ہے؟" غصہ کچھ فرصت ہوئی تو کیتھی نے عباد کی خیریت پوچھی۔

"ٹھیک ہے۔ ابھی تو پلین میں ہوگا۔ وہ اپنے پیرنٹس سے ملنے پاکستان گیا ہے۔ انہیں ہماری شادی کے بارے میں سب کچھ بتانے۔"

اس کے جواب پر کیتھی یک دم ہی سنجیدہ ہوئی۔ عباد کے پیرنٹس نے بنیہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، یہ

کیتھی کے علم میں تھا۔ وہ فوری طور پر بنیہ سے کچھ نہ کہہ سکی۔

"تم پریشان ہو؟" اس نے آہستگی سے ایک لمحے بعد پوچھا۔

"ہاں بہت۔ کیتھی! کیا تم اس وقت میرے پاس آسکتی ہو؟ مجھے پتا ہے رات بہت ہو گئی ہے مگر پلیز۔ مجھے اکیلے عجیب سا ڈر لگ رہا ہے۔ پتا نہیں کیوں دل اتنا گھبرا رہا ہے۔ عجیب سا ڈر ہے، عجیب سا خوف ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے، بس دل تیز تیز دھڑک رہا ہے۔"

دوست کا ہمدردانہ انداز اس کی آنکھوں میں آنسو لے آیا تھا۔ اس نے عباد سے کہا تھا۔ وہ کمزور اور بزدل نہیں اور وہ تو اس کے جانے کی پہلی ہی رات اتنی کمزور اور بزدل ثابت ہو رہی تھی۔ گھڑی رات کے دو بجا رہی تھی، مگر کیتھی نے جواب میں...

"اس وقت؟ اتنی رات کو؟" جیسا ایک بھی جملہ نہیں کہا تھا، وہ "فوراً" اس کے پاس آنے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔

"میں آرہی ہوں بنیہ! تم فکر مت کرو۔" اور وہ واقعی چند ہی منٹ بعد اس کے گھر میں موجود تھی۔ اس کا گھر عباد کے اپارٹمنٹ سے تھا ہی اتنا نزدیک کہ گاڑی میں پہنچنے میں تو اسے محض چند منٹ ہی لگے تھے۔ اپنے قریب اپنی پیاری دوست کو دیکھ کر اسے بڑی ڈھارس ہوئی تھی۔

"تم فکر مت کرو بنیہ! عالی کے پیرنٹس تمہیں ضرور قبول کریں گے۔"

وہ دونوں کمرے میں آگئی تھیں اور آکر بیڈ پر ساتھ ہی لیٹ بھی گئی تھیں وہ کیتھی کی تسلی کے جواب میں اسے یہ نہ سمجھا پائی کہ اس وقت اسے اس بات کی مطلق پروا نہیں کہ عالی کے والدین اسے قبول کرتے ہیں یا نہیں اس وقت تو اسے خود پتا نہیں تھا کہ اسے کیا ہو رہا ہے۔ اندر ہی اندر جو بے سکونی، وحشت اور خوف ہے، وہ اس بات کا ہرگز نہیں کہ وہ قبول کی جاتی ہے یا رد۔ وہ اپنے اندر پھیلی بے سکونی اور خوف کو خود نہیں سمجھ پا رہی تھی تو کیتھی کو کیا سمجھاتی۔

"تم ریلیکس ہو کر سو جاؤ۔ اچھی اچھی باتیں سوچو۔ مجھ سے تو عالی کی carmal میں کہی کوئی رومانٹک بات بھی شیئر کر سکتی ہو۔ ورنہ best option تو یہ ہے کہ عالی کے ساتھ carmal میں گزاری راتوں کو سوچتے سوچتے سو جاؤ۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

اس سے باتیں کرتے کرتے کیتھی تو سو گئی تھی مگر وہ جاگ رہی تھی۔ اسے نیند نہیں آرہی تھی اور نہ ہی اسے [illegible] تھا۔ عالی دبئی پہنچ جاتا تو اسے "فوراً" اسے کال کرنی تھی اور خیریت سے پہنچ گیا یہ اطمینان کرنا تھا۔

کیتھی صبح سو کر اٹھی تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی کہ بنیہ رات بھر بالکل بھی نہیں سوئی تھی۔ اس کا ذہن عباد کو فون کرنے کی سوچ پر اس طرح اٹکا ہوا تھا کہ اسے یہ دھیان بھی نہیں آیا تھا کہ کیتھی اس کے گھر پر مہمان ہے اور اسے اس کے لیے ناشتہ بنانا چاہیے۔ کیتھی خود کچن میں جا کر اس کے اور اپنے لیے ناشتہ بنا لائی تھی۔ اس کے بہت کہنے پر بھی اس نے ناشتہ نہیں کیا تھا، وہ گھڑی پر نگاہیں جمائے بیٹھی تھی۔ عجیب طرح کی بے سکونی اسے لاحق تھی، عباد سے بات ہو جاتی تو شاید یہ بے سکونی کچھ کم ہو پاتی۔ کیتھی نے اسے اتنا مضطرب اور پریشان کبھی نہیں دیکھا تھا، بنیہ کو اس نے ہمیشہ بہت مضبوط اور بہادر پایا تھا، اس لیے وہ بجائے اپنے آفس جانے کے اس کے پاس ہی رکی رہی۔

بنیہ کی طرح اسے بھی یونیورسٹی سے فارغ ہوتے ہی "فوراً" ایک جگہ جاب مل گئی تھی۔ اگلے مہینے وہ اور مائیک شادی کرنے والے تھے۔ بنیہ گھڑی میں [illegible] ویں دفعہ حساب لگا رہی تھی۔ نیویارک میں اس وقت سہ پہر کے تین بجنے والے ہیں تو دبئی میں رات کے 12 بجنے والے ہوں گے۔ "ہاں اب عباد دبئی پہنچ گیا ہوگا۔" [illegible] کے بعد اسے فون کرنا ہے۔ اپنا [illegible] تھا [illegible] کے حساب سے اب عباد یا تو انکل طارق کے گھر پہنچ چکا ہوگا یا پہنچنے والا ہوگا۔ وہ تیز رفتاری سے اس کے موبائل پر کال ملا رہی تھی۔ کیتھی بھی اس کے ساتھ وہیں موجود تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ بھی عباد سے بات کرے گی اور اسے بتائے گی کہ وہ اس پاگل لڑکی کو چھوڑ کر زیادہ دنوں کے لیے نہ جائے ورنہ یہ تو پتا نہیں اپنا کیا حشر کرے گی۔ رات بھر ایک پل کے لیے وہ سوئی نہیں تھی۔ بنیہ موبائل کان سے لگائے اپنی کال ریسیو کیے جانے کی منتظر تھی۔

عباد نے کال ریسیو کر لی تھی۔ ابھی وہ عباد کی ہیلو کی آواز بھی نہیں سن پائی تھی کہ اس کے کانوں میں ایک زوردار دھماکے کی آواز آئی۔ بہت خطرناک اور خوفناک سا دھماکہ۔ اس کے لبوں سے بے اختیار چیخ نکلی۔

"عالی! عالی!" دوسری جانب اس کی بات کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا، اسے [illegible] شور اور دھماکے کی آوازیں آرہی تھیں، انسانی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان میں ایک چیخ کو وہ نہیں پہچانتی تھی، مگر دوسری چیخ کو پہچانتی تھی۔ وہ چیخ اس کے عالی کی تھی۔

"عالی! کیا ہوا ہے؟ عالی! مجھ سے بات کرو۔ عالی کیا ہوا ہے؟" وہ ہذیانی انداز میں چلا رہی تھی، وہ پوری کی پوری کانپ رہی تھی۔ "عالی! کیا ہوا عالی؟ عالی مجھ سے بات کرو۔ عالی! تم ٹھیک ہو نا؟"

کیتھی نے فون اس کے ہاتھ سے لیا، اس نے موبائل اپنے کان سے لگایا۔ اس نے دوسری جانب کوئی آواز سننے کی کوشش کی۔ مگر دوسری جانب اب بالکل خاموشی تھی۔ دوسری جانب لائن کٹ چکی تھی۔

"کیتھی! عالی [illegible] عالی!" اس نے موبائل کیتھی کے ہاتھ سے چھینا۔ وہ وحشت بھرے جنونی انداز میں موبائل کان سے لگائے اس پر عالی، عالی پکار رہی تھی، اسے یہ بھی پتا نہیں چل رہا تھا کہ لائن کٹ چکی ہے۔

"بنیہ! لائن ڈس کنیکٹ ہو چکی ہے۔"

کیتھی نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔ وہ خود بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ ہولے ہولے لرز رہے تھے۔ وہ دل ہی دل میں عباد کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ "جو بھی [illegible] جو کچھ بھی ہوا ہو اللہ [illegible] عباد سلامت رہے، ورنہ یہ لڑکی تو جیتے جی مر جائے گی۔" بنیہ [illegible] کیتھی دوبارہ عباد کے سیل پر کال ملا رہی تھی۔

بنیہ آنکھوں میں وحشت لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے کانوں میں ابھی بھی اس دھماکے کی گونج تھی، بہت بھاری شور تھا اور اس کے کانوں میں اس کے عالی کی چیخیں تھیں۔ کئی بار کی کوششوں کے بعد بھی دوسری جانب کال ریسیو کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ کیتھی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے کس طرح سنبھالے جو وحشت بھرے انداز میں "عالی" "عالی" پکارے چلی جا رہی تھی۔

"عالی کو فون ملاؤ کیتھی! مجھے اس سے بات کرنی ہے، اسے چوٹ لگی ہے، وہ چیخ رہا ہے۔ مجھے فون ملا کر دو۔" اس نے جنونی انداز میں کیتھی کو جھنجوڑ ڈالا۔ وہ رو رہی تھی، وہ کسی چھوٹے سے بچے کی طرح بلک بلک کر روتی اسے جھنجوڑ جھنجوڑ کر اس سے ضدی انداز میں ایک ہی بات مسلسل کہہ رہی تھی۔

"میری عالی سے بات کرا دو، پلیز میری ایک بار اس سے بات کرا دو۔"

وہ کیتھی سے کسی طور سنبھالی نہیں جا رہی تھی، بکھر کر روتی وہ اپنے حواس کھو رہی تھی۔ اسے سنبھالنے کی کوشش میں کیتھی فون کی اس بیل کو بھی نہیں سن پائی تھی جو لیونگ روم میں بج رہی تھی اور ایک بار نہیں کئی بار بجی تھی۔ بنیہ کو سنبھالتی وہ ایک مرتبہ پھر عباد کے موبائل پر کال ملانے کی کوشش کرنے لگی۔ کال تو ہر بار مل رہی تھی مگر لگتا تھا، دوسری جانب اس کال کو ریسیو کرنے والا کوئی نہیں۔ وہ نجانے کون سی دس مرتبہ کال ملا رہی تھی جب دوسری جانب سے کال ریسیو کر لی گئی تھی۔ دوسری جانب کسی انجانی مردانہ آواز نے عربی لہجے میں ہیلو کہا تھا۔

تھوک نگلتے کیتھی نے جواباً ہیلو کہا تھا اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجی تھی۔ اس کا دل یک بارگی بڑی تیزی سے دھڑکا تھا، عباد کے موبائل پر کال کوئی اور ریسیو کر رہا تھا، کیتھی اندر ہی اندر سہم گئی تھی۔ اسے ہیلو بولتا دیکھ کر بنیہ نے موبائل اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

"عالی ہے نا؟" اس نے موبائل اپنے کان سے لگایا، کیتھی اس کو روک نہیں پائی۔

"ہیلو عالی!" دوسری جانب ایک انجانی مردانہ آواز جو عالی کی ہرگز نہیں تھی اس سے مخاطب ہوئی۔

"ہیلو! کون بات کر رہا ہے؟"

"میں ہی ہوں۔ مجھے عباد سے بات کرنی ہے۔ عباد عزیر سے۔ غالباً یہ سیل فون انہی کا ہے۔" وہ انتہائی غصے سے چلائی۔

"مجھے عباد عزیر سے بات کرنی ہے، آپ کوئی بھی ہیں براہ مہربانی فون انہیں دے دیجیے۔" وہ روتے ہوئے حلق کے بل چلائی۔

"ہمیں افسوس ہے عباد عزیر کا یہاں دبئی میں ایک کار ایکسیڈنٹ میں ابھی کچھ دیر پہلے انتقال ہو گیا ہے۔ ایکسیڈنٹ اتنا شدید تھا کہ اسپتال لے جائے جانے سے پہلے وہ اور ٹیکسی ڈرائیور دونوں موقع ہی پر دم توڑ گئے۔"

"آپ اس کی کون ہیں؟"

پتا نہیں کون تھا وہ شخص تھا اور کیا اناپ شناپ بک رہا تھا۔ شاید کیتھی نے کہیں رانگ نمبر ملا دیا تھا۔ بعض لوگ رانگ نمبرز پر کتنے بیہودہ اور واہیات مذاق کرتے ہیں۔ وہ شخص اس قابل نہ تھا کہ وہ اسے کوئی جواب دیتی۔ اس نے بجائے اس شخص کو کوئی جواب دینے کے کال ڈس کنیکٹ کر دی۔ کیتھی جو اس کے بالکل نزدیک اسے اپنے ساتھ لگائے بیٹھی تھی' اس نے فون پر ہونے والی گفتگو کا ایک ایک حرف سنا تھا۔ وہ سن سی اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی تھی۔ کوئی کیسے اسے یقین کرنے میں لگے' ایسا کس طرح ہو سکتا ہے۔ وہ زندگی سے بھرپور شخص' اس طرح' اتنی جلدی' نہیں ایسا کس طرح ہو سکتا ہے۔ وہ تو ابھی صرف 25 سال کا ہے' ابھی اس کا MS بھی مکمل نہیں ہوا' ابھی تو اس کی ہنیہ کے ساتھ شادی کو صرف نو دن ہوئے ہیں' نو دن کی شادی شدہ اس کی دوست' ابھی تو وہ نئی نئی دلہن ہے۔ کیتھی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ وہ زار و قطار رو پڑی تھی۔

نہیں' زندگی اتنی سفاک نہیں ہو سکتی' زندگی اس کی دوست کے ساتھ اتنا بد صورت مذاق نہیں کر سکتی۔

کہاں جا رہی تھی' باہر بہت تیز بارش ہو رہی تھی' بہت ٹھنڈ بھی۔ کیتھی نے روتے ہوئے اسے ہاتھ پکڑ کر روکا۔

"ہنیہ!!" اس نے اسے کھینچ کر اپنے گلے سے لگایا۔ وہ اپنی اس چہیتی دوست سے کیا کہے' کیسے اسے تسلی دے' کیسے اسے صبر کی تلقین کرے' کیسے کہے کہ اس کا عالی مر گیا ہے' کیسے اسے زندگی کی اس بد صورت حقیقت کو قبول کرنے پر آمادہ کرے۔ وہ اس سے کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ بس اسے گلے سے لگائے' پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں' مگر ہنیہ بے حس سی بالکل ساکت اس کے ساتھ لگی تھی۔ روتے روتے اسے احساس ہوا کہ ہنیہ کے وجود میں کوئی بھی جنبش نہیں ہو رہی' وہ کسی مجسمے کی طرح ساکت ہے' تب اس نے اس کا سر اپنے کندھے سے ہٹایا۔ اسے دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہے تھے۔ [illegible] ہنیہ کے ہاتھوں سے پھسل کر نیچے [illegible] کیتھی نے بڑی مشکلوں سے اس کے بے ہوش وجود کو سنبھالا تھا۔

☆ ☆ ☆

[illegible] کیمپس پہنچنے میں لیٹ ہو گئی تھی' وہ بوکھلائی ہوئی [illegible] آ کر بیٹھی [illegible] لڑکا لبوں پر شرارتی مسکان لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں عباد عزیز ہوں۔ MS کر رہا ہوں الیکٹریکل انجینئرنگ میں۔"

"آپ میرے ساتھ [illegible]"

اس نے نیلی جینز اور براؤن شرٹ پہن رکھی تھی' اس کے ماتھے پر بکھرے بال بڑے خوب صورت لگ رہے تھے۔ کیتھی کو وہ بڑھے ہوئے شیو کے ساتھ بڑا کول اور چارمنگ لگ رہا تھا۔

"ہمارے ہاں خواتین سے پیسے لینے کو بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ ہاں اگر آپ کو ایسا لگ رہا ہے کہ میں نے آپ پر بہت بڑا احسان کر دیا ہے تو آپ مجھے اپنے ساتھ کہیں لنچ پر لے جا سکتی ہیں۔"

وہ شوخ و شریر لڑکا کافی کا ذکر کہیں نہ کہیں سے لے آیا تھا۔ اس بار وہ اسے انکار نہ کر پائی تھی۔ اسے بھی [illegible]

دونوں تو اس کی پارٹی کے کپل آف دی ایوننگ تھے' ان کی جوڑی کو تو وہ چاند سورج کی جوڑی کہتی تھی۔ Made for each other کہتی تھی ان دونوں کو۔ تو ابھی ایک دوسرے کے ساتھ بہت سارا سفر طے کرنا تھا' صرف نو دن کی شادی شدہ زندگی کے بعد یہ بیوگی اس کی دوست کا نصیب نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اپنی دوست کو گلے لگا کر رونا چاہتی تھی مگر ہنیہ نے اسے اپنے گلے سے نہ لگایا۔ ہنیہ اس کے رونے پر اجنبی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی' ایسے جیسے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ کس بات پر رو رہی تھی۔ اسے اجنبی نگاہوں سے دیکھتی ہنیہ اس کے پاس سے کھڑی ہو گئی۔

"ہنیہ کہاں جا رہی ہو؟" وہ بھاگتی ہوئی اٹھ کر اس کے پیچھے آئی' اسے اس دیوانی لڑکی سے خوف آیا تھا' کہیں وہ کچھ کر نہ بیٹھے' خود کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔

"کہیں نہیں۔ ابھی تھوڑی دیر میں عالی کو پھر فون کروں گی۔ ابھی نہیں مل رہی نا۔ تھوڑی دیر بعد کروں گی تو اس سے بات ہو جائے گی۔"

وہ اپارٹمنٹ کے دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ وہ

[illegible] لگنے لگا تھا۔ [illegible] گر اس ہینڈسم لڑکے کی آنکھوں میں کیسی چمک آ جاتی تھی۔

"ایک بات کہوں۔" "آپ کو یہ کچھ عجیب نہیں لگ رہا؟"

میرے سب پیاروں اور قریبی دوست مجھے عالی کہتے ہیں' تم بھی اگر چاہو تو مجھے عالی کہہ سکتی ہو۔"

وہ ان کے آپ جناب پر اسے ٹوک رہا تھا۔ وہ سالوں کا فاصلہ لمحوں میں طے کر لینا چاہتا تھا' مگر آگے اس کی بے تکلفی ذرا ابھی بری نہیں لگ رہی تھی۔

"تم کہیں انگیج ہو یا کوئی کمٹمنٹ یا کوئی۔"

اس طرح کنفیوز سا ہو تو کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ کچھ نروس بھی تھا' کچھ بوکھلا بھی رہا تھا اور جو دل میں چھپی بات تھی وہ اس سے کہہ بھی ڈالنا چاہتا تھا۔ وہ اس کے دل میں چھپی بات جان گئی تھی' مگر مزہ آ رہا تھا اس کی کنفیوژن کو بڑھانے میں۔

"میں نے اس لڑکی کو اپنے ساتھ باہر چلنے کی دعوت دی ہے [illegible] میں محبت کرتا ہوں جس کے ساتھ میں اپنی پوری زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔"

وہ اس سے [illegible] ہو گیا تھا' ہنیہ نے اسے غلط سمجھا' اس کی محبت کو غلط سمجھا' اس نے ہنیہ کو اپنے اپارٹمنٹ لے جانے کی اتنی غلط بات سوچی' جبکہ حقیقت میں تو اس [illegible] وہ [illegible] کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس سے بہت خفا [illegible]

[illegible] لگا تھا کہ [illegible] لڑکی اتنی رومانٹک [illegible] جیسے پرانی [illegible] میں چاند [illegible] بارش [illegible] جھلملاتے ستارے [illegible] دیکھنا پسند ہے [illegible] اس نے پہلی بار اقرار [illegible] تھا۔

"ہمارے بیچ کچھ ہے جو بہت خاص ہے۔ کیا تمہیں کبھی ایسا نہیں لگا ہنیہ؟ تم اسے محبت نہ ماننا چاہو مت مانو' ہمارا امریکن کلچر اسے جو نام دیتا ہے دے لے مگر میں یہ بتا دوں کسی کے لیے ایسے جذبات انسان کے دل میں زندگی میں صرف ایک بار پیدا ہوتے ہیں۔ once in a life time اسی لیے کہ محبت زندگی میں صرف ایک بار ہوتی ہے اور صرف کسی ایک ہی سے ہوتی ہے۔"

وہ اس کے ساتھ central park میں تھی۔ وہ لوگ بوٹنگ کر رہے تھے۔ اس کے کہنے پر آج اس نے شیو کر رکھا تھا۔ حالانکہ دل ہی دل میں وہ یہ بات تسلیم کرتی تھی کہ بڑھی ہوئی شیو میں وہ اور بھی زیادہ ہینڈسم لگتا ہے مگر اپنی فرمائش اس سے منوالی تھی نا۔

"مس ہنیہ سجاد! میں عباد عزیز عمر ساڑھے 24 سال..."

وہ اس کے سامنے جھکا اسے پرپوز کر رہا تھا۔ اس کا ہنستے ہنستے برا حال تھا' جبکہ وہ مسکراہٹ روکے بڑا سنجیدہ تھا۔

"کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟" وہ اسے اپنے ہاتھ سے ایک خوب صورت بریسلیٹ پہنا رہا تھا۔ وہ بریسلیٹ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ اب تو پچھلے کافی طویل عرصے سے وہ اس بریسلیٹ کو ہر وقت ہی پہننے لگی ہے۔ اس نے دائیں ہاتھ میں پہنے اس بریسلیٹ کو چھونے کے لیے اپنا بایاں ہاتھ اوپر اٹھانا چاہا' مگر اس پر کوئی وزن سا تھا' وہ اپنا ہاتھ اٹھا نہ پائی۔ اس کے بازو میں کوئی سوئی سی چبھی ہوئی تھی۔ ایک' دو مرتبہ کی کوشش کے بعد اس نے بریسلیٹ کو چھونے کی کوشش ترک کر دی۔ اس وزن کے ساتھ وہ اپنا بازو اٹھا ہی نہیں سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

کیتھی' مائیک اور آرش کے تمام دوست اس کے لیے از حد پریشان تھے۔ وہ مسلسل بے ہوشی کی حالت میں تھی۔ اسے ہوش نہیں آ رہا تھا۔ اس کی حالت سے گھبرا کر کیتھی نے یمینہ کو شکاگو فون کر ڈالا تھا۔ یمینہ' جنید اور معاذ نیویارک آ گئے تھے۔ کئی دن گزر چکے تھے اور وہ ہوش میں نہیں آ رہی تھی۔ ڈاکٹرز کے حساب سے اسے ہوش آ جانا چاہیے تھا۔ وہ فزیکلی بالکل ٹھیک تھی' اس کے تمام اعضاء بالکل ٹھیک اور درست کام کر رہے تھے۔

ڈاکٹرز کے مطابق وہ خود ٹھیک ہونا نہیں چاہ رہی تھی۔ وہ اس بے ہوشی میں اپنے لیے ایک راہ فرار تلاش کر رہی تھی' وہ بے ہوش رہنا چاہتی تھی تاکہ اسے کسی سچائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس کے قریب آ کر اس کا نام لیا جاتا' اس کے ہاتھ پاؤں کو ہلایا جاتا تو اس میں ہلکی سی جنبش ہوتی' اپنے نام پر اس کی پلکیں کچھ پل کے لیے حرکت کرتیں۔

اس کی بیماری کی نوعیت جسمانی نہیں' نفسیاتی اور جذباتی تھی۔ سو اب اس کا علاج ایک سائیکاٹرسٹ کر رہے تھے۔

تھے۔ وہ اس کے پاس آکر اس سے باتیں کرتے انہوں نے اس کے دوستوں اور بہن بھائیوں سے بھی یہی کہا تھا کہ وہ اس کے پاس آکر اس کے نزدیک بیٹھ کر اس سے باتیں کیا کریں اس لیے کہ وہ سب سن رہی ہے۔ یہ اور بات کہ وہ سمجھنا کچھ نہیں چاہتی۔ اسے اس خود طاری کردہ بے ہوشی سے باہر نکالنے کے لیے ڈاکٹرز کے ساتھ ساتھ اس کے دوستوں اور عزیز و اقارب کی بھی بہت ضرورت تھی۔ وہ سب آکر اس سے باتیں کریں۔ اس حادثے کے حوالے سے نہ سہی جسے وہ ماننے سے انکاری ہے تو اپنے اور بنیہ کے تعلقات یونیورسٹی میں گزارے لمحات گھر کی ماما جانی کی بچپن کی تمام یادیں اس کے ساتھ دہرائیں۔ وہ سب ماضی میں ساتھ گزارے لمحات کے متعلق اس سے باتیں کریں۔ ڈاکٹرز بھرپور کوششیں کر رہے تھے مگر وہ ہوش میں نہ آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"تمہارے ہاتھ میں کیا ہوا؟" وہ اس کے جلے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔

"تم اتنی لاپروا کیوں ہو بنیہ سجاد؟" وہ اپنے ہاتھ سے اس کے جلے ہوئے ہاتھ پر آئنمنٹ لگا رہا تھا۔

"تکلیف تو نہیں ہو رہی؟" وہ اس کی معمولی سی تکلیف پر یونہی پریشان ہو جاتا ہے۔

"لاپروا لڑکی! میرے لیے ہی اپنی پروا کر لیا کرو۔ عالی!" اس نے اسے کتاب پر لکھ کر دیا تھا۔ وہ اس کی محبتوں پر سرشار ہوتی مسکراتی رہی تھی۔ وہ اس سے فون پر باتیں کر رہا تھا۔ باتیں کرتے کرتے اسے نیند آنے لگی تھی مگر وہ فون بند نہیں کر رہا تھا۔ اب اس کی سمجھ میں آ رہا تھا وہ اس کے سونے کا انتظار کر رہا تھا، وہ سو جائے گی تو وہ فون بند کرے گا۔ وہ چاہتا تھا کہ بنیہ اس سے باتیں کرتے کرتے سو جائے۔

"آج تم نے میرے ہاتھ کی خیریت تو پوچھی ہی نہیں۔" وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

"اڑاؤ مذاق۔ تمہیں قدر ہی نہیں ہے میری محبت کی۔"

اسے بہت قدر تھی اس کی محبت کی اسے بہت قدر تھی اس کی محبت کی۔ وہ تو بس یونہی اسے ستانے کو بول رہی تھی۔

وہ بوسٹن سے اس کے لیے بہت خوب صورت پرپل کلر کا ڈریس لایا تھا۔ وہ کپڑے اپنی ساری وارڈ روب میں سے اس کے پسندیدہ ہو گئے تھے۔ وہ یہ لباس پہن کر جب اس کے گھر گئی تھی، وہ اس پر سے نگاہیں ہٹانا بھول گیا تھا۔ وہ اسے والہانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس روز بارش بہت تیز ہو رہی تھی۔ اس نے اسے اپنے دوست سے ملوایا تھا۔ ڈنر کے بعد وہ اسے چھوڑنے نیچے تک آیا تھا۔ اس نے چھتری کھول کر اسے فوراً چھتری کے اندر لے لیا تھا، خود اس پر بارش کا پانی گر رہا تھا مگر وہ اس پر بارش کی ایک بوند تک نہیں گرنے دے رہا تھا۔

"تم مجھے spoil کر کے ہی چھوڑو گے۔" وہ اپنے اس طرح ناز اٹھانے پر اس سے کہہ رہی تھی۔

"میں تمہارے سارے ناز نخرے بڑی خوشی سے اٹھاؤں گا بنیہ سجاد!" وہ زندگی بھر اس کے ناز اٹھانے کا وعدہ کر رہا تھا۔

وہ کیتھی کے گھر پارٹی میں جانے سے پہلے پیدل ڈرائیو کا [illegible] تھا۔ وہ اسے ساتھ چلنے پر آمادہ کر رہی تھی۔

"تو مجھے لے جانے کا مقصد دوستوں کے سامنے اترانا اور شو آف کرنا ہے۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنس رہا تھا۔

"تم میرے ساتھ ہو گے تو مجھے اچھا لگے گا، میں پراؤڈ فیل کروں گی عالی! پلیز۔"

"اس طرح سے بول کر تو مجھ سے چاند پر جانے کو کہو گی تو میں چلنے کے لیے کھڑا ہو جاؤں گا۔"

اس نے اس سے اپنی فرمائش منوالی تھی۔ وہ اس سے اپنی ہر بات منوا لیتی ہے۔ وہ اس کی کوئی فرمائش کوئی خواہش رد نہیں کر پاتا۔

24 دسمبر تھی کرسمس ایو تھا۔ وہ دونوں بہت اچھی طرح تیار ہوئے پیدل چل کر کیتھی کے گھر جا رہے تھے۔ عباد بہت دل سے تیار ہوا تھا۔ اس نے اس سے کہا تھا کہ وہ چاہتی ہے آج کپل آف دی ایوننگ وہی دونوں قرار دیے جائیں۔

وہ اس سجے سجائے بڑے سے کمرے کے بیچوں بیچ ایک کرسی پر بیٹھا گٹار بجا رہا تھا۔ اس نے اپنا کوٹ اتار کر اسے پکڑا دیا تھا۔ وہ اس کے کوٹ کو اپنی گود میں رکھے ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ یوں گٹار بجاتا وہ کس قدر ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اور وہ دھن کس گانے کی بجا رہا تھا؟

"you [illegible] meant for [illegible]" کی۔

باہر برف باری ہو رہی تھی اور اندر عالی گٹار بجا رہا تھا۔ سب بالکل خاموش ہو کر اسے سن رہے تھے۔ اس نے ماحول پر ایک سحر طاری کر دیا تھا۔ "باقی لوگ جس کو بھی منتخب کریں میرے لیے میری پارٹی کا سب سے شاندار کپل تم دونوں ہو۔ وہ کپل جسے دیکھ کر دل میں پہلا خیال یہی آتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے بنائے گئے ہیں۔" اس کی پیاری دوست کیتھی نے ان دونوں سے کہا تھا۔ کیتھی اسے اور عباد کو ساتھ دیکھ کر ایسے ہی خوش ہوا کرتی ہے۔

"عباد اور بنیہ کی جوڑی جنت میں بنائی جوڑی ہے۔" وہ دونوں کپل آف دی ایوننگ قرار دے دیے گئے تھے، خوشی کے مارے اس کے پاؤں زمین پر نہ ٹک رہے تھے۔

وہ دونوں برف باری میں پیدل چلے جا رہے تھے۔ عالی کا ہاتھ تھامے اس کے ساتھ چلتے برف باری کا وہ موسم کس قدر [illegible] اور خواب ناک لگ رہا تھا۔ اس بڑے سے [illegible] میں وہ دونوں ایک ساتھ تصویر کھنچوا رہے تھے۔ وہ [illegible] کیتھی کے بقول nice couple (بہترین جوڑا) قرار دے رہا تھا۔ وہ برف پر پھسل کر گر نہ پڑے، اس خیال سے عالی نے اس کا ہاتھ مسلسل پکڑ رکھا تھا۔ وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

"کاش نیویارک میں سارا سال برف باری ہوا کرے اور اس بہانے ماہ مزر ہے، میرا ہاتھ تو پکڑ لیا۔"

وہ گہری نیند سو رہی تھی جب ابھی سو رہی ہے اور وہ [illegible] میں دو بڑی بڑی کینڈلز روشن کیے کھڑا تھا۔ وہ گنگنا رہا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو!" وہ اس کی سالگرہ اپنے اپارٹمنٹ کی بالکونی میں منا رہا تھا۔ ٹھیک رات کے بارہ بجے۔ اس نے بالکونی کو بڑی اچھی طرح سجایا تھا۔ فرش پر [illegible] ہی پھول تھے، میز پر کیک تھا۔ بہت سی کینڈلز اور سرخ اور گولڈن رنگوں کے بلونز تھے۔ خوشی کے مارے اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے۔

"آج تمہاری سالگرہ ہے دیکھو ہم یاد ہے نا۔" وہ مسکراتے ہوئے گنگنا رہا تھا۔

"عالی! ہمیشہ مجھ سے ایسی ہی محبت کرنا۔" اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، نہیں کروں گا؟" وہ اسے پیار سے کہہ رہا تھا۔

"اس نے اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ مضبوطی سے رکھ کر اسے اپنی محبت کا یقین دلایا تھا۔ عالی کے بابا نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا انہوں نے عالی کی کہیں اور منگنی کر دی۔ وہ ڈسٹرب تھی۔ عالی بہت اداس تھا۔ ساری غلطی اس کے بابا کی تھی اور وہ بغیر کسی خطا کے اپنے بابا، اپنے انکل اور اپنی کزن سے شرمندہ تھا۔ اس کی آنکھوں کی تھکن اور اس کے دل کی اداسی اس سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔

"تم انجانے میں بھی کبھی کسی کا دل نہیں دکھا سکتے عالی! تم تو اچھے ہو جتنا اچھا ہونا نہیں چاہیے۔"

بہت پہلے ایک بار اس نے کہیں پڑھا تھا کہ وہ جو بہت اچھے ہوتے ہیں، وہ اس لیے اتنے اچھے ہوتے ہیں کہ انہیں اس دنیا سے جلدی چلے جانا ہوتا ہے اور انہیں پیچھے رہ جانے والے اپنے پیاروں کے دلوں میں اپنی بہت خوب صورت یادیں چھوڑ جانی ہوتی ہیں اور ان کی ضرورت جتنی اس دنیا کو ہوتی ہے اتنی ہی تو اس دنیا میں بھی ان کی ضرورت ہوتی ہے۔

وہ اس تحریر کو پڑھ کر ڈر گئی تھی۔ "نہیں یہ تحریر تو بس یونہی ہے، کوئی آسمانی صحیفہ تو نہیں ہے۔" اور اس کا عالی وہ تو بس ویسے ہی غیر معمولی طور پر اتنا زیادہ اچھا ہے۔ اس کے عالی کو تو اللہ ان شاء اللہ بہت لمبی بہت طویل عمر عطا کرے گا۔

اسے "بنیہ" کہہ کر کوئی آواز دے رہا تھا۔ مگر یہ آواز عالی کی نہیں تھی اس لیے اس نے اس آواز کو نظر انداز کر دیا۔ اس کے جسم کے اندر یہ اتنی ساری چیزیں کیا چبھی ہوئی ہیں، یہ اس پر اتنا وزن کیوں ہے؟ یہ تار ہیں یا پتا نہیں کیا جو اسے محسوس ہوتے ہیں۔ وہ ان کی وجہ سے سکون سے سو نہیں پا رہی۔ اس کے جسم میں اتنی طاقت ہوتی کہ ان کو ہٹا سکے تو انہیں اتار کر پھینک ڈالتی۔ وہ اپنے نزدیک سے ابھرتی اس آواز کو نظر انداز کر کے پھر عالی کی آواز کو سننے لگی تھی۔ اسپتال کے گارڈن میں وہ اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

"میں آج بھی تمہارے ساتھ ہوں، میں کل بھی تمہارے ساتھ ہوں گا، میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں گا۔" وہ اسے اپنی محبت کے لازوال اور لافانی ہونے کا یقین دلا رہا تھا۔ وہ اس وقت سوتے میں رو رہی ہے۔ اسے پتا تھا وہ سوتے میں رو رہی ہے۔ کیوں؟ ہاں! اس کی ماما جانی جو چلی

گئی ہیں اور عالی کے پاپا عالی پر کتنی بری طرح چلا رہے ہیں۔ "میں نے تم سے صرف یہ کہنے کے لیے فون کیا ہے کہ آج کے بعد کبھی مجھے اپنی شکل مت دکھانا' کبھی میرے سامنے مت آنا۔" انہیں اتنے سخت لفظ تو نہیں بولنے چاہیے تھے عالی سے۔ وہ کس طرح "پاپا! میری بات سنیں پلیز!" گڑگڑا کر کہے جا رہا تھا۔ انہیں عالی کی بات سننی چاہیے تھی۔ عالی کا دل کتنا دکھ رہا ہوگا اس وقت۔ ہمم کوئی پھر اس کے قریب آگیا تھا' کوئی پھر اس کے قریب آکر کچھ بول رہا تھا۔

"ڈاکٹر! پیشنٹ کو ہوش آرہا ہے۔ دیکھیں یہ رو رہی ہے۔" اس نے انجانی زنانہ آواز کو پھر نظر انداز کیا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ گہری نیند سوجانا چاہتی تھی۔ وہ گہری نیند سونے لگی تھی۔

"مت رونا ہنی! پلیز میرے لیے تم روتی ہو تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔"

ارے وہ کہاں رو رہی ہے۔ "عالی میں نہیں رو رہی۔" شکر اس کی نیند گہری ہوگئی تھی۔ اب اسے اپنے قریب کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ عالی کی بانہوں کے حصار میں تھی۔ وہ اسے اس طرح سنبھال رہا تھا' اس طرح پیار کر رہا تھا کہ خود کو پریوں کے دیس میں پہنچا محسوس کر رہی تھی۔

وہ رات کتنی حسین تھی' کتنی خوب صورت' عمر بھر نہ بھلائی جا سکنے والی ایسی رات۔ اسے سمندر کی ٹھنڈی ہوائیں اپنے چہرے پر آتی محسوس ہونے لگی تھیں۔ نیلگوں سمندر کی وسعتیں اور سامنے وہ چھوٹا سا کاٹیج ہوا میں خنکی تھی۔ اسے سردی بھی محسوس ہو رہی تھی' مگر پھر بھی ساحل پر ننگے پاؤں چلنا اچھا لگ رہا تھا۔ عالی نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ اس کا ہاتھ تھام کر ساحل کی نرم نرم گیلی ریت پر چہل قدمی۔۔۔ اس سے حسین زندگی میں اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

ساحل پر جب وہ دونوں ان ایک جیسی ٹی شرٹس کو پہن کر گھوم رہے تھے سب کیسے انہیں پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کا ایسا کرنا' ایک سا لباس پہننا سب کو بڑا رومانٹک لگ رہا تھا۔

ان دونوں کی وہ I m crazy about u والی ٹی شرٹس اب کہاں رکھی ہیں؟ اسے بے چینی ہونے لگی۔ وہ دونوں ان ٹی شرٹس کو پہن کر کتنے اچھے لگتے تھے کہیں نیویارک آتے وقت جلدی جلدی سامان پیک کرتے وقت ان ٹی شرٹس کو Carmel میں تو نہیں بھول آئے؟ وہ بے چینی سے اپنے ہاتھوں اور پیروں کو حرکت دینے کی کوشش کرنے لگی۔

وہ اپنے سر کو دائیں بائیں حرکت دے رہی تھی' وہ اپنی آنکھیں بھی کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس سے اٹھا نہیں جا رہا تھا' آنکھیں نہیں کھولی جا رہی تھیں' مگر وہ جاگنا چاہتی تھی۔ اسے اٹھ کر وہ ٹی شرٹس ڈھونڈنی تھیں۔ اف کہیں وہ Carmel میں تو نہیں رہ گئیں' وہ تو ان کی اتنی فیورٹ ٹی شرٹس ہیں' انہیں پہن کر وہ دونوں اتنے اچھے لگتے تھے۔ لوگ کس طرح انہیں توجہ سے دیکھ رہے تھے' پسند کر رہے تھے۔ انہی ٹی شرٹ کو پہنے تو [illegible] تھے وہ جب عالی نے وہ حرکت کی تھی۔ وہ جو اس نے [illegible] ہو کر بہت زور زور سے چلا کر...

"ہنی! آئی لو یو۔" کہا تھا۔ اس نے اپنے [illegible] پوری قوت کے ساتھ ہلانے کی کوشش کی۔ سارا زور [illegible] آنکھوں کو کھولنے کی کوشش کی۔

☆ ☆ ☆

اس نے اپنے بیگ میں سے نکال کر کیتھی کو Carmel Souvenirs دیے' جو وہ Carmel سے اس کے اور [illegible] کے لیے لائی تھی [illegible] نہیں کہا تھا۔ بس خاموشی سے وہ چیزیں نکال کر اسے پکڑا دی تھیں۔ آنکھوں میں آنسو لیے کیتھی نے اس کے ہاتھ سے وہ تحفے لے لیے تھے۔ اس نے Carmel سے [illegible] بیگ [illegible] عالی کے استعمال کی اشیاء الگ کرلی تھیں۔ کیتھی [illegible] بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ بنیہ اب الماری کھول کر عالی کے کپڑے اور دوسرا سامان اس کی درست جگہ پر واپس رکھ رہی تھی۔

عالی کی I m crazy about u والی ٹی شرٹ اس نے الماری میں رکھ دی تھی جبکہ اپنی والی گھر آتے ہی اس نے پہن لی تھی۔

اس کے ہوش میں آنے پر سب بہت خوش ہوئے تھے۔ سب نے سکون کا سانس لیا تھا۔ کیتھی اس کے ہوش میں آنے پر خوش بھی تھی اور گھبرا بھی رہی تھی۔ اسے یاد تھا ہوش میں آنے پر وہ کس طرح ہسٹریک ہو کر رونے ل

[illegible] مشکل ہو جائے گا' اسے صبر دلانا مشکل ہو جائے گا۔ مگر وہ تو ہوش میں آنے پر اتنی مختلف سی اتنی ناقابل فہم۔ رونا تو دور اس کی آنکھ سے تو ایک آنسو تک نہیں ٹپکا تھا۔ وہ کسی سے بھی کچھ بول نہیں رہی تھی' بالکل خاموش تھی۔

اس نے اگر کسی سے کوئی ایک جملہ کہا تھا تو وہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے ڈاکٹر سے اور وہ بھی یہ کہ وہ گھر جانا چاہتی ہے۔ اس کا شوہر عباد عذیر اپنے پیرنٹس سے ملنے پاکستان گیا ہوا ہے اور اسے اس کی فون کال کا انتظار ہے۔ کیتھی اور مائیک اس کی بات سن کر ساکت رہ گئے تھے۔ سائیکاٹرسٹ ڈاکٹر ہیرسن جو بنیہ کا علاج کر رہے تھے انہوں نے بنیہ کی ساری کنڈیشن کا بغور جائزہ لینے کے بعد اسے ہسپتال سے ڈسچارج کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ جسمانی طور پر بالکل ٹھیک تھی۔ اسے کوئی مرض' کوئی بیماری لاحق نہیں تھی۔

اس کی روزانہ ان کے ساتھ ایک گھنٹے کی سٹنگ ہوتی تھی اور اب اسے ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیتھی جو بنیہ کی حالت دیکھ دیکھ کر شدید پریشان ہو رہی تھی' وہ روتی کیوں نہیں' وہ کچھ بولتی کیوں نہیں' کیا اس حادثے نے اس کے اعصاب کو مفلوج کر دیا ہے' اس سے سوچنے سمجھنے کی حس چھین لی ہے' اسے ڈاکٹر ہیرسن نے سمجھایا تھا کہ بنیہ کی موجودہ کیفیت کچھ کچھ [illegible] کے مرض میں مبتلا مریض جیسی ہے۔

"اسے ایک ایسا نفسیاتی عارضہ سمجھ لیں جس میں مریض کسی حادثے کسی بری اور بدترین سچائی کا سامنا کرنے سے بچنے کی خاطر اپنی ایک الگ دنیا تخلیق کر لیتا ہے' وہ خود کو اپنے [illegible] دنیا سے بالکل علیحدہ کر لیتا ہے' [illegible] اختیار کر لیتا ہے' اپنی تخلیق کردہ تصوراتی دنیا اسے [illegible] نظر آتی ہے باقی ساری دنیا سے وہ اپنا رابطہ منقطع کر لیتا ہے۔ جب کوئی بدترین سچائی بدلنا ان کے اختیار میں نہیں ہوتا تو وہ اپنی تصوراتی اور خیالی دنیا میں پناہ تلاش کرتے ہیں۔

بنیہ کی کیفیت بالکل ایسی ہی ہے۔ اس نے اپنے ذہن [illegible] اس فون کال جس میں اس نے عباد کے حادثے کی آواز اپنے کانوں سے سنی تھی' کہیں بہت اندر چھپا ڈالی

اسپتال سے ڈسچارج ہونے کے بعد وہ بنیہ کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئی تھی۔ ڈاکٹر ہیرسن نے کیتھی سے کہا تھا کہ وہ بنیہ کو عباد کے اپارٹمنٹ جانے سے نہ روکے' بلکہ اسے خود وہاں لے جایا کرے کہ وہاں وہ یادیں بکھری ہیں جو اسے حقیقت کی دنیا میں واپس لانے میں معاون ثابت ہوں گی۔ یہی وجہ تھی کہ ہاسپٹل سے کیتھی کے اپارٹمنٹ آنے کے بعد جب وہ پیدل عباد کے اپارٹمنٹ کی طرف جانے لگی تب کیتھی اسے خود گاڑی میں بٹھا کر وہاں لے آئی تھی۔

یمینہ اسے اپنے ساتھ اپنے گھر شکاگو لے جانا چاہتی تھی مگر وہ کسی دوسرے شہر کیا جاتی وہ تو عالی کے گھر کو چھوڑ کر کسی دوسرے گھر میں رہنے تک کے لیے تیار نہ تھی۔

کئی دن اس کے ساتھ یہاں رہ کر یمینہ اسے اپنے ساتھ لے جانے میں ناکام ہو کر واپس شکاگو چلی گئی تھی۔ اب یہاں اس کے پاس صرف کیتھی تھی جو اسے اس حالت میں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ مگر ظاہر ہے وہ بنیہ کے ساتھ چوبیس گھنٹے عباد کے اپارٹمنٹ میں نہیں رک سکتی تھی۔ اس کی جاب بھی' دیگر مصروفیات تھیں' وہ رات میں سونے اس کے پاس آبھی جاتی تو بھی دن بھر اس کے ساتھ یہاں نہیں رہ سکتی تھی وہ۔

بنیہ کو ڈاکٹر ہیرسن کے پاس اس کی معمول کی ایک گھنٹے کی نشست کے لیے لے کر گئی تو ان کے سامنے اپنا یہ مسئلہ رکھا۔ پھر ڈاکٹر ہیرسن ہی کی توسط سے اسے بنیہ کے لیے ایک فلپینو (FILIPINO) عورت جو کسی زمانے میں ان کے کلینک میں بطور نرس کام کر چکی تھی مل گئی تھی۔

کیتھی عباد کے اپارٹمنٹ پہنچی تو اس کے لیے دروازہ میری نے کھولا تھا۔ وہ ایک پروجیکٹ کے سلسلے میں تین چار روز کے لیے شہر سے باہر گئی ہوئی تھی۔ یہاں ہوتی تو اس کی پوری کوشش یہی ہوتی تھی کہ وہ رات میں بنیہ کے پاس رہے اس کے گھر اس کے ساتھ رات گزارے وہ تقریباً" ہر رات بنیہ کے پاس گزارتی تھی۔ آتے ہی اسے دروازے پر میری سے یہ پتا چلا کہ بنیہ نے تین دنوں سے کچھ نہیں کھایا' یہاں تک کہ پانی بھی نہیں پیا۔

وہ ایسی ہی ہو گئی تھی' کبھی کھانے پر آتی تو کچن میں جا کر فریج سے مختلف چیزیں نکال نکال کر کھائے چلی جاتی

اور کبھی کئی دنوں کے لیے کھانا پینا چھوڑ دیتی۔ کبھی نہادھو کر بڑے اہتمام سے تیار ہوتی، کبھی ایک ہی کپڑے کئی کئی دنوں تک پہنے رہتی۔ نہ منہ دھوتی نہ بال بناتی۔ اس سے کچھ بھی کہتے رہو ایسا لگتا تھا وہ سنتی ہی نہیں ہے۔ جیسے وہ گونگی اور بہری ہو چکی ہے۔

ان دو مہینوں میں اس کے منہ سے صرف وہ چند جملے نکلے تھے جو اس نے ہوش میں آنے کے بعد ڈاکٹر ہیریسن سے اس خواب سے بولے تھے کہ وہ اسے اسپتال سے اس کے گھر جانے کی اجازت دے دیں۔ ان چند جملوں کے بعد اس کی آواز کسی نے بھی نہیں سنی تھی۔ نہ اس کے منہ سے کوئی آواز نکلی تھی نہ آنکھ سے آنسو بہتا تھا۔ وہ زیادہ تر فون کے آس پاس خاموش بیٹھی رہتی تھی۔ فون نہ ہوتی تو بالکونی میں بیٹھی رہتی تھی۔ اس وقت بھی وہ بالکونی میں تھی۔ وہ اس کے پاس بالکونی میں آئی۔

تین دن پہلے وہ اسے ان ہی کپڑوں میں چھوڑ کر گئی تھی جو اس نے ابھی بھی پہن رکھے تھے۔ بال بکھرے ہوئے ابتر حلیہ، آنکھوں کے نیچے حلقے کے سوکھ کر کانٹا ہوئی لڑکی کم از کم اس کی بچپن کی دوست ہنیہ سجاد ہرگز نہیں تھی۔ کیتھی ان کی نشارئی خوب صورتی، سارا حسن ماند پڑ گیا تھا۔

کا دل اسے دیکھ کر کڑھا، وہ تین دن سے بھوکی تھی۔

"تم نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟" اس کے آنے پر ہنیہ نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا، مسکرانا تو دور وہ شناسا نگاہوں سے اسے دیکھ تک نہیں رہی تھی۔ ہنیہ کی نگاہوں میں اس کے لیے بے گانگی اور لاتعلقی تھی۔ اس نے کیتھی کو گردن گھما کر دیکھا اور پھر دوبارہ آسمان پر نگاہیں جما دیں۔ اس کے لیے کیتھی کی فکر اور تشویش غصے میں بدلنے لگی۔

"اس طرح حقیقت سے نظریں چرا کر کسے دھوکا دے رہی ہو تم؟" اس نے شانوں سے پکڑ کر اسے اپنی طرف گھمایا۔

"ہنیہ سجاد! مان لو یہ سچائی کہ عباد عذیر مر چکا ہے۔ مر گیا ہے وہ۔ اب کبھی نہیں آئے گا۔ اور مر جانے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا ہے۔" غصے سے چلاتے اس نے ہنیہ کو زور زور سے جھنجوڑ ڈالا تھا۔ اپنے لفظوں کی سفاکی کا اسے احساس تھا، مگر وہ اسے اس طرح خود کو مارتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

وہ خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی تھی جیسے اس نے کچھ بھی سنا ہی نہیں تھا۔ یہ حقیقت سے فرار پانے کے لیے ہنیہ نے کون سی راہ کون سا راستہ نہ لیا تھا۔ ناکام اور مایوس ہوتی کیتھی اسے بے بسی سے دیکھے جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ بالکونی میں کھڑی بارش کو دیکھ رہی تھی۔ بارش کو دیکھتے دیکھتے ایک دم ہی اس کا دل چاہا سامنے جو پارک نظر آ رہا ہے وہ وہاں جائے۔ وہ بالکونی سے مڑی اندر آئی۔ اس نے اس عورت کو دیکھا جو اس کے گھر میں اس کے ساتھ رہ رہی تھی۔ سہ پہر کا وقت تھا اور وہ عورت سو رہی تھی۔ وہ عورت کون تھی اور اس کے گھر میں کیوں رہ رہی تھی؟ وہ نہیں جانتی تھی مگر اسے یہ پتا تھا کہ وہ اسے کہیں باہر نہیں جانے دیتی۔ وہ کہیں باہر جانے لگے تو وہ عورت اس کے ساتھ باہر جاتی ہے۔ اس وقت وہ سو رہی تھی۔ موقع اچھا تھا۔

وہ دروازہ کھول کر اپارٹمنٹ سے باہر نکل آئی۔ وہ تیز بارش میں بغیر چھتری اور گرم کپڑوں اور رین کوٹ کے فٹ پاتھ پر چل رہی تھی۔ آس پاس سے گزرتے لوگ اسے تعجب سے دیکھ رہے تھے، مگر وہ بے نیازی سے پارک کی طرف جا رہی تھی۔ وہ اس سڑک تک آئی جس کے سامنے وہ پارک تھا۔ سگنل سرخ تھا مگر وہ پھر بھی سڑک پار کر رہی تھی۔ اگر سامنے سے تیز رفتاری سے آتی گاڑی کا ڈرائیور اپنی گاڑی کو فوری طور پر بریک نہ لگاتا تو یقیناً گاڑی اس سے بری طرح ٹکرا جاتی۔ انتہائی خوفناک ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا تھا۔

ایمرجنسی میں بریک لگانے میں گاڑی کے ٹائر بہت بری طرح چرچرائے تھے۔ ٹائرز میں سے کافی زور دار آواز آئی تھی۔

"ہنیہ!" اسے پیچھے سے کسی نے گھبرا کر آواز دی تھی، اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔ "اتنی لاپروا ہو کر سڑک پار کر رہی ہو ہنیہ! جب وہ گاڑی اچانک سامنے آئی ایک لمحے کے لیے تو میں بری طرح ڈر گیا تھا۔"

وہ سڑک پر گر پڑی تھی۔ اس لیے کہ اسے کسی نے بچانے کے لیے پیچھے سے اپنی طرف کھینچا نہیں تھا۔ اس کے کانوں میں ایک بہت ہیبت ناک دھماکے کی آواز آئی۔

"عالی!" اس کے لبوں سے اس کا نام نکلا۔ عالی کی گاڑی اڑانیں کھا رہی تھی، وہ کسی چیز سے ٹکرائی پتا نہیں کہاں جا کر گری تھی۔

"عالی! کیا ہوا عالی۔ مجھ سے بات کرو عالی!" اس نے روتے ہوئے اسے پکارا۔

"اس روز جب میری آنکھوں کے سامنے تمہارا ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا، میں پورے کا پورا کانپ گیا تھا۔ میں نے اللہ سے اس لمحے دعا کی تھی۔ میں اس لڑکی کو کھونا نہیں چاہتا، اسے کبھی مجھ سے جدا مت کرنا اللہ!"

اس نے اپنے دائیں بائیں ہر طرف نگاہیں دوڑائیں، اس کی آواز تھی، مگر وہ کہیں نہیں تھا۔ وہ دبئی میں تھا، اس کا سیل فون خاموش تھا۔ وہ اس کی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔

"عباد عذیر کا یہاں دبئی میں ایک کار ایکسیڈنٹ میں کچھ دیر پہلے انتقال ہو گیا ہے۔"

"نہیں۔" وہ بہت زور سے چلائی۔ "جھوٹ بولتے ہو تم لوگ۔ اس کو کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ مجھ سے کبھی جھوٹا وعدہ نہیں کر سکتا، وہ مجھ سے کہہ کر گیا تھا وہ واپس آئے گا۔"

"ایکسیڈنٹ اتنا شدید تھا کہ اسپتال لے جانے سے پہلے ہی موقع پر ہی دم توڑ گیا۔"

"نہیں۔" اس نے سڑک پر سے اٹھ کر اندھا دھند بھاگنا شروع کر دیا۔

وہ اس سفاک آواز سے بچنا چاہتی تھی۔ اندھا دھند بھاگنے لگی۔ اس کے کانوں میں پھر خطرناک اور خوفناک دھماکے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مسلسل اور متواتر آ رہی تھیں۔ اس کے عالی کی گاڑی کسی چیز سے ٹکرا رہی تھی، بہت زور سے کسی چیز سے ٹکرا رہی تھی۔ وہ کہیں گر رہی تھی، وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ اس نے بھاگتے ہوئے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"میرے عالی کو بچا لو۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ اس کے لیے کوئی تو اسے بچا لو۔ میں یہاں نیویارک میں اس سے اتنی دور ہوں، میں تو کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ اس کا خون بہہ رہا ہے، اسے درد ہو رہا ہے، کوئی تو آ کر اسے بچائے۔" روتے ہوئے اندھا دھند بھاگتی کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر نیچے گری تھی۔ اس کے پاؤں سے خون بہنے لگا تھا۔ اس کے ماتھے پر سے خون بہنے لگا تھا۔ یہ خون کچھ بھی نہیں۔ عالی کا اس سے زیادہ خون بہہ رہا ہے۔

"عالی! بہت درد ہو رہا ہے؟ عالی! تمہارا خون بہہ رہا ہے۔ ابھی ایمبولینس آ جائے گی ابھی۔ ہمیں افسوس ہے عباد عذیر کا یہاں دبئی میں ایک کار ایکسیڈنٹ میں ابھی کچھ دیر پہلے انتقال ہو گیا ہے۔"

اس کے ہونٹ سفید پڑ گئے تھے۔ وہ سڑک پر جس جگہ گری ہوئی تھی، وہیں پڑی تھی، وہ اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہل سکتی تھی۔ وہ اس کا عالی۔ وہ بلیو شرٹ میں کتنا پیارا لگ رہا تھا۔ ابھی ابھی تو اس نے اپنے ہاتھوں سے اسے وہ بلیو شرٹ خود پہنائی تھی۔ ابھی ابھی وہ یہیں تھا اس کا عالی! وہ اسے رخصت کر رہی تھی، وہ بھاگ کر واپس اس کی طرف آ رہا تھا۔

"ہنی! میں تم سے بہت بہت محبت کرتا ہوں۔" وہ اس کے چہرے کو دیوانہ وار چوم رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کو، اس کی پلکوں کو، اس کے رخساروں کو، اس کے لبوں کو، وہ لمس اب بھی اس کے قریب تھے، وہ اس لمس کو محسوس کر سکتی ہے، وہ اس کی خوشبو سونگھ سکتی ہے۔ ہاں ابھی ابھی تو وہ اسے بھینچ کر اپنے گلے سے لگائے ہوئے تھا۔

"بہت محبت کرتے ہو مجھ سے تو واپس آؤ، میرے پاس آؤ۔" وہ بہت زور سے چلائی۔ "بہت وعدے کر رکھے ہیں تم نے مجھ سے۔ تم تو کسی کے ساتھ جھوٹ نہیں بولتے عالی! کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتے، تم تو اتنے اچھے ہو جتنا اچھا ہونا نہیں چاہیے۔ پھر میرے ساتھ، اپنی ہنی کے ساتھ تم کوئی وعدہ خلافی کیسے کر سکتے ہو؟"

خدا کے لیے کوئی آ کر مجھ سے کہے وہ دھماکا جھوٹ تھا، میری سماعتوں کا دھوکا تھا، وہ سفاک مردانہ آواز جھوٹ تھی، کوئی آ کر ایک بار مجھ سے یہ کہہ دے۔" اسے سانس لینے میں دقت ہونے لگی تھی۔ اس لیے کہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے اس حادثے کو ہوتا دیکھنے لگی تھی۔ وہ اس کا عالی خون میں نہا رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں سے پہنی اس کی بلیو شرٹ پوری کی پوری خون سے بھر گئی تھی۔ عالی درد سے کراہ رہا تھا۔

"ایکسیڈنٹ اتنا شدید تھا۔"

"ہمیں افسوس ہے۔"

"ابھی کچھ دیر پہلے انتقال ہو گیا ہے۔"

اپنے بالوں کو نوچتی وہ ہسٹریک ہو کر چلائی۔ اس کے قریب سے گزرتا ایک شخص اس کے پاس رک گیا تھا۔
"تمہیں کیا ہوا ہے؟" وہ اس سے ہمدردانہ انداز میں جھکا پوچھ رہا تھا۔
"آج کیا تاریخ ہے؟" بجائے اس کی بات کا جواب دینے کے اس نے تڑپتے ہوئے اس سے پوچھا۔
"30 جولائی۔" اسے جواب دے کر اسے پاگل سمجھتا وہ شخص آگے بڑھ گیا تھا۔ 30 جولائی؟ 22 مارچ کو اس کی عالی سے شادی ہوئی تھی۔ 30 مارچ کو اس نے اسے ایئرپورٹ پر رخصت کیا تھا۔ 30 جولائی؟ عالی اتنے دنوں سے کہاں تھا؟ وہ تو اپنے مما پاپا کو منانے گیا تھا، اپنے اور بنیہ کے مستقبل کی خوشیاں تلاشنے گیا تھا۔ وہ کہاں تھا؟ وہ کہاں تھا؟ وہ اس کا عالی کہیں مٹی اوڑھے سو رہا تھا۔ نہیں۔
نہیں یہ خواب ہے، نہیں یہ خواب ہے۔ یہ حقیقت ہو نہیں سکتی۔ وہ بہت اچھی نہیں ہے مگر وہ بہت بری بھی تو نہیں ہے، پھر اس کی ایسی آزمائش تقدیر نہیں لے سکتی۔ تقدیر اس سے اس کی زندگی نہیں چھین سکتی۔

☆ ☆ ☆

اور بنیہ سجاد کے لیے زندگی ختم ہو گئی تھی، دنیا ختم ہو گئی تھی، کائنات ختم ہو گئی تھی۔ وہ سانس لے رہی تھی مگر وہ زندہ نہ تھی۔ اسے زندوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ لوگ جو اس کے ہوش و حواس کی دنیا میں لوٹ آنے کی دعائیں مانگا کرتے تھے، آج اس کی حالت دیکھ کر ان کے کلیجے پھٹنے لگتے تھے۔ اس کی حالت مردوں سے بدتر تھی۔ وہ اس طرح زندہ تھی جیسے اسے اس دنیا سے، اس زندگی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ وہ اس دنیا میں زندہ کس طرح رہ سکتی ہے جس میں عالی سانس نہیں لے رہا۔ وہ اس زندگی کا کیا کرے جس میں عالی نہیں۔ اسے کسی کل کسی پل چین نہیں تھا۔ وہ سکون ڈھونڈنے نماز پڑھنے کھڑی ہوتی تو
"بنی۔" اسے لگتا اس نے اسے آواز دی ہے، کبھی لگتا فون کی گھنٹی بجی ہے وہ نیت توڑ کر دیوانہ وار بھاگتی فون کی طرف دوڑتی۔
"عالی! مجھ سے بات کرو۔"
وہ ریسیور کان سے لگائے چلاتی، روتی۔ اس کے ہوش و حواس لوٹ آئے تھے اب اسے کسی [illegible] سائیکاٹرسٹ کی ضرورت نہ تھی۔ اس نے میری کو فارغ کر دیا تھا۔ وہ کسی سے ملتی نہیں تھی۔ وہ گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی۔ وہ کچھ کھاتی نہیں تھی۔ یہ تکلیف جو اسے لاحق تھی اس کی برداشت سے بہت زیادہ تھی۔ وہ ہوش و حواس سے پھر بیگانہ ہو جانا چاہتی تھی وہ گہری نیند سو جانا چاہتی تھی۔ وہ اپارٹمنٹ میں خود کو لاک کر کے نیند کی دوا لے کر گہری نیند سو جاتی تھی۔ جب تک نیند رہتی اسے قرار رہتا، بیدار ہوتی تو پھر وہی درد وہی رگوں کو چیرتا درد جو نہ زندہ رہنے دیتا تھا نہ مارتا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ کچن میں آئی تھی، اسے نیند کی دوا لینے کے لیے پانی چاہیے تھا۔ مسلسل کچھ نہ کھانے [illegible] رہنے لگی تھی۔ اس لیے گلاس [illegible] ہلکی [illegible] بھی وہ اٹھا نہ سکی تھی، گلاس [illegible] کے ہاتھ سے نیچے گرا تھا۔ وہ [illegible] ہوا فرش پر پڑا تھا۔ [illegible] ملنے آئی تھی، وہ اس سے آ کر بہت لڑی تھی [illegible] خود کو مار ڈالنے کی کوشش کر رہی ہے، جو وہ کر رہی ہے اسے خودکشی کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس نے یہ [illegible] کہتی وہ اس پر چلائی تھی۔
اور [illegible] سکون سے اس سے [illegible] اس سے ملنے نہ آیا کرے، وہ اس سے ملنا نہیں چاہتی۔ [illegible] جھک کر گلاس کی کرچیاں اٹھانے لگی۔ وہ لاپروائی سے [illegible] سمیٹ رہی تھی اس کے ہاتھ میں کئی کرچیاں چبھی تھیں۔ [illegible] خون [illegible]
"تم اتنی لاپروا کیوں ہو بنیہ سجاد؟" وہ آہستہ آہستہ [illegible] اس کے ہاتھ پر آئنمنٹ لگا رہا تھا۔
"تکلیف تو نہیں ہو رہی؟"
"بہت تکلیف ہو رہی ہے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ اس کی ہتھیلیوں سے خون اور اس کی آنکھوں سے آنسو فرش پر گر رہے تھے۔
"مجھے تم سے بہت محبت ہے اور جن سے مجھے محبت ہوتی ہے، میں انہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔"
وہ اپنے بال نوچتی چلا چلا کر رونے لگی تھی۔
وہ بنیہ سجاد اپنے ہاتھوں سے سجا سنوار کر اسے آخری سفر پر بھیج رہی تھی۔ وہ عالی اتنا چپ کیوں تھا، اتنا اداس اور خاموش کیوں تھا۔ اس نے ایئرپورٹ پر اسے اتنے والہانہ انداز میں پیار کیوں کیا تھا۔ اتنے لوگوں کے درمیان اس طرح جو اس کی شخصیت کا حصہ نہ تھا۔ کیا اس کا وجدان اسے کسی خطرے سے آگاہ کر رہا تھا، کیا اس کے دل میں کوئی خوف، کوئی خدشہ تھا، کیا اسے ایسا لگا تھا کہ وہ آج بنیہ سجاد کو زندگی میں آخری بار دیکھ رہا ہے، آخری بار گلے سے لگا رہا ہے اس لیے اس نے اتنا تڑپ کر، اتنا والہانہ، اس طرح بھینچ کر اسے اپنے سینے سے لگایا تھا؟
"تم نے مجھے کچھ کیوں نہیں بتایا تھا عالی؟ میں نے اپنے سب ڈراؤنے خواب تم سے شیئر کیے تھے، تمہیں کوئی ڈر تھا، کوئی وہم دل میں آ رہا تھا تو مجھے بتاتے تو سہی۔ میں تمہیں اپنے پاس سے کبھی جانے نہ دیتی۔"
وہ اس کی تصویر کو سینے سے لگا کر رو رہی تھی۔
"I Love you Honey"
اس نے دراز [illegible] حفاظت سے رکھا وہ کارڈ نکالا جو اس نے اسے پھولوں کے ساتھ لگا کر دیا تھا۔ ان حسین شب کی یادگار تھے وہ پھول جو مرجھا چکے تھے اور وہ کارڈ "[illegible] کیا [illegible] سکتے ہیں ان چند دنوں میں ہم ہر ٹینشن بھلا دیں۔ ان کو صرف ایک دوسرے کے ساتھ گزاریں؟"
عباد عذیر اپنی زندگی کے وہ آخری چھ دن اسے دے رہا تھا۔ یا اس کا وجدان اسے کچھ بتا رہا تھا۔ [illegible] سے خبر دے رہا تھا کہ اس کی زندگی کے لمحات [illegible] ہیں۔ [illegible] جتنی محبت کرتا ہے اس کا [illegible] اظہار [illegible] ہی کر دے [illegible] آنے والی نہیں۔
اپنے اپارٹمنٹ میں اس کا دم گھٹنے لگا۔ وہ ہتھیلیوں پر بہتے خون کو پانی سے دھو کر اپارٹمنٹ سے باہر نکل آئی۔ وہ کہاں جانے کے لیے نکلی تھی اسے پتا نہیں تھا۔ وہ کیمپس آ گئی تھی۔ وہ بہت سارے دنوں بعد کیمپس آئی تھی۔ کیمپس بھی ویسا ہی تھا، اس کے اندر کی دنیا بھی ویسی ہی تھی۔
"میں عباد عذیر ہوں۔" اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے کیمپس کے در و دیوار کو دیکھا۔ محبت کا یہ سفر یہیں شروع ہوا تھا، اسی کیمپس سے۔
"آج کل تو مجھے بنیہ سجاد کے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگتا ہے۔"
"یہاں ہمارے کیمپس کے پاس ایک نیا اٹالین ریسٹورنٹ کھلا ہے۔"
وہ کیمپس سے باہر نکل آئی تھی۔ وہ اٹالین ریسٹورنٹ ویسا کا ویسا وہیں موجود تھا۔ وہ ریسٹورنٹ کے اندر آ گئی۔ وہاں مختلف میزوں پر اسی کی یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس بیٹھے تھے۔ وہ میز آج خالی نہیں تھی وہاں ایک اور کپل بیٹھا تھا، انہیں دونوں کی طرح خوش باش، زندگی سے بھرپور ایک نوجوان لڑکی اور لڑکا۔ وہ ایک دوسری میز پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے لیے کیپوچینو، اٹالین کوکیز اور پیسٹری آرڈر کی۔
"یہ فاؤل ہے۔ کافی میری طرف سے تھی۔"
"کافی تمہاری ہی طرف سے ہے۔ لیکن یہ تمہارے پیسے ہیں۔"
"کتنی حجت کرتی ہو۔ انجینئر کے بجائے تمہیں وکیل ہونا چاہیے تھا۔"
میز پر اپنے سامنے رکھی کھانے پینے کی کسی چیز کو اس نے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ وہ ان سب چیزوں کو میز پر ویسا ہی ان چھوا چھوڑ کر کئی نوٹ میز پر پھینکتی وہاں سے بھاگتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ وہ روتے ہوئے کیمپس اور اس ریسٹورنٹ سے دور بھاگے چلی جا رہی تھی۔ وہ کتنی دیر تک اور کتنا بھاگی تھی جو سینٹرل پارک کے نزدیک پہنچ گئی تھی۔ وہ سینٹرل پارک کے قرب و جوار کی جگہ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ آواز اس کے قریب تھی، اس کے بالکل قریب۔ "مس بنیہ سجاد! میں عباد عذیر آپ کو پرپوز کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟" اس نے ہاتھ اٹھا کر اپنے ہاتھ میں موجود بریسلٹ کو دیکھا۔ کیمپس بھی ہے، اٹالین ریسٹورنٹ بھی ہے، سینٹرل پارک بھی ہے، اس کا بریسلٹ بھی ہے، سب کچھ ہے پھر وہ کیوں نہیں ہے۔ بس صرف وہی کیوں نہیں ہے؟ وہ رو رہی تھی۔ اس کے شہر میں، اس کے نیویارک میں ہر قدم پر اس کی یادیں تھیں، اس کی باتیں تھیں، اس کی آوازیں تھیں۔ ہر منظر وہی تھا، بس وہی نہیں تھا۔ سب کچھ تھا، بس عباد عذیر نہیں تھا۔ وہ کس آس پر، کس امید کے سہارے زندہ رہے؟ کس کی خاطر، کس کے لیے؟ کس کے انتظار میں؟ ہر آس دم توڑ گئی تھی۔ انتظار شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

آنسو بہہ رہے تھے۔

برف باری کا ابھی موسم نہیں آیا تھا۔ پر اب کہ نیویارک میں سردیاں بھی جلدی شروع ہو گئی تھیں اور موسم کی پہلی برف بھی جلدی پڑ گئی تھی۔ اس نے کھڑکی سے باہر گرتی برف کو دیکھا۔ رات کا وقت تھا' باہر برف پڑ رہی تھی۔ نہ یہ کرسمس ایو تھا نہ نیو ایئر نائٹ۔ یہ اوائل اکتوبر کی ایک عام سی بے حد سرد رات تھی۔ رات میں اس وقت پیدل باہر نکلنا خطرے سے خالی نہ تھا' مگر وہ اپارٹمنٹ سے باہر نکل آئی۔ اس برف کو دیکھ کر اس سے گھر کے اندر رکا ہی نہیں جا سکا تھا۔

جینز اور شرٹ کے اوپر اس نے ایک ہلکا سوئٹر جو اسے کل کیتھی پہنا کر گئی تھی' پہنا ہوا تھا اور وہ اس کو پہنے باہر نکل آئی تھی۔ نہ گرم جیکٹ' نہ اوور کوٹ نہ ہیٹ نہ گلوز کچھ بھی نہیں۔ وہ مخصوص اور جانے پہچانے راستوں پر چل رہی تھی۔

اسے وہ اسٹور نظر آ گیا تھا' وہ اسٹور جہاں سے اس نے وہ شرٹ خریدی تھی جو اس کے عالی کا آخری لباس بنی تھی۔ اس نے باہر سے کھڑے کھڑے اس اطالوی کیشیئر کو ڈھونڈنے کی کوشش کی جس نے ان کی تصویر کھینچی تھی' جس نے انہیں نائس کپل کہا تھا۔

اسے وہ اطالوی کیشیئر نظر آ گیا تھا مگر وہ اسٹور کے اندر نہیں گئی' اگر اس نے اسے پہچان لیا اور اس سے یہ پوچھ لیا کہ گزشتہ سال 24 دسمبر کی رات جو بے حد ہینڈسم لڑکا اس کے ساتھ تھا وہ آج اس کے ساتھ کیوں نہیں ہے؟ پھر وہ کیا کرے گی۔

وہ اس اسٹور سے آگے بڑھ گئی۔ وہ اسی طویل سڑک پر پھر چلنے لگی تھی۔ وہ عباد کے اپارٹمنٹ سے کیتھی کے پرانے اپارٹمنٹ تک کا وہی جانا پہچانا راستہ طے کر رہی تھی۔ آج اس برف باری میں تنہا چل رہی تھی' آج کوئی اس کا ہاتھ تھامے اس کے ساتھ نہ تھا۔ وہ تنہا تھی۔

"جب تک تمہارے ایگزیم نہیں ہو جاتے روز ملنا بند۔"

"ارے واہ کیوں ملنا بند۔ میں نہیں مانتی تمہاری بات۔"

"نہیں مانو گی تو فون پر بات کرنا بھی بند کر دوں گا۔" وہ فٹ پاتھ پر ہی ایک طرف جو بالکل سنسان اور ویران سی جگہ تھی وہاں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں سے

"اتنی خوب صورت شام کا اختتام اتنے برے نوٹ پر؟" اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ اس کی آواز تھی' وہ کہیں نہیں تھا۔

"بنیہ سجاد! صرف تم نہیں میں بھی تم سے ملے بغیر نہیں رہ سکتا۔" اس کی آنکھوں سے آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے۔ برف مسلسل اس پر گر رہی تھی۔

وہ اپنے چہرے پر سے نہ آنسوؤں کو صاف کر رہی تھی نہ برف کو' اس کی پلکوں تک پر برف چپک گئی تھی۔ اس کے پاس سے ایک ہنستی مسکراتی فیملی گزری تھی۔ کسی اسٹور سے شاپنگ کر کے نکلتے وہ میاں بیوی اور ان کے بچے سب بے تحاشا ہنس رہے تھے۔ یہ لوگ آخر کس بات پر اتنا خوش ہیں' کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟

اس کا دل چاہا وہ اپنے سامنے آتے ہنستے مسکراتے چہروں سے مسکراہٹ نوچ کر پھینک دے۔ اگر خوشی اس کے لیے نہیں' اس کے عالی کے لیے نہیں تو پھر ان لوگوں کے لیے بھی کیوں؟ اس کے قریب سے ایک گاڑی گزری' گاڑی چلانے والا بہت بوڑھا شخص تھا۔

"یہ کیوں نہیں؟ میرا عالی ہی کیوں؟" اس نے آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر شکوہ کیا۔

"خدا اور دنیا میں اتنے لوگ ہیں جو اپنی پوری عمر گزار رہے ہیں جن کی کسی کو ضرورت نہیں' پھر میرا عالی ہی کیوں؟ عالی ہی کیوں؟"

وہ روتے ہوئے چلائی۔ وہ پھر ہسٹیرک ہو کر رہ [illegible] نفرت [illegible]

عباد عذیر کے بغیر اسے یہ دنیا نہیں چاہیے' عباد کے بغیر اسے یہ زندگی نہیں چاہیے۔ یہ دنیا جس میں اس کا عالی سانس نہیں لے رہا' اسے بھی یہاں سانس لینا [illegible] نہیں۔ یہ زندگی جسے وہ نہیں جی رہا' اسے بھی نہیں [illegible] وہ اپنے آنسوؤں کو صاف کر رہی تھی۔ اس سرد ترین [illegible] میں فٹ پاتھ پر بیٹھ کر اپنے وجود کو برف سے ڈھکتے [illegible] فیصلہ کر چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

[illegible] آخری دن تھا اور [illegible] کو زندگی سے کسی شے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس نے اپنے ہینڈ بیگ میں اپنی ضرورت کے مطابق پیسے' عالی کی ایک تصویر' [illegible] وہ بلیک ٹراؤزر اور گرے ٹی شرٹ جو اس کے ساتھ [illegible] پہلی شب میں اس نے سلیپنگ ڈریس کے طور [illegible] تھا وہ اور ایک گولیوں سے بھری ہوئی شیشی رکھی [illegible] یہ کل اثاثہ ساتھ لیے وہ صبح سویرے ابھی جبکہ صبح کی [illegible] پھیلی بھی شروع نہیں ہوئی تھی [illegible] کے اپارٹمنٹ [illegible] باہر نکل گئی تھی۔ اپنا موبائل آف کر کے اس نے [illegible] ہی میں چھوڑ دیا تھا۔ اس کی گاڑی اور عباد کی [illegible] دونوں نیچے پارکنگ میں کھڑی تھیں۔ وہ ان دونوں [illegible] کو وہیں کھڑا چھوڑ کر ایئرپورٹ کیب کے ذریعے [illegible] چاہتی تھی۔ وہ اپنا کوئی بھی سراغ چھوڑنا نہیں چاہتی [illegible] کسی کی ناکام کوشش نہیں کرنا چاہتی تھی۔

[illegible] دنیا میں ایسے بہت سے گوشے تھے جہاں وہ مرنے [illegible] ارادے سے چلی جاتی تو کوئی اسے وہاں ڈھونڈ نہ پاتا' پر [illegible] ایک جانی پہچانی جگہ اپنے لیے منتخب کی تھی۔ اس [illegible] رت سے ملنے کے لیے carmel کو چنا تھا۔ وہ [illegible] تو کسی ایسی جگہ مرے جہاں عالی کی خوشبو ہو' اس کی [illegible] اس کے [illegible] جمے ہوں۔

carmel [illegible] اس نے ایک ہوٹل میں کمرہ لیا۔ [illegible] واحد سامان [illegible] ہینڈ بیگ رکھا اور پھر ساحل پر [illegible] آج کا سارا دن یہاں اسی ساحل پر گزار دینا چاہتی [illegible] اس کی زندگی کا آخری دن تھا [illegible] رات [illegible] تھی۔ وہ کمرے سے لباس تبدیل کر کے آئی تھی [illegible] جینز [illegible] about u [illegible] I m [illegible] والی شرٹ پہن رکھی تھی۔ ساحل پر [illegible] کیا گہما گہمی تھی' لوگ تھے۔ وہ ساحل پر آہستہ آہستہ [illegible] رہی تھی۔

[illegible] ساحل پر اس جگہ کو تلاش کرنے لگی تھی جہاں [illegible] کر وہ بہت زور سے چلا کر بولا تھا۔

"[illegible] نام تو ہے سوئٹ ہارٹ! تم بول کر دکھا دو اتنے لوگوں کے بیچ یہ بات۔"

[illegible] سہ پہر پوری شام ساحل پر ننگے پاؤں چلتی [illegible] اس کے پاؤں تھکے' نہ وہ نڈھال ہو کر کہیں بیٹھی' [illegible] شام ہونی شروع ہوئی' تب وہ اس طرف چلنا شروع ہوئی جہاں درختوں کے جھنڈ' پتھروں کی سیڑھیوں اور ڈھلوانی راستے سے اوپر وہ چھوٹا سا گھر تھا۔ راستے میں بغیر کسی تلاش کے اسے ایک درخت نظر آیا تھا۔ چونکہ اندھیرا ہونا شروع ہو چکا تھا' اس لیے اس پر لکھا کچھ بھی دور سے نظر نہیں آ رہا تھا' وہ اس درخت کے قریب آ گئی تھی۔

ABAD 30 MARCH SUNDAY"

" HANIYA

"یہاں کوئی اور ہمیں یاد رکھے نہ رکھے مگر carmel میں یہ درخت اب ہم دونوں کو ہمیشہ یاد رکھے گا۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	150/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	300/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	200/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	400/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	450/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	200/-
بھین سے عورت تک	فزالہ عزیز	150/-
دل اُسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	300/-
بکھر نا جائیں خواب	آسیہ رزاقی	150/-
خواب دریچے	سعدیہ عالی کاشف	150/-
اماوس کا چاند	نجری سعید	150/-

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 2216361

پتا نہیں اس درخت کو بھی کچھ یاد تھا کہ نہیں۔ اس نے درخت پر کھدے ان حروف پر اپنی انگلیاں آہستہ آہستہ پھیریں۔ کچھ دیر اس درخت کے سامنے کھڑے رہنے کے بعد وہ وہاں سے آگے بڑھی تھی۔ پتھروں کی سیڑھیوں پر چڑھتی ہوئی اب اس کاٹیج کے سامنے تھی۔ وہ گھر اندھیرے میں ڈوبا تھا، ویران تھا۔

"عالی! ہم یہاں پھر کب آئیں گے؟" اس کے کانوں میں اس کی اپنی آواز گونجی۔

"جب تم کہو گی۔"

وہ اس اندھیرے میں ڈوبے گھر کے باہر کھڑی اندر خود کو اور اسے دیکھ رہی تھی۔ چلتا پھرتا، مسکراتا۔ "اور عالی! تمہارے ساتھ یہاں پھر آنا میرے نصیب میں نہ تھا کیونکہ میرے نصیب میں تو ہجر کا تپتا صحرا اور جدائی کی جھلستی آگ لکھی گئی تھی۔"

وہ انسانوں کے ہجوم کو، دنیا کو، زندگی کو آخری بار دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس نے اپنا روم لاک کیا، ہر طرف سے تمام کھڑکیاں، پردے سب کچھ بند کر دیا۔ ٹیلی فون کا تار نکال دیا۔ اس نے کمرے کی بتیاں بجھا دی تھیں۔

وہ کل رات سڑک پر برف باری میں بیٹھ کر آخری بار روئی تھی، وہ آج سارے دن میں ایک بار بھی نہیں روئی تھی۔ نہ ساحل پر چلتے، نہ سیپیاں چنتے لوگوں کو دیکھتے، نہ اس درخت کو دیکھتے، نہ اس کاٹیج کو، اپنی محبت کی اس یادگار کو دیکھتے۔ وہ اب بھی نہیں رو رہی تھی۔

وہ اپنے پورے ہوش و حواس میں مرنے کی تیاری کر رہی تھی۔ اس نے بیگ سے عباد کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر نکالا۔ وہ اسے لے کر باتھ روم میں آ گئی۔ وہ اس کے کپڑے پہن کر مرنا چاہتی تھی۔ اس نے بالکل ٹھنڈے یخ پانی سے غسل کیا۔ چادر بچھائی اور اسکارف سر پر باندھ کر قبلہ رو کھڑی ہو گئی اور نماز کی نیت باندھتے ہی، ابھی صرف الحمد شریف پڑھنا شروع کی تھی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ وہ حرام موت مرنے جا رہی تھی۔ وہ روتے ہوئے قیام، رکوع و سجود کر رہی تھی۔ نماز پوری پڑھنے کے بعد اس نے دو رکعت صلوۃ التوبہ کی نیت باندھی۔ گناہ کرنے سے پہلے توبہ قبول ہوتی ہے کہ نہیں، گناہ معاف ہوتا ہے کہ نہیں، اسے نہیں پتا تھا۔ سلام پھیرتے ہی وہ سجدے میں گر گئی تھی۔

"مجھے معاف کر دے میرے اللہ! میں حرام موت مرنے جا رہی ہوں۔ میں ایک گناہ کرنے جا رہی ہوں۔ زندگی تیری دی ہوئی امانت ہے، مجھے اسے خود اپنے ہاتھوں سے ختم کرنے کا کوئی اختیار نہیں، مگر میں کیا کروں، مجھ سے اس کے بغیر جیا نہیں جاتا۔ میرے دل میں اس کی اتنی محبت تو نے ہی پیدا کی ہے۔ میں اس کے بغیر کیسے رہوں۔ نہیں رہا جاتا مجھ سے یہاں تیری اس دنیا میں اس کے بغیر۔" سجدے میں گری وہ بلک بلک کر رو دی۔ اپنی بے بسی، بے چارگی کا اظہار کرتی، اللہ سے اس گناہ کی معافی مانگ رہی تھی جو ابھی کیا نہیں تھا، مگر جو وہ ابھی کرنے......

"ہنی!" اسے اپنے بالکل قریب، بالکل نزدیک ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی۔ اس نے تڑپتے روتے سجدے سے سر اٹھایا۔ وہ گھٹنوں کے بل اس کے بالکل نزدیک بیٹھا ہوا تھا۔

"عالی!" اس کے لبوں سے چیخ کی صورت اس کا نام نکلا۔ "عالی! تم مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے؟" وہ روتے ہوئے بولی۔

"میں کہیں بھی نہیں گیا۔ یہیں ہوں، تمہارے پاس۔ ذرا اپنے دل میں جھانک کر دیکھو۔" وہ ہمیشہ کی طرح اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔

"اب مجھے چھوڑ کر کبھی مت جانا عالی! میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔" وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ وہ اس کی پشت آہستہ آہستہ سہلا رہا تھا، ہولے ہولے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"میں جانا نہیں چاہتا تھا ہنی! مگر زندگی میں سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق نہیں ہوتا۔"

"نہیں...... میں...... میں کچھ نہیں جانتی۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔" وہ مچل مچل کر بچوں کی طرح ضدی لہجے میں بولی۔

"ہنی! میری بات سنو۔" وہ اس کا سر اپنے سینے پر سے اٹھانے لگا۔

"نہیں۔ پہلے تم کہو، اب مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے، پھر سنوں گی تمہاری بات۔" وہ ضدی لہجے میں بولتے روتی رہی۔

"ہنی! پلیز میری بات سنو۔ اگر مجھ سے واقعی محبت کرتی ہو تو میری بات سنو۔" وہ بے بسی سے کہہ رہا تھا۔ اس نے بے اختیار اس کے سینے پر سے سر اٹھایا، اس کی طرف دیکھا

"تمہیں کیا لگتا ہے، تمہیں چھوڑ جانا مجھے اچھا لگا تھا؟ میں نے اس دکھ کو جھیلا نا؟ تم بھی ہمت کر کے اسے قبول کرو۔ تم نے مجھ سے کیا کہا تھا، یاد ہے؟ عالی! تمہاری ہنی کمزور اور بزدل نہیں۔" پھر آج میری ہنی اتنی کمزور اور بزدل کیسے ہو گئی۔

"میں کمزور اور بزدل نہیں تھی عالی! مگر تمہارے بغیر میں بہت کمزور، بہت بزدل ہوں۔ میری طاقت تم ہو عالی۔" وہ روتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"ہنی! میری بات سنو۔" اس نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھے، وہ بے انتہا سنجیدہ تھا۔

"میں تب تک زندہ ہوں ہنی! جب تک تمہارے دل میں موجود ہوں۔ جس روز تمہارے دل سے نکل جاؤں، اس روز سمجھنا کہ عالی مر گیا۔ محض اس لیے کہ اب میں تمہیں نظر نہیں آتا، چلتا، پھرتا، بولتا۔ تم اب مجھے دیکھ نہیں سکتیں، مگر کیا اب تم مجھے محسوس بھی نہیں کر سکتیں؟ یہ ٹھیک ہے کہ میں بہت جلدی چلا گیا، لیکن اگر دیر سے بھی جاتا تب بھی ہمیں، مجھے اور تمہیں کبھی نہ کبھی تو اس دنیا سے جانا ہی تھا۔ ہمیں اس دنیا میں کبھی نہ کبھی بچھڑنا تو تھا۔ ہم بیس سال، تیس سال، چالیس سال یا ساٹھ سال ایک ساتھ زندگی گزار لیتے۔ ساتھ رہ کر بھی ایک نہ ایک دن ہم دونوں میں سے کوئی ایک پہلے دنیا چھوڑ جاتا، دوسرا تنہا رہ جاتا۔ [illegible] پیاروں سے اس دنیا میں ایک نہ ایک دن تو سب کو جدا ہونا پڑتا ہے۔ دنیا کی قسمت میں فنا جو لکھی گئی ہے۔"

وہ آنسو بھری [illegible] اسے دیکھتی رہی۔

"تم آج اپنی زندگی ختم کرنے کی کوشش کر رہی تھیں، تم نے ایک پل کے لیے بھی میرے بارے میں نہ سوچا، تم نے مما، پاپا کے بارے میں نہ سوچا۔" وہ آنکھوں میں دکھ لیے اس سے شکوہ کر رہا تھا۔

"مما، پاپا؟" بے آواز اس کے لبوں سے یہ نام نکلے۔

"ہاں، مما، پاپا، مما، پاپا ہنی! میرے مما، پاپا، میری روح ان کے لیے بے چین رہتی ہے، میرے مما، پاپا اکیلے رہ گئے ہیں!" وہ رو پڑا تھا۔

"میں پاپا سے معافی بھی نہ مانگ سکا، انہیں منا بھی نہ سکا۔ ان کا بیٹا اتنا خود غرض تھا۔ اسے ان کی ناراضی کی کوئی پروا ہی نہ تھی۔ انہیں تو آج تک یہ بھی پتا نہ چل سکا ہوگا کہ میں ان کے پاس جا رہا تھا۔ اگر زندگی تھوڑی سی مہلت اور دے دیتی تو میں ان کے پاس پہنچ چکا ہوتا۔"

اس نے عباد کا سر اپنے سینے سے لگا لیا، وہ اسے پہلی بار اس طرح روتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اس سے عالی کے آنسو دیکھے نہیں جا رہے تھے۔

"پاپا مجھ سے خفا ہیں ہنی! ان کی مجھ سے ناراضی دور کروا دو۔ پلیز ہنی! پاپا کو جا کر یہ بتا دو کہ عالی ان سے بہت پیار کرتا تھا۔ وہ مرتے وقت بھی ان ہی کو پکار رہا تھا۔ میرا یہ ایک کام کر دو ہنی!" وہ اس کے سینے میں منہ چھپائے رو رہا تھا۔

"میرا یہ کام کرو گی ہنی؟" عباد نے روتے روتے سر اوپر اٹھا کر اسے آس بھری نگاہوں سے دیکھا۔ اپنے رخساروں پر سے آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے سر اقرار میں ہلایا۔

"مما، پاپا کے پاس چلی جاؤ ہنی! وہ بہت اکیلے ہیں۔ میرے مما، پاپا بہت اکیلے ہو گئے ہیں ہنی!"

"میں جاؤں گی عالی! وعدہ کر رہی ہوں، جاؤں گی۔" وہ اس کے چہرے پر پیار کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"وعدہ کرو پھر تو ایسا کچھ نہیں کرو گی جیسا آج کر رہی تھیں؟"

"نہیں کروں گی۔" وہ اس کے رخسار پر اپنا چہرہ ٹکا کر بولی۔

"یہ سچا وعدہ ہے، یا ویسا ہی جھوٹا جیسا اپنی پروا کروں گی اور خیال رکھوں گی والے وعدے تم نے مجھ سے کیے تھے؟"

اس نے نظریں اٹھا کر عالی کو دیکھا، وہ شکوہ کناں اور ناراض نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم نے مجھ سے کیا اپنا ہر وعدہ توڑ دیا ہنی! تم نے کہا تھا اپنا خیال رکھوں گی، یہ خیال رکھا تم نے اپنا؟ میری ہنی آج مجھے اس اجڑے حال میں نظر آ رہی ہے؟ مت رویا کرو ہنی! تم روتی ہو تو میں بے چین رہتا ہوں، میری روح بے چین رہتی ہے۔"

وہ اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر کہہ رہا تھا، وہ اس کی پلکوں کو چوم رہا تھا۔

"مما، پاپا کا دھیان رکھو گی نا ہنی؟"

"تم فکر مت کرو عالی! میں مما، پاپا کا بالکل اسی طرح خیال رکھوں گی جیسے تم رکھتے تھے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"جب یہ دنیا، یہ زندگی فانی ہے، اسے ختم ہونا ہے، جہاں آج میں ہوں وہاں کل تمہیں بھی آ جانا ہے، پھر فکر کس

بات کی؟ میں مطمئن ہوں یہ سوچ کر ہنی! کہ تم، مما، پاپا سب مجھے پھر ملو گے، یہاں میری اس ہمیشہ رہنے والی، کبھی نہ فنا ہونے والی دنیا میں۔ بس میں ابھی تم ہو۔ ہنی! تمہیں یاد ہے ہنی! میں نے تم سے کیا کہا تھا؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے عالی کو دیکھا۔ اب وہ رو نہیں رہی تھی، اب اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں گر رہے تھے۔

"جب اس صبح ہم جنت کی باتیں کر رہے تھے، تم کہہ رہی تھیں کہ میں جنت میں تمہارا ساتھ کیوں مانگ رہا ہوں، کسی اور حسین لڑکی کا کیوں نہیں اور میں تم سے کہہ رہا تھا کہ مجھے ہر دنیا اور ہر زندگی میں صرف تمہارا ساتھ چاہیے۔ ہم وہ باتیں مذاق میں کر رہے تھے، مگر میں تمہیں ایک بات بالکل سچ سچ بتاؤں، میں نے ان دنوں میں بے شمار مرتبہ اللہ سے یہ دعا کی تھی کہ یا اللہ جو رشتے، مما، پاپا اور تم اور تم لوگوں کی یہ محبتیں دی ہیں ایسے ہی مجھے اس ہمیشہ رہنے والی دنیا میں، اپنی اس بہت پیاری جنت میں بھی مما، پاپا اور ہنی کا ساتھ دینا۔ مجھے یقین ہے ہنی! اللہ نے میری وہ دعا سنی تھی، اسے قبول کیا تھا۔ میں، تم، مما، پاپا، ہم سب پھر ملیں گے، کبھی نہ جدا ہونے کے لیے۔"

وہ اس کی طرف جھکا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"مجھ سے ملنے کا یقین ہے؟" اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"جب مجھ سے ملنے کا یقین ہے تو بس پھر اس فانی زندگی کو اسی امید کے ساتھ زندہ لوگوں کی طرح گزار لو۔"

وہ مبہوت سی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پر اب سکون اور قرار پھیلا تھا۔

"پھر اب رونا ہے یا میری بات ماننی ہے؟" اس نے مسکرا کر اپنا کبھی بہت پہلے کا کہا جملہ دہرایا۔

"تمہاری بات ماننی ہے عالی!" اس نے اس کے ڈمپل پر اپنی انگلی رکھ دی۔

"عالی! تمہارا ڈمپل......"

"تمہیں بہت اچھا لگتا ہے، یہی نا؟" اس نے اس کا جملہ اس کے کہنے سے قبل خود مکمل کر دیا۔

"اگر چاہتی ہو، میں مسکراتا رہوں، میں خوش رہوں تو اب کبھی رونا مت ہنی!" عباد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

"کبھی بھی نہیں۔" [illegible] اس نے اس کی آنکھوں کو چوما تھا اور پھر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

"سو جاؤ ہنی! تم بہت دنوں سے سوئی نہیں ہو۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔" وہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتا [illegible] سے بولا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ [illegible] کے سینے پر سر رکھ کر سو جانا چاہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس کی آنکھ کھلی۔ وہ اسی طرح سجدے کی حالت میں تھی۔

اس نے سجدے سے اپنا سر اٹھایا۔ ہوٹل کا وہ کمرہ [illegible] ہی اندھیرے میں ڈوبا تھا، جیسا تاریک اس نے اسے کیا تھا۔ وہ کمرے میں بالکل تنہا تھی۔ مگر اس کمرے میں ایک [illegible] تھی، ایک خوشبو جسے وہ بہت اچھی طرح پہچانتی تھی۔ [illegible] خواب تھا، اس کے پاس آیا تھا یا حقیقت میں؟ وہ [illegible] میں اسے نظر آیا تھا یا جاگتے میں؟ وہ اپنے گرد [illegible] خوشبو محسوس کر رہی تھی، اس کا لمس اپنے چہرے [illegible] ایک ایک نقش پہ محسوس کر رہی تھی۔ وہ اگر خواب تھا تو حقیقت سے زیادہ حقیقی اور سچا تھا۔ وہ اپنے عالی کی [illegible] سمت پا رہی تھی۔

وہ اپنے گرد سکون پھیلا محسوس کر رہی تھی۔ وہ [illegible] بلک بلک کر زار و قطار روتی سجدے میں گئی تھی، اسی حالت میں روتے روتے اس کی آنکھ لگی تھی۔ اور اب [illegible] بے پناہ سکون اور قرار اپنے دل میں اترتا پا رہی تھی۔

اس نے اس سجدے کی جگہ کو دیکھا جو ابھی بھی اس کے آنسوؤں سے گیلی تھی، شاید وہ سوتے میں بھی روئی تھی۔

"تم زندہ ہو عالی! تم میرے لیے آج [illegible] میں تمہیں کبھی مرنے نہیں دوں گی۔" پہلی بار ایسا ہوا تھا جب اس کا نام لیتے اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں نکلے تھے۔ وہ اس چادر کو اسی طرح بچھا چھوڑ کر وہاں سے کھڑی ہوئی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا، صبح کے چار بج رہے تھے، عالی پوری رات اس کے ساتھ تھا۔ وہ خواب تھا، حقیقت تھی یا روح کو روح سے ملانے کے لیے کھلنے والا کوئی دریچہ، مگر وہ پوری رات اس کے ساتھ رہا تھا۔

وہ گولیوں سے بھری شیشی جو اس نے اپنے بیگ میں رکھ رکھی تھی، اسے نکال کر اس نے ڈسٹ بن میں [illegible]

اب وضو کرنے پھر سے اپنے کمرے میں جا رہی تھی۔ اس کے دل یہ قرار، یہ سکون اس کے اللہ نے عطا کیا تھا۔ اسے اپنے رب کا صدق دل سے شکر ادا کرنا تھا۔ عالی کے لیے یہ محبت اس کے اللہ نے اس کے دل میں ڈالی تھی اور اب اللہ ہی اس لمبی جدائی کو ہمت کے ساتھ گزارنے کی طاقت اسے عطا کرنے والا تھا۔

☆ ☆ ☆

اگر کبھی میری یاد آئے
تو چاند راتوں کی نرم دل گیر روشنی میں
کسی ستارے کو دیکھ لینا
اگر وہ نخل فلک سے اڑ کر
تمہارے قدموں میں آ گرے تو
یہ جان لینا، وہ استعارہ تھا میرے دل کا
اگر نہ آئے
مگر یہ ممکن ہی کس طرح ہے
کہ تم کسی پر نگاہ ڈالو
تو اس کی دیوار جاں نہ ٹوٹے
وہ اپنی ہستی نہ بھول جائے
گریز کرتی ہوا کی لہروں پہ ہاتھ رکھنا
اوس قطروں کے آئینوں میں تمہیں ملوں گا
گلابوں کی پتیوں میں تلاش کرنا
میں خوشبوؤں میں تمہیں ملوں گا

فجر کی نماز پڑھنے کے بعد وہ اپنے ہوٹل کے کمرے کی بالکونی میں آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کے دل میں ہر طرف [illegible] سکون تھا۔

"ہاں عالی! محبت [illegible] ظاہری آنکھ سے نظر آنا، چھونا، پانا ضروری نہیں۔ محبت سچی ہو تو دل کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے، محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جو میرے دل میں رہتا ہے، میں اسے باہر تلاشتی پھر رہی تھی۔ عالی! تم میرے دل میں زندہ ہو اور میں تمہیں کبھی مرنے نہیں دوں گی۔" وہ بالکل بھی نہیں رو رہی تھی۔ وہ استقامت کے ساتھ کھڑی تھی۔

اسے اپنا خیال رکھنا تھا، اسے عالی کے مما اور پاپا کا خیال رکھنا تھا۔ مما، پاپا! وہ ہوٹل میں نیچے آ گئی تھی۔ وہ ناشتہ کرنا چاہتی تھی۔ وہ ایک میز پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے لیے ناشتہ آرڈر کر دیا۔

"دیکھ لو میں اپنا خیال رکھ رہی ہوں۔ اب تمہاری ہنی تمہیں اجڑے حالوں میں نظر نہیں آئے گی عالی! اور مما، پاپا جنہیں وہ بالکل بھول ہی گئی تھی۔ اب انہیں بھی نہیں بھولے گی۔"

وہ کتنی بری طرح رو رہا تھا۔ وہ مما، پاپا کے لیے کتنا بے چین تھا۔ وہ اپنے دکھوں میں، اپنے غم میں اتنی کھو گئی کہ اسے ایک بار بھی ان بوڑھے والدین کا خیال نہیں آیا جن سے ان کی دنیا، ان کی حیات، ان کی زندگی، ان کا اکلوتا، بہت لاڈلا، بہت پیارا بیٹا چھن گیا تھا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے۔ اپنے لیے نہیں، عالی کے لیے نہیں۔ ان بوڑھے ماں، باپ کے لیے۔ یہ کیسی آزمائش لکھی گئی تھی ان ماں، باپ کی۔ اولاد کا غم، اکلوتے بیٹے کی جدائی کا غم۔ وہ اس کے عالی کے والدین تھے۔ عالی سے وابستہ بے جان اشیاء بھی اسے جان سے بڑھ کر پیاری تھیں، پھر اس کے والدین کیسے نہ ہوتے۔

"عالی! مجھے معاف کر دو۔ میں اپنے غم میں اتنی خود غرضی سے ڈوب گئی تھی کہ مما، پاپا کے بارے میں کبھی سوچا تک نہیں۔ مگر اب تم سے وعدہ کر رہی ہوں عالی! کہ انہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گی۔ وہ تمہارے ماں، باپ ہیں تو مجھے بھی میرے ماں، باپ ہی کی طرح عزیز ہیں۔ چاہے وہ مجھ سے کتنی بھی نفرت کرتے ہوں، مگر اب میں انہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گی۔ میں تمہارے پاکستان جاؤں گی عالی! اور اب سے مجھے زندگی سے اس لیے بھی پیار کرنا ہے، صحت مند اور تندرست رہوں گی، تب تو مما، پاپا کا دھیان رکھ پاؤں گی، انہیں سنبھال پاؤں گی۔"

اس نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اس ناشتے کی طرف دیکھا جو اس کے آگے سرد ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ اس نے آملیٹ کی پلیٹ اپنے آگے کر لی تھی۔ ایک بہت طویل عرصے بعد وہ اپنے دل کی پوری آمادگی اور رضامندی کے ساتھ کچھ کھا رہی تھی۔ ابھی زندگی کو اس کی ضرورت تھی۔ ابھی عالی کو اس کی ضرورت تھی، ابھی عالی کے مما، پاپا کو اس کی ضرورت تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ موت سے ملنے اس شہر میں آئی تھی، وہ زندگی ساتھ لے کر یہاں سے واپس دنیا میں جا رہی تھی۔

وہ دنیا میں واپس آئی' اس نے زندگی کو پھر قبول کیا تو اسے ان لوگوں کا خیال آیا جو اس سے پیار کرتے تھے' جو اس کے لیے فکر مند رہا کرتے تھے۔ اسے سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر اپنی پیاری دوست کیتھی کا خیال آیا جو گزرے تمام مہینوں میں اس نے اس کا کتنا خیال رکھا تھا' دوستی کا کیسا حق نبھایا تھا' اس کے بہن بھائیوں سے بڑھ کر وہ اس کی اپنی ثابت ہوئی تھی۔ اپنے جنون میں وہ اس پر کتنی مرتبہ چیخی چلائی تھی' اسے کتنا برا بھلا کہتی رہی تھی مگر اس نے اس کے پاس آنا کبھی بھی نہ چھوڑا تھا۔ جس خود غرض معاشرے میں وہ رہتی تھی' وہاں ایسا دوست اللہ کا انعام ہی تو تھا۔

وہ نیویارک واپس آنے کے بعد اس روز کیتھی کے گھر آئی۔ اس کے بیل کرنے پر مائیک نے آکر دروازہ کھولا تھا۔

"ہنیہ؟ تم؟" وہ اسے دیکھ کر حیران بھی نظر آرہا تھا اور بے انتہا خوش بھی۔ اس نے وہیں سے چلا کر کیتھی کو آواز دی۔

"دیکھو کون آیا ہے۔" وہ مائیک کے ساتھ چلتی ہوئی اندر آگئی تھی۔ کیتھی مائیک کی ایکسائٹمنٹ بھری آواز سن کر تیزی سے اس طرف آرہی تھی۔ ہنیہ کو دیکھ کر اس کے قدم اپنی جگہ رک گئے تھے۔ اس نے بہت اچھا سا خوبصورت اسٹائل کا حامل پاکستانی لباس پہن رکھا تھا' بال سلیقے سے باندھ رکھے تھے' جیولری اور میک اپ کا استعمال نہیں کیا تھا مگر اس کی تیاری بتا رہی تھی' وہ اس کے گھر آنے کے لیے تیار ہو کر آئی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی آکر ہنیہ کے گلے سے لگ گئی۔ اس کی دوست دنیا میں لوٹ آئی تھی' وہ زندگی کو پھر سے جینے کے لیے آمادہ تھی۔ کیتھی کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

"ہنیہ"

"ہاں میں۔ میرا استقبال اس طرح رو کر کرو گی؟" اس نے مسکرا کر اسے ٹوکا۔ "بہت بری دوست ہوں' تمہاری شادی میں شریک نہیں ہوئی' تمہیں تمہاری شادی کی مبارک باد اور تحفہ تک نہیں دیا۔ میں آج تمہیں اور مائیک کو تم لوگوں کی شادی کی مبارک باد دینے اور یہ چھوٹا سا تحفہ دینے آئی ہوں۔"

کیتھی نے بہت جتن کیے تھے' بہت اس کی منت سماجت کی تھی مگر ان دنوں جیسی اس کی کیفیت تھی' وہ اس کی شادی میں شریک بھی نہیں ہو سکی تھی۔ اس کے لیے تحفہ خرید کر لائی تھی۔ اس نے سلیقے سے ریپ ہوا وہ گفٹ اس کی طرف بڑھایا۔

"تم بہت اچھی دوست ہو۔ شادی میں شریک ہو یا نہیں' تحفہ دو یا نہیں' میرے لیے میری سب سے اچھی دوست تم ہو۔" کیتھی کی آنکھوں سے آنسو چھلکے تھے' اس نے والہانہ انداز میں اسے پھر گلے سے لگایا تھا۔

"میں سب سے اچھی دوست ہو گئی اور بے چارہ مائیک کہاں گیا؟" وہ مسکرا کر بولی۔

کیتھی اسے مسکراتا دیکھ کر حیران بھی تھی اور خوش بھی۔ کیتھی یا مائیک کے روکنے سے پہلے اس نے خود ہی اعلان کر دیا تھا کہ وہ کھانا ان کے ساتھ کھائے گی۔ وہ کھانا کھانے تک ان کے گھر رک گئی تھی۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی اس سے عباد کے بارے میں کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ پتا نہیں کتنی مشکل سے وہ خود کو دنیا میں واپس لائی تھی' وہ اسے دکھ دینے والی کوئی بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کیتھی اس سے بہت کچھ جاننا چاہتی تھی' وہ دیکھ رہی تھی' دوبارہ پہلے جیسی ہو جانے کے باوجود ہنیہ میں کچھ نہ کچھ تبدیل ہوا تھا۔ وہ اس تبدیلی کو کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی۔ وہ بظاہر ہنس رہی تھی' مسکرا بھی رہی تھی مگر اس کی آنکھوں میں حد درجہ سنجیدگی تھی' ایسی سنجیدگی جو کسی ایسے شخص کی آنکھوں میں دکھائی دیتی ہے' جو دنیا کے ہر دکھ' ہر آزمائش اور ہر امتحان کا مقابلہ کر چکا ہوتا ہے' جو دنیا کے دکھوں کے ساتھ سمجھوتہ کر چکا ہوتا ہے' جو دنیا کی ساری سچائی' ساری حقیقت پہچان چکا ہوتا ہے۔ ایک ٹھہراؤ اور ایک سنجیدگی اس کی شخصیت کا حصہ بن گیا تھا۔

وہ پھر سے جاب کرنے کی بات کر رہی تھی۔ جہاں وہ جاب کر رہی تھی وہاں اگر اب بھی اس کے لیے کوئی جگہ ہے تو وہاں نہیں تو وہ کہیں اور ملازمت کرے گی۔ کیتھی اور مائیک اس کے لیے بہت خوش تھے۔ جیسے بھی اور جو بھی تھا' وہ کم از کم ان کے پاس واپس آ تو گئی تھی۔ انہیں ان کی دوست پھر سے مل تو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

کئی چاند دھند میں کھو گئے
کئی جاگ جاگ کے سو گئے

تو گواہ تھا
سرِشام سے صبح دم تلک
کسی وصل رنگ سی بات کا
کسی بے کنار سے لطف کا
کسی مشکبار سی بات کا
مرے ساتھ تھا
مرے ساتھ ہے

وہ اب عالی عالی پکارتی گھر سے نکل نہیں جایا کرتی تھی' وہ اب اسے یاد کر کر کے دیوانگی کے عالم میں روتی نہیں تھی۔ وہ اس کے ساتھ تھا' وہ اس کے پاس تھا' وہ اس کے دل میں تھا' اس نے اللہ سے بھی صدق دل سے معافی مانگی تھی' اپنے ان شکوؤں اور گلوں پر جو اس نے اللہ سے کیے تھے۔ اس رات برف باری میں جب اس نے اللہ سے شکوہ کیا تھا' اتنی بڑی جسارت کی تھی کہ میرا عالی ہی کیوں؟ کیا جب اللہ نے اسے عباد عذیر جیسے بے مثال شخص کی محبت کی لازوال نعمت عطا کی' اس وقت بھی اس نے اللہ سے پوچھا تھا' میں ہی کیوں؟ کیا جب اس کی رفاقت' اس کی محبتوں کی شدتیں لیا ساتھ ملا تب بھی اللہ سے اسی طرح سوال کیا تھا' مجھے ہی کیوں؟ میں نے کیسی کون سی نیکی کون سا اچھا کام کیا ہے جو مجھے محبت' اتنی بے شمار محبت مل رہی ہے اور ان لوگوں کو تمام عمر ایک پل کے لیے بھی محبت نہیں ملتی' انہوں نے کیا گناہ کیا ہوتا ہے' جو تمام عمر محروم محبت رہ کر گزارتے ہیں؟ اللہ کی عطائیں اس کی مصلحتیں ہیں۔ وہ عطائیں واپس لے لے تو بندہ اللہ سے سوال کرنے کھڑا ہو جائے گا۔ اللہ نے ... اور میرا عالی ہی کیوں؟ پوچھنے کھڑی ہو جائے گی۔ اللہ کی عطا عباد عذیر کی والہانہ محبت' ہاں وہ تو اس کا حق ہے' یہ عطا چھنے گی تو اللہ سے شکوہ کرے گی۔

اسے خود پر بہت شرم آئی تھی' ندامت سے سجدے میں سر جھکا کر اس نے اللہ سے بہت معافی مانگی تھی۔ اگر عالی کو اللہ نے اس سے واپس لے لیا تھا تو اس کے دل کو یہ قرار' یہ سکون کہ عالی اس کے دل میں زندہ ہے بھی تو اللہ ہی نے عطا کیا تھا۔

کیتھی کے گھر سے آنے کے اگلے روز سے ہی اس نے ملازمت کے لیے کوشش شروع کر دی تھی اور اسے ملازمت کے حصول میں بہت مشکل پیش بھی نہیں آئی تھی۔ ایک مہینے کے اندر اسے ملازمت مل گئی تھی۔

اس نے جاب جوائن بھی کر لی تھی۔ وہ اب بطور جونیئر اسٹرکچرل انجینئر ایک اچھی فرم میں جاب کر رہی تھی۔ وہ اب اپنے بہن بھائیوں اور دوستوں سب سے رابطے میں تھی۔ وہ اب دنیا میں زندہ لوگوں کی طرح زندہ تھی۔ وہ دنیا سے منہ موڑ کر اس کی مخالف سمت نہیں بھاگ رہی تھی۔ وہ اپنا پورا دن دنیا کے ساتھ گزارتی تھی' وہ اپنی ہر رات عالی کی یادوں کے ساتھ گزارتی تھی۔

اس کے دن دنیا کے لیے تھے اور اس کی راتیں صرف عالی کے لیے تھیں۔ وہ اپنی زندگی کے تمام دن دنیا کو دے رہی تھی' وہ اپنی آنے والی تمام شبیں صرف عالی کو دینا چاہتی تھی۔ وہ ہر رات اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس کی سوچوں میں' اس کی یادوں میں' اس کے دل میں' اس کی روح میں

رات کے وقت
میرے دل پہ
تیری یاد کا ہاتھ
اتنی نرمی سے اتر آتا ہے
کہ جیسے شبنم
اک چٹکتی ہوئی
نورستہ کلی پہ اترے

وہ کمرے کی کھڑکی کھول کر بستر پر لیٹ جاتی۔ وہ آسمان پر چمکتے ستاروں میں سب سے روشن ستارہ ڈھونڈتی' اس پر نظریں جمائے جمائے وہ آنکھیں بند کر لیتی۔

"جب بھی میں بہت یاد آؤں' بس آسمان کی طرف دیکھنا' وہاں جو ستارہ سب سے زیادہ چمک رہا ہو' اسے دیکھنا۔ جب تم ایسا کرو گی تو تمہیں پتا چل جائے گا۔ تم جس پل سچے دل سے مجھے پکارو گی' آنکھیں بند کر کے میرا نام لو گی' میں تمہارے پاس ہوں گا۔" اس کی آواز اس کے بالکل نزدیک سے ابھرتی۔ وہ بے ساختہ اس کا نام لیتی' اسے پکارتی۔

"عالی!" اور اس کی روح کا وہ دریچہ خود بخود کھل جاتا جو اسے آنکھیں بند کرنے پر عالی کو اپنے سامنے دکھاتا۔

پھر وہ ساری رات اپنے عالی سے جی بھر کے باتیں کرتی تھی' اسے اپنے دن بھر کی ہر ایک بات بتاتی تھی۔ اسی طرح آنکھیں بند کر کے لیٹے لیٹے آنکھیں کھولتی نہیں تھی کہ

meemurdu.com Oneurdu.com

آنکھیں کھولنے پر پھر وہ نظر نہیں آتا تھا۔ وہ رات میں بہت تھوڑی سی دیر کے لیے سوتی تھی اور وہ بھی بالکل اسی طرح جیسے اس کی زندگی میں اس سے فون پر باتیں کرتے کرتے سو جاتی تھی۔ اگر اس کی آنکھ لگتی بھی تو اس سے باتیں کرتے کرتے۔

لوگ جس طرح سو کر تازہ دم ہوتے ہیں' وہ جاگ کر ہوتی تھی۔

اسے عالی کے مما' پاپا کے پاس جانا تھا وہ اس سے نفرت کرتے ہیں' وہ یقیناً "اس سے ملنا بھی پسند نہیں کریں گے' پھر وہ ان کے پاس جائے کس طرح' کیسے؟ وہ اسے اس کی اصلی پہچان' اصلی شناخت اور نام کے ساتھ تو شاید اپنے گیٹ ہی سے لوٹا دیں گے۔ اس سے ملنا بھی گوارا نہ کریں گے' پھر وہ کرے کیا؟

وہ عبداللہ سے ملتی تو اسے مما' پاپا کا اور بھی زیادہ خیال آتا' اس کا دل ان کے لیے اور بھی مضطرب ہو جاتا۔

carmel سے نیویارک واپس آجانے کے بعد اس پہلے اتوار کو وہ شام کے وقت بالکونی میں کھڑی تھی' جب اسے بالکونی سے بالکل واضح نظر آتا پارک دکھائی دیا' اور ساتھ ہی ایک بنچ پر بیٹھے عبداللہ۔ اس بنچ پر جس پر وہ انہیں پہلے بھی عباد کے ساتھ بیٹھا دیکھ چکی تھی۔

آج عبداللہ اکیلے بیٹھے تھے' وہ جو ہر اتوار کو اس بوڑھے کی تنہائی دور کرنے اس کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا' آج اس کے ساتھ نہ تھا۔ عبداللہ کو تنہا بنچ پر بیٹھا دیکھ کر اسے عالی کے مما' پاپا کا سب سے پہلے خیال آیا۔ عباد عبداللہ کے بچوں کی ان سے لاپروائی اور ان کی تنہائی پر کس قدر آزردہ ہوتا تھا' وہ کس طرح اپنی مصروفیات میں سے عبداللہ کو کمپنی دینے کے لیے وقت نکالتا تھا۔ وہ غیروں کی تکلیف پر اداس ہو جانے والا' وہ دوسرے بوڑھوں کی تنہائی کو دور کرنے کی کوشش کرنے والا' آج خود اس کے اپنے ماں' باپ کس قدر تنہا تھے' وہ محبتوں میں سر تا پاؤں ڈوبا جو غیروں کے لیے اتنا حساس تھا' آج اپنے ماں' باپ کی بے تنہائیوں اور آنسوؤں پر اس کی روح کیسے تڑپتی ہوگی۔

وہ بالکونی سے عبداللہ کو دیکھا رہنے کے بجائے ان کے پاس پارک آگئی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر ادا سے مسکرائے تھے۔

"کیسی ہو پیاری لڑکی؟" وہ ان کے پاس اسی بنچ پر بیٹھ گئی تھی۔

"میں بہت بار آیا تمہارے پاس مگر۔" ایک لمبا سا بھرا تاثر ان کے چہرے پر آیا تھا۔ وہ اپنے آنے کے حوالے سے ذکر یقیناً "گزشتہ ان دنوں کا کر رہے تھے جب وہ صدمے سے نڈھال دیوانگی کی حالت میں تھی اور کسی سے بھی ملتی نہیں تھی۔

"تمہاری دوست کیتھی سے ملاقات ہوئی تھی میری۔ اسی نے دروازہ کھولا تھا۔ بتایا تھا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ اب کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں... آپ کیسے ہیں؟"

"بہت دکھی۔ میرے کسی سگے بیٹے کو کچھ ہو گیا ہوتا تو مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا جیسا اس کا ہو رہا ہے۔ وہ میرا کچھ بھی نہیں تھا' مگر میرے لیے وہ میرا بیٹا تھا' میرے سگے بیٹوں سے زیادہ سگا' زیادہ اپنا۔" عبداللہ کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"یہ اس کے جانے کی عمر نہیں تھی۔ اسے تو بہت سال زندہ رہنا چاہیے تھا۔" وہ بیمار شخص جوان کا بچھڑنا تھا' اس کے لیے آنسو بہا رہے تھے۔ پارک کے دوسرے کونے میں فٹ بال کھیلتے بچوں نے اپنا کھیل روک دیا تھا' وہ بنیعہ کو بغور دیکھتے آپس میں کچھ بات کر رہے تھے' پھر جیسے آپس میں کچھ فیصلہ کرتے' وہ سب کے سب ان کے پاس چلے آئے۔

"آپ عالی کی گرل فرینڈ ہیں نا؟ وہ جو ایک دفعہ پہلے بھی پارک آئی تھیں۔"

ان میں سے ذرا زیادہ پر اعتماد قسم کے بچے نے اس سے آگے بڑھ کر معصومانہ انداز میں پوچھا۔ اس نے کھڑے کھڑے ... عالی ... کہا تھا' وہ ان بچوں کو پہچان نہیں پائی۔ گر وہ اسے پہچان گئے تھے۔

"ہم نے بعد میں عالی سے پوچھا تھا تو اس نے بتایا تھا آپ اس کی گرل فرینڈ ہیں' اور وہ آپ سے جلدی شادی کرنے والا ہے۔" آٹھ سال کے اس بچے کی معصومانہ بے ساختگی اور اعتماد اس کے لبوں پر مسکان اور آنکھوں میں اشک لے آیا۔ وہ آٹھ دس سال کے سارے بچے اس کے عالی کے دوست تھے۔

"عالی بہت اچھا تھا۔ ہم اسے بہت مس کرتے ہیں۔"

"عالی! یہ معصوم پھول سے بچے تمہیں اپنا دوست کہہ رہے ہیں تو مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔ اور عالی اب جب تک میں نیویارک میں ہوں' جس طرح تم عبداللہ کی تنہائی

دور کرنے ان کے ساتھ وقت گزارا کرتے تھے ایسا ہی میں کیا کروں گی۔"

اور وہ واقعی اگلے اتوار عبداللہ کے پاس پارک میں تھی۔ وہ آفس جاتے' آتے عبداللہ کے اپارٹمنٹ کے دروازے پر رک کر ان کی خیریت بھی پوچھ لیا کرتی تھی۔ وہاں اس ملک میں جہاں بوڑھوں کی کسمپرسی کا یہ عالم تھا کہ اپنے اپارٹمنٹ یا گھر میں تنہا زندگی گزارتے کسی بوڑھے مرد یا عورت کو مرے کئی کئی دن ہو جاتے اور باہر کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔ اندر ان کی لاشیں کئی کئی دن پڑی رہتیں۔ عبداللہ کو ایسی موت سے بہت خوف آتا تھا۔ انہوں نے عباد سے درخواست کی تھی کہ وہ روز ان کے اپارٹمنٹ کا ایک چکر لگا لیا کرے' عباد یہ کام پابندی سے کرتا رہا تھا اور اب وہ ایسا کر رہی تھی۔

یہ کام کرتے کرتے عالی رخصت ہوا تھا' وہ اس کے بعد اس کام کو اسی باقاعدگی سے انجام دے رہی تھی۔ وہ جب تک بھی نیویارک میں تھی اس معمول کو جاری رکھنا چاہتی تھی۔

وہ عبداللہ سے اس پہلی اتوار پارک میں ملنے کے بعد واپس گھر میں آئی تو کمرے میں آتے ہی اس کے قدم خود بخود ہی اس My family (میرا خاندان) والی تصویر کے سامنے رک گئے۔ وہ اس تصویر میں عباد کو دیکھ رہی تھی۔

"آج میں عبداللہ سے ملی تھی جیسے تم ان سے ملتے تھے' بالکل اسی طرح۔ اب سے میں انہیں اسی طرح پابندی سے ملا کروں گی' جیسے تم ملتے تھے۔ جو کام تم ادھورے چھوڑ گئے ہو' انہیں اب میں پورا کروں گی۔"

"عالی! تمہاری اس My family کے الفاظ سے جگمگاتی تصویر کو ایک روز تمہارے گھر میں ضرور لگاؤں گی۔ میں تمہاری فیملی کا حصہ بنوں گی۔ پاپا مجھے اپنی بہو مانیں گے۔ اپنی بیوہ بہو!" اس نے پہلی بار اپنے لیے یہ الفاظ ادا کیے تھے۔ مگر روتے ہوئے نہیں بلکہ خود اعتمادی کے ساتھ۔

☆☆☆

اس روز اتوار کا دن تھا۔ عبداللہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' وہ آج پارک نہ آسکے تھے۔ وہ ان سے ان کے اپارٹمنٹ جا کر مل کر اور کچھ وقت ان کے پاس بیٹھ کر گھر واپس آئی تھی کہ فون کی بیل بجی۔ "ہیلو۔ بنیعہ! میں عدیل ہوں۔" اس کے ہیلو کے جواب میں عدیل سفیان بولا۔

"کیسے ہو عدیل؟"

"ٹھیک۔ تم کیسی ہو؟" عالی کے یونیورسٹی کے بہت دوست اس کے پاس تعزیت کے لیے آئے تھے۔ اس کے دوستوں' اساتذہ اور کولیگز کے بے شمار Condolence کارڈز' خطوط اور پیغامات اسے موصول ہوئے تھے' مگر عدیل سفیان اسے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ وہ عالی کا عزیز ترین دوست اس کے انتقال کے بعد اس کے دوستوں کی بھیڑ میں کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ وہ اس کا سب سے گہرا' سب سے خاص' سب سے قریبی دوست آج اتنے مہینوں بعد اپنے دوست کی بیوہ سے رابطہ کر رہا تھا۔

"میں نیویارک آیا ہوا ہوں بنیعہ! تم سے ملنا چاہتا ہوں۔" وہ چند لمحوں کے توقف کے بعد بولا۔

"آج ہی آجاؤ۔ میں گھر پر ہی ہوں۔"

"نہیں گھر پر نہیں۔ کہیں باہر۔ پلیز۔ میں وہاں آنہ سکوں گا۔" عدیل بے بس سے لہجے میں بولا۔ اس بات کے بعد اس نے مزید اصرار نہ کیا۔ اس نے ایک گھنٹے بعد ملنے کا وقت طے کر کے فون بند کر دیا۔

وہ ریسٹورنٹ پہنچی تو عدیل وہاں پہلے سے موجود تھا۔

"سوری' مجھے تمہیں اس طرح یہاں بلانا پڑا۔ میں کل سے نیویارک آیا ہوا ہوں اور کئی بار اپنے ہوٹل سے نکل کر تمہارے گھر آنے کی کوشش کی' مگر میری ہمت نہیں ہوئی۔ میں وہاں کیسے جا پاؤں گا۔ عالی میرے لیے دروازہ نہیں کھولے گا۔ اب سالے تو پھر آگیا۔" کہہ کر مجھے دو چار گالیاں نہیں دے گا' ساتھ ہی مجھے گلے نہیں لگائے گا' میں کیسے....."

وہ اپنے لب کاٹتا خاموش ہو گیا۔ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ اس نے اپنی نظریں میز پر جما دی تھیں تاکہ بنیعہ اس کی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو دیکھ نہ پائے۔ اس نے گلاس میں پانی ڈال کر عدیل کی طرف بڑھایا۔ پانی کے چند گھونٹ لے کر عدیل نے خود پر قابو پایا۔

"آئم سوری بنیعہ! مجھے پتا ہے تم خود کو بہت مشکل سے سنبھال پائی ہو۔" عدیل نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا' اپنی جذباتی کیفیت پر اس سے معذرت کی۔

"اسے اس طرح نہیں جانا چاہیے تھا' یہ اس کے

meemurdu.com

جانے کا وقت تو نہیں تھا۔ کبھی کبھی ایسی وحشت سوار ہوتی ہے، دل چاہتا ہے کہیں سے کوئی آکر یہ کہہ دے کہ عالی زندہ ہے۔"

"وہ زندہ ہے عدیل! ہماری یادوں میں۔ ہمارے دل میں۔" وہ آہستگی سے بولی۔ چند لمحے ان دونوں کے بیچ بالکل خاموشی میں گزر گئے تھے۔

"مجھے تم لوگوں کی شادی کا اس کے جانے کے بعد پتا چلا تھا۔"

ان کی شادی اور عالی کا انتقال دونوں واقعات ہوئے ہی اتنے "آنا" "فانا" اور آگے پیچھے تھے کہ اس کے اور عباد کے بہت سے دوستوں کو ان کی شادی کی خبر اس کی موت کی خبر کے ساتھ ملی تھی۔

"عالی کو موقع نہیں ملا عدیل! ورنہ وہ تمہیں ہماری شادی کی اطلاع فوراً خود دیتا۔" وہ اسے آہستہ آواز میں ان کی شادی کے "آنا" "فانا" ہونے کی وجوہات بتا رہی تھی۔

"مجھے یہ اطلاع انکل سے ملی۔"

"تم پاپا سے ملے؟" اس نے فوراً بے ساختہ پوچھا۔

عدیل نے سر اثبات میں ہلایا۔

"میں پاکستان گیا تھا۔ میں جو خود کو اس کا دوست کہتا تھا، تو پھر عالی کا یہ حق تھا کہ میں اسے آخری بار الوداع کہنے جاتا۔ میں نے اسے کندھا دیا تھا، میں نے اسے قبر میں اتارا تھا۔ میں دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔" عدیل کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ اس کی آنکھوں سے بھی آنسو گر رہے تھے۔

"میں اس سے آخری بار تب ہی ملا تھا جب اس نے تمہیں بھی ڈنر پر بلایا تھا۔ وہ مجھے سارا وقت کام چور اور پھوہڑ کہتا رہا تھا۔ میں اس کے گھر مفت خوروں کی طرح آکر پڑ جاتا ہوں اور پھر کسی کام کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا، یہ طعنے دیتا رہا تھا، ایک بار بھی تو اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس بار وہ مجھ سے آخری بار مل رہا ہے۔ میں اب نیویارک آؤں گا تو اس گھر کی طرف جانے کے لیے میرے قدم نہ اٹھ سکیں گے۔ وہاں مجھے گالیاں دے کر گلے لگانے والا کوئی نہ ہوگا۔"

عالی کی آخری رسومات، اس کی تدفین، وہ کس جگہ سو رہا تھا، اسے کس طرح رخصت کیا گیا تھا، وہ سب وہ آج عدیل سے سن رہی تھی۔ حوصلے اور ہمت کے ساتھ۔ صرف کسی کسی وقت بے اختیاری کیفیت میں اس کی آنکھوں سے آنسو گر پڑتے، ورنہ وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔

"مما، پاپا؟ عدیل! عالی کے مما، پاپا کا کیا حال ہوا تھا؟ اب کیسے ہیں؟" اس نے آہستہ آواز میں پوچھا۔ اس سوال کا جواب وہ جانتی تھی پھر بھی پوچھ رہی تھی۔

"آنٹی، انکل کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی بنیہ! میں تمہیں لفظوں میں نہیں بتا سکتا۔ میں، تم، ہم سب عالی کے بغیر زندگی گزار لیں گے، مگر ان دونوں کے لیے تو زندگی درحقیقت میں ختم ہو چکی ہے۔ وہ دونوں مردوں کی طرح زندہ ہیں۔ ان کی حالت دیکھ کر دل کٹتا ہے۔ عالی انہیں بہت بڑا دکھ دے گیا۔ وہ دونوں نہ زندوں میں ہیں نہ مردوں میں۔ آنٹی کئی مہینے اسپتال میں ایڈمٹ رہیں، انہیں ہوش ہی نہ آتا تھا۔ انکل کو دو مہینے پہلے بہت severe ہارٹ اٹیک ہوا۔ میری تو ہمت نہیں پڑتی انہیں فون کر کے ان کی خیریت ہی معلوم کر لوں۔ ان سے بات کر کے مجھے ایسا لگتا ہے میں روتے ہوئے لوگوں سے بات کر رہا ہوں۔ آنٹی میری آواز سن کر بری طرح رونے لگتی ہیں اور انکل بالکل چپ ہو جاتے ہیں۔ میرے بس میں ہوتا کاش میں ان کے لیے کچھ کر پاتا۔ کاش ان کی کوئی ایک اولاد اور ہوتی۔ عالی کا بھائی، بہن ان کے پاس زندگی گزارنے کے لیے کوئی سہارا کوئی امید کچھ تو بچا ہوتا۔"

"میں بنوں گی ان کی [illegible]، میں بنوں گی ان کی امید، بنوں گی ان کی بیٹی، تم دیکھنا عدیل! میں انہیں کبھی تنہا نہیں رہنے دوں گی۔"

اس کے دل سے بے اختیار صدا نکلی۔ وہ دونوں چپ ہو گئے۔

"انکل کا میرے پاس فون آیا تھا بنیہ!" عدیل کی آواز اسے اس کی سوچوں سے باہر کھینچ لائی۔ "وہ عدیل کا سامان پاکستان منگوانا چاہتے ہیں۔ ان میں خود اتنی سکت اور طاقت نہیں کہ اپنے مرحوم بیٹے کے گھر آکر اس کا سامان، اس کی یادیں اکٹھی کر سکیں۔" عدیل نے سنجیدگی سے اسے بتایا۔

"انہوں نے میرا پوچھا تھا؟ انہیں پتا ہے میں اب بھی عالی کے اپارٹمنٹ میں رہ رہی ہوں؟" عالی [illegible] روانہ ہونے سے پہلے اپنی لینڈ لیڈی کو اپنے اپارٹمنٹ کا اگلے ایک سال کا ایڈوانس کرایہ ادا کر گیا تھا۔ یہ ایک سال پورا ہو جاتا اس کا تب بھی اس اپارٹمنٹ کو چھوڑنے کا کوئی

ارادہ نہ تھا۔ وہ جب تک بھی نیویارک میں تھی اسی جگہ رہنا چاہتی تھی۔

"انہوں نے تمہارے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔ میرے ہی منہ سے یہ بات نکلی تھی کہ تم عالی کے اپارٹمنٹ میں اب بھی رہ رہی ہو۔ میں نے اس دوران ہمت کر کے ایک بار تمہیں فون کیا تھا۔ مگر میری نام کی کسی عورت سے بات ہوئی تھی، اس نے کہا تھا کہ تم کسی سے بھی بات نہیں کر رہیں، اسی سے مجھے یہ پتا چلا تھا کہ تم ابھی عالی کے اپارٹمنٹ ہی میں رہ رہی ہو۔"

اس کی اور عالی کی شادی کی پاپا کی نگاہوں میں کیا حیثیت ہے بتا رہا تھا۔ وہ افسردگی سے مسکرائی تھی۔

"میں عالی کے اپارٹمنٹ ہی میں رہ رہی ہوں، پاپا اس بات پر کچھ بولے تھے؟" اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"نہیں۔" عدیل نے نہیں فوراً کہا، پھر کچھ جھجکتے ہوئے شرمندہ سے لہجے میں بولا۔

"انہوں نے میری بات پوری ہی نہیں سنی تھی۔ تمہارا ذکر آتے ہی انہوں نے میری بات کاٹ کر یہ کہا تھا کہ وہ عالی کا سامان پاکستان واپس منگوانا چاہتے ہیں اور یہ کام وہ میرے سپرد کر رہے ہیں۔ وہ تم سے ملنا نہیں چاہتے بنیہ! انہوں نے تمہاری اور عالی کی شادی کو accept نہیں کیا۔"

عدیل نے شرمندگی سے اس سے نظریں چرائی تھیں۔ اور اس کی آنکھیں چھلک گئیں۔ شرمندہ تو وہ تھا اسے اس کی اور عالی کی شادی کی عالی کے پاپا کی نگاہوں میں کیا حیثیت ہے بتا رہا تھا۔ وہ افسردگی سے مسکرائی تھی۔ اب عدیل کے نیویارک آنے کی وجہ سمجھ میں آیا تھا۔ عالی کے پاپا نے عالی کا سامان واپس پاکستان پہنچانے کی ذمہ داری اس کے سب سے گہرے دوست کو سونپی تھی، اگر یہ وجہ درمیان میں نہ ہوتی تو شاید اب بھی عدیل سفیان خود میں نیویارک آنے کی ہمت پیدا نہ کر پاتا۔ محبت کبھی کسی توانا مرد کو کتنا کمزور بنا دیتی ہے، جیسے عدیل سفیان! کبھی کسی کمزور لڑکی کو اتنا مضبوط بنا دیتی ہے جیسے بنیہ سجاد۔ وہ نیویارک آنے، دوست کے گھر جانے، اس کی بیوہ بیوی سے ملنے کی ہمت خود میں نہ پاتا تھا اور وہ دن رات اسی گھر میں اس کی یادوں کو سینے سے لگائے پورے حوصلے اور ہمت سے رہ رہی تھی۔ عدیل اس سے شرمندہ ہو رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر اس کی شرمندگی دور کرنے کی کوشش کی تھی۔

☆☆☆

وہ عالی کی کوئی چیز، کوئی یاد خود سے جدا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ یہ اس کی کتابیں، یہ اس کے کپڑے، یہ اس کے استعمال کی چھوٹی چھوٹی اشیاء، ان سب میں اس کا لمس تھا، مگر اب وہ انہیں سب چیزوں کو اکٹھا کر رہی تھی۔ اس سے بھی زیادہ عالی کی ان یادوں پر، اس کی استعمال کردہ ان اشیاء پر اس کے والدین کا حق تھا۔ عالی نے فرنشڈ اپارٹمنٹ کرائے پر لے رکھا تھا، اس لیے فرنیچر تو سارا یہیں رہنا تھا۔ باقی وہ اس کی تمام اشیاء سمیٹ رہی تھی۔

اس نے اس کی الماری سے اس کے سارے کپڑے جوتے ایک ایک چیز نکالی۔ باتھ روم سے اس کا شیونگ کا سامان، ڈریسنگ ٹیبل سے اس کے ہیئر برش اور دیگر اشیاء، اس کی کتابیں، فائلیں، لیپ ٹاپ، PC اس کی تصویریں، اس نے دیواروں پر لگی بھی تمام تصویریں اتار کر کارٹن میں رکھ دی تھیں۔ اس نے صرف وہ چیزیں اپنے پاس روک لی تھیں، جن میں وہ بھی کہیں آ رہی تھی۔ اس نے اس کی تصویروں میں سے وہ تمام تصویریں نکال لی تھیں جن میں وہ بھی تھی۔

عباد کی I.m crazy adout u والی ٹی شرٹ، اس کے وہ دو، تین ٹراؤزرز اور ٹی شرٹس جو بطور سلیپنگ سوٹ اس نے carmel میں پہنے تھے وہ اور اپنے بیڈ روم میں لگی My family والی تصویر، ان چند اشیاء کی بے ایمانی کے سوا اس نے چن چن کر اس کی ہر یاد اس کے مما، پاپا کے لیے سمیٹ کر کارٹنز میں بند کر دی تھی۔

دنیا کے کسی بھی دوسرے فرد کے لیے وہ اشیاء بے کار اور فضول ہو سکتی تھیں، مگر اسے معلوم تھا، ان ماں، باپ کے لیے وہ استعمال شدہ اشیاء ان کی سب سے قیمتی متاع ہوں گی۔ اس نے پوری رات اور اگلا پورا دن لگ کر عباد کا سارا سامان سمیٹ دیا تھا۔ عدیل اگلی شام آیا تھا۔ وہ زیادہ دیر رکنا نہیں چاہتا تھا۔ اس سے اس جگہ رکا ہی نہیں جا رہا تھا۔ اس کے چائے، کافی، ڈنر کر کے جانا کی ہر دعوت اس نے رد کر دی تھی۔

"میں رک نہیں پاؤں گا بنیہ! کچھ دنوں بعد شاید خود میں ہمت پیدا کر پاؤں، پھر آؤں گا تم سے ملنے۔" وہ اسے دروازے پر رخصت کرنے آئی تھی۔

"ضرور آنا۔ میں کچھ دنوں میں شاید واپس اپنے گھر شفٹ ہو جاؤں گی' وہاں آنا مجھ سے ملنے۔"

وہ آگے کیا کرنے والی تھی' ابھی اس کی بالکل سمجھ میں نہیں آیا تھا' مگر کل عدیل سے ملنے کے بعد اتنا اس نے طے کرلیا تھا کہ وہ عباد کا اپارٹمنٹ چھوڑ کر واپس اپنے گھر چلی جائے۔ وہ چاہتی تھی' عدیل کے ذریعے یہ پیغام کسی نہ کسی انداز میں عباد کے پاپا تک پہنچ جائے کہ جس لڑکی نے ان کے بیٹے سے شادی کی تھی۔ اس نے اپنی زندگی نئے سرے سے عباد کے بغیر پھر شروع کردی ہے۔ بلکہ جس مٹی سے اس کا تعلق ہے اس کی تاثیر کو سامنے رکھتے تو وہ اب تک ان کے بیٹے کو بھول بھال کر اپنی زندگی میں مگن ہو چکی ہوگی' کسی اور کو ان کے بیٹے کی جگہ دے کر اب اس کے ساتھ اپنے روز و شب خوشیوں سے لبریز گزار رہی ہوگی۔ وہ جب بھی پاکستان جائے گی اور جس بھی طرح ان سے ملے گی اتنا تو طے تھا کہ وہ اپنی اصل حیثیت اور اصل پہچان کے ساتھ ان سے نہیں ملے گی۔

اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ سمجھیں جس لڑکی سے عباد نے شادی کی تھی وہ عباد کو بھلا کر اپنی زندگی پھر شروع کرچکی ہے' شاید اپنے لیے کسی اور کو ڈھونڈ بھی چکی ہے' تاکہ جب وہ پاکستان جائے تو انہیں ہلکا سا بھی شک نہ ہو کہ بنیہ سجاد وہی لڑکی ہے جس سے ان کے بیٹے نے شادی کی تھی۔

"بہت اچھا کروگی بنیہ' میں خود تم سے یہی کہنا چاہتا تھا' مگر کہا نہیں' جانے تم کیا سوچو۔" عدیل نے اس کی شفٹنگ کی بات کے جواب میں کہا۔ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم بہت اچھی لڑکی ہو بنیہ' اپنا خیال رکھو۔ زندگی میں ابھی یقیناً" تمہارے لیے بہت سی خوشیاں ہوں گی' جو تمہیں ضرور ملیں گی۔" عدیل خلوص دل سے بولا تھا' اس نے مسکرا کر عدیل کی بات پر سر ہلایا۔ اس کا اور عدیل سفیان کا آپس میں رشتہ یہ تھا کہ وہ دونوں عباد عذیر سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ وہ دونوں آنکھوں میں نمی لیے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے اور ماما جانی کے گھر واپس آگئی تھی۔ وہ اب وہیں رہ رہی تھی۔ مگر یہ بات اس نے سب سے چھپا کر رکھی تھی کہ عالی کا گھر بھی اس نے نہیں چھوڑا تھا۔ پہلے عالی اس اپارٹمنٹ کا کرایہ دار تھا' اب وہ وہاں کا باقاعدہ کرایہ ادا کررہی تھی۔ اس کا اپنا اور عالی کا جو سامان رہتا تھا' وہ سب وہاں اسی طرح موجود تھا۔ اس گھر کی سیٹنگ میں کوئی ردوبدل نہ ہوا تھا۔

وہ کسی کے بھی علم میں لائے بغیر روز آفس جاتے یا وہاں سے واپس آتے بالکل خاموشی سے کچھ وقت وہاں گزارا کرتی تھی۔ سوائے عبداللہ کے' جن سے وہاں جاکر وہ ضرور ملا کرتی تھی' کسی کو بھی اس کے اس معمول کا پتا نہیں تھا۔ عالی کو گئے ایک سال ہورہا تھا اور وہ اب تک مما' پاپا کے پاس نہیں گئی تھی۔ اسے کوئی راستہ ہی نہیں سجھائی نہ دیتا تھا۔ آخر وہ کرے تو کیا کرے؟

عباد کی برسی کے روز اس کے یونیورسٹی کے تمام دوستوں نے اسے فون کیے تھے' پاپا' ای میلز بھیجی تھیں یا یاد دلاتے کارڈز ارسال کیے تھے کہ عباد آج بھی ان کی یادوں میں زندہ ہے۔ اس کے سب دوست MS کرنے کے بعد اپنے پروفیشنز اور کیریئرز میں مصروف ہوچکے تھے۔ اس امریکی معاشرے میں جہاں ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوتی ہے اور کسی کے پاس کسی کے لیے کوئی وقت نہیں ہوتا' عباد کے دوستوں کا اسے اس طرح یاد رکھنا بہت بڑی بات تھی۔

اس روز اس کی حالت عجیب تھی۔ دل کا درد حد سے بڑھنے لگتا اسے فوراً" مما' پاپا کا دھیان آتا' آج ان دونوں کی کیا حالت ہوگی۔ وہ بے چین ہو اٹھتی۔

"مجھے پتا ہے تم مما' پاپا کے لیے بے چین ہو۔ مگر میں کیا کروں عالی! مجھ نہیں آتا' میں پاپا کے پاس کس طرح جاؤں؟ کیا کہہ کر' کس حیثیت میں ان سے اپنا تعارف کرواؤں؟ جو میرا اصل تعارف ہے اسے جان کر تو وہ مجھ سے ملنے ہی سے انکار کردیں گے۔ مجھے اپنے گھر میں داخل بھی نہیں ہونے دیں گے۔"

وہ اپنے بستر پر لیٹی آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آسمان پر سب سے زیادہ چمکتے اس ستارے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"پاپا کو متاثر کرنا آسان نہیں۔ مگر تمہیں وہ پہلی ملاقات ہی میں بہت پسند کرنے لگیں گے۔ تم ان کے معیار کے مطابق ہو۔ ابھی اگر تم ان سے کہیں ملو اور انہیں یہ نہ پتا ہو کہ تم ہی وہ لڑکی ہو جسے میں پسند کرتا ہوں تو وہ تمہیں دل و جان سے پسند کرتے اندر ہی اندر یہ سوچیں گے کہ کاش ان کا بیٹا اگر کسی لڑکی کو پسند کررہا تھا تو وہ لڑکی بنیہ ہی ہوتی۔"

"انہیں ذہین' پراعتماد' اعلا تعلیم یافتہ اور خود پر بھروسہ کرنے والی لڑکیاں بہت اچھی لگتی ہیں اور یہ تمام خوبیاں تم میں موجود ہیں۔ مزید پسند وہ تمہیں تمہاری انجینئرنگ کی وجہ سے کریں گے۔ یار! انہیں اپنے پروفیشن سے عشق کی حد تک لگاؤ ہے اور اپنے قبیلے کے افراد سے ان کی خوب بنتی ہے۔"

اس کی سماعتوں میں اس کی ہنستی مسکراتی زندگی سے بھرپور آواز گونج رہی تھی۔ انجینئرنگ کی ڈگری۔ پروفیشن' عشق' ایسوسی ایشن' اس کے ذہن کی سب بند گرہیں ایک دم کھل گئی تھیں۔ اسے راستہ سجھائی دے گیا تھا۔ عالی نے اسے راستہ دکھادیا تھا۔

"تم میرے ناز نخرے اٹھاتے رہے ہو تو آج میری مدد کو کیوں نہ آتے۔ تھینک یو عالی!"

مسز فاروقی' زاہدہ عزیز سے کس حیثیت میں اور کس طرح ملنے والی تھی' عباد نے اسے ایک دم ہی سمجھا دیا تھا۔ حیرت ہے اتنی آسان سی بات اب تک اس نے سوچی کیوں نہیں تھی۔ وہ اپنی اصلیت ان کے سامنے چھپا کر جانا چاہتی تھی اور یہ کام تو بہت ہی آسان تھا۔ وہ جانتی تھی کہ عباد کے مما پاپا اس کے متعلق کچھ اگر تو کیا اس کا نام تک نہیں جانتے تھے۔

اس کے مما پاپا سے کبھی عباد نے بنیہ کے متعلق بات ہی نہیں کی تھی۔ اور نہ ہی مما سے بھی عباد نے اگر کبھی اس کا نام لے کر کوئی بات کی ہوگی تو یقیناً" روانی میں ہی بولا ہوگا' بنیہ بہت ہی کامن سا نیم ہے۔ اگر کبھی بنیہ نام ان کے لبوں سے نکلا بھی ہوگا تو اتنے بڑے سانحے اور صدمے سے گزرنے کے بعد ان کے ذہن سے یہ نام مکمل طور پر محو ہوچکا ہوگا۔

اس کے مما' پاپا کے علم میں تو یہ تک نہ تھا کہ وہ ایک انجینئر ہے' عباد سے اس کی یونیورسٹی میں ملی تھی' یا یہ کہ وہ نیویارک ہی میں رہتی ہے۔ انہوں نے اس کے متعلق کبھی کچھ جاننا نہ چاہا تھا' عباد کو اس کے متعلق کبھی بتانے کا موقع نہ دیا تھا اور ان دونوں کی یہ لاعلمی اور لاتعلقی اب اس کے لیے بہت بڑی نعمت بننے والی تھی۔

اس ستارے پر نگاہیں مرکوز کیے اس نے اپنی آنکھیں بند کرلی تھیں۔

"جو میں کرنے جارہی ہوں' وہ ٹھیک ہے نا عالی؟" وہ آنکھیں بند کیے اس کے مسکراتے چہرے کو اپنے سامنے دیکھ رہی تھی۔ اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھتے دیکھتے غنودگی میں جارہی تھی۔ "میں کامیاب ہوجاؤں گی نا عالی؟" عالی اس کی بند آنکھوں کے سامنے بھرپور انداز میں مسکرا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

جس نے سنا' وہ حیرت سے گنگ رہ گیا۔ بنیہ پاکستان جارہی تھی' یہاں اپنی اتنی اچھی جاب' اتنا شاندار کیریئر چھوڑ کر؟ اور سب ہی نے اپنے اپنے طور پر اسے سمجھایا تھا۔ اس کے دوست' اس کے کولیگز اس کے سینئرز' اس کے فرم کے CEO' اس کے بھائی' بہن۔ یمینہ تو باقاعدہ فون پر اس پر چلائی تھی۔

"تم پاگل ہوگئی ہو بنیہ؟ یہاں اپنی سیٹل لائف' اتنی شاندار جاب' اتنے نمایاں کریئر سب کو لات مار کر وہاں جاؤ گی اس پسماندہ ملک میں؟ چار دن میں تمہاری عقل ٹھکانے آجائے گی۔ خدا کے لیے ایسی جذباتی حماقت مت کرو۔ جب عباد نہیں رہا تو اس کے ماں' باپ سے تمہارا کیا لینا دینا ہے؟"

اس کی بہن اس کی حماقتوں پر غصے سے کھول رہی تھی۔ وہ جواباً" بردباری سے مسکرائی اور آہستگی سے بولی۔

"تم نہیں سمجھوگی مائی ڈیئر سسٹر! یہ دل کی باتیں ہیں' یہ دل کے رشتے ہیں۔"

"انہی انہیں جذباتی اور احمقانہ سوچوں کی وجہ سے آج اس حال میں ہو' تنہا ہو۔ کاش تمہارے پاس تھوڑی سی عقل ہوتی۔ یہ نیویارک کی جس شاندار فرم میں تمہیں خوش قسمتی سے جاب مل گئی ہے نا' اچھے اچھے وہاں جاب پانے کے خواب دیکھتے ہیں۔ تم سب چھوڑ چھاڑ کر وہاں اس ملک میں جاؤ گی جس سے ہمارا کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ فار گاڈ سیک ہوش کے ناخن لو۔ زندگی میں آگے کی طرف دیکھو۔ دنیا سے چلے جانے والوں کا سوگ کب تک مناتی رہوگی' ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے؟ لوگوں سے ملو جلو' باہر نکلو' کوئی کولیگ ڈنر وغیرہ پر لے جانا چاہے تو چلی جاؤ۔ تم میں کمی کس چیز کی ہے' تمہیں تو آج بھی عباد سے کہیں اچھا کوئی بھی لڑکا مل سکتا ہے۔"

یمینہ سے الجھنے یا بحث کرنے کے بجائے اس نے فون پر خاموشی سے اس کا طویل لیکچر سن لیا تھا۔ یمینہ کی طرح سخت الفاظ اور ڈانٹ پھٹکار کر نہیں، مگر سمجھایا تو اسے ہر ایک نے تھا۔ سوائے کیتھی کی ایک واحد وہ تھی جس نے اس سے پہلی بار یہ سننے پر کہ وہ پاکستان جارہی ہے، ہمیشہ کے لیے، دوسرے لوگوں کی طرح حیرت سے منہ نہیں کھولا تھا، اسے پاگل اور احمق قرار نہیں دیا تھا۔ اس کے تاثرات ایسے تھے جیسے وہ بہت پہلے سے جانتی تھی کہ آج نہیں تو کل ہنیہ نے پاکستان جانے کا فیصلہ کرنا ہی تھا۔

اس کا استعفیٰ اس کے سی ای او نے قبول نہیں کیا تھا۔ ان کا دعوا تھا کہ وہ چند مہینوں بعد واپس آجائے گی اور پھر اتنی اچھی جاب چھوڑ دینے پر یقیناً پچھتائے گی بھی۔ اس کے ساتھ خصوصی سلوک کرتے وہ اسے یہ رعایت دے رہے تھے کہ چند مہینوں بعد اپنے اس ایڈونچر سے فارغ ہو کر جب وہ نیویارک واپس آئے گی تو اپنی جاب پر واپس آسکتی ہے۔

اس نے کوئی جوابی دعوا نہیں کیا تھا۔ اس سے جو کوئی بھی یہ بات کہتا، وہ جواباً خاموشی سے مسکرا دیتی تھی۔ وہ نیویارک میں اپنی جمی جمائی ساری زندگی ختم کرکے جارہی تھی۔ اس نے اپنا سارا سامان فروخت کردیا تھا۔ پینٹ ہاؤس سے چونکہ نانا جانی، ممی اور پاپا کی یادیں جڑی تھیں، اس لیے اسے فروخت کرنے کے بجائے کرائے پر دے دیا تھا۔ اپنے سارے معاملات، لین دین، حساب کتاب سب اس نے اس طرح نمٹائے تھے جیسے کسی جگہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑنے اور کہیں اور آباد ہونے کا ارادہ رکھنے والے کیا کرتے ہیں۔ اپنے بھائی، بہن، دوستوں کو لیکر، عباد کے دوست، خصوصاً "ڈاکٹر اینڈریو، عبداللہ اور پارک میں کھیلنے والے بچے اس نے فردا" فردا" ہر ایک کو الوداع کہہ دیا تھا۔ ہمیشہ کے لیے خدا حافظ کہا تھا۔ وہ عباد کے والدین کے پاس پاکستان جارہی ہے، ان کی تنہائی مٹانے، ان کا درد بانٹنے یہ جاننے کے بعد عبداللہ بولے تھے۔

"عباد نے زندگی میں اتنی نیکیاں کمائی تھیں، پھر اس کے والدین تنہا ہو بھی کیسے سکتے تھے؟"

عباد کا جو سامان اس نے اپنے پاس روک لیا تھا، اس سب کو اپنے ساتھ پیک کرکے وہ پاکستان لے جارہی تھی۔ اپنے ماموں، ممانی کے پاس، جن سے ممی کے انتقال کے بعد سے اب پچھلے کئی سالوں سے کبھی کبھار کی فون کال یا ای میل بس اس حد تک رابطہ تھا۔ انہیں اس نے فون پر پاکستان آنے کی درست وجہ سے آگاہ بھی نہ کیا تھا۔ اس نے اپنی تنہائی اور اکیلے پن کا ان سے ذکر کیا تھا۔ وہ اس کے بعد نیویارک میں خود کو بہت تنہا محسوس کرنے لگی اور اپنا ماحول کچھ عرصہ کے لیے بدلنا چاہتی ہے۔

"عالی! میں پاکستان آرہی ہوں۔" وہ اس آخری رات عباد کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر پہنے بیڈ پر سونے لیٹی ہوئی تھی۔ یہ ان دنوں کی بات تھی جب اسے پاکستان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اب پاکستان اس کے لیے دنیا کے کسی بھی ملک سے بڑھ کر اہم تھا۔ وہاں اس ملک کی مٹی میں اس کا عالی سو رہا تھا۔ عالی اسے وہاں بلا رہا تھا۔ وہ عالی کے ممّا پاپا کے پاس جارہی تھی۔

"آپ کسی سے اتنی محبت کریں کہ وہ آپ کی روح بن جائے۔" اسے ایسا لگتا تھا، وہ ہنیہ نہیں وہ عباد بن گئی ہے۔ وہ عباد بن کر اس کے ممّا پاپا کے پاس جارہی تھی۔

☆ ☆ ☆

کیتھی اسے ایئرپورٹ چھوڑنے آئی تھی۔ ایئرپورٹ پر خدا حافظ کہنے سے وحشت ہوتی تھی۔ آخری بار عباد کو ایئرپورٹ پر رخصت کرنے آئی تھی۔ اس کی کیفیات کو اس کے کہے بنا سمجھ رہی تھی۔ وہ تھا جس ایک مقام کو وہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھے جارہی تھی، اس جگہ کھڑے ہو کر اس نے آخری بار عباد کو دیکھا تھا۔ رخصت ہونے کا وقت آگیا تھا۔

"اپنا خیال رکھنا۔" اس کے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے کیتھی نے کہا۔

"میں واپس نہیں آؤں گی کیتھی! ممّا پاپا مجھے ایکسیپٹ (قبول) کریں یا نہیں، مگر میں اب ہمیشہ وہیں رہوں گی۔ میں یہاں واپس نہیں آؤں گی۔" اس نے کسی سے نہ کہی تھی، دوست کو بتائی۔

"مجھے پتا ہے۔ تم نہ بھی بتاتیں، میں تب بھی جانتی ہوں۔" کیتھی کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے۔

"مجھے کوئی نصیحت نہیں کروگی؟ میں غلطی کر رہی ہوں، میں پچھتاؤں گی یا کچھ اور؟" اس نے مسکرا کر اس سے پوچھا۔ اس کے جانے کی بات پر اب تک ایک بار بھی کیتھی نے اچھے برے کوئی بھی کمنٹس نہیں دیے تھے۔

"...ہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں گواہ ہوں تمہاری اور عالی کی محبت کی۔ اس محبت کی سچائی اور گہرائی میں نے دیکھی ہیں اور جہاں محبت اتنی شدید اور سچی ہوتی ہے تو پھر وہاں زندگی بھر کے فیصلے بھی اسی کے دل پر چھوڑ دیے جاتے ہیں۔"

کیتھی اپنے آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔ وہ اسے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے آخری بار دیکھ رہی ہو۔

"ہنیہ! بہت یاد آؤ گی۔" اس نے بے اختیار اسے اپنے گلے سے لگایا تھا۔ وہ رو پڑی تھی۔

"کیا تم مجھ سے ملنے پاکستان نہیں آؤ گی؟" اس کے گلے سے لگے لگے اس نے روندھے لہجے میں پوچھا۔

"کوشش کروں گی۔"

"کوشش نہیں، تمہیں آنا ہوگا۔ تم اور مائیک دونوں۔"

وہ دونوں اسی طرح گلے لگی ہوئی تھیں۔

"ہنیہ! ایسا ہے کہ نہیں، درست موقع نہیں مگر پتا نہیں پھر کبھی موقع ملے نہ ملے۔ میں آج تک تم سے کبھی عالی کے جانے کا افسوس نہیں کرسکی ہنیہ! میری ہمت نہیں ہوتی تھی کہ تم سے کچھ کہہ سکوں۔ میرا دل روتا ہے تمہارے اور عالی کے لیے۔ کاش میرے بس میں ہوتا، میں تمہارے لیے کہیں سے بھی اسے ڈھونڈ لاتی۔" اور وہ اس کی بہادری پر مسکرائی، اپنی دوست کے آنسو صاف کررہی تھی۔

"وہ اس کے جانے کے بعد پورے ایک سال اور ایک مہینے بعد اس شہر میں اپنے قدم رکھ رہی تھی جس نے اپنے اندر اس کے عالی کو سمیٹا ہوا تھا۔ "عالی! میں ممّا پاپا کے پاس آگئی۔ وہ مجھے اپنائیں یا نہیں، میں انہیں اپنا چکی ہوں اور تم سے میرا وعدہ ہے، میں انہیں تنہا چھوڑ کر اب یہاں سے کبھی واپس نہیں جاؤں گی۔ اب میری زندگی ممّا پاپا سے وابستہ ہے۔"

وہ کئی سال پہلے اپنے کزن کی شادی میں کراچی آئی تھی۔ وہ ابھی یہاں کی ہر چیز سے ناواقف تھی۔ اس نے انٹرنیٹ پر فاروق ایسوسی ایٹس کے متعلق معلومات، ان کے انجام دیے اور زیر تکمیل پروجیکٹس کی تفصیلات اور ساتھ ہی کراچی کے ماحول، رہن سہن کے طور طریقوں اور راستوں سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش شروع کردی۔ اپنے ماموں، ممانی جن سے اس کی پہلے کبھی بہت قربت نہ رہی تھی، انہیں اپنے آنے کا اصل مقصد اس نے نہ بتایا تھا مگر ان سے اس کی دوستی فوراً ہوگئی تھی۔ اس نے ہجرت کی تھی۔ وہ اپنا ملک اور اپنا رہن سہن چھوڑ کر ایک نئے ماحول اور نئی جگہ پر خود کو ایڈجسٹ کرلینے کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔

وہ پوری تیاری اور بھرپور اعتماد کے ساتھ عذیر فاروق کے سامنے جانا چاہتی تھی۔ وہ صرف اپنی کامیابی کے متعلق سوچ رہی تھی۔ وہ ہارنے نہیں جیتنے آئی ہے۔ وہ عذیر فاروق اور ماجرہ عذیر کے دلوں کو جیتنے آئی ہے۔ وہ ہارے گی نہیں۔ وہ ہار گئی تو عباد ہار جائے گا، اور وہ عباد کو ہارنے نہیں دے گی۔

اپنی کراچی آمد کے بیس روز بعد وہ فاروقی ایسوسی ایٹس جارہی تھی۔ پچھلی پوری رات اس نے سوتے جاگتے عباد کے تصور سے باتیں کرتے گزاری تھی۔ تصور میں آتے عباد کی یقین بھری مسکراہٹ اسے اعتماد دلا رہی تھی کہ وہ ہارنے کی نہیں، وہ جیت کر واپس آئے گی۔

اس نے عباد کا بوسٹن سے لایا گفٹ میں دیا گرین سوٹ اپنے پہننے کے لیے منتخب کیا تھا۔ ایمبرائڈری ہوا لائٹ گرین شرٹ، دوپٹہ اور ڈارک گرین ٹراؤزر۔ ان کپڑوں کو پہننے سے اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے عالی اس کے ساتھ ہی ہے۔ وہ ان کے سامنے پہنچی تو اس کا دل چاہا وہ دوڑ کر جاکر ان کے گلے سے لگ جائے۔ وہ عالی کے پاپا تھے، اس کے عالی کے۔ وہ جن سے عالی اپنی جان سے بڑھ کر پیار کرتا تھا، وہ جن کی ناراضی دور کرنے وہ ان کے پاس آرہا تھا کہ فرشتہ اجل نے اس سے ایسا کرنے کی مہلت چھین لی۔

انہیں دیکھ کر اسے یوں لگا وہ عالی کو دیکھ رہی ہے۔ اگر وہ زندہ رہتا تو آج سے پچیس تیس سال بعد عالی ایسا ہی لگتا۔ عالی ان کا عکس تھا۔ ہو بہو ان ہی جیسا۔ اتنی زیادہ مشابہت۔ عذیر فاروق کے بعد وہ ماجرہ عذیر سے ملی۔ عالی کی ممّا۔ عالی ظاہر میں اگر اپنے پاپا جیسا تھا تو باطن میں ممّا جیسا۔ سوائے اس ایک ڈمپل کے اس کی اپنی ممّا سے کوئی ظاہری مشابہت نہ تھی۔ مگر ماجرہ عذیر سے مل کر اس کی سمجھ میں آرہا تھا کہ عالی نے اپنی نرم خوئی، محبت، مروت اور خلوص کہاں سے لیا تھا۔

وہ اتنی کم عمری میں اتنا حساس، دوسروں کی اتنی پروا

کرنے والا تھا تو یہ عادتیں اس میں کس کی آ گئی تھیں۔ وہ
ان دونوں سے مل لی تھی اور ان دونوں سے پہلی بار مل کر ہی
اسے پتا چل گیا تھا کہ وہ دونوں سانس لیتے ہیں' زندہ
انسانوں جیسے تمام کام کرتے ہیں مگر وہ دونوں مر چکے تھے۔
جب والدین اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی اولاد کو قبر میں
اترتا دیکھتے ہیں تو اس قبر میں صرف ان کے جگر گوشے ہی
نہیں بلکہ ان کے دل اور ان کی روح بھی ان کے ساتھ اس
قبر میں اتر جاتی ہے۔

وہ اپنی آنکھوں کے سامنے ان دونوں کو ہر لمحہ کمزور سے
کمزور تر ہوتا دیکھ رہی تھی۔ وہ جلد از جلد ان دونوں کے
بالکل نزدیک ہو جانا چاہتی تھی' اس کی منزل یہ آنسو نہیں
وہ گھر تھا' جہاں آج وہ بوڑھے ماں' باپ تنہا زندگی گزار
رہے تھے۔

وہ دیکھتی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کی خاطر زندہ
تھے۔ عذیر فاروق' ہاجرہ کے لیے اور ہاجرہ ان کے لیے۔
اگر تنہا ہوتے تو شاید کب کے ہمت ہار چکے ہوتے' دنیا سے
ناتا توڑ چکے ہوتے۔ وہ ان کے گھر آئی تو ان کے گھر میں
موت کا سا سناٹا تھا۔ ان کی زندگیوں سے ہر آس' ہر امید' ہر
خواہش ختم ہو چکی تھی۔ اسے پتا تھا کہ اگر آج ہاجرہ دعا کے
لیے ہاتھ اٹھاتے ہوئے رو پڑتی ہیں اور پھر روتی ہی رہتی
ہیں تو کیوں؟ وہ اب کس کے لیے دعا کریں؟ وہ اب کس کی
لمبی عمر' صحت' تندرستی' کامیابی اور خوشیوں کے لیے اللہ
سے دعا کریں۔ دعاؤں کا محور' دعاؤں کا مرکز ختم ہو گیا۔
زندگی کا محور' زندگی کا مقصد ختم ہو گیا۔ ان کی حالت دیکھ کر
اس کا دل کٹتا تھا' روتا تھا۔

کتنی بڑی آزمائش تھی یہ ان والدین کی۔ ان دونوں سے
ملنے سے پہلے تک اپنا غم بہت بڑا لگا کرتا تھا' اس دکھی ماں
اور کمزور باپ کی حالت دیکھ کر اپنا غم بھولنے لگا تھا۔ بہت
چھوٹا لگنے لگا تھا' اس کا غم تو ان کے غم کے آگے کچھ بھی
نہیں۔ وہ ان کا غم دور نہیں کر سکتی' وہ عالی کو واپس ان کے
پاس نہیں لا سکتی' یہ اس کے بس میں نہیں۔ مگر اتنا تو اس
کے بس میں ہے کہ اب خود ہمیشہ ان کے پاس رہے۔

وہ عالی کو یاد کر کے رو پڑیں تو کم از کم ان کے آنسو پونچھنے
کے لیے اس کے ہاتھ ان کے قریب ہوں' اس کے شانے
حاضر ہوں کہ وہ ان پر سر رکھ کر رو لیں۔ وہ ان کا سہارا بنے
گی' انہیں سنبھالے گی۔ انہیں ٹوٹنے نہیں دے گی۔

اسے پاکستان آئے ساڑھے گیارہ ماہ ہو رہے تھے اور
گیارہ ماہ بعد آج وہ اس مقام تک تو پہنچ گئی تھی کہ
فاروق کے گھر میں موجود تھی۔ اس کا پہلا قدم ان کا ان
تھا مگر اس کی منزل تو عذیر فاروق اور ہاجرہ عذیر کا دل تھا' ان کا
گھر تھا۔ امریکہ سے اس کا واحد رابطہ کیتھی تھی' جس سے
اس کی دن میں کئی بار بات ہوتی تھی۔ وہ اپنے مقصد میں
کہاں تک پہنچی' کیتھی اس سے ہر روز ساری تفصیل
پوچھتی تھی۔ وہ ہاجرہ کے سامنے جس کال کے آنے سے
پریشان ہو گئی تھی۔ وہ کیتھی کی کال تھی۔ دل میں چونکہ
سچائی چھپائے رکھنے کا خوف تھا' اس لیے وہ کیتھی سے
بوکھلاہٹ میں' بات کر ہی نہیں پائی تھی۔ عالی کے گھر میں
داخل ہوتے ہوئے اپنی اس کامیابی کا میسج بھی اس نے
کیتھی ہی کو کیا تھا۔ آج وہ فخر سے کیتھی سے کہتی کہ وہ عذیر
فاروق اور ہاجرہ عذیر کے دل اور ان کے گھر میں رہتی ہے۔
وہ دونوں اسے اپنی بیٹی کہتے ہیں' اپنی بیٹی سمجھتے ہیں۔
وہ ان دونوں کی محبتیں اور اعتماد پانے میں کامیاب
ہو گئی تھی' محبت کو محبت سے جیتنے میں کامیاب ہو گئی
تھی مگر سوال یہ تھا کہ جس روز وہ دونوں اس کی اصلیت
جان لیں گے' کیا اس روز کے بعد بھی اس سے ایسی ہی محبت
کریں گے؟

کیا وہ بنیہ عباد سے بھی ویسی ہی محبت کریں گے جیسی
بنیہ سجاد سے کرتے ہیں؟ یہ سوچ اس کے دل کے ...
ان دونوں کی محبت تو آج اس کی زندگی کا کل سرمایہ تھی' اگر
ان کی سچائی جان کر انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا پھر وہ کیا
کرے گی۔ وہ ان دو لوگوں کی نفرت سہہ نہیں پائے گی۔
... اور فیاض کی کینیڈا سے واپسی میں ... روز رہ
گئے تھے۔ ... کی آمد سے پہلے ... ملاقات
میں اپنی سچائی عذیر فاروق اور ہاجرہ کو بتا دینا چاہتی تھی۔ وہ
ہر روز ہمت کر رہی تھی' ہر روز ڈر اور خوف کے زیر اثر اس
کی ہمت ٹوٹ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

عدیل کو اچانک اپنے سامنے پانے اور اسی لمحے عذیر
فاروق کے وہاں آ جانے سے وہ بہت بری طرح گھبرا گئی
تھی۔ عدیل اس سے پہلے خود کو شاک سے باہر نکال چکا
تھا۔ اس نے صورت حال کو فوراً "سنبھال" بھی لیا تھا' ابھی
اس نے عذیر فاروق کو بھرپور اعتماد سے یہ تاثر دیا تھا جیسے وہ اپنے
سامنے آنے والی ایک خاتون کے احترام میں کرسی سے کھڑا

"میں عدیل ہمدانی ہوں۔ اور آپ.....؟" اس کی
اس خوش اخلاقی سے مسکرا کر دیکھتے اس نے عذیر فاروق
کی طرف دیکھا۔

"انکل ان ہی سے آپ مجھے ملوانا چاہ رہے تھے نا؟"

"ہاں' یہ بنیہ ہے۔ ویسے تو یہ یہاں اسٹرکچرل انجینئر
ہے مگر اس کا اصل تعارف یہ ہے کہ یہ میری بیٹی ہے۔"

اس نے عذیر فاروق کے مسکراتے چہرے کی طرف
دیکھا۔ وہ اسے محبت بھری نگاہوں سے مسکرا کر دیکھ رہے
تھے۔ اس کی کب سے اٹکی سانسیں بحال ہوئیں' اس نے ایک
پر طمانیت بھری سانس لی۔ ان کا انداز دیکھ کر ہی اسے
اندازہ ہو گیا تھا کہ انہوں نے اس علم کی کوئی بات نہیں سنی۔ اگر
سنی ہوتی تو ان کے تاثرات اتنے نارمل نہیں ہو سکتے
تھے۔ عدیل بہت کچھ سمجھا نہیں تھا' وہ بنیہ کو یہاں دیکھ کر
حیران ہوا تھا مگر کچھ سمجھنے کے باوجود وہ اس پوری ملاقات
کے دوران یہی تاثر دیتا رہا کہ وہ آج بنیہ سجاد سے زندگی
میں پہلی بار ملا ہے۔ وہ اب امریکہ میں نہیں تھا۔ وہ تعلیم
مکمل کرنے کے کچھ ہی دنوں بعد پاکستان واپس آ گیا تھا۔
آج کل وہ یہاں ملتان میں ہوتا تھا' اسے وہاں کافی اچھی جاب مل
گئی تھی۔

کراچی اپنے گھر والوں سے جب ایک یا دو دن کے
لیے ملنے آتا' عذیر فاروق اور ہاجرہ سے ضرور ملا کرتا تھا۔
عدیل نے ... سنبھال ... کا سانس لیا۔
عذیر فاروق کے سامنے ہی ... گفتگو بے حد خوش
... ادھر ادھر ... عدیل نے اسے اپنا
... وہ اسے اپنا کارڈ اس لیے
دے رہا تھا کیونکہ وہ بنیہ سے ساری بات جاننا چاہتا تھا۔
عذیر فاروق کے سامنے وہ ملاقات اختتام پذیر ہوئی اور اسے
تین اوقات کے دوران ہی کچھ موقع ملا تو اس نے عدیل
کے دیے کارڈ میں سے اس کا فون نمبر ملایا۔

عدیل اسے یہاں دیکھ کر حیران تھا اور یہ جاننے کے بعد
کہ وہ اب زندگی بھر یہیں رہنے کے لیے آ گئی ہے' وہ اپنا
ملک عالی کے لیے چھوڑ کر آ گئی ہے' وہ کئی منٹ بالکل خاموش
رہا۔ پھر جب بولا تو آواز سسکی سے زیادہ نہ تھی۔

"مجھے آج عالی کی پسند پر جتنا فخر ہو رہا ہے' اب سے پہلے
کبھی نہ ہوا تھا۔ سچ کہتا ہوں بنیہ' عالی خوش قسمت تھا'
اللہ نے اسے دنیا کی سب سے پیاری لڑکی کی محبت عطا کی
تھی۔"

آج عدیل ملا ہے' کل اس کا اور عباد کا کوئی اور مشترکہ
جاننے والا اچانک مل سکتا ہے' اس سے پہلے اسے خود عذیر
فاروق اور ہاجرہ کو اپنی سچائی بتا دینی چاہیے۔ گھر واپس آنے
کے بعد بھی وہ یہی سوچ رہی تھی۔ مگر آج اس کی ہمت اتنی
ٹوٹی ہوئی تھی کہ کم از کم آج وہ انہیں سب کچھ سچ بتانے
کی ہمت اپنے اندر نہیں پا رہی تھی۔

پچھلے چند دنوں سے ایک پژمردگی اور اداسی نے اسے
اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ سال کے یہ دن اور یہ تاریخیں
جب لوٹ کر آنے لگتیں' اس کے دل کی عجیب سی حالت
ہو جاتی۔ پھر جدائی کا یہ عرصہ جس کی مدت نامعلوم تھی۔
ناقابل برداشت اور بہت تکلیف دہ لگنے لگتا تھا۔ کل وہ دن
وہ تاریخ تھی دو سال پہلے جس روز وہ عباد کے ساتھ شادی
کے بندھن میں بندھی تھی۔ نو دن بعد اس کی برسی تھی۔
دنوں کی یہ ترتیب تو دل پر لکھی گئی تھی۔

ہفتہ کے روز ان کا نکاح ہوا تھا۔ اتوار کے روز ماما جانی
رخصت ہوئی تھیں۔ پیر کی رات ان کی شب عروسی تھی۔
منگل کی صبح وہ Carmel گئے تھے۔ اتوار کی شام وہ
نیویارک واپس آئے تھے' اتوار کی رات عالی دبئی جانے
کے لیے اس سے رخصت ہوا تھا۔ پیر کے روز سب کچھ
ختم ہو گیا تھا۔

وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں جا کر بند نہیں ہو سکتی
تھی۔ وہ جبراً مسکرا رہی تھی۔

ہاجرہ اس کے لیے کچن میں کچھ بنانے گئی تھیں۔ وہ
لاؤنج میں بیٹھی بے مقصد اور مکمل بے توجہی کے ساتھ
ریموٹ سے ٹی وی کے چینلز تبدیل کیے جا رہی تھی۔
فون کی بیل بجی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔ وہ
تقریباً" ڈیڑھ مہینے سے اس گھر کے فرد کی طرح ہی یہاں
قیام پذیر تھی۔ اب تو ہاجرہ اور عذیر فاروق کے تقریباً" تمام
ملنے والے' دوست احباب' رشتے دار اس سے واقف
تھے۔

"ہیلو..." دوسری جانب سے آنے والی خوب صورت
زنانہ آواز اس کے لیے بالکل انجانی تھی۔

"میں انوشہ بات کر رہی ہوں۔ آپ...؟"

انوشہ... انوشہ طارق۔ نہیں بلکہ انوشہ ذیشان۔ سوا سال
ہوا انوشہ کی شادی ہو چکی تھی' اس کا دو تین ماہ کا ایک بیٹا
بھی تھا' اتنا ہاجرہ کے توسط سے اس کے علم میں تھا۔ انہوں نے

meemurdu.com

نے انہیں اور عذیر فاروق کے بھائی بہنوں کے متعلق ایک بار اسے تفصیل سے بتایا تو اس نے طارق فاروق اور ان کی فیملی کا ذکر خصوصی دلچسپی اور توجہ سے سنا تھا۔ اپنے والد کے ایک دوست کے بیٹے سے انوشہ کی شادی ہوئی تھی اور وہ شادی کے بعد دبئی ہی میں مقیم تھی۔ یہاں چونکہ اس کی سسرال تھی اس لیے کراچی آنا جانا اس کا لگا رہتا تھا۔

"میں بنیعہ ہوں۔"

"بنیعہ! ہاں آپ کا ذکر سنا ہے میں نے چچی سے۔ کیسی ہیں آپ؟" انہیں یقیناً اپنے چچا یا چچی سے بات کرنی تھی۔ مگر اخلاقاً اس نے اس سے رسمی گفتگو شروع کی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟"

"مزے میں ہوں۔ کراچی آئی ہوئی ہوں، میں نے سوچا ملنے تو شاید کل پرسوں آؤں۔ آج فون پر ہی ہائے ہیلو کر لوں۔ چچا جان اور چچی کیسے ہیں؟"

"وہ ٹھیک ہیں۔ ہولڈ کریں، میں بلاتی ہوں۔" وہ اس سے کہنا چاہتی تھی کہ "انوشہ! اگر اب بھی اس بات کو دل سے لگائے بیٹھی ہو تو پلیز اب میرے عابی کو معاف کر دو۔ وہ تم سب کو منانے، تم سب سے معافی مانگنے تمہارے پاس آرہا تھا۔ جیسا اسے سمجھا گیا، وہ ویسا ہرگز نہیں تھا۔ مگر کیسی بدنصیبی ہے یہ جن لوگوں کو وہ اپنی زندگی میں بہت زیادہ اہمیت دیتا تھا، وہ انہیں یہ بتانے کے لیے زندہ نہ رہ سکا کہ وہ انہیں بہت پیار کرتا ہے۔" دل گرفتی اور اداسی سے ریسیور رکھتے وہ ہاجرہ کو بلانے کچن کی طرف آگئی تھی۔

عذیر فاروق نے رات کے کھانے کے لیے منع کر دیا تھا۔ وہ آفس سے آکر کچھ دیر ان دونوں کے ساتھ بیٹھنے کے بعد اسٹڈی میں چلے گئے تھے۔ وہ پہلے بھی خود کو رات گئے تک دفتری کاموں میں مصروف رکھتے تھے مگر وہ دیکھ رہی تھی کہ دونوں کی یہ ترتیب جب سے لوٹنے لگی تھی، وہ تقریباً ساری ساری رات اسٹڈی میں گزار رہے تھے۔

کھانے کی میز پر صرف وہ اور ہاجرہ تھیں۔ ہاجرہ اس کی خاطر میز پر بیٹھی تھیں اور وہ عباد والی کرسی پر بیٹھی زبردستی انہیں کھانا کھلوا رہی تھی۔

"بس بیٹا! اور خواہش نہیں۔" اس کے بے حد اصرار پر آدھی روٹی کھا کر انہوں نے مزید کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے کہنے سے وہ اتنا تو کھا لیتی تھیں ورنہ عذیر فاروق تو جانے کیا کیا جتن کرتے تب وہ چند لقمے لیتی تھیں۔

"پاپا نے کھانا نہیں کھایا۔ ان کے لیے دودھ لے جاؤں؟" اس نے ہاجرہ سے پوچھا۔ پہلے وہ منع کرنے کے لیے لب کھولنے لگیں۔ ان دنوں وہ کن کیفیات کا شکار تھے، وہ جانتی تھیں۔ مگر کیا پتا وہ بنیعہ کے کہنے پر دودھ پی لیں۔ انہوں نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ ایک کپ میں گرم دودھ میں ہارلیکس ملا کر ان کے لیے فوراً لے آئی۔ وہ اپنے گرد میز پر بہت ساری فائلز اور رائٹنگز بکھرائے بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھ میں پین تھا۔ اسے دیکھ کر انہوں نے گلاسز اتارے۔

"میں آپ کے لیے دودھ لے کر آئی ہوں پاپا! منع مت کیجیے گا۔ یہ بھی مت کہیے گا کہ میرا موڈ نہیں۔ اگر آپ نے یہ دودھ نہیں پیا تو مجھے بہت دکھ ہوگا۔"

"اتنی لمبی اور جذباتی تقریر؟ جبکہ ابھی میں نے ہاں یا نہ کچھ کہا بھی نہیں ہے؟" وہ مبتسم ہوئے۔

"اس لیے کہ مجھے ایسا لگا تھا آپ منع کریں گے۔"

"اور اگر میں منع کروں گا تو آپ کو دکھ ہوگا؟"

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"اتنی معمولی معمولی باتوں پر دکھی مت ہوا کرو پیاری گڑیا!" انہوں نے اس کی طرف بغور دیکھا۔

"آپ اسے پی لیں گے تو میں بالکل بھی دکھی نہیں رہوں گی۔" وہ جواباً مسکرائے۔

"ٹھیک ہے بیٹا! میں ابھی تھوڑی دیر میں پی لوں گا۔" انکار کرکے اس کا دل نہیں توڑنا چاہ رہے تھے۔

"جی نہیں۔ آپ اسے میرے سامنے پئیں گے، ابھی اور اسی وقت۔" وہ کپ ہاتھ میں لیے ان کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

اس کی ضد کے انداز پر وہ بے ساختہ ہنس پڑے۔

"کبھی اتنی سنجیدہ اور سوبر لگتی ہو اور کبھی بالکل چھوٹی سی بچی۔"

"آپ کو کیسی اچھی لگتی ہوں؟ بتائیں۔"

"ہر طرح۔" انہوں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ قطعیت بھرے لہجے میں۔ "بنیعہ سجاد آپ مجھے ہر طرح اچھی لگتی ہیں اور یہ آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میری کوئی بیٹی ہوتی تو آپ کے جیسی ہی ہوتی۔"

اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے انہوں نے دودھ کا کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ دودھ پینے لگے تھے۔ رغبت سے پی رہے تھے یا بے رغبتی سے مگر

وہ انہیں دیکھ رہی تھی۔

آج عدیل سے ہوئی ملاقات کا انہوں نے اس سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ یہ تک نہیں بتایا تھا کہ آج جسے اپنا بیٹا کہہ کر انہوں نے اسے متعارف کروایا تھا وہ ان کے بیٹے عباد کا بے حد جگری اور سب سے عزیز دوست تھا۔

☆☆☆

رات گہری تھی۔ بہت سناٹا، بہت خاموشی تھی، آج کیا تاریخ تھی۔ اس نے بے چینی سے بستر پر کروٹ بدلی تھی۔ یہ ان کی شادی کے بعد کی وہ پہلی رات تھی، وہ پہلی رات جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔

دو سال پہلے کی اس رات کو دہراتی، یاد کرتی وہ اس کے کمرے میں جانا چاہتی تھی۔ دو سال پہلے آج کی رات ڈر رہی تھی اور وہ اس ڈر کو دور کرنے کے لیے پوری رات اس کے ساتھ جاگا تھا۔ "میں کہیں نہیں جا رہا، میں یہیں ہوں، تمہارے پاس بالکل پاس۔"

اس کے کانوں میں ایک پیار بھری آواز گونجی۔ ایک دم وہ بیڈ سے اٹھی تھی۔ وہ عباد کے کمرے میں جا رہی تھی۔

وہ اسٹڈی سے نکل آئے تھے۔ کوئی انہیں "پاپا" کہہ کر صدا دے رہا تھا۔ اپنے اندھیرے میں ڈوبے گھر میں اس صدا کو تلاش کرتے وہ باہر آئے تھے۔ اسی گھپ اندھیرے میں انہوں نے ایک سایہ دیکھا۔ وہ بنیعہ تھی۔ چادر کے بغیر، دوپٹہ بھی نہیں لیا تھا۔ اس نے بھی کافی بڑا، بہت ڈھیلا ڈھالا اور لمبا سا شرٹ اور ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ اس کے بال اس طرح بکھرے ہوئے تھے جیسے وہ سوتے سوتے اٹھی ہے۔ وہ ادھر ادھر کسی بھی سمت دیکھے بغیر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتے تھے کہ کیا ہوا؟ وہ اسے آواز دینا چاہتے تھے مگر کچھ سوچ کر وہ اسے آواز دیتے دیتے رک گئے۔ وہ چند قدم آگے بڑھے۔ وہ عباد کے کمرے کے سامنے رکی تھی۔

اس نے دروازہ آہستگی سے کھولا تھا اور کمرے کے اندر چلی گئی تھی۔

وہ اس کمرے کی ہر چیز کو بے خودی و دیوانگی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ دیوار پر لگی عباد کی تصویروں کو تک رہی تھی۔ اس نے بے خودی کے عالم میں اس کی دیوار پر لگی ایک تصویر پر اپنا سر ٹکا رکھا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز اپنی بے خودی میں وہ سن نہ سکی تھی مگر دروازہ بند ہونے اور کسی کے اندر آنے کی آواز اس نے سن لی تھی۔ اس نے فوراً سر اوپر اٹھایا۔ اور خوف کے مارے سن سی رہ گئی۔

عذیر فاروق اس کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ اس گہری رات میں، اتنی رات گئے اپنی اس کمرے میں موجودگی کا انہیں کیا جواز دے گی۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگنے لگیں۔ وہ سنجیدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اب صرف سچ بولا جا سکتا تھا۔ صرف اور صرف سچ۔

رات کے تین بجے ایک لڑکی ان کے بیٹے کے کمرے میں اس کی تصویر پر سر ٹکائے کھڑی ہے؟ کیوں؟ جس لمحے کے آنے سے وہ ہمیشہ ڈرتی تھی وہ آچکا تھا۔

"پاپا! میں نے آپ سے اپنے بارے میں جھوٹ بولا تھا۔ پلیز پاپا! مجھ سے ناراض مت ہوئیے گا۔ پاپا! میں...!" اس نے ان کے ہاتھ کے اوپر نرمی سے اپنا ہاتھ رکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"پاپا! میں عباد کی۔ پاپا! میں۔۔۔۔ پاپا میں ہی وہ لڑکی ہوں جس سے عباد نے شادی کی تھی۔" اٹک اٹک کر بات شروع کرتے اس نے آنکھیں بند کرکے ایک دم ہی اپنا جملہ پورا کر دیا۔ اس نے اپنی آنکھیں خوف کے مارے ابھی تک بند کر رکھی تھیں، سر جھکا رکھا تھا۔ وہ ان کی طرف دیکھنے کی جرأت پیدا نہیں کر پا رہی تھی۔ ان کی نظروں کی محبت کو نفرت میں بدلتا وہ کس طرح دیکھ پائے گی۔ وہ اس کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھوں کو چھڑا لیں گے، اسے جھٹک کر نفرت سے خود سے دور ہٹائیں گے، وہ ان کی یہ نفرت کیسے دیکھ پائے گی، کیسے سہہ پائے گی، مگر نہ انہوں نے اس کے ہاتھ جھٹکے تھے نہ اسے نفرت سے خود سے دور ہٹایا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے سر اوپر اٹھایا، ان کی طرف دیکھا۔ اسے ان کی آنکھوں میں نمی نظر آئی۔ ان کی آنکھوں میں درد تھا، غم تھا، آنسو تھے مگر نہ نفرت تھی نہ حیرانی۔ وہ اتنی بڑی بات سن کر، اتنا بڑا انکشاف سن کر ذرا بھی حیران نہیں ہوئے تھے۔ "پاپا؟" اس نے کانپتی آواز میں سوالیہ

نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"پاپا پر اعتبار کرنے میں اتنی دیر؟ کیا لگتا تھا پاپا اتنے ظالم ہیں جیسے عالی سے رشتہ توڑنے کی بات کی تھی تم سے بھی سب ناتے توڑ لیں گے؟" ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ "میں جانتا ہوں، مجھے پتا ہے تم ہنیہ عباد ہو۔ میرے عالی کی ہنی ہو۔ میری بہو ہو۔"

انہوں نے بے اختیار آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چومی۔ وہ ان پر ایک بہت بڑا انکشاف کرنے کھڑی ہوئی تھی مگر اب خود ایک اس سے بھی بڑے انکشاف کی زد میں تھی۔

"پاپا کو کیا بہت بے وقوف سمجھ رکھا ہے ہنیہ عباد؟" وہ آنکھوں میں نمی لیے مبہم سا مسکرائے۔ "کیا لگتا تھا، پاپا کو کچھ پتا ہی نہیں چلے گا؟"

"پاپا! آپ کو کیسے... کیا عدیل نے آپ کو...؟"

"نہ، نہوں۔" انہوں نے اس کے ادھورے سوال کا نفی میں سر ہلا کر جواب دیا۔

"آپ جانتے تھے پاپا! پھر آپ نے یہ بات کبھی....." وہ اٹک کر اپنا جملہ مکمل نہ کرپائی۔

"کبھی ظاہر کیوں نہیں کی، آپ کو بتایا کیوں نہیں، یہی پوچھنا چاہتی ہیں نا۔ آپ اسمارٹ گرل؟" ان کی آنکھوں میں نمی اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"میں اس دن کا انتظار کر رہا تھا بیٹا! جب پاپا کی محبت پر تم اتنا بھروسہ کرنے لگو گی کہ بغیر کسی ڈر اور خوف کے آکر انہیں ان کے ساتھ اپنا حقیقی رشتہ بتاسکو۔" انہوں نے اس کے چہرے کو محبت سے دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"پاپا کو یہ بات بتانے میں اتنی دیر کیوں لگائی ہنی؟ کیا میں واقعی میں بہت ظالم اور سنگ دل انسان لگتا ہوں؟"

"پاپا!" بے اختیار اس نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے تھام لیے تھے۔ ان کے لبوں سے ہنی، تم سنتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

"آپ بہت اچھے ہیں پاپا! میں ڈرتی تھی، پتا نہیں کیوں، مگر آپ کو کسی بھی طرح برا میں نے کبھی نہیں سمجھا۔"

وہ ان کے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو رہی تھی، اسے یہ نہیں پتا تھا کہ وہ بھی رو رہے ہیں۔

"اس کمرے کو باہر سے کھڑے ہو کر دیکھتی تھیں، کبھی کہا کیوں نہیں کہ میں یہاں گیسٹ نہیں، آپ لوگ [illegible] گیسٹ روم میں نہ ٹھہرائیں، یہ میرا گھر ہے۔ میں اس گھر کی بہو ہوں، بیٹی ہوں اور یہ میرا کمرہ ہے۔ میں یہاں اس کمرے میں ٹھہروں گی؟"

"آپ کو کیسے پتا چلا تھا پاپا؟ اور کب سے؟" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے صوفے کی طرف لے آئے۔ اسے وہاں بٹھایا اور خود بھی اس کے برابر میں بیٹھ گئے۔

"میں تمہیں بالکل بھی نہیں جانتا تھا ہنی! عالی نے جس لڑکی سے شادی کی، وہ کون ہے، اس کا کیا نام ہے، میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ میں نے اسے تمہارے بارے میں کچھ بتانے کا کبھی موقع ہی نہیں دیا تھا۔" وہ دل گرفتی سے بول رہے تھے۔ بہت اداس، بہت نڈھال اور خود اپنے آپ سے بہت ناراض۔

"تمہارے بارے میں کچھ بھی میرے علم میں نہ تھا مگر اس روز جب تم نے پہلی بار میرے آفس میں قدم رکھا۔ تم نے سلام ایک سیکنڈ بعد کیا تھا، پہلے بغور مجھے دیکھا تھا۔ ایسے جیسے پہلے سے جانتی ہو، جیسے پہلے مجھ سے مل چکی ہو۔ لمحہ بھر کے لیے تھی تمہاری وہ کیفیت، وہ نگاہیں مگر تمہاری وہ نگاہیں مجھ سے چھپی نہ رہ سکی تھیں۔ ویسے میں اپنی تعریفیں کرنا پسند نہیں مگر جو لڑکی مجھے پہلی ہی ملاقات میں [illegible] کو سٹ ٹیلنٹڈ اور ذہین کہہ سکتی ہے [illegible] کے سامنے اتنا تو میں بھی کہہ سکتا ہوں [illegible] کو ایک طرف رکھتے ہوئے کہ میں بھی خاصا ذہین آدمی ہوں۔ اور وہ انٹرویو جس کے دوران بظاہر بڑی معمول کی اور عام سی باتیں ہوئی تھیں مجھے میری حسات نے یہ بتا دیا تھا کہ [illegible] لڑکی [illegible] لیے وہ سوچ [illegible] کچھ اور ہے اور لبوں پر کچھ اور۔" وہ اسے اس کے انٹرویو کے دن کی بات یاد دلاتے شرارتی انداز میں مسکرائے۔

"تمہارے انداز میں Determination تھی۔ ایک فیصلہ، کن سی کیفیت کہ آج یہاں سے جاب حاصل کر کے ہی اٹھوں گی۔ مجھے کسی نئے انجینئر کی کوئی ضرورت نہ تھی مگر اس سچائی کو جاننے کے لیے، جو تمہارے جاب کے حصول کا اصل مقصد تھی، میں نے تمہیں جاب آفر کردی۔ تم جو بھی تھیں اور جو کچھ بھی چاہتی تھیں۔ کم از کم فاروق ایسوسی ایٹس میں جاب کا حصول تمہارا مقصد ہرگز نہیں تھا۔ تم نے اپنی سی وی میں اپنی نیویارک کی فرم کے متعلق تفصیلات دی تھیں، میں نے تمہارے جانے [illegible] نیویارک میں اتنی شاندار فرم میں اتنی اچھی پوسٹ پر جاب کر رہی ہو، ایک عالیشان پینٹ ہاؤس میں رہتی ہو، اس کے لیے نیویارک چھوڑ کر کراچی آنے میں کیا کشش تھی۔ میں نے اس پہلی ملاقات ہی میں تمہارے "میں نیویارک میں تنہا تھی، اکیلے پن سے گھبرا گئی تھی، وہاں کی مشینی زندگی سے اکتا کر یہاں ماموں ممانی کے پاس آگئی تھی" والے جھوٹ کا بالکل بھی یقین نہیں کیا تھا۔ جو نیویارک جیسی جگہ پر اتنی شان دار زندگی جی رہی ہو، تنہائی ایسی کامیاب اور خوب صورت لڑکی کا مسئلہ نہیں ہو سکتی، اس کی تنہائی دور کرنے کو تو ایک سے ایک اچھا شخص اسے مل سکتا ہے، اس کے پاس دوستوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔ بات یقیناً کچھ اور تھی، مجھے لگا تھا، ہنیہ سجاد میرے پاس، میری فرم میں کسی خاص مقصد، کسی خاص ارادے سے آئی ہے۔ تم نے [illegible] اور عزم کے ساتھ جاب جوائن کرلی تھی۔ ہمارا اندازہ مجھے بتاتا تھا کہ تم مجھے اپنی کارکردگی سے متاثر کرنا چاہتی ہو۔ تم آگے بڑھ کر ہر مشکل سے مشکل پروجیکٹ میں شامل ہونا چاہتی تھیں، تم اپنے کام، اپنی کارکردگی کے ذریعے میری نگاہوں میں اہمیت اختیار کرنا چاہتی تھیں۔ میں سوچتا تھا یہ لڑکی درحقیقت چاہتی کیا ہے۔ اس کا مقصد، اس کا مشن کیا ہے، یہ مجھ سے کیا چاہتی ہے۔ تم میرے نزدیک ہونا چاہتی تھیں، میرے قریب رہنا چاہتی تھیں اور میں نے تمہیں اپنے ساتھ مختلف پروجیکٹس میں شامل ہونے کا موقع دینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ سچائی جو بھی تھی، زیادہ دیر تک مجھ سے چھپی تو نہیں رہ سکتی نا۔ [illegible] کے لیے میرے دل میں کچھ خاص فیلنگز پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ میں تمہیں شکوک و شبہات والی نگاہوں سے دیکھتا تھا مگر اس روز جب تم پہلی بار میرے ساتھ سائٹ پر گئیں اور وہاں سے واپس آکر شام میں میرے آفس آئیں۔ "میں نے ابھی تک لنچ کیوں نہیں کیا؟" یہ پوچھنے کے لیے تب میں نے تمہیں شک اور شبہے سے آگے بڑھ کر دیکھا۔ یہ لڑکی کون تھی جو اتنی تشویش اور فکر ظاہر کر رہی تھی، میرے کھانے پینے کے متعلق۔

"سر! آپ کو اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہیے جبکہ آپ ہارٹ پیشنٹ بھی ہیں۔" بہت عمر گزاری ہے میں نے، اب اس عمر میں آکر میں سچ اور جھوٹ، محبت اور بناوٹ میں فرق کرسکتا ہوں۔ اور اس لمحہ میں نے جانا تھا کہ یہ لڑکی بناوٹ نہیں محبت کر رہی ہے مجھ سے۔ مگر کیوں؟ کون ہے یہ میری؟ کیا رشتہ ہے اس کا میرے ساتھ؟ مجھے بغیر گلاسز لگائے پڑھنے میں دقت ہو رہی ہے تو مجھ سے پہلے اٹھ کر وہ میرے گلاسز لا رہی ہے۔ بڑے احترام سے وہ مجھے دے رہی ہے۔ مجھے کھانے میں سلاد بہت پسند ہے، اسے پتا ہے جبکہ ابھی وہ مہینہ بھر پہلے مجھ سے ملی ہے آج زندگی میں پہلی بار میرے ساتھ کھانا کھا رہی ہے۔ بے ساختگی میں یہ بات اس کے منہ سے نکلی ہے اور وہ ایک لمحہ کے لیے منہ سے نکلی اس بات پر گھبرا بھی گئی ہے۔

"کیا یہ لڑکی "وہ" ہے؟"

اس روز پہلی بار میں نے یہ بات سوچی تھی۔ نہیں یہ "وہ" کیسے ہوسکتی ہے۔ اس لڑکی کا اب یہاں کیا کام، وہ تو کب کا عالی کو بھول کر بھاگ کر اپنی دنیا میں مگن ہو بھی گئی۔ اور اس "لڑکی" اور اس لڑکی میں تو بے انتہا فرق ہے۔ وہ تو بہت کم عمر لڑکی تھی، سجنے سنورنے کی بہت شوقین جبکہ یہ تو بہت سنجیدہ اور بہت میچیور ہے۔ بے انتہا سادہ رہتی ہے۔ اس کی شخصیت میں ایک ٹھہراؤ، ایک بردباری ہے جو اس عمر کی لڑکیوں میں عموماً ہوتی نہیں ہے۔ اس کی آنکھوں میں کبھی بغور دیکھو تو ان آنکھوں میں ہر پل ایک اداسی، ایک درد کی کیفیت نظر آتی ہے۔ جبکہ وہ لڑکی تو ایک جھلک ہی میں زندگی سے بھرپور، بہت خوش باش اور زندگی سے بہت خوش لگی تھی۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ یہ سوبر، میچیور ہنیہ ہے، وہ شوخ و چنچل ہنی تھی یہ وہ ہو نہیں سکتی۔"

وہ بولتے بولتے چپ ہوئے۔ انہوں نے اس کی حیرت بھری نگاہوں کو دیکھا۔

"عالی نے جو آخری ای میل مجھے بھیجی اس میں ہنی کے نام سے اس لڑکی کا تذکرہ تھا جس سے اس نے شادی کی تھی، اس کے سیل فون میں ہنی کے نام سے کئی نمبرز سیو ہوئے ہوئے تھے۔ جو شرٹ اس نے پہن رکھی تھی جو خون آلود تھی، جو جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ اس پر "To Aabi Love Honey" کے الفاظ خون میں بھیگے ہونے کے باوجود پڑھے جارہے تھے۔ اس کے والٹ میں میری اور ہاجرہ کی تصویروں کے ساتھ ایک تیسری تصویر بھی تھی۔ وہ اپنے والٹ میں اسی طرح میری اور ہاجرہ کی تصویریں اپنے ساتھ، اپنے پاس رکھتا تھا، میں تو اس والٹ اور ان تصویروں ہی کو دیکھ کر روتا رہا تھا،

اس تیری تصویر پر میری آنسوؤں سے بھری نگاہیں صرف ایک بار ہی اٹھی تھیں۔ ایک سرسری نظر، بالکل لمحہ بھر کے لیے۔ بہت بجی سنوری ایک انتہائی کم عمر لڑکی۔ جو بہت تیار تھی، بہت بنی سنوری، بے انتہا حسین اور بے تحاشا ہنستی ہوئی۔

اس لمحہ بھر کی جھلک کے بعد میں نے اس تصویر کو کبھی دیکھا نہ تھا۔ مگر اس روز آفس میں تمہارا اس لڑکی کے ساتھ موازنہ کرتے میرا پہلی بار دل چاہا تھا کہ میں ہمت کر کے آج پھر عالی کے سامان کو کھولوں۔ اس کے سامان میں سے وہ تصویر نکالوں، اسے غور سے دیکھوں۔ مگر ایک خوف سا تھا۔ میں اس تصویر کو پھر نکالنے کی ہمت کر نہیں پا رہا تھا۔ میرے اندر کوئی تھا جو مجھے بتا رہا تھا۔ تمام تر فرق کے باوجود یہ لڑکی وہی لڑکی ہے۔ ہنی بنیہ سجاد ہے، بنیہ سجاد ہنی ہے۔ میں چند دن اس سچائی کو جھٹلاتا رہا تھا۔ یہ لڑکی جو میرا اتنا احترام کرتی ہے، مجھ سے محبت کرتی لگتی ہے، میں اچانک اندر آجاؤں تو میرے احترام میں فوراً اٹھ کھڑی ہوتی ہے، اپنے باس کی طرح نہیں بلکہ کسی بزرگ کی طرح میری عزت کرتی ہے، یہ وہ امریکن لڑکی ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ تو پتا نہیں کون تھی، کس خاندان سے تھی، یہ تو کسی بہت اچھے خاندان کی بہت سلجھی ہوئی اور باوقار لڑکی ہے۔

ایک تلخ مسکراہٹ ان کے لبوں پر آئی، وہ کسی اور پر نہیں خود اپنے آپ پر تلخی سے ہنس رہے تھے۔

"تم ہاجرہ سے پہلی بار ملیں تو ان سے ملنے کا تمہارا محبت سے بھرپور انداز دیکھ کر مجھے ذرا سی بھی حیرت نہیں ہوئی۔ میں تم سے جیسے اسی والہانہ پن اور گرم جوشی کی توقع کر رہا تھا، مجھے جیسے پہلے سے پتا تھا کہ یہ لڑکی ہاجرہ سے اسی انداز میں ملے گی۔ اپنے دل کے بہت اندر میں یہ جان چکا تھا کہ تم کون ہو۔ اس بات کی تصدیق ہونے سے ڈرتا تھا، اس لیے اس تصویر کو نکال نہ پاتا تھا۔ مگر جب ہاجرہ بیمار ہوئیں اور ان کی بیماری پر میں نے تمہیں مضطرب دیکھا، میں نے تمہیں اسپتال میں ان کے پاس بیٹھ کر آنسو بہاتے دیکھا، اس رات سچائی کا سامنا کرنے سے خود کو روک نہ پایا تھا۔

میں نے اپنی الماری میں رکھا عالی کا سامان نکالا۔ وہ سب چیزیں جو اس روز اس کے تن پر تھیں اس کے ساتھ تھیں۔ اس کی بلیو شرٹ، بلیک پینٹ، بلیک کوٹ، بلیک شوز، موزے، گھڑی، موبائل، اس کا والٹ۔ میں نے اس والٹ کو کھولا۔ وہ [illegible] سب چیزیں [illegible] ویسی ہی رکھی ہوئی ہیں۔ میں نے اس میں سے وہ تصویر نکال کر اپنی نگاہوں کے سامنے کی تھی۔ اگر اس لڑکی نے اتنا میک اپ نہ کیا ہو تو یہ کیسی لگے گی؟ یہ اس میک اپ کے بغیر، اس تیاری کے بغیر کیسی لگے گی؟ یہ اس زیور کے بغیر کیسی لگے گی؟ جب یہ اتنی خوش نہیں ہوگی، اس طرح کھلکھلا کر ہنس نہیں رہی ہوگی جب یہ بہت [illegible] ہوگی، بہت سنجیدہ اور حساس ہوگی تب کیسی ہوگی؟ یہ سجاد، بنیہ عباد، ہنی بنیہ سجاد ہی وہ لڑکی ہے۔ بنیہ [illegible] ہنی ہے، اس حقیقت کو میں نے تسلیم اس روز کیا تھا۔"

وہ سانس لینے کو ایک پل کے لیے رکے، انہوں نے اپنی آواز کی بھراہٹ پر قابو پایا۔

"تم سوچ رہی ہوگی کہ جب میں اس [illegible] کی تصدیق بھی کر چکا تھا تو تم پر کبھی اس بات کو ظاہر کیوں نہ کیا؟" انہوں نے [illegible] کی طرف دیکھا۔

"میں تمہیں پہچان چکا تھا [illegible] میں یہ [illegible] تمہارا یہاں [illegible] کا مقصد کیا تھا، نیویارک [illegible] تمہاری [illegible] لائف اور لائف اسٹائل کو مد نظر رکھ [illegible] میں نے بالکل آغاز میں بھی ایک لمحے کے لیے یہ نہیں سوچا تھا کہ تم دولت کے لیے، کسی مالی فائدے، کسی لالچ میں یہاں آئی ہو۔ جس ملک کی تم شہری ہو، وہاں کی خواتین کے متعلق میری رائے کچھ بہت اچھی نہیں [illegible] غلط تھا۔ یہ تم سے ملنے کے بعد ثابت ہو چکا ہے۔ مگر [illegible] ملنے سے قبل نسلاً" اور اصلی مغربی و امریکی خواتین کے ساتھ پاکستانی و انڈین نژاد والدین کی پیدائشی امریکی بیٹیوں کے متعلق بھی میری [illegible] متعلق کوئی ایسی بات نہ سوچ سکا کہ تم کسی لالچ میں یہاں آئی ہو۔

نہ یہاں آنے کا مقصد عالی کے والدین کی دولت، ان کا پیسہ تھا، نہ نیویارک میں تنہائی اور اکیلا پن یہاں آنے کا مقصد تھا۔ پھر اصل مقصد تھا کیا؟

میں خاموش رہ کر تمہارا تجزیہ کرنا چاہتا تھا، اس دوران تم بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ مسلسل مجھ سے اور ہاجرہ سے قریب ہونے کی کوششیں کر رہی تھیں۔ تم ایسا کوئی موقع گنوانا نہ چاہتی تھیں جو تمہیں ہمارے قریب لا سکتا ہو۔ تم کسی بھی طرح، کسی بھی بہانے سے ہم دونوں کے

قریب رہنا چاہتی تھیں۔ تم اچھی لگتی تھیں، تمہارا خلوص تمہاری محبت بڑی شدت سے ظاہر ہوتی تھی مگر اس سب کے باوجود میں تمہارے ہم لوگوں کے پاس آنے کا مقصد سمجھنے سے قاصر تھا۔

جب عباد نہیں رہا تو اس کے والدین جنہوں نے تمہیں قبول ہی نہیں کیا تھا، تم ان کے پاس کیا کرنے اور کیوں آئی تھیں؟

پھر اس روز سائٹ پر جب میری طبیعت خراب ہوئی، میں چکرا کر گرنے لگا، تب اندھا دھند بھاگتی تم میرے قریب آگئیں، دیوانہ وار اور بری طرح بھاگتی ہوئی۔

"آپ ٹھیک تو ہیں ناں پاپا؟" بوکھلائی آواز اور شدید گھبراہٹ کے عالم میں پوچھتی ہوئی۔ تمہاری وہ حالت، وہ کیفیت کیسی تھی؟

میں نے اس پل تم میں عالی دیکھا تھا بنیہ! تمہارا لہجہ، تمہاری گھبراہٹ، تمہاری آنکھوں میں پھیلی تشویش، مجھے سنبھالتے تمہارے ہاتھ، وہ آگہی کا وہ لمحہ تھا جس لمحہ مجھ پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ بنیہ سجاد نیویارک میں تنہا تھی۔ اس لیے کراچی نہیں آئی تھی بلکہ کراچی میں عباد کے مما پاپا تنہا تھے اس لیے نیویارک کو چھوڑ آئی تھی۔ وہ اپنے شاندار کیریئر، کامیاب پروفیشن اور روشن مستقبل کو چھوڑ کر ہمارے پاس ہماری خاطر، ہماری تنہائی دور کرنے آئی تھی۔ ہم جو اسے اپنانے سے ہمیشہ انکاری رہے تھے۔ وہ ہمیں اپنانے آئی تھی۔

یہ لڑکی میرے عالی سے [illegible] محبت کرتی [illegible] کہ اس کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ [illegible] اس انجان [illegible]

یہ تھی وہ لڑکی جسے میرے عالی نے چنا تھا، اتنی اعلا ظرف کہ جو اسے نفرت سے رد کرتے، وہ اسے محبت سے اپنا لے؟ وہ لڑکی جسے مادر پدر آزاد امریکی معاشرے کی پروردہ قرار دے کر اس کے متعلق کچھ جاننے سے پہلے ہی میں رد کر چکا تھا، ایسے کسی آزاد معاشرے کی لڑکی میری بہو نہیں بن سکتی، مجھے اپنی نسل خراب نہیں کرنی، اس معاشرے کی تو خصوصیات ہی بے شرمی، بے حیائی، خود غرضی اور مادہ پرستی ہیں۔ میں اس معاشرے کی کسی لڑکی کو اپنے خاندان کا حصہ نہیں بنا سکتا۔ وہ درحقیقت یہ تھی؟ اتنا خلوص، اتنی اعلا ظرفی، اور ایسی بے غرض اور [illegible] محبت رکھنے والی؟

جس سے اس نے محبت کی، وہ نہیں رہا مگر اس کے بوڑھے ماں، باپ کی اسے آج بھی فکر ہے۔ وہ ان کی فکر میں سات سمندر کا سفر طے کر کے ان کے پاس آئی ہے۔

الٰہی! تیری اس دنیا میں ابھی ایسے بے غرض، ایسی سچی محبت کرنے والے لوگ بستے ہیں۔

میں اس روز پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔

عباد کی ماں نے عباد کی کرسی کے سامنے میز پر روز کی طرح بے دھیانی میں اس کی پلیٹ رکھی تھی، وہ ماں صبح، شام، رات ہر کھانے پر یونہی بے دھیانی میں بیٹے کی مخصوص کرسی کے آگے پلیٹ، چمچ رکھا کرتی تھی اور اگلے ہی پل دھیان آنے پر دھواں دھواں چہرے کے ساتھ اس خالی کرسی کو دیکھا کرتی تھی۔ اس ماں نے اس روز بھی یہی کیا تھا مگر اس نے اس ماں کا چہرہ ویران ہونے سے پہلے وہ کرسی سنبھال لی تھی۔ وہ اس پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں اس پل کیا کہہ رہی تھیں۔

"عالی نہیں ہے تو کیا ہوا، میں تو ہوں نا آپ کے پاس۔"

میں اس لڑکی کے چہرے کو دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ یہ عالی کا عکس تھی، ہو بہو اسی جیسی تھی۔ یہ تھی ہی ایسی یا عالی کی محبت نے اسے ایسا بنا دیا تھا؟ اگر تھی ہی ایسی تو اچھی بات تھی لیکن اگر عالی کی محبت نے اسے ایسا بنا دیا تھا تو غیر معمولی بات تھی۔

میں اس روز جان گیا تھا کہ یہ لڑکی میرے عالی کو اتنا پیار کرتی ہے کہ سال دو سال کیا صدیاں بیت جائیں۔ یہ عالی کو بھلا نہیں سکتی، اس کی محبت اپنے دل سے نکال نہیں سکتی۔ میں ڈھونڈنے نکلتا تو ساری دنیا کی لڑکیوں میں سے کوئی ایک لڑکی بھی اس جیسی اپنے عالی کے لیے تلاش نہیں کر سکتا تھا۔"

وہ بولتے بولتے ایک پل کے لیے خاموش ہوئے، انہوں نے آنسو بھری نگاہوں سے اسے دیکھا، ان کی نگاہوں میں اس کے لیے ڈھیروں پیار تھا۔

"اس روز سے پہلے یوں تھا کہ ہاجرہ تمہارے ساتھ وقت گزار کر، تم سے مل کر خوش ہوتی تھیں اور میں انہیں ایسا کرنے دیتا تھا، روکتا نہیں تھا۔ وہ کچھ نہیں جانتی تھیں۔ مگر ماں کا دل باپ کے دل سے زیادہ حساس اور گداز تو ہوتا ہی ہے، شاید باخبر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ انہوں نے نہ تمہاری وہ تصویر دیکھ رکھی تھی نہ وہ [illegible] اور جانتی تھیں نہ انہیں تم

بے میری طرح شکوک لاحق ہوئے تھے کہ تم کس مقصد سے ان سے مل رہی ہو مگر یوں لگتا جیسے ان کے دل نے تم سے پہلی ہی ملاقات میں انہیں بتا دیا تھا کہ تم سے ان کا کوئی رشتہ کوئی ناتا ہے۔ وہ سب سے ملنساری سے ملتی ہیں مگر تم سے تو انہوں نے پہلی ملاقات میں دل کا رشتہ جوڑ لیا تھا۔ تم سے مل کر کچھ پل کے لیے ہی سہی مگر ان کی آنکھوں میں زندگی نظر تو آتی تھی، میری چھٹی حس مجھے تمہارے متعلق جو کچھ بھی بتاتی ہو مگر میں ہاجرہ کو تم سے ملنے سے روکتا نہیں تھا۔ وہ تم سے مل کر خوش ہوتی تھیں۔ کتنی عجیب بات ہے نا! بیٹا! وہ کچھ نہیں جانتی تھیں، دور دور تک کبھی یہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ آیا تھا کہ تم عالی کے حوالے سے ان کی کچھ ہو سکتی ہو۔ مگر پھر بھی وہ تم سے پیار کرتی تھیں۔ ساری دنیا میں تم وہ واحد ہستی ہو، جسے اپنے سامنے پاکر وہ مسکراتی تھیں۔ مسکراتی ہیں زندہ نظر آنے لگتی تھیں۔ زندہ نظر آتی ہیں۔ ماں کے دل کا عجیب رشتہ ہوتا ہے اولاد کے ساتھ ہماری عقل و فہم سے بہت پرے، بہت مختلف۔

تمہیں پتا ہے جس لمحہ، جس سیکنڈ، جس گھڑی عالی نے دنیا سے ناتا توڑا، عین اس لمحہ ہاجرہ عالی کا نام لیتی ہوئی پکارتی چکرا کر گر پڑی تھیں۔ میں نے پوچھا۔ کیا ہوا تو بولیں "عالی نے مجھے آواز دی ہے۔" وہ لمحہ تھا جب عالی نے اس دنیا میں آخری سانس لی تھی۔ تب ہی تو تم سے مل کر بغیر کچھ جانے، کچھ سوچے سمجھے وہ تم سے محبت کرنے لگی تھیں جیسے ان کے کان میں عالی ہی نے جھک کر کہہ دیا ہو کہ "اس لڑکی سے آپ نے بہت محبت کرنی ہے۔" وہ آنکھیں بند کر کے ایک لمحے کے لیے بالکل چپ ہوگئے۔

پھر انہوں نے آنکھیں کھولیں، اسے دیکھا۔

"اس روز سے پہلے تک ہاجرہ کا تمہارے ساتھ دل کا رشتہ جڑا ہوا تھا اس روز میرا بھی تم سے دل کا رشتہ جڑ گیا تھا۔ وہ جو میرے عالی کا انتخاب، ان کی چاہت، اس کی محبت تھی، وہ جو سات سمندر پار اپنا سب کچھ چھوڑ کر ہمارے پاس ہمارے لیے اتنی بے غرضی سے آئی تھی اگر اب بھی اس سے محبت نہ کرتا تو کب کرتا؟" ان کی آنکھوں سے آنسو پھر گرنے لگے تھے۔

"جب آپ اتنے پہلے سے سب جان گئے تھے پھر آپ نے مجھے کبھی کچھ بتایا کیوں نہیں، کچھ کہا کیوں نہیں؟"

"میں چاہتا تھا، تم مجھ پر اعتبار کر کے یہ بات مجھے خود بتاؤ۔ میں اس دن کا انتظار کر رہا تھا۔ جب تم پورے یقین کے ساتھ بغیر کسی خوف اور ڈر کے مجھ سے اپنا اصل تعارف کراؤ۔ تم بڑی خوشی سے ہمارے گھر رہنے آئیں بلکہ خود اپنے یہاں رہنے کی راہ ہموار کی، مگر یہاں آکر اتنی سی جرأت نہ دکھا سکیں کہ میرے پاس آکر کہہ سکو (مجھے گیسٹ روم) میں نہیں رہنا! مجھے اس کمرے میں رہنا ہے جو میرا ہے۔" اتنی بہادر لڑکی ہے اس بزدلی کی مجھے توقع نہ تھی۔" بولتے بولتے ان کی گھڑی پر نظر پڑی۔

"اوہ! تہجد کا وقت نکل رہا ہے۔" اپنے چہرے پر آنسوؤں کو صاف کرتے وہ اس کے پاس سے اٹھنے لگے۔ "دیکھو ذرا! تم سے باتیں کرتے وقت کا دھیان ہی نہیں رہا۔"

وہ بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟" انہوں نے اسے فوراً ٹوکا۔ "کیا ابھی بھی مجھے تم سے یہ کہنا پڑے گا کہ یہ تمہارا کمرہ ہے۔ یہ تمہارا گھر ہے؟ ہنی! عالی کی طرح یہاں کی ہر چیز تمہاری ہے بیٹا!"

اس کے شانوں پر مضبوطی سے ہاتھ رکھ کر انہوں نے گلوگیر لہجے میں اپنا جملہ مکمل کیا اور پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔

انکشافات کی اس رات میں اس پر اتنے ان ہونے انکشاف ہوئے تھے کہ وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔ عالی نے اس سے کہا تھا۔ وہ اس کی طرف سے اس کے پاپا سے معافی مانگنے، وہ عالی کے پاپا سے عالی کی جانب سے معافی مانگنے آئی تھی۔ وہ تو انہیں اپنی اور عالی کی شادی۔ کن حالات میں اور مجبوری کے تحت کرنی پڑ گئی بتانے آئی تھی۔ عالی کی اچھائی نے ماما جانی کو ناں کہنا گوارا نہیں کیا تھا۔ یہ بتانے آئی تھی عالی انہیں اپنے پاپا کو ناراض کر کے بہت پریشان اور بے قرار تھا، انہیں یہ بتانے آئی تھی، عالی ان سے بہت پیار کرتا تھا شاید ساری دنیا میں سب سے زیادہ۔ یہ یقین دلانے آئی تھی۔ مگر اسے پتا ہی نہیں تھا اسے یہ اندازہ ہی کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ عالی سے تو کبھی ناراض تھے ہی نہیں۔ وہ خود سے ناراض تھے بیٹے کی جدائی کے غم سے بھی زیادہ ان کے دل کو یہ درد، یہ تکلیف چین نہیں لینے دیتی تھی کہ اپنے بیٹے کی زندگی کے آخری دنوں، آخری گھنٹوں، آخری لمحوں کو اپنی ناراضی سے انہوں نے کیسا سزا جیسا بنا کر رکھ دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

یہ شہر خموشاں تھا۔ یہاں ایک قبر تھی جو ابھی جبت سال پرانی نہ تھی۔

اس قبر پر ایک کتبہ لگا تھا۔ "عباد عذیر۔ مما' پاپا کا عابی۔ عابی! مما' پاپا تمہیں بہت پیار کرتے ہیں۔"

یہ قبر کبھی بھی ویران نہ رہتی تھی' یہاں کوئی بڑی پابندی سے آتا تھا۔ وہ یہاں اس وقت بھی آیا ہوا تھا۔ وہ باپ آیا ہوا تھا جس کی ابھی عمر بہت زیادہ نہیں ہوئی تھی مگر جوان بیٹے کی موت نے جسے بالکل بوڑھا کر دیا تھا۔

"یار! اب اٹھ بھی جا۔ میں نے تو یونہی بے سوچے سمجھے تجھ سے رشتہ توڑنے کی بات کی تھی اور تو تو سچ مچ سارے رشتے توڑ گیا۔ میں نے تو یونہی غصے میں آکر کہہ دیا تھا۔ مجھے کبھی اپنی شکل نہ دکھانا' تو نے میری بات دل پر لے لی' کیا پاپا کی بات کو سچ سمجھ لیا تھا؟"

ان کے آنسو مسلسل اس قبر پر گر رہے تھے۔

"مجھے نہیں پتا تھا۔ میں تجھ سے آخری بار بات کر رہا ہوں' اگر پتا ہوتا تو کیا وہ سب تجھ سے کہتا؟ پھر تجھے سہمے سہمے لہجے میں "پاپا! میری بات سنیں" کہنا پڑتا؟ پھر میں تجھ سے کہتا "جان عذیر! تم بولتے رہو' پاپا تمہیں سنتے رہیں گے۔" محبت کے اظہار میں تیرے پاپا کمزور ہیں' تجھے پتا ہے نا۔ مگر اس روز تجھ سے' اپنے بیٹے سے محبت کا اس طرح اظہار کرتے جو تجھے حیران کر دیتا۔ عابی تو تو پاپا کی جان ہے' عابی! پاپا نے اس روز جو کچھ کہا۔ وہ سب جھوٹ تھا' تیرا دل دکھا تھا نا؟ ہم ان باتوں سے تیرے پاس نیویارک نہیں آئے تھے' تجھ سے ناراض ہو کر دبئی سے واپس کراچی لوٹ گئے تھے' تیرا دل بہت دکھا تھا نا' عابی؟ تو مایوس پاپا اور مما کا انتظار کرتا رہ گیا اور پاپا نہ خود آئے نہ تیری ماں کو تجھ سے ملنے دیا۔ تیرا ضدی پاپا اس وقت جانتا نہ تھا' جس کے انتظار اور آس کو مایوسی میں بدل رہا ہے' اب عمر بھر اس کا انتظار کرے گا' دیکھ تو آکر' کتنی سخت سزا ملی ہے تیرے پاپا کو اس ضد کی۔ تو اگر دیکھے تو تیرا بھی دل ہل جائے۔ عابی! پاپا سے بات کر بیٹا! جو کہنا چاہ رہا تھا' آج بول۔ آج پاپا سنیں گے بیٹا!"

وہ زار و قطار رو رہے تھے۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا۔ موسم کیسا ہی ہو' دن کوئی بھی ہو' اس معمول میں کبھی کوئی تبدیلی نہ آتی تھی۔ اس وقت ان کا عابی ان کا انتظار کیا کرتا تھا' شدید ترین سردی یا طوفانی بارش بھی [illegible] اس کے پاس آنے سے روک نہ سکتی تھی۔ جب تک ان کی سانس چل رہی تھی' ان کے دم میں دم تھا' یہ معمول تو یونہی رہنا تھا' عابی کے پہلو میں ایک دوسری قبر کی جگہ تھی۔ یہ جگہ انہوں نے اپنے لیے خرید رکھی تھی۔ وہ اپنے عابی کے پہلو میں اس کے ساتھ' اس کے بالکل قریب دفن ہونا چاہتے ہیں' انہوں نے وصیت کر رکھی تھی۔ وہ ایک روز اپنے عابی کے پاس سو جائیں گے' اسے اپنے سینے سے لگا کر' اپنی بانہوں میں چھپا کر' اسی خاک تلے۔ وہ اس خاک تلے اپنے عابی کے پاس کب کے سو بھی گئے ہوتے مگر ابھی ان کے عابی کی ماں زندہ تھی' انہیں اس ماں کے لیے زندہ رہنا تھا' وہ ماں جس کے ساتھ اپنی ضد میں آکر وہ بہت بڑی زیادتی کر گئے تھے۔ خود دبئی سے واپس آئے تو لوٹتے اس ماں کو بھی اپنے ساتھ واپس لے آئے۔ وہ شوہر کے حکم پر خاموشی سے ان ہی کے ساتھ واپس آ گئی' کچھ نہ کہا۔ مگر کیا اس ماں کا چہرہ دیکھ کر انہیں یہ پتا نہ چلا تھا کہ [illegible] کراچی رہنا ہے اور [illegible] کبھی خطے' کسی بھی جگہ جانا نہیں چاہتی' وہ صرف اپنے بیٹے سے ملنے نیویارک جانا چاہتی تھی۔ اگر نیویارک چلے جاتے تو وہ ماں آخری بار جی بھر کے اپنے بیٹے کو دیکھ تو لیتی۔

وہ جس طرح روز بلا ناغہ عابی کی قبر پر آتے تھے' اسی طرح بلا ناغہ ہاجرہ سے معافی مانگا کرتے تھے' عابی کے جانے کا اگر وہی وقت' وہی لمحہ طے تھا تو کم از کم اس وقت کے آنے سے پہلے وہ دونوں ایک بار اپنے بیٹے سے مل تو لیے ہوتے۔ وہ ان کا سر فخر سے بلند کروانے کے لیے ہی جان سے [illegible] نے اس کے پاس جاتے جاتے اچانک جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا تھا۔ بڑی ضد' بڑے گھمنڈ میں آکر' یہ پتا نہیں تھا کہ اب عباد جب ان کے سامنے آئے گا تو آنکھیں موندے ہوئے گہری نیند سوتا ہوا' اتنی گہری نیند کہ ان کی چیخوں پر بھی نہ اٹھے گا' اس کی وہ آخری ای میل تک ضد میں آکر پڑھی نہیں تھی۔ کیا تب سوچا تھا اس ای میل کو جس روز پڑھیں گے تب وہ لفظ لکھنے والا ایک اور جہان سفر پر روانہ ہو چکا ہوگا۔

"پاپا! پلیز مجھ سے ناراض مت ہوں۔"

"نہیں ہوں تم سے ناراض۔ تم تو میرے بہت پیارے' بہت اچھے بیٹے ہو' آجاؤ میرے پاس۔"

"میں بدلا نہیں ہوں پاپا! میں آپ کا وہی عابی ہوں۔ کاش آپ فون پر مجھ سے بات کر لیتے' کاش آپ فون پر میری بات سن لیتے۔"

"میں سنوں گا' میں تمہاری ایک ایک بات سنوں گا۔ فون کرو۔ پاپا کو فون کرو۔"

"میں آپ کے پاس جلدی آؤں گا پاپا! آپ چاہے جتنے بھی ناراض ہوں' میں آپ کو منا لوں گا۔"

"آؤ عابی! آؤ۔ پاپا کے پاس آؤ۔ پاپا اپنے پیارے بیٹے سے بالکل ناراض نہیں۔"

وہ اپنے بالوں کو نوچ نوچ کر رو رہے تھے' مونیٹر کی اسکرین پر سر مار مار کر رو رہے تھے۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو پاپا! اپنے عابی سے بدگمان اور خفا ہوں ہی نہ۔"

"پاپا [illegible] سے خفا نہیں' بدگمان نہیں۔ تم تو اتنے پیارے [illegible] عابی! تم تو ایسے بیٹے ہو جس پر پاپا فخر کرتے ہیں' مان [illegible] پاپا کے [illegible] لوٹ آؤ۔"

وہ روتے روتے دیوانگی کے عالم میں اس روز اتنے دنوں [illegible] ای میل کو Reply (جواب) کریں گے۔

"I Love You Aabi". وہ زار و قطار روتے اپنے بیٹے کو دیوانگی کے عالم میں پکارتے روز اس ای میل کا Reply (جواب) بھیجا کرتے تھے' مگر اس ای میل ایڈریس پر اب ان کی میل کھولنے اور پڑھنے والا وہاں [illegible] پچھلے دو سال سے [illegible] ای میل کا جواب بھیج رہے تھے مگر اس ای میل کو پڑھنے والا اب [illegible] تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ فجر کی نماز پڑھ چکی تھی۔ عذیر فاروق روز فجر کی نماز کے بعد کہاں جاتے ہیں۔ اسے بہت پہلے سے ہاجرہ سے معلوم تھا' بارہا اس کا دل چاہا تھا جہاں وہ گئے ہیں وہاں وہ بھی جائے۔ وہاں گہری نیند سوتے عابی کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی طرف سے پاپا سے معافی مانگے۔ آج وہ اپنے اٹھتے قدموں کو عابی کی آخری آرام گاہ کی جانب جانے سے روک نہیں پا رہی تھی۔ فرق صرف اتنا پڑا تھا کہ آج وہ وہاں سوتے ہوئے عابی کے سامنے اس کی جانب سے اس کے پاپا سے معافی نہیں مانگنے والی تھی' بلکہ بیٹے سے نادم' شرمسار اور خود سے بہت خفا اس باپ کے دل کا درد' اس کا ملال' بیٹے سے ناراضی ختم کرانے جانا چاہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

زار و قطار روتے اب وہ اس قبر کے بالکل نزدیک بیٹھ گئے تھے۔ وہ پورا دن ہاجرہ کی خاطر خود کو مضبوط رکھا کرتے تھے' مگر صبح کے ان لمحوں میں اپنے عابی کے پاس بیٹھ کر وہ سارا حوصلہ ہار دیا کرتے تھے۔ یہ ان کا اشک باری کا وقت ہوتا تھا۔

"عابی! اس روز میں نے تمہیں بہت غلط باتیں بول دی تھیں۔ مجھے وہ باتیں نہیں کہنا چاہیے تھیں۔ وہ سفاک لہجے میں بغیر سوچے سمجھے جو میں نے تم سے کہا تھا کہ تم جیسی اولاد سے بے اولاد ہونا اچھا ہے اور یہ کہ مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں' اللہ کو بری لگی تھی میری وہ بات۔ اس نے مجھے تم جیسے پیارے بیٹے کی صورت اولاد کی ایسی عظیم نعمت اور دولت دی اور میں نے بجائے شکر گزاری کے ایسی ناشکری کی بات بولی۔ اللہ کو میری یہ ناشکری پسند نہ آئی۔ عابی! وہ لفظ بول کر میں سکون سے تو نہ تھا۔ جیسے تمہیں بچپن میں ڈانٹ کر بے چین ہو جاتا تھا' ایسے ہی تب بھی تمہیں وہ سب کہہ کر پھر میں ایک لمحہ بھی سکون سے نہ رہ سکا تھا عابی!"

وہ روتے ہوئے آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔

"آج کے بعد کبھی مجھے اپنی شکل مت دکھانا' کبھی میرے سامنے مت آنا۔ مجھے تم جیسے بیٹے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

یہی سفاک لفظ تھے جو ان کے اپنے بیٹے سے آخری لفظ ٹھہرے تھے۔

"عابی! آئم سوری بیٹا! پاپا کو تمہیں اس طرح ڈانٹنا نہیں چاہیے تھا۔" اس کی قبر کی طرف دیکھتے انہوں نے بالکل اسی طرح اس سے اپنے لفظوں کی معذرت چاہی' جیسے اپنے اس نو سال کے بیٹے سے معذرت کی تھی۔ وہ روز یہی بات کہتے تھے اور روز وہ نو سال کا بچہ روتا ہوا ان کے گلے لگ جاتا تھا۔

وہ بچہ رو رہا ہوتا تھا' اس بات پر نہیں کہ پاپا نے اسے ڈانٹا ہے' بلکہ اس بات پر کہ اس نے ایسا کوئی کام کیا' کیونکہ پاپا اس سے ناراض ہوئے ہیں۔

اپنے بیٹے کی زندگی کے آخری روز و شب کو انہوں نے اپنی ناراضی سے اس کے لیے کتنا مشکل' کتنا تکلیف دہ

بنا دیا تھا۔ وہ دنیا سے جاتے جاتے بھی کتنا بے قرار رہا ہوگا کہ پاپا اس سے ناراض ہیں اور وہ دنیا سے جا رہا ہے، انہیں منائے بنا۔

"عالی! پاپا تم سے ناراض نہیں۔ تم تو اتنے اچھے ہو اتنے پیارے ہو، اپنے اتنے پیارے بیٹے سے بھی بھلا کوئی ناراض ہو سکتا ہے۔ پاپا بہت برے ہیں عالی! عالی تمہارے پاپا بہت برے، بہت ظالم اور سنگ دل ہیں۔"

"نہیں پاپا بہت اچھے ہیں، بہت پیارے ہیں پاپا سے اچھا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔"

ان کی پشت سے آواز آئی تھی۔ انہوں نے آنسو بھری نگاہوں سے گردن گھما کر دیکھا۔ وہ ان کے بالکل برابر میں زمین پر بیٹھ رہی تھی۔

"انسان جس سے بہت محبت کرتا ہے، جس پر اپنا حق سمجھتا ہے، اسی سے تو اپنی بات منوانا چاہتا ہے۔ پھر کیا ہوا اگر پاپا نے اپنے اکلوتے بیٹے پر، اپنے عالی پر اپنا حق سمجھ کر اس سے تھوڑی سی ناراضی ظاہر کر دی، عالی جانتا ہے۔ پاپا کی وہ ناراضی صرف اوپر اوپر سے تھی، اندر دل میں تو صرف عالی کی محبت تھی، پاپا کے دل میں تو کل بھی صرف عالی تھا، آج بھی صرف عالی ہے۔"

وہ ان کی طرف دیکھے بنا بہت دھیرے دھیرے، بہت ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی، اس کی نظریں عالی کی قبر پر مرکوز تھیں۔ وہ آواز اس کی تھی، مگر لہجہ ہو بہو عالی کا تھا، چہرہ اس کا تھا، مگر چہرے پر پھیلا ہر تاثر وہی تھا جو ان سے مخاطب ہوتے عالی کے چہرے پر ہوا کرتا تھا۔

"اور پاپا! جب اپنی کہی باتوں پر اس طرح روتے اور پشیمان ہوتے ہیں تو عالی کا دل بہت دکھتا ہے۔ اس کی جدائی کا صدمہ ہی کیا کچھ کم ہے ان کے لیے جو وہ مزید خود کو یوں اذیت دیتے ہیں، پاپا خود کو تکلیف دیتے ہیں تو عالی کو بالکل اچھا نہیں لگتا۔"

وہ مدھم آواز میں بول رہی تھی، انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے عالی ان کے پاس بیٹھا بول رہا ہے۔

"عالی!" ان کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

"ہنی، عالی!" ان کی آنکھیں پھر اشکوں سے بھر گئی تھیں۔ اس روز جب وہ سائٹ پر گرنے لگے تھے اور وہ انہیں بچانے آئی تھی، تب بھی ایسا ہی لگا تھا جیسے ہنیہ نہیں عالی انہیں بچانے آ رہا ہے، آج پھر ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے ان کے دل کا سب درد مٹانے ہنیہ نہیں عالی ان کے پاس بیٹھا ہے۔

"ہنی! مجھے تم عالی جیسی کیوں لگتی ہو! ایسا کیوں لگتا ہے جیسے تمہیں عالی نے میرے پاس بھیجا ہے؟" وہ رو رہے تھے۔

"ہاں پاپا! مجھے عالی ہی نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ عالی کے جانے کے بعد میں بھی زندہ نہیں رہنا چاہتی تھی، اپنی زندگی ختم کر لینے کا فیصلہ کر چکی تھی، جس رات زندگی سے ناتا توڑ لینے والی تھی۔ اس رات اللہ نے عالی کو میرے پاس بھیجا تھا۔ اسے خواب میں بھیجا تھا یا حقیقت میں، مگر میں جانتی ہوں، اللہ نے میرے دل کو قرار بخشنے اس رات عالی کو میرے پاس بھیجا تھا۔ کوئی مانے نہ مانے مگر میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ اس رات عالی میرے پاس نہیں آیا تھا۔ میں گہری نیند [illegible] اس کی آہٹیں پہچان سکتی ہوں۔ وہ میرا خواب تھا [illegible] کچھ بھی۔ نیند میں، اس خواب میں عالی نے [illegible] یہی کہا تھا کہ میں اپنی زندگی یوں ختم نہ کروں، میں آپ لوگوں کے پاس آؤں، اس کے مما پاپا کے پاس پاکستان چلی جاؤں کہ اس کے مما، پاپا اس کے بنا بہت تنہا رہ گئے ہیں۔ اسے آپ لوگوں کی بہت فکر تھی پاپا! اور میں نے عالی کی بات مان لی تھی۔ آخر میں اس کی بات کیوں نہ مانتی؟ پھر اس رات کے بعد میری دوسری زندگی شروع ہوئی [illegible] میری دوسری زندگی ہے پاپا! جو آپ لوگوں کے پاس [illegible] کے لیے، آپ لوگوں کے ساتھ رہنے کے لیے اللہ نے مجھے عطا کی ہے۔ پہلی زندگی عالی کے ساتھ ختم ہو گئی۔ یہ میری دوسری زندگی ہے جو اللہ نے مجھے آپ کے اور مما کے لیے عطا کی ہے۔"

اس نے ان کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔ وہ جو اس پل بہت کمزور، بہت بوڑھے لگ رہے تھے۔

"خود کو یوں اذیت مت دیا کریں پاپا! عالی کو تکلیف ہوتی ہے۔ آپ عالی سے ناراض ہوئے تھے تو کوئی ہمیشہ کے لیے تو ناراض نہیں ہو گئے تھے۔ عالی یہ بات جانتا ہے۔ عالی کو کل بھی آپ کی محبت کا یقین تھا، اسے آج بھی آپ کی محبت کا یقین ہے، ہے نا عالی؟ تمہیں پاپا کی محبت کا یقین ہے نا؟"

اس نے نظریں عذیر فاروق سے ہٹا کر پھر اس [illegible] مرکوز کر دیں جہاں عالی سو رہا تھا۔

"سنیں پاپا! عالی کیا کہہ رہا ہے؟" اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر

[illegible] آواز نہیں سنی کہہ رہا ہے کہ اسے آپ خود کو یوں اذیت دیتے، خود کو ہر پل الزام دیتے، بالکل اچھے نہیں لگتے۔ وہ جانتا ہے، آپ نے ہمیشہ اس سے محبت کی ہے، اس پل سخت لہجے میں اس سے رشتہ توڑنے کی بات کر رہے تھے، تب بھی ساری دنیا میں سب سے زیادہ اس سے محبت کرتے تھے۔ عالی جانتا ہے یہ بات پاپا! عالی جانتا ہے۔"

اور عذیر فاروق یک دم ہی بکھر کر رو پڑے تھے۔ بیٹے کے ساتھ اس کی زندگی کے آخری دنوں میں جس زیادتی کے مرتکب ہوئے تھے اپنی اس زیادتی کی وہ اذیت انہیں چین نہ لینے دیتی تھی۔ مگر اس پل جب اس پیاری لڑکی نے جسے عالی نے ان کے پاس بھیجا تھا، عالی ہی کے انداز میں انہیں اس اذیت اور درد سے باہر نکالا تو وہ پہلی بار بیٹے کی دائمی جدائی پر بلک بلک کر رو پڑے۔ عالی کو گئے دو سال ہو گئے تھے اور ان دو سالوں میں وہ آج پہلی مرتبہ اپنے عالی کے لیے رو رہے تھے۔ آج سے پہلے بیٹے کو دی اپنی اذیتیں انہیں [illegible] نہ لینے دیتی تھیں، ہر پل اس درد کے لیے روتے تھے [illegible] اپنی بے جا ضد اور ناراضی سے بیٹے کو اس کی زندگی کے آخری روز و شب میں پہنچایا تھا۔ اپنے لیے، اپنے نقصان، اپنے اکلوتے جوان بیٹے کی جدائی پر تو کبھی رو ہی نہ پائے تھے تب ہی [illegible] کے اندر کتنا کرب، اتنے اشک جمع [illegible]

وہ [illegible] بیٹے کی [illegible] پر زار و قطار رو رہے تھے اور وہ ان کے شانے سے [illegible] انہیں رونے دے رہی تھی۔ جانتی تھی ان آنسوؤں کا بہہ جانا بہت ضروری [illegible]

"عالی کی زندگی کے آخری دن بہت بھرپور، بہت خوش گوار تھے پاپا! آپ خود کو اس قدر تکلیف مت دیا کریں، خود کو ہر پل الزام مت دیا کریں۔ اس نے اپنی زندگی کے وہ آخری (سات) دن میرے ساتھ گزارے تھے۔ ہم carmel گھومنے گئے تھے، وہاں عالی ہر پل بہت خوش تھا۔ تب یہ بات آپ کو پتا چلتی تو شاید اس کی خود غرضی لگتی، مگر آج میں جانتی ہوں، آپ اس بات کو جان کر بہت مطمئن ہوں گے کہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں وہ خوش تھا۔ وہ میرے ساتھ زندگی کی خوشیاں سمیٹ رہا تھا۔"

"اس نے زندگی میں کسی رشتے کے ساتھ زیادتی نہیں کی تھی۔ نہ ماں کے ساتھ، نہ باپ کے ساتھ، نہ دوستوں، عزیزوں کے ساتھ۔ اس نے ہر رشتہ خلوص دل سے پوری طرح نبھایا تھا، پھر تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کیسے کر جاتا؟ ماں باپ کو وہ اپنی بھرپور محبت دے چکا تھا۔ وہ جانتا تھا اس کے پاس وقت کم بچا ہے، اسی لیے تو جاتے جاتے اپنی زندگی کے وہ آخری روز و شب تمہیں دے گیا۔ اس کے پاس تمہارے اور اپنے رشتے کو دینے کے لیے بس وہ 7 دن ہی بچے تھے سو اس نے وہ پورے کے پورے تمہیں دے دیئے۔ اور میں ایسا سخت دل ہوں اس وقت سوچتا تھا اسے میری ناراضی کی کوئی پروا نہیں، مزے میں اپنی بیوی کے ساتھ امریکہ میں ہے۔ میں اس سے ناراض ہوں اور وہ سات دنوں سے امریکہ میں ہے۔ جانتا نہ تھا کہ میرا وہ بیٹا جس نے زندگی میں کبھی کسی رشتے کی حق تلفی نہیں کی تھی، کسی رشتے کے ساتھ زیادتی نہ کی تھی، اپنے پاس بچے بہت کم وقت میں اس آخری رشتے کا حق ادا کرنے کی کوشش کر رہا ہے، جس کا حق ادا کیے بنا دنیا سے چلا گیا تو بہت بڑے ظلم کا مرتکب ہو جائے گا۔ وہ ایسا ہی فرض شناس تھا میرا بیٹا! اسے رشتوں کو نبھانے کی ایسی ہی فکر رہا کرتی تھی۔"

وہ روتے ہوئے اس سے مخاطب تھے۔ یہ پیاری لڑکی جسے ان کے عالی نے ان کے پاس بھیجا تھا، انہیں بڑے پیار سے اس اذیت سے باہر نکال لائی تھی کہ بیٹے سے تمام رشتے ناتے توڑنے کی بات کر کے انہوں نے اسے بے پناہ دکھ پہنچایا تھا، اللہ کو ناراض کیا تھا۔

"اور پاپا! عالی کہیں نہیں گیا ہے۔ وہ آپ کے، مما کے، میرے دلوں میں زندہ ہے۔ جو ہمارے دلوں میں زندہ ہے وہ مر کیسے سکتا ہے۔ اور عالی ہمیں ایک بار پھر ملے گا۔ یہاں ہماری اس دنیا میں تو بچھڑنے کا، جدا ہونے کا خوف ہر پل رہتا ہے، مگر وہاں جب ہم عالی سے ملیں گے تو پھر اس سے ہمیں کوئی بھی جدا نہ کرے گا۔"

وہ ان کے شانوں کے گرد ہاتھ پھیلائے انہیں تسلی دیتی رہی۔ عالی ہی کے لہجے میں وہ انہیں تسلی دے رہی تھی۔ وہ ان کا عالی تھا۔ عالی سو تو سامنے رہا تھا مگر وہ انہیں دیکھ اس پیاری لڑکی کی آنکھوں میں رہتے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ روتے روتے خود ہی چپ ہو گئے تھے۔ چہرے پر سے آنسوؤں کو صاف کرتے اب انہیں ہاجرہ کی فکر ہوئی تھی۔

انہیں یہاں بہت زیادہ دیر ہو گئی تھی۔ ہاجرہ یقیناً گھر ان کے لیے پریشان ہو رہی ہوں گی۔

"چلو نہیں! مما پریشان ہو رہی ہوں گی بیٹا!" وہ زمین پر سے اٹھنے لگے، اس نے ان کے شانوں کو پکڑ کر انہیں سہارا دے کر کھڑا کروایا۔ وہ ان کے ساتھ وہاں سے جا رہی تھی جانے سے پہلے مڑنے سے قبل اس نے آنسو بھری نگاہوں سے اس طرف دیکھا جہاں اس مٹی تلے عالی سو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور لبوں پر مدھم سی مسکان۔ اسے پتا تھا اس لیے مٹی تلے سوتا اس کا عالی آج بہت مطمئن تھا۔ وہ دل کی آنکھوں سے دیکھ سکتی تھی، ان کا عالی مسکرا رہا تھا۔ اس کی ڈمپل والی وہ مسکان جس پر وہ فدا ہوا کرتی تھی۔ وہ عالی کے چہرے پر اس وقت موجود تھی۔

"عالی! تمہاری ہی جیت گئی۔ عالی! تمہاری ہی ہاری بھی نہیں ہے۔ تم خوش ہونا عالی؟" وہ دل میں اس سے مخاطب تھی اور اسے پتا تھا وہ بھرپور انداز میں مسکراتا سر اقرار میں ہلا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے انہیں ڈرائیو نہیں کرنے دیا تھا۔ ان کی گاڑی وہیں لاک کر کے وہ انہیں اپنی گاڑی میں خود ڈرائیو کر کے لائی تھی۔ متواتر اتنے گھنٹے رونے سے وہ تھک ضرور گئے تھے، مگر دل میں ایک عجب طرح کا سکون اترتا بھی پا رہے تھے۔ یہ چھوٹی سی لڑکی جس نے ابھی ان کی طرح نہ دنیا دیکھی تھی نہ زندگی، کیا اثر تھا اس کے لفظوں میں۔ وہ راستے بھر اس سے پہلے ہاجرہ کے متعلق بات کرتے رہے تھے۔

وہ آج سے پہلے تک جس طرح ہر روز عالی کے پاس بیٹھ کر اس سے اپنی دو سال پہلے کہی باتوں کی معذرت کیا کرتے تھے، اسی طرح ہر صبح پابندی سے ہاجرہ سے معافی مانگا کرتے تھے۔ اس ماں سے جس سے انہوں نے بہت بڑی زیادتی کی تھی۔ اس ماں کی ممتا کو آزمانے پر وہ ان سے ہر روز معافی مانگتے تھے اور ہاجرہ ان کے معافی مانگنے پر شرمسار ہوتی تھیں، انہیں ایسا بولنے سے روکا کرتی تھیں۔ آج پہلی بار انہیں لگ رہا تھا وہ آنسو بھری نگاہوں سے ہاجرہ سے معافی نہیں مانگیں گے، بلکہ مسکراتے چہرے کے ساتھ انہیں ان کی بہو سے متعارف کروائیں گے۔

ہاجرہ بنیہ کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی تھیں۔ کچھ جانے بغیر انہوں نے اس کے ساتھ دل کا رشتہ جوڑا تھا۔ وہ دونوں گھر میں داخل ہوئے۔ ہاجرہ لاؤنج کے دروازے سے باہر پریشان کھڑی تھیں۔ وہ فرید کو آواز دے کر اس سے کچھ کہہ بھی رہی تھیں۔

"کسی کو آواز مت دیں، ہم گھر واپس آ گئے ہیں۔" انہوں نے بنیہ کے شانے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے ہاجرہ کے قریب آ رہے تھے۔

"پتا ہے ہنی! ہاجرہ سے میری اس آپ جناب والی بات کا عالی بڑا ریکارڈ لگاتا تھا۔ کہتا تھا پاپا! آپ کا کیا مغلیہ خاندان سے تعلق ہے، اس قدر شہنشاہی انداز میں مخاطب ہوتے ہیں۔ مگر میری شروع سے ہی عادت رہی ہے انہیں آپ کہنے کی۔"

ہاجرہ حیرت سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ان عالی؟ وہ عالی کی کوئی بات اس طرح مسکراتے ہوئے کر رہے تھے؟ اور بنیہ؟

"آپ اس قدر حیران کیوں ہو رہی ہیں، اولاد کے معاملے میں ماں کی حسیں باپ سے بہت زیادہ تیز ہوتی ہیں۔ آپ اسے پہچانتی نہیں، یہ آپ کے عالی کی ہنی ہے۔ اس کی بیوی، ہماری بہو۔ چالاک لڑکی ہم بڈھے بڑھیا کی زبانت کا امتحان لے رہی تھی۔"

وہ عذیر فاروق کے پاس سے ہٹ کر دو قدم دور کھڑی ہاجرہ کے قریب آ گئی۔

"مما!" وہ والہانہ بے تابی سے ان کے گلے لگ گئی تھی۔ "مجھ سے خفا مت ہو جائیے گا مما! میں نے بات چھپائی، آپ کو نہیں بتایا، میں چاہتی تھی آپ مجھے خود پہچان لیں۔ اور مجھے فخر ہے مما! کہ آپ نے تو پہلی نظر میں مجھے پہچان لیا تھا، مجھ سے دل کا رشتہ یونہی تو نہیں جوڑ لیا تھا آپ نے۔ آپ کے دل نے بتا دیا تھا نا آپ کو مما! میرے بارے میں، ہے نا مما؟"

ہاجرہ حیرت میں گھری بالکل گم صم کھڑی تھیں۔ کئی لمحے، کئی منٹ بالکل ساکت کھڑی رہی تھیں وہ، جیسے اس کی اور عذیر فاروق کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ مگر کئی منٹ بعد جب ان لفظوں کا مفہوم جذباتی طور پر سمجھنے کے قابل ہوئیں تو فوراً ہی اسے بھینچ کر اپنے مزید نزدیک کر لیا تھا۔ اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔ ان کا والہانہ پن، اسے لپٹانے کا انداز پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ "میرے دل نے پہلی نظر میں تمہیں پہچان لیا تھا، میرے دل نے پہلی نظر میں بتا دیا تھا کہ تم میرے دل کا کچھ لگتا ہے۔" وہ اسے اپنے سینے سے لگائے رو پڑی تھیں۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے بیٹے کو دولہا بنا نہ دیکھ سکی تھیں، اس کی شادی نہ دیکھ سکی تھیں، اپنی بہو سے بھی آج پہلی بار اس وقت متعارف ہو رہی تھیں جب وہ ان کے بیٹے کی بیوہ تھی۔ وہ دو سال پہلے بھی عذیر فاروق کی طرح عالی سے اس کی شادی پر ناراض نہ تھیں۔ بے شک ان کا دل دکھا تھا، جس دن کا ارمان اس کے پیدا ہونے کے دن سے ان کے دل میں تھا، وہ دن ان کی غیر موجودگی میں ان کے بیٹے کی زندگی میں آ گیا، انہیں دکھ ہوا تھا، ملال ہوا تھا، پر وہ بیٹے سے کبھی خفا نہ ہوئی تھیں۔ جو ان کے عالی کی بیوی بنی تھی۔ انہیں اس لڑکی سے نفرت بھی نہ ہوئی تھی، جو ان کے عالی کی بیوی بنی تھی۔ جس سے عالی کو محبت ہوا اس سے وہ نفرت کر ہی نہیں سکتی تھیں۔ اور آج دو سال بعد جب یہ سوچ رہی تھیں کہ چاہے ان کی غیر موجودگی ہی میں سہی کم از کم ان کے بیٹے کو اس کی محبت، اس پیاری لڑکی کا چند روزہ ساتھ ملا تو تھا۔ وہ اسے دولہا بنا دیکھ نہیں سکیں تو کیا ہوا، آج ان کو یہ اطمینان، یہ سکون تو مل رہا ہے کہ جس لڑکی سے ان کے بیٹے نے محبت کی تھی، چند دنوں ہی کے لیے سہی پر اس کا ساتھ اس کی رفاقت پا لی تھی۔ اس کے ساتھ کی یہ خوشی اگر انہیں نہ ہو پاتی وہ تشنہ رہ جاتیں۔ اس پیاری لڑکی کی محبت اور رفاقت ان کے بیٹے نے پا لی اور آج کیسی کسک، کیسا ملال اور ان کے دل میں۔ بنیہ سجاد کی محبت، اس کی رفاقت، اس کے ساتھ کی، جوان بیٹے کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو، سب سے بڑی خوشی تھی۔ وہ خوشی اس کی زندگی کے آخری دنوں میں پوری ہو گئی تھی۔

بنیہ ان کی گود میں سر رکھے بیٹھی تھی۔ اس نے اپنی اور عالی کی carmel میں کھینچی تمام تصاویر انہیں لا کر دی تھیں۔ وہ تمام تصاویر اس وقت ان کی نظروں کے سامنے بکھری تھیں۔ وہ اپنے بیٹے کی زندگی کے آخری دنوں کو اپنی نظروں کے سامنے بکھرا دیکھ رہی تھیں۔ وہ خوشی سے بھرپور قہقہے لگاتا ساحل پر بنیہ کا ہاتھ تھامے چلتے دیکھ رہی تھیں۔ اور ان کی گود میں سر رکھے بنیہ ان کی ممتا بھری گود میں سکون پاتی کسی سہیلی کی طرح carmel میں عالی کے ساتھ گزارے روز و شب کی ہر بات انہیں بتا رہی تھی۔

وہ صبح صبح اس کے لیے پھول لاتا تھا، وہ اسے کھانا پکا کر کھلاتا تھا، وہ اس کے ناز اٹھاتا تھا، اسے اس کا ڈمپل اچھا لگتا تھا تو صرف اسے اپنا ڈمپل دکھانے کو بے وجہ مسکراتا تھا۔ ہاجرہ رو بھی رہی تھیں، ہنس بھی رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو گر رہے تھے اور لبوں پر بنیہ کی باتیں سنتے مسکراہٹ آ رہی تھی۔

ان تصویروں میں ان کا بیٹا کتنا خوش لگ رہا تھا، وہ اپنی محبت پا کر کتنا سرشار لگ رہا تھا، ان کا بیٹا اپنی زندگی کے آخری دنوں میں تنہا نہیں تھا، یہ پیاری لڑکی اس کے ساتھ تھی۔

"بنیہ! تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں؟ کیسے؟ تم نے میرے بیٹے کو اس کی زندگی کے آخری دنوں میں اتنا پیار، اتنی بھرپور رفاقت اور اپنا اتنا سچا ساتھ دیا، اسے اس وقت تنہا اور اداس نہ چھوڑا جب اس کے والدین اس سے رشتے ناتے توڑنے کی بات کر کے اسے تنہا کر گئے تھے، میں تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں بنیہ؟"

انہوں نے اس کا سر اپنی گود سے اٹھا کر اس کی پیشانی کو والہانہ پن سے چوما۔ یہ چہرہ ان کے بیٹے کو بہت پیارا تھا، یہ چہرہ یہ وجود انہیں بھی ساری دنیا میں سب سے زیادہ پیارا تھا۔

"تم نے میرے بیٹے کو اس کی زندگی کے آخری دنوں میں اتنی خوشی دی، اس کے دل سے ہر درد مٹا کر اسے اپنی اتنی سچی محبت دی بنیہ! میں آج کتنی مطمئن ہوں تمہیں بتا نہیں سکتی۔ ورنہ دل ہر پل یہی سوچ سوچ کر کٹتا تھا کہ آخری لمحوں میں میرا بچہ کتنا تنہا، کتنا اکیلا تھا۔"

وہ روتے ہوئے اس چہرے کے ایک ایک نقش کو چوم رہی تھیں کہ جانتی تھیں اس چہرے کو محبت سے بہت بار ان کے بیٹے نے بھی چوما ہو گا۔

"صرف میں نے عالی کو خوشی نہیں دی تھی مما! اس نے بھی ان چھ دنوں میں مجھے زندگی بھر کی ہر خوشی دے دی تھی۔ میں نے عالی کے ساتھ ان چھ دنوں میں اپنی پوری زندگی جی لی۔ اس نے ان چھ دنوں میں مجھے اتنا پیار دیا جتنا کوئی کسی کو پوری عمر نہیں دے سکتا۔"

ہاجرہ روتے اور ہنستے اس کے چہرے کو چومے جا رہی تھیں

تھیں اور وہ ان سے پیار کرواتی ان کے ڈمپل کو مسکرا کر دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور لبوں پر مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

"مما! آپ کا ڈمپل بالکل عالی جیسا ہے۔"

"عقل مند لڑکی الٹا جملہ بول رہی ہو یوں کہو کہ عالی کا ڈمپل مما جیسا تھا۔" عذیر فاروق کمرے میں داخل ہوئے تھے انہوں نے اس کی بات دروازے پر سے سن لی تھی اور وہیں سے بولتے ان دونوں کے قریب آ گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

اور عباد عذیر کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش کہ جیسی والہانہ محبت بنیہ سے وہ کرتا ہے ویسی ہی محبت اس کے ماں باپ کو بھی بنیہ سے ہو جائے، بنیہ اس کے گھر اس کی فیملی کا حصہ بن جائے اس کے جانے کے دو سال بعد پوری ہو گئی تھی۔

عباد کی دوسری برسی کا وہ دن ان تینوں نے ایک ساتھ گزارا تھا، عباد کے کمرے میں۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے، قرآن پاک کی تلاوت کرتے، وہ تینوں روئے بھی تھے اور ایک دوسرے کو سنبھالا بھی تھا۔ اس کی اس برسی کے دن ہی اس نے وہ تصویر اپنے سامان سے نکالی تھی۔

"پاپا! عالی چاہتا تھا۔"

"مجھے پتا ہے وہ کیا چاہتا تھا۔"

ان کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں اس تصویر کو دیکھ کر اس کی بات پوری ہونے سے قبل انہوں نے وہ تصویر اس کے ہاتھوں سے لے لی تھی اور خود اپنے ہاتھوں سے اسے لاؤنج میں سب سے نمایاں جگہ پر لگا دیا تھا۔ عذیر فاروق، ہاجرہ، عذیر، بنیہ، عباد، عباد عذیر کی فیملی my family عباد عذیر کی فیملی آج اکٹھی تھی۔ تصویر میں بھی اور اس کے گھر میں بھی۔ عباد کی برسی کا چوتھا دن ان کی سالگرہ کا تھا۔ پچھلے دو سالوں میں بھی یہ دن آیا تھا، بہت آنسو ساتھ لایا تھا انہیں رلاتا ہوا آیا اور رلاتا ہوا ہی گیا تھا۔ مگر آج اس دن کی صبح آنسوؤں کے ساتھ نہ ہو سکی تھی۔

وہ ان کے فجر کی نماز کے لیے گھر سے نکلنے سے پہلے ان کے کمرے میں آ گئی تھی۔ دستک پر وہ اور ہاجرہ دونوں چونکے تھے۔ ہاجرہ جائے نماز بچھائے تہجد کی نماز پڑھ رہی تھیں اور وہ وضو کر کے ابھی ابھی باتھ روم سے آئے تھے۔ ہاتھوں میں پھولوں کا بہت خوبصورت سا گلدستہ اور ایک کیک لیے، مسکراتی ہوئی وہ ان کے کمرے میں آئی ہوئی تھی۔ وہ بالکل عالی کی طرح ان کے کمرے میں آئی تھی ان کی سالگرہ کے دن صبح صبح۔ وہ جاتے جاتے اس لڑکی کو کیا کیا کچھ بتا گیا تھا۔ ان کے بیٹے کی سی [illegible] والی یہ پیاری پیاری ادائیں اس میں پہلے سے تھیں یا اس کے ساتھ نے عطا کر دی تھیں، وہ جانتے نہ تھے وہ کبھی اس سے ملے نہ تھے، جو جان پاتے۔

وہ تو اسے آج جانتے تھے اور وہ لڑکی ان کے عالی [illegible] تھی، ہو بہو اس کی سی عادتیں، اس کا سا مزاج، ان کی طرح ان پر جان چھڑکتا اس کا انداز۔ وہ انہیں اتنی عزیز بھی اس لیے تھی کہ اس میں انہیں عالی دکھتا تھا۔ اسے دیکھ کر دل محبت سے بھر جاتا تھا۔ وہ انہیں اتنی عزیز اتنی پیاری تھی کہ جیسے ان کی اپنی سگی بیٹی۔ رشتہ بہو کا تھا مگر دل سے وہ ان کی بیٹی تھی۔ اس لڑکی کے ساتھ ان کا یہ رشتہ ان کے [illegible] نے جوڑا تھا اس نے قائم کیا تھا۔

بنیہ کا ان سے رشتہ ان کے عالی نے جوڑا تھا [illegible] باپ کی اتنا فکر کرنے والا ان سے اتنی محبت کرنے والا [illegible] نے دنیا سے جاتے جاتے بھی ماں، باپ کی کتنی فکر کی ان کی تنہائی کا کیسا خیال تھا، تب ہی تو بنیہ کے ساتھ یوں "انا" "فانا" رشتہ جوڑ گیا تھا۔

انہیں ایسا لگتا تھا جیسے عالی کے اندر کسی نے [illegible] یہ بیر [illegible] دی تھی کہ وہ دنیا سے رخصت ہونے [illegible] ہے اور اس کے جانے کے بعد اس کے والدین بالکل تنہا رہ جائیں گے۔ بنیہ کی دادی تو شاید ایک بہانہ ایک وسیلہ تھیں۔ اگر آج بنیہ ان کی زندگی میں نہ ہوتی تو ان [illegible] کے ان [illegible] کا [illegible] عالی کی جانب سے انہیں دیا جانے والا [illegible] سب سے قیمتی اور سب سے انمول تحفہ تھی۔ ان کی سالگرہ کے دن انہیں بیٹے کی جانب سے یہ تحفہ ملا تھا۔ دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اپنے بابا کو تحفہ دینا [illegible] تھا۔

وہ ان کے لیے "ہیپی برتھ ڈے ٹو پاپا" گا رہی تھی۔ آگے بڑھ کر اس کے پاس آئے۔ انہوں نے فرط محبت اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"آپ کو پتا ہے آپ بہت پیاری بیٹی ہیں۔" اس نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔

"کیسے پتا چلا؟" انہوں نے شرارت سے پوچھا۔

"ابھی ابھی تو آپ نے بتایا ہے پاپا!" وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

جائے نماز پر بیٹھی ان دونوں کو دیکھتی ہاجرہ بھی بے ساختہ مسکرائی تھیں۔ اس نے پھول ان کے ہاتھ میں پکڑائے اور پھر کیک کی جانب اشارہ کیا۔

"کیک کاٹیں پاپا!" انہوں نے کیک کا ایک چھوٹا سا پیس کاٹ کر اس کی طرف بڑھایا۔

"پہلے مما کو۔" وہ دونوں کیک پورا کا پورا اٹھا کر ہاجرہ کے پاس ہی آ گئے تھے۔ اور ان کے پاس کارپٹ پر بیٹھ گئے تھے۔

"آج اپنی سالگرہ کی خوشی میں آپ مجھے اور مما کو ٹریٹ دے رہے ہیں، وہ بھی ہماری پسند کی جگہ پر۔"

"لیکن آج تو بہت اہم میٹنگ ہے اور پھر۔۔"

"جب اس نے کہہ دیا ٹریٹ تو پھر بس اب صرف ٹریٹ ہی ہو گی باقی سب کام بعد میں۔" ان کی بات کاٹ کر ہاجرہ [illegible] سے بولی تھیں۔

وہ غالباً ان کا یہی قطعیت بھرا لہجہ سننا چاہ رہے تھے، تب ہی بے ساختہ کھل کر مسکرائے تھے، ورنہ ان کے لیے بھی کون سی میٹنگ تھی جو بنیہ سے زیادہ اہم ہو سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ [illegible] آفس میں تھے۔ بلگرامی صاحب کے ساتھ ایک نئے پروجیکٹ کے متعلق [illegible] ڈسکشن چل رہی تھی۔ گفتگو میں پوری طرح مگن تھے جب [illegible] کے [illegible] از کی [illegible]

"سر! میں اندر آ سکتی ہوں؟" لبوں پر شرارتی مسکان لیے وہ دروازے پہ کھڑی تھی۔

لہجہ بھی عالی کا تھا اور جملہ بھی عالی کا۔ ان کے ساتھ ساتھ بلگرامی صاحب بھی اس جملے پر پہلے چونکے اور پھر بے اختیار مسکرائے تھے۔ وہ عباد عذیر کی بیوی ہے، وہ عذیر فاروق کی بہو ہے، دفتر میں اب کون تھا جو یہ بات نہ جانتا تھا۔ وہ عباد ہی کی طرح دفتر میں انہیں شرارتی انداز میں "سر" اور گھر پر پاپا کہا کرتی تھی۔

وہ اس کے "سر" کہنے پر مسکراتے خوشگوار انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔ یہ بات خود بھی ہرگز نہیں بھولے تھے مگر جانتے تھے اس وقت وہ انہیں یہ یاد دلانے آئی تھی کہ آج انہوں نے اسے اور ہاجرہ کو لنچ باہر کروانے کا وعدہ کر رکھا ہے، اپنی سالگرہ پر ٹریٹ دینے کا وعدہ کر رکھا ہے۔

انہوں نے بلگرامی صاحب کی طرف معذرت خواہانہ نظروں سے دیکھا کہ اب اس ڈسکشن کو کل تک مؤخر کرنا تھا، چونکہ بنیہ نے یہی طے کیا تھا کہ آج وہ لنچ ٹائم تک ہی آفس میں رکیں گے۔ انہیں ہاجرہ کو گھر سے پک کرنا تھا۔ وہ دونوں گھر پہنچے تو ہاجرہ، بنیہ کا منتخب کردہ لباس پہنے ان لوگوں کا انتظار کر رہی تھیں۔

انہیں گھر سے لے کر اب وہ لوگ بنیہ کی پسند کے ریسٹورنٹ کھانا کھانے جا رہے تھے۔ ہاجرہ اس سے آفس میں اس کا دن کیسا گزرا اس بابت پوچھنے لگیں۔

"بس ٹھیک گزرا۔ میرے ظالم باس نے آج کل مجھ پر کاموں کا اتنا لوڈ ڈال رکھا ہے۔" اس نے شرارتی نگاہوں سے عذیر فاروق کو دیکھا۔ "سوچ رہی ہوں، ان کی جاب چھوڑ دوں کوئی دوسری فرم جوائن کر لوں۔"

ہاجرہ اس کی بات سن کر مسکرائیں۔

"بالکل ٹھیک سوچ رہی ہیں آپ۔ جاب چھوڑیں گی تب ہی آپ کے ظالم باس کو پتا چلے گا کہ کیسا بے مثال ٹیلنٹ انہوں نے گنوایا ہے۔"

عذیر فاروق نے سنجیدگی سے اس کی تائید کی۔ وہ پچھلی نشست پر قدرے آگے ہو کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی بچکانہ باتوں اور انداز پر وہ دونوں مسکرا رہے تھے۔ وہ جس طرح راستے میں شور مچاتی ہوئی آئی تھی، اسی طرح اس نے ریسٹورنٹ میں آ کر بھی شور مچا رکھا تھا۔ بچکانہ انداز میں پتا نہیں اس نے کیا کیا آرڈر کر ڈالا تھا۔ وہ کھا کم رہی تھی، شور زیادہ کر رہی تھی۔

وہ تینوں آپس میں بڑے مگن تھے، جب ان کے قریب "السلام علیکم" کی آواز گونجی۔ گفتگو روک کر ان تینوں نے سر اٹھا کر عدیل کو دیکھا جو ان لوگوں کے پاس کھڑا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" ہاجرہ اور عذیر فاروق نے بیک وقت اسے جواب دیا تھا۔

"آ جاؤ تم بھی ہم لوگوں کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔" عذیر فاروق بولے۔

"ویسے تو میں کچھ اور لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے آیا تھا، لیکن اب آپ اصرار کر رہے ہیں انکل! تو تھوڑا بہت آپ لوگوں کے ساتھ بھی چکھ لیتا ہوں۔ ویسے بھی ہمارا لنچ سرو ہونے میں ابھی ٹائم لگے گا۔"

وہ جن کے ساتھ آیا تھا' انہیں ہاتھ کے اشارے سے کچھ دیر بعد آنے کا بولتے' بلا تکلف ان کی میز پر بیٹھ گیا۔

"یہ مٹن کڑاہی کیا تم اکیلی کھاؤ گی؟ تھوڑی سی مجھے بھی چکھاؤ۔"

وہ بنینہ سے مخاطب ہوا' جس کے سامنے مٹن کڑاہی رکھی تھی۔

دو روز پہلے اس کی عذیر فاروق سے فون پر بات ہوئی تھی اور وہ جانتا تھا کہ بنینہ کی ساری سچائی عذیر فاروق اور ہاجرہ کے سامنے ظاہر ہو چکی ہے۔ عباد کے ہاں دعوت میں بنینہ دیکھ چکی تھی کہ عدیل کھانے پینے کا بہت شوقین ہے اور اسے چاول خاص طور پر بے حد مرغوب ہیں۔ سو اس نے چاولوں کی ڈش بھی اٹھا کر عدیل کے سامنے رکھ دی۔

"پچھلے دنوں میں دبئی ایک کام سے گیا' وہاں حیف ملا تھا۔" اس نے بنینہ کو بتایا۔

"کیسا ہے وہ؟"

"مزے میں ہے۔ شادی کرلی ہے اس نے' ایک بیٹی بھی ہے۔ وہیں دبئی میں جاب کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر عالی کی باتیں کرنا بہت اچھا لگا تھا۔ کسی سے آپ بہت محبت کرتے ہوں اور کوئی دوسرا بھی آپ ہی کی طرح اس سے اتنی محبت کرتا ہو' پھر ایسے شخص سے باتیں کرنے میں بہت مزا آتا ہے۔"

عذیر فاروق نے نظریں اٹھا کر اپنے بیٹے کے اس دوست کو بہت پیار سے دیکھا' جس کی یادوں میں وہ آج بھی زندہ تھا۔

"کل صبح کی فلائٹ ہے میری۔ ایئرپورٹ جانے سے پہلے آپ لوگوں سے ملتا ہوا جاؤں گا۔"

وہ جس طرح دو چار دنوں کے لیے آنے پر ان لوگوں سے ملتا ضرور تھا' اسی طرح واپس جاتے وقت ہمیشہ گھر سے ایئرپورٹ کے لیے نکلنے کے بعد پہلے ان کے گھر آکر ان سے اور ہاجرہ سے ملتا' ان کی دعائیں لیتا۔ اور پھر ایئرپورٹ روانہ ہوتا تھا۔

عالی کی زندگی میں وہ بڑا لاابالی اور لاپروا لڑکا تھا' عالی کے بچپن کا اور سب سے خاص دوست' مگر اس کی عادات عالی سے بہت مختلف تھیں۔ عالی کی طرح چھوٹی چھوٹی چیزوں اور باتوں کا دھیان رکھنا جیسے اسے آتا ہی نہ تھا' مگر اب اس کے جانے کے بعد اتنا ذمہ دار اور اتنی پروا کرنے والا ہو گیا تھا کہ پاکستان آنے پر پابندی سے ان سے ملنے کے ساتھ وہاں سے بھی گاہے گاہے انہیں اور ہاجرہ کو فون کر کے ان لوگوں کی خیریت معلوم کرتا رہتا تھا۔ عید' تہوار یا کسی بھی اور موقع پر وہ ان دونوں کو ہرگز نہ بھولتا تھا۔ اس نے اپنی لاپروائی اور غیر ذمہ داری جیسے عالی کے ساتھ ہی رخصت کردی تھی۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروا کرنے والا بہت ذمہ دار میچور لڑکا بن گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"بابا!" ان کے بالکل نزدیک یہ آواز ابھری تھی۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ ان کے بالکل نزدیک کھڑا تھا۔

"عالی!" وہ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھنے لگے۔

"اونہوں' اٹھیں نہیں۔ آپ کو ڈسٹرب کرنے تھوڑی آیا ہوں۔ آپ لیٹے رہیں۔ میں یہاں آپ کے پاس بیٹھ جاتا ہوں۔"

اس نے اپنے دونوں ہاتھ ان کے شانوں پر رکھ کر انہیں اٹھنے سے روک دیا تھا۔ وہ ان کے بالکل پاس ان کے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔ وہ والہانہ پن سے ان کے ہاتھوں کو چوم رہا تھا۔

"ہنی کو تم نے بھیجا ہے نا عالی! ہمارے پاس؟" سر اثبات میں ہلاتا وہ ان کے ہاتھوں کو چومتا رہا۔

"بابا! بنینہ اچھی ہے نا؟"

"صرف اچھی نہیں بہت اچھی ہے۔ میرے بیٹے کی پسند' اس کا انتخاب' اس کی محبت' ایسی ہی لڑکی ہو سکتی تھی۔" انہوں نے لیٹے لیٹے ہی اسے اپنے نزدیک کرلیا' انہوں نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"مجھے پتا تھا بابا! جب وہ آپ کے پاس آئے گی تو آپ کو بہت پسند آئے گی۔ اس کا خیال رکھیے گا بابا! وہ پاگل لڑکی مجھ سے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت کرتی ہے۔" وہ ان کے سینے پہ سر رکھے رکھے بولا۔

"میں اس کا بہت خیال رکھوں گا عالی! تم اس کی ذرا بھی فکر مت کرنا۔ سمجھو وہ اپنے گھر آگئی ہے' اپنے ماں باپ کے پاس آگئی ہے۔ جتنی محبت میں تم سے کرتا ہوں نا عالی! اب اتنی ہی اس سے بھی کرتا ہوں۔ جس طرح دنیا کی ہر بہترین چیز تمہارے لیے چاہتا تھا' ایسے ہی اب اس کے لیے چاہتا ہوں۔"

وہ اس کے سر پہ اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے رہے۔

"عالی! اب خوش ہونا! ہنی اپنے گھر اپنے سسرال آگئی ہے' میرے اور تمہاری مما کے پاس آگئی ہے؟"

"بہت خوش ہوں بابا! آپ تینوں کو ایک ساتھ دیکھ کر میں بہت خوش ہوں۔"

انہوں نے اسے بھینچ کر اپنے مزید قریب کرلیا تھا۔

"عالی! بہت یاد آتے ہو بیٹا!"

"مجھے بھی آپ بہت یاد آتے ہیں بابا!"

"عالی! میں بہت جلد تم سے ملوں گا' جہاں تم ہو وہاں میں بھی آؤں گا۔ ابھی مجھے تمہاری ماں کا خیال رکھنا ہے مجھے کچھ ہوا تو وہ تنہا ہو جائے گی اور بنینہ...... سسر نہیں باپ ہوں اس کا' اس کے لیے بھی تو اب خوشیاں مجھ ہی کو ڈھونڈنی ہیں نا بیٹا؟"

"ہاں بابا! مما اور ہنی کے لیے خوشیاں ڈھونڈ لائیے' بہت ساری خوشیاں۔ میں آپ تینوں کو ہمیشہ بہت خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ مدھم آواز میں بولا۔ وہ ان کے سینے پر سر رکھ کر ان سے باتیں کر رہا تھا' وہ اسے اپنے ساتھ لپٹائے بہت پیار کرتے اس کی باتیں سن رہے تھے۔

ان کی آنکھ کھلی تو عالی ان کے پاس نہ تھا۔ ان کے برابر میں ہاجرہ سو رہی تھیں۔ وہ بڑی آہستگی سے بستر سے اٹھے۔ وہ بے آواز دبے پاؤں چلتے بالکونی میں آگئے۔ عالی آج ان کے خواب میں آیا تھا۔ جس دن سے بنینہ نے عالی کی ادھوری کہانی انہیں سنائی تھی' وہ اس دن سے اب تک ہر رات خواب میں اپنے عالی سے ملا کرتے تھے۔ وہ عالی کی خواب میں کی باتوں کو آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ ذہن اور دل میں دہرا رہے تھے۔ عالی کی پیاری آواز ان کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ قطرہ قطرہ اشک ان کی آنکھوں سے گرتے ان کے رخساروں اور گریبان کو بھگوتے چلے جارہے تھے۔

لاؤنج کے باہر سیڑھیوں پر انہیں کوئی بیٹھا نظر آرہا تھا۔ اس مدھم روشنی میں بھی وہ پہچان گئے تھے وہ بنینہ تھی۔

☆ ☆ ☆

تجھے کیا خبر ہے کہ رات بھر
تجھے دیکھ پانے کو اک نظر
رہا ساتھ چاند کے منتظر
تری کھڑکیوں سے ادھر کوئی
سرِ شاخِ جاں ترے نام کا

عجب ایک تازہ گلاب تھا
جسے آندھیوں سے خطرہ نہ تھا
جسے تھا خزاں سے نہ ڈر کوئی

وہ نماز پڑھ کے اٹھی تو بجائے اپنے کمرے میں جانے کے باہر آگئی۔ عجیب حیرت انگیز بات تھی' اب اسے رات گیارہ بجے کے ساتھ اپنے کمرے میں جانے کی جلدی نہ ہوتی تھی۔ جس روز سے اس نے اپنی سچائی عذیر فاروق اور ہاجرہ پر ظاہر کی تھی۔ تب سے اس کی یہ کیفیت تھی۔ دن دنیا کے لیے اور راتیں عالی کے لیے' یہ کیفیت اسی روز اچانک ختم ہو گئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے یہ واقعی اس کی دوسری زندگی تھی جو عذیر فاروق اور ہاجرہ عذیر کے ساتھ اپنے عالی کے مما' پاپا کے ساتھ اس نے نئے سرے سے شروع کی تھی۔ اس کی نئی زندگی جو شروع ہی ان دو لوگوں کے ملنے سے ہوئی تھی۔ بس صرف وہ بنینہ عباد تھی' عباد عذیر کی محبت' اس کی بیوہ ورنہ باقی یہ زندگی اور یہ دنیا اس کی پچھلی زندگی اور دنیا سے بالکل الگ تھی' دوسری تھی۔ اپنی اس دوسری زندگی میں اسے اپنے مما' پاپا کے سوا کچھ سوجھتا نہ تھا' وہ صرف عالی کے نہیں اس کے بھی مما' پاپا تھے۔ انہیں خوشی دینے کے علاوہ اب اسے کسی بات کا دھیان نہ آتا تھا۔ اس کا دل اس بات پر ٹھہر چکا تھا' قرار پا چکا تھا کہ اپنی اس نئی زندگی میں اسے ابھی بہت سال اس دنیا میں گزارنے تھے' ابھی عالی سے ملنے کے لیے اسے بہت لمبا' بے حد طویل انتظار کرنا تھا۔

وہ لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔

اس نے عالی کے ٹراؤزر اور ٹی شرٹ کے اوپر سیاہ رنگ کی ایک بڑی سی شال اپنے گرد لپیٹ رکھی تھی۔ نرم نرم سی ٹھنڈی ہوا اسے سکون پہنچا رہی تھی۔ وہ آسمان کو تکتی ستاروں کو دیکھتی اور لاؤنج کے باہر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی تھی۔ رات کے اس پہر' اس خاموشی' اس سناٹے میں آسمان کو دیکھنا' آسمان پر چمکتے ستاروں میں سب سے روشن ستارہ تلاش کرنا اسے اچھا لگ رہا تھا۔ اسے وہ ستارہ نظر آگیا تھا۔ اس نے ستون سے ٹیک لگائی اور اس ستارے پر اپنی نگاہیں جمادیں۔

"آج ہم نے پاپا کی سالگرہ منائی عالی! میں نے مما کو زبردستی اپنی پسند کا ڈریس پہنوایا' پاپا سے زبردست سی ڈیٹ لی۔ ہم نے پاپا کی سالگرہ بھرپور انداز میں سیلیبریٹ کی۔ اور عالی! میں نے صبح صبح پاپا کو ان کے

کمرے میں جاکر بالکل تمہاری طرح وش بھی کیا۔ تمہیں یاد کرکے ان کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے، مما کی آنکھوں سے بھی آنسو گر رہے تھے، مگر وہ دونوں میری خاطر خوش بھی ہو رہے تھے اور ہنس بھی رہے تھے۔"

اس روشن ستارے پر نگاہیں مرکوز کیے کیے اس نے اپنی آنکھیں بند کرلی تھیں۔ وہ دل کی آنکھوں سے اسے اپنے سامنے دیکھ رہی تھی۔ اسے محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس کی باتیں سن کر مسکرا رہا تھا۔

"جو کام تم ادھورے چھوڑ گئے تھے میں نے وہ سب پورے کردیے۔ اب تو تم خوش ہو نا عالی؟" وہ سر اقرار میں ہلا رہا تھا۔

"تمہاری بائی فیملی والی تصویر پتا ہے سب کو کتنی اچھی لگتی ہے۔ مما، پاپا محویت سے اس تصویر کو گھنٹوں دیکھتے رہتے ہیں۔ کوئی مہمان آتا ہے تو وہ بھی اسے بڑے غور سے دیکھتا ہے۔ پاپا نے وہ لگائی ہی ایسی جگہ ہے کہ اسے نظر انداز کیا ہی نہیں جاسکتا۔ عدیل آیا تو اس نے بھی اس تصویر کی تعریف کی تھی، آج انوشہ آئی تو اس نے بھی بے ساختہ اس تصویر کو سراہا تھا۔"

"کیا ہوا بیٹا! نیند نہیں آرہی؟"

اس کے بالکل قریب آواز ابھری۔ اسے اپنی محویت میں ان کے آنے کی خبر نہ ہوئی تھی۔ اس نے فوراً آنکھیں کھولیں۔

"تین بج رہے ہیں، نیند نہیں آرہی کیا؟"

"یہاں اس وقت بیٹھنا اچھا لگ رہا ہے پاپا!" اس نے مسکرا کر انہیں جواب دیا۔ وہ سیڑھی پر اس کے برابر بیٹھ گئے۔ وہ پھر آسمان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"پاپا! آپ کو رات کی خاموشی میں ستاروں کو دیکھنا کیسا لگتا ہے؟"

"اچھا۔"

"پاپا! آپ کو کبھی کسی ستارے میں عالی نظر آتا ہے؟" اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بہت آہستہ آواز میں ان سے پوچھا۔

"مجھے وہ ہر جگہ نظر آتا ہے بیٹا! چاند میں، ستاروں میں، ہواؤں میں، رات کی تاریکیوں میں، دن کے اجالوں میں، تمہاری آنکھوں میں، تم میں۔" اس کی طرف دیکھتے انہوں نے مدھم آواز میں کہا۔

"اور جب وہ مجھے تم میں نظر آتا ہے تو سب سے زیادہ پیارا لگتا ہے۔" انہوں نے اس کے شانے کے گرد ہاتھ رکھا۔

"میں تمہاری آنکھوں میں دیکھتا ہوں نا بیٹا! تو وہاں مجھے عالی کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آتا ہے۔"

ان کی آواز بے حد مدھم تھی، اور لہجہ ریشم جیسا نرم۔ اس نے آسمان پر چمکتے اس روشن ستارے پر پھر اپنی نظریں جمادی تھیں۔ اس نے آہستگی سے پھر اپنی آنکھیں بند کرلی تھیں۔ وہ پھر اپنے سامنے اسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کے شانے کے گرد ہاتھ پھیلائے وہ اسے پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ اس میں اپنے عالی کو دیکھ رہے تھے۔

وہ ان کا بہت پیارا بیٹا انہیں جینے کا ایک مقصد دے گیا تھا۔ وہ بہو کی صورت انہیں ایک بیٹی، ایک خوبصورت رشتہ، زندگی گزارنے کا ایک مقصد، ایک وجہ دے گیا تھا۔ وہ دو سالوں سے صبح اٹھتے تھے، آفس جاتے تھے، رات کو سوتے تھے، مگر پتا نہیں تھا کہ یہ سب کس کے لیے اور کیوں کررہے ہیں۔ وہ زندگی کیوں جی رہے ہیں؟ یہ آفس، یہ کاروبار، یہ گھر، یہ زندگی کس کے لیے تھی۔ ان سب کی ضرورت کیا تھی۔ مگر اب وہ رات میں سوتے ہوئے لیٹتے تو انہیں پتا ہوتا تھا انہیں صبح اپنی بیٹی کے لیے، بنیہ کے لیے اٹھنا ہے۔ وہ صبح زندگی کو نئے سرے سے شروع کرتے تو ... اب انہیں اور ہاجرہ کو زندہ رہنا ہے، بنیہ کے لیے، وہ ان کے بیٹے کا ان کے لیے چھوڑا ہوا آخری، نایاب اور واحد رشتہ تھی۔ اب انہیں اس ایک رشتے کے لیے، بنیہ کے لیے زندگی جینی تھی۔ بنیہ کے لیے خوشیاں ... تھا۔

... دن کی اس کی شادی شدہ زندگی اور پھر یہ بیوگی۔ یہ نصیب نہیں ہوسکتی تھی ان کی اس بہت پیاری اتنی کم عمر بہو کا۔

آج انہوں نے اسے انوشہ سے باتیں کرتے ہوئے سنا تھا۔ وہ انوشہ کا دل عباد کی طرف سے صاف کرنا چاہ رہی تھی۔ انوشہ جو اپنی شادی شدہ زندگی میں بہت خوش تھی، مگن تھی، اسے اس کی فکر تھی۔ اس لڑکی کو ... جیسے وہ سوچ ہی نہیں رہی تھی کہ سب اپنی اپنی زندگیوں میں مگن ہیں، خوش ہیں، نقصان اگر کسی کا ہوا ہے، زندگی کسی کی اجڑی ہے تو وہ، وہ خود ہے۔ اس کم عمر لڑکی کے سر پر بیوگی کی یہ چادر ... اس بیٹی نے۔ مگر اس کی فکر کرنے کو وہ اور ہاجرہ موجود ہیں۔ عالی جاتے جاتے انہیں اس بہو، اس بیٹی کی یہ بہت بڑی ذمہ داری سونپ گیا ہے۔ اور وہ اس کی زندگی کو یوں اجاڑ اور ویران تو ہرگز نہ رہنے دیں گے۔ وہ ان کے عالی سے بہت پیار کرتی ہے، اس سے کوئی نہیں کہہ رہا کہ وہ عالی سے محبت کرنا چھوڑ دے، مگر عالی سے محبت کرتے وہ اپنے دل میں کسی اور کے لیے بھی تو تھوڑی سی جگہ بنا سکتی ہے۔

وہ اپنی اس بیٹی کے لیے ڈھونڈ کر لائیں گے کسی ایسے بہت اچھے شخص کو جو ان کے عالی ہی کی طرح اسے پیار کرسکے۔ بنیہ کے لیے عباد جیسا تو پوری دنیا میں دوسرا کوئی شخص نہیں ہوسکتا، مگر اس پوری کائنات میں کوئی ایک شخص تو ایسا ہوگا نا، اللہ نے ضرور بنایا ہوگا جو اس کی زندگی میں پھر سے خوشیوں کو لائے گا، اس کے سر سے بیوگی کی یہ چادر ہٹا کر اسے سہاگ کا سرخ جوڑا پہنائے گا، محبتوں کا مان اس کے دل میں پھر بسائے گا، جو اس کے دل سے عالی کو نکالنے کی کوشش نہیں کرے گا بلکہ عباد کے ساتھ ہی اس کے دل میں اپنے لیے بھی جگہ بنالے۔

عباد نے انہیں یہ ذمہ داری سونپی ہے اور وہ اپنی اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھائیں گے۔

اب یہی ان کا مقصد حیات تھا۔ وہ آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھ رہی تھی اور وہ پدرانہ شفقت سے اسے دیکھتے دل میں اللہ سے دعا مانگ رہے تھے کہ جو ان کے عالی کی طرح اس کو بہت پیار کرے، ایسے ایک شخص کو وہ جلد از جلد ان لوگوں سے ملا دے۔ دور کہیں سے اذانوں کی آواز ... انہیں احساس ہوا بنیہ کو ستاروں کو دیکھتے اور انہیں ... ایک ہی دعا کو دہراتے کئی گھنٹے گزر چکے ہیں۔ ان کے گیٹ پر کوئی گاڑی آکر رکی تھی۔

چوکیدار نے دروازہ کھولا تھا۔ انہوں نے اس اندر آنے والے کی طرف دیکھا۔ وہ عدیل تھا۔ ائیرپورٹ جانے سے پہلے انہیں خدا حافظ کہنے کے لیے آیا عدیل سفیان۔

"کسی سے آپ بہت محبت کرتے ہوں اور کوئی دوسرا بھی آپ ہی کی طرح اس سے محبت کرتا ہو پھر ایسے شخص سے باتیں کرنے میں بہت مزا آتا ہے۔"

عدیل کی آج ریسٹورنٹ میں کہی باتیں ان کی سماعتوں میں گونجیں۔ ان کا عالی، عدیل کے لیے اتنا ہی اہم تھا جتنا اہم وہ ان کے اور ہاجرہ کے لیے تھا، بنیہ کے لیے تھا۔ وہ ان کے عالی سے بہت پیار کرتا ہے۔ اور وہ بنیہ کی بہت عزت کرتا ہے، اس کی بہت قدر کرتا ہے۔ انہیں یاد آیا دو روز قبل فون پر بات ہوتے ہوئے عدیل نے ان سے بنیہ کی کس قدر سچے لہجے میں تعریف کی تھی۔

"عالی خوش قسمت تھا انکل! یقین کریں وہ بہت خوش قسمت تھا، اسے بنیہ جیسی لڑکی کی محبت اللہ نے عطا کی تھی۔ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر یہاں آپ لوگوں کے پاس آگئی، میں جتنا سوچتا ہوں مجھے عالی کی پسند پر اتنا ہی فخر ہوتا ہے۔"

ان کی قریب ترین مسجد میں اذان شروع ہوچکی تھی۔ اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہورہی تھیں۔ مؤذن کی پر تاثیر اور خوبصورت آواز سنتے وہ عدیل کو لمحہ بہ لمحہ نزدیک آتے دیکھ رہے تھے۔

ان کے ذہن میں ایک نیا، ایک بے حد خوبصورت خیال ابھر رہا تھا۔ انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے ان کی صدق دل سے مانگی دعا اللہ نے فوراً ہی قبول کرلی ہو۔

عید الاضحی کا تحفہ

کھانا خزانہ

سنجیو کپور کا نیا ایڈیشن
جس میں گوشت کے پکوانوں
کی 25 لذیذ ترکیبیں
20 خوبصورت رنگین تصاویر
نئے ایڈیشن میں -/25 روپے کی خصوصی رعایت
نئی قیمت -/225 روپے ڈاک خرچ -/25 روپے
آج ہی منی آرڈر یا ڈرافٹ ارسال فرمائیں۔
منگوانے کا پتا:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی۔
فون: 2216361